اتحاف القاری

شرح

شرح السنہ للامام البربہاری

تالیف

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ

پہلا حصہ

مترجم:

حافظ عبدالتواب محمدی

مراجعہ:

ڈ/ اجمل منظور المدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ برائے ناشر

إنَّ الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيّئات أعمالنا، من يهده الله فلا مُضلَّ له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد ألاَّ إله إلاَّ الله وحده لا شريك له، وأشهد أنَّ محمَّدًا عبده ورسوله.

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلاَ تَمُوتُنَّ إِلاَّ وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران: ١٠٢].

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ [النساء: ١].

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيدًا. يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ [الأحزاب: ٧٠-٧١].

وبعد: فإنَّ أصدق الحديث كلامُ الله، وخيرَ الهدى هديُ محمَّدٍ صلَّى الله عليه وسلَّم، وشرَّ الأمور محدثاتها، وكلَّ محدثة بدعة، وكلَّ بدعة ضلالة، وكلَّ ضلالة في النار. وبعد:

عقیدہ صحیحہ کا سیکھنا سب سے بڑا واجب ہے اسی لئے ایک مسلمان کو اسکا سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیئے، کیونکہ قبولیت اعمال عقیدے کی صحت پر موقوف ہے، بطور خاص موجودہ پرفتن دور میں کہ جہاں ہر چہار جانب نفس پرستی کا عالم ہے، گمراہ فرقوں کا دور دورہ ہے، باطل پرستوں کا غلغلہ ہے، اعدائے دین مسلمانوں پر ہر جانب سے چلے پڑے ہیں، دین کی عمدگی کو گھٹیا صورت میں بدل دینا چاہتے ہیں تا کہ لوگ خالق حقیقی سے منہ موڑ کر مخلوق کے آستانوں پر سربسجود ہو جائیں، بدعت کی تاریکی کی خاطر سنت کے اجالے کو ترک کر دیں، ہدایت سے نکل کر گمراہیوں میں بھٹکنے لگیں، سعادت مندی چھوڑ کر شقاوت کی کھائی میں چلے جائیں، والعیاذ باللہ۔

امت محمدیہ پر اللہ کی یہ رحمت اور اسکا فضل و کرم رہا ہے کہ قرون اولی ہی سے ائمہ اور علماء کو بھیجتا رہا ہے جنہوں نے عقیدہ اہل سنت والجماعہ کی وضاحت کی ہے اور اسکے مخالف عقائد و مناہج سے آگاہ کرتے رہے ہیں، منہج سلف کے مخالفت کرنے والوں پر رد کرتے رہے ہیں، انہیں ائمہ اہل سنت والجماعہ میں جنہوں نے عقیدہ و منہج کے دفاع میں اپنی زندگی گزار دی، ناصر سنت، قامع اہل بدعت، امام اور مجاہد ابو محمد حسن بن علی البربہاری رحمہ اللہ متوفی ۳۲۹ھ بھی ہیں، جنہوں نے دین اسلام کے دفاع میں اپنی عزیز ترین چیزوں کی قربانی دے دی اور سخت ترین آزمائش میں ڈالے گئے، اور دین و منہج کو اپنی تمام چیزوں پر ترجیح دی یہاں تک کہ اسی راہ میں آپ نے اپنی جان تک کو پیش کر دیا، چنانچہ آپ نے عقائد باطلہ کے حاملین پر رد کیا، آپ اس قدر عظیم عزم و ہمت کے مالک تھے کہ جس سے بلند و مضبوط پہاڑ بھی متزلزل ہو جائیں، آپ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے، آپ صرف دین اسلام کیلئے مشغول رہتے تھے، اس دین کی سربلندی کی خاطر اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر ہمیشہ تیار رہتے تھے، چنانچہ اللہ نے آپ کے اور آپ کی کتاب کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو ٹھنڈک پہونچائی اور اس دین کو سربلندی عطا کی، اسلام کے جھنڈے کو بلند کیا،

ارشاد باری تعالی ہے:(فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ) ترجمہ: پھر جو جھاگ ہے سو بے کار چلا جاتا ہے اور رہی وہ چیز جو لوگوں کو نفع دیتی ہے، سو زمین میں رہ جاتی ہے۔اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔(الرعد:۱۷)۔

یہی وجہ ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ ہمیشہ سے یہ کتاب علماء کے یہاں کافی مقبول رہی ہے،موجودہ پرفتن دور میں اس کتاب کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے ہمارے شیخ علامہ صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ نے اس کتاب کا خاص اہتمام کیا اور اسکی شرح بڑے ہی آسان زبان میں کردی، جس قدر ممکن ہوا اس کتاب کی عبادت کو واضح طور پر سمجھانے کی کوشش کی ہے،ایک طالب علم کو جتنے بھی اشکالات ہو سکتے ہیں انہیں دور کردی ہے،اور جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان پر رد کیا ہے،اس عمدہ اور نفیس کتاب کی شرح مکمل ہونے کے بعد میں نے شیخ فاضل سے اسے شائع کرنے کی اجازت لی ہے،تاکہ بہترین اور دلکش و دیدہ زیب شکل میں منظر عام پر لایا جائے تاکہ اس شرح سے جس فائدے اور ہدف کی توقع ہے وہ عام ہو،جسکی اجازت شیخ فاضل نے مجھے دے دی ہے،وللہ الحمد۔

*خطة البحث:

اس کتاب پر میں نے اجمالی طور پر تین کام کیا ہے:

پہلا کام: قسم الدراسہ۔

دوسرا کام: کتاب کے نصوص کی تحقیق۔

تیسرا کام: کتاب کے آخر میں ایک علمی فہرست کا اضافہ۔

قسم الدراسہ کو میں نے ایک مقدمہ اور تین مباحث میں تقسیم کیا ہے۔

جہاں تک مقدمے کی بات ہے تو اس کے اندر میں نے توحید کی اہمیت اور شیخ فاضل کی شرح کے اہتمام کرنے کا سبب بیان کیا ہے۔

اور جہاں تک پہلے مبحث کا تعلق ہے تو اس کے اندر امام بربہاری کی مختصر سوانح پیش کی ہے۔

اور جہاں تک دوسرے مبحث کا تعلق ہے تو اس کے اندر میں نے شیخ فاضل صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ کی سوانح حیات پیش کی ہے۔

اور جہاں تک تیسرے مبحث کا تعلق ہے تو اس کے اندر میں نے کتاب شرح السنہ کا معتمد نسخوں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور منہج بحث بھی پیش کی ہے۔

اس کے اندر دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب: کتاب شرح السنہ کا معتمد نسخوں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔

دوسرا مطلب: منہج بحث پیش کی ہے۔

اس شرح سے فراغت کے بعد میں اسے شیخ فاضل صالح بن فوزان الفوزان حفظہ اللہ

پر پیش کیا، آیات واحادیث کی تخریج کے ساتھ علماء کے اقوال کے حوالے دیئے ہیں، شیخ نے جن مناسب ترمیم کو مطالبہ کیا اسے ترمیم کیا، دوسرے نسخوں کے ساتھ اصل کتاب کا مقابلہ کیا ہے، سو میں ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس شرح کے منظر عام پر آنے میں ہماری مدد کی ہے۔

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس کوشش میں برکت عطا فرمائے اور اسے قبول عام فرمائے، ہمارے شیخ فاضل کو ہر خیر کی توفیق بخشے اور امام بربہاری رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے اور ہم سب کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محمد بن فہد الحصین

۲۳/۶/۱۴۲۸ھ/ الریاض

پہلا مبحث:

امام بربہاری رحمہ اللہ کی سوانح حیات

*** نام ونسب:**

امام مجاہد ابو محمد حسن بن علی بن خلف البربہاری۔ اپنے زمانے میں حنابلہ کے بڑے شیخ اور امام تھے، آپ کی نسبت بربہار کی طرف کی جاتی ہے، بربہار ان دواؤں کو کہتے ہیں جنہیں ہندوستان سے منگایا جاتا ہے۔

*** پیدائش اور نشوونما:**

آپ کی پیدائش عباسی خلیفہ معتز باللہ محمد بن خلیفہ متوکل علی اللہ جعفر بن معتصم باللہ کے زمانے میں ۲۵۳ھ کے اندر ہوئی ہے۔

اس وقت حکومت پر ترکوں کی گرفت تھی، وہ جسے چاہتے خلیفہ بناتے اور جسے چاہتے معزول کر دیتے، اور صورت حال ایسے ہی چلتی رہی یہاں تک کہ معتمد علی اللہ کا دور آیا اور اس نے حالات پر قابو پایا۔

اس طرح امام بربہاری رحمہ اللہ کی نشو ونما جس ماحول اور زمانے میں ہوئی ہے وہ سیاسی طور پر گرچہ انارکی اور بدحالی کا شکار تھا مگر علمی طور پر بہت ہی عروج کا دور تھا، اہل سنت والجماعہ ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے، آپ کے زمانے بہت سے معروف ائمہ دین پائے جاتے تھے جن میں امام ابن ماجہ قزوینی، امام ابو داود سجستانی، امام حنبل بن اسحق، امام ابو بکر مروذی، اسحق

بن ابراہیم بن ھانی، ابو بکر خلال اور ابن قتیبہ دینوری وغیرہ ہیں۔

امام بربہاری رحمہ اللہ نے بہت سارے ائمہ اہل سنت والجماعہ کے ساتھ رہ کر اپنا علمی پیاس بجھایا ہے، انہیں میں امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے کئی شاگرد بھی ہیں، جسکا آپ کی زندگی میں بڑا اثر رہا ہے۔

*طلب علم اور اساتذہ:

امام بربہاری رحمہ اللہ طلب علم میں بڑی محنت اور جفاکشی کرتے تھے، علم کے بڑے شوقین اور حریص تھے، امام احمد بن حنبل کے کئی شاگردوں سے آپ نے علم حاصل کیا ہے، ان اساتذہ کے کچھ نام درج ذیل ہیں:

۱- احمد بن محمد بن حجاج ابو بکر مروذی، جو اپنے دور کے امام، قدوہ، فقیہ اور محدث تھے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، بغداد میں سکونت پذیر تھے، آپ کی وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی ہے۔

۲- امام ابو محمد سہل بن عبداللہ بن یونس تستری، آپ بڑے عابد اور زاہد تھے، آپ کی وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی ہے۔

۳- فتح بن شخرف، آپ بھی بڑے عابد اور زاہد تھے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ خراسان میں فتح بن شخرف سے بڑا عالم پیدا ہی نہیں ہوا، آپ کی وفات ۲۸۳ھ میں ہوئی ہے۔

*آپ کا علمی مقام و مرتبہ:

امام بربہاری رحمہ اللہ ایک پروقار امام، حق گو عالم، سنت کے داعی اور متبع حدیث تھے،

مذہب حنبلی کے تمام اصول وفروع سے واقف تھے، خلیفہ وقت کے نزدیک آپ کا بڑا مقام تھا، اہل بدعت اور نفس پرستوں کے خلاف آپ بڑے سخت تھے، ہاتھ اور زبان ہر ایک سے ان بدعتیوں سے نبرد آزما رہتے تھے، آپ کی علمی مجلس میں ہمیشہ حدیث واثر اور فقہ پر باتیں ہوتی رہتی تھیں، حدیث وفقہ کے اکثر ائمہ آپ کی مجلس کی زینت رہتے تھے۔

ابوعبداللہ الفقیہ نے کہا: اگر آپ کسی بغدادی کو دیکھیں کہ وہ ابوالحسن ابن بشار اور ابومحمد حسن بن علی البربہاری سے محبت کرتا ہے تو جان لیں کہ وہ اہل سنت ہے۔

آپ کی مقام ومرتبہ کی شان میں آپ کے شاگرد رشید ابن بطہ رحمہ اللہ نے کہا کہ جب حجاج کرام کو ایک سال گرفتار کرلیا گیا تو میں نے امام بربہاری رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا کہ لوگو! اگر لاکھ دینار کی نئی ضرورت پڑے میں اس موقع پر مدد کیلئے تیار ہوں، لاکھ دینار آپ نے پانچ بار کہا تھا۔ یعنی کل پانچ لاکھ۔

ابن بطہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت بھی پڑتی تو آپ اتنا پیسہ لوگوں سے حاصل کرلیتے۔

آپ بہترین شعر بھی کہتے تھے، آپ کے عمدہ اشعار میں سے یہ بھی ہے:

من قنعت نفسه ببلغتها = اضحی غنیا وظل متبعا

لله در القناعة من خلق = کم من وضیع به ارتفعا

تضیق نفس الفتی اذا افتقرت = ولو تعزی بربه اتسعا

ترجمہ: جو اپنے مقدر رزق پر قانع رہا وہ بڑا ہی غنی اور متبع سنت رہا۔ قناعت کیا ہی عمدہ اخلاق ہے! اس کی وجہ سے کتنے بداخلاق بلند مقام پر پہونچ گئے۔ اگر انسان دل کا غنی نہ ہو تو اس کا نفس گھٹنے لگتا ہے اور اپنے رب سے راضی ہو تو اس کا دل بھی کشادہ ہوتا ہے۔

*** آپ کا زہد وتقوی:**

امام بر بہاری رحمہ اللہ زہد وتقوی میں معروف تھے، چنانچہ ابوالحسن ابن بشار کہتے ہیں کہ امام بر بہاری رحمہ اللہ نے اپنے والد کی میراث میں ستر ہزار درہم سے تنازل کر لیا تھا۔ اور ابن ابی یعلی کہتے ہیں کہ امام بر بہاری رحمہ اللہ دین داری میں بڑے مقام پر فائز تھے۔

*** آپ کے تلامذہ:**

امام بر بہاری رحمہ اللہ سے بہت سارے لوگوں نے علم حاصل کیا اور بہت زیادہ علمی استفادہ کیا، انہیں میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱- امام فقیہ ابوعبداللہ عبداللہ بن محمد عکبری جو ابن بطہ سے معروف ہیں۔

۲- واعظ کبیر امام محمد بن احمد بن اسماعیل بغدادی ابوالحسین بن سمعون۔

۳- احمد بن کامل بن خلف بن شجرہ ابوبکر القاضی۔

۴- امام فقیہ حسین بن عبداللہ بغدادی حنبلی ابوعلی النجاد الصغیر، آپ کی وفات ۳۶۰ھ کے آس پاس ہوئی ہے۔

۵- محمد بن احمد بن صالح بن امام احمد بن حنبل، آپ کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی ہے۔

*** دور ابتلاء اور وفات:**

ابن ابی یعلی نے کہا: امام بر بہاری رحمہ اللہ دین داری میں بڑے مقام پر فائز تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے مخالفین آپ کے خلاف خلیفہ وقت سے شکایتیں کر کے اسے بھڑکاتے رہتے تھے۔ چنانچہ خلیفہ قاہر باللہ اور اسکے وزیر ابن مقلہ کے زمانے میں ایک بار آپ کی گرفتاری کا فرمان جاری ہوا تو آپ چھپ گئے، آپ کے بعد ساتھیوں کو گرفتار کر کے بصرہ بھیج دیا گیا، اللہ نے

ابن مقلہ سے انتقام لیا چنانچہ ایک بار خلیفہ قاہر باللہ اس پر سخت ناراض ہوا یہاں تک کہ وہ بھی بغداد چھوڑنے پر مجبور ہوگیا، خلیفہ نے اسے وزارت سے معزول کر دیا، اس کے گھر کو جلا دیا، اور اسی طرح قاہر باللہ کو بھی ۳۲۲ھ میں گرفتار کر کے معزول کر دیا گیا، اور اسکی آنکھوں میں سلائی پھیر کر جیل میں ڈال دیا گیا، جس سے وہ اندھا ہوگیا، اور ساتھ ہی اللہ نے امام بربہاری رحمہ اللہ پر اپنے فضل و کرم سے نوازا اور آپ کا وقار دوبارہ بحال ہوا، بلکہ پہلے کے مقابلے مزید تزک و احتشام کے ساتھ جلوہ گر ہوئے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ جب ابوعبداللہ بن عرفہ نفطویہ کی وفات ہوئی تو اس وقت بہت سارے ائمہ دین اور امراء دنیا جنازے میں حاضر ہوئے تھے، سب نے امام بربہاری رحمہ اللہ ہی کو جنازہ کی امامت کیلئے آگے بڑھایا، یہ واقعہ صفر ۳۲۳ھ کا ہے۔

اسی سال امام بربہاری رحمہ اللہ کا مقام لوگوں میں بہت بڑھ گیا، آپ کے ساتھی دوسروں پر غالب آگئے، اس وقت آپ بدعتیوں پر کھل کر نکیر کرتے تھے۔

چنانچہ اس وقت بھی بدعتیوں نے خلیفہ وقت راضی باللہ سے آپ کی شکایت کر کے بھڑکانا شروع کر دیا، چنانچہ خلیفہ نے بغداد کے پولس افسر بدر خرشنی سے یہ اعلان کروادیا کہ امام بربہاری کے ساتھیوں میں سے دو لوگ اکٹھا نہیں ہوسکتے، چنانچہ اس وقت بھی آپ چھپ گئے تھے، بغداد کے مغربی دروازے باب محول کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں سے آپ دوبارہ مشرقی دروازے کی طرف منتقل ہوگئے، اور وہیں پر اسی دور خفا ہی میں رجب ۳۲۷ھ میں وفات ہوگئی۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال تھی، اور کہا گیا ہے کہ وفات کے وقت آپ ۷۷/ سال کے تھے۔

دوسرا مبحث:

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی سوانح حیات

* نام ونسب:

فضیلۃ الشیخ صالح فوزان بن عبداللہ الفوزان حفظہ اللہ، آپ کا تعلق شہر شماسیہ سے ہے، آپ قبیلہ دواسر سے ہیں۔

* نشو ونما اور حصول علم:

آپ کی پیدائش ۱۳۵۴ھ میں ہوئی ہے، آپ کے بچپنے ہی میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا، چنانچہ آپ کے خاندان والوں نے آپ کو پالا پوسا، قرآن کی تعلیم اور ابتدائی تعلیم آپ نے امام مسجد سے حاصل کی ہے، وہ ایم اچھے قاری تھے جن کا نام فضیلۃ الشیخ حمود بن سلیمان التلال ہے، جنہوں نے بعد میں چل کر قصیم کے ایک قصبے ضریہ میں قاضی بنا دیئے گئے۔

پھر آپ نے سرکاری اسکول میں داخلہ لے لیا جو ۱۳۶۹ھ میں شماسیہ کے اندر قائم ہوا تھا، بریدہ میں واقع فیصلیہ مدرسے سے آپ نے ۱۳۷۱ھ میں ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ پھر آپ ابتدائی مدرس بنا دیئے گئے، پھر بریدہ کے اندر ۱۳۷۳ھ میں جب معہد علمی کا افتتاح ہوا تو آپ نے اسی میں داخلہ لے لیا، اور وہیں سے آپ ۱۳۷۷ھ میں فارغ ہوئے، پھر اسکے بعد ریاض کے اندر کلیۃ الشریعہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے ۱۳۸۱ھ میں فارغ ہوئے، اس کے بعد آپ نے فقہ کے اندر ماجستیر کی ڈگری حاصل کی پھر اسی کلیۃ میں فقہ ہی کے اندر ڈاکٹریٹ کی ڈگری

حاصل کی۔

*عہدے اور علمی سرگرمیاں:

کلیۃ الشریعہ سے فراغت کے بعد ریاض ہی کے اندر معہد علمی میں آپ مدرس ہو گئے، پھر وہاں سے کلیۃ الشریعہ منتقل کر دیا گیا، پھر وہاں سے کلیہ اصول الدین میں چلے گئے، پھر وہاں سے معہد عالی للقضا میں چلے گئے، پھر وہیں کے مدیر ہو گئے، پھر منصب ادارت کی مدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ تدریسی فریضہ انجام دینے لگے، پھر آپ کو دائمی کمیٹی برائے افتاء اور علمی بحوث کا رکن بنا دیا گیا، اور آج تک آپ اس کمیٹی میں خدمت انجام دے رہے ہیں۔

*آپ کی دیگر علمی سرگرمیاں:

آپ کبار علماء کمیٹی کے رکن ہیں، فقہ اکیڈیمی کے بھی ایک فعال رکن ہیں، جو کہ مکہ کے اندر واقع ہے اور رابطہ عالم اسلامی کے تابع ہے۔ موسم حج میں دعاۃ کی نگراں کمیٹی میں بھی آپ رکن ہیں، دائمی کمیٹی برائے افتاء اور علمی بحوث میں بھی سرگرم رکن کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، ملز میں واقع امیر متعب بن عبد العزیز آل سعود مسجد کے اندر بطور امام وخطیب اور مدرس کے فریضہ انجام دے رہے ہیں، نور علی الدرب نامی ریڈیو پروگرام میں سوالات کے جوابات بھی دیتے ہیں۔

آپ علمی میگزینوں کے اندر مقالات، فتاوے اور علمی بحوث بھی لکھتے رہتے ہیں، ان میں سے بعض شائع بھی ہو چکے ہیں، آپ نے ماجستیر اور دکتوراہ کے کئی رسالوں کی گائیڈ بھی کی ہے، آپ کے علمی مجلسوں اور درسی حلقوں میں بہت سارے طلبہ علمی زینت بنتے ہیں۔ آپ برابر دروس کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

*** اساتذہ:**

آپ نے بہت سارے نمایاں علماء اور فقہائے دین کی شاگردی حاصل کی ہے، ان میں مشہور شیخ عبد العزیز بن باز اور شیخ عبد اللہ بن حمید ہیں، آپ کے دروس میں آپ جامع بریدہ میں حاضر ہوتے تھے، شیخ محمد امین شنقیطی، شیخ عبد الرزاق عفیفی، شیخ صالح بن عبد الرحمن سکیتی، شیخ صالح بن ابراہیم بلیہی، شیخ محمد بن سبیل، شیخ عبد اللہ بن صالح خلیفی، شیخ ابراہیم بن عبید المحسن، شیخ صالح العلی الناصر اور شیخ حمود بن عقلاء شعیبی ہیں۔ انکے علاوہ جامع ازہر کے کئی مشائخ سے آپ نے علمی استفادہ کیا ہے جو حدیث، تفسیر اور عربی زبان و ادب میں معروف ہیں۔

***تالیفات:**

شیخ نے بہت ساری کتابیں تالیف کی ہیں، جن میں کچھ مشہور درج ذیل ہیں:

۱-التحقیقات المرضیۃ فی المباحث الفرضیہ، یہ کتاب میراث پر ہے، جو کہ دراصل ماجستیر کا رسالہ ہے، ایک جلد میں ہے۔

۲-احکام الاطعمۃ فی الشریعہ الاسلامیہ، یہ ایک جلد میں آپ کے دکتوراہ کا رسالہ ہے۔

۳-الارشاد الی صحیح الاعتقاد، ایک جلد میں ہے۔

۴-شرح العقیدہ الواسطیہ۔

۵-البیان فیما اخطافیہ بعض الکتاب۔

۶-مجموع محاضرات فی العقیدہ والدعوہ، دو جلدوں میں ہے۔

۷-الخطب المنبریہ فی المناسبات العصریہ، چار جلدوں میں۔

۸-من اعلام المجددین فی الاسلام۔

۹-رسائل فی مواضیع مختلفۃ۔

۱۰-مجموع الفتاوی فی العقیدہ والفقہ۔ یہ کتاب نور علی الدرب نامی ریڈیو پروگرام سے تفریغ کی گئی ہے۔اب تک چار جلدیں آچکی ہیں۔

۱۱-نقد کتاب الحلال والحرام فی الاسلام۔

۱۲-شرح کتاب التوحید۔

۱۳-التعقیب علی ماذکرہ الخطیب فی حق الشیخ محمد بن عبدالوہاب۔

۱۴-الملخص الفقہی ،دو جلدوں میں۔

۱۵-اتحاف اھل الایمان بدروس شھر رمضان۔

۱۶-الضیاء اللامع من الاحادیث القدسیہ الجوامع۔

۱۷-بیان مایفعلہ الحاج والمعتمر۔

۱۸-کتاب التوحید،دو جلدوں میں ہے جو کہ وزارت معارف کی طرف سے ثانویہ مرحلے میں شامل نصاب ہے۔

۱۹-فتاوی ومقالات نشرت فی مجلۃ الدعوہ۔

۲۰-البدع والمحدثات ومالا اصل لہ۔

۲۱-مجالس شھر رمضان المبارک۔

۲۲-عقیدہ التوحید۔

۲۳-اضواء من فتاوی ابن تیمیہ۔

۲۴-بحوث فقھیہ فی قضایا عصریہ۔

۲۵-محاضرات فی العقیدہ والدعوہ۔

۲۶-شرح کتاب کشف الشبہات۔

۲۷-فقہ وفتاوی البیوع۔

۲۸-دروس من القرآن الکریم۔

۲۹-شرح زادا لمستقنع۔

۳۰-الملخص فی شرح کتاب التوحید۔

۳۱-اعانۃ المستفید بشرح کتاب التوحید۔

۳۲-شرح مسائل الجاھلیہ۔

۳۳-حکم الاحتفال بذکری المولد النبوی۔

۳۴-المنتقی من فتاوی فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان۔

۳۵-البحۃ عن الفرق۔

۳۶-الایمان بالملائکۃ واثرہ فی حیاۃ الامہ۔

۳۷-الاعلام بنقد کتاب الحلال والحرام۔

۳۸-مجمل عقیدہ السلف الصالح۔

۳۹-البیان بالدلیل لمافی نصیحۃ الرفاعی ومقدمۃ البوطی من الکذب الواضح والتضلیل۔

۴۰-حقیقۃ التصوف۔

۴۱-من مشکلات الشباب۔

۴۲-وجوب التحاکم الی ما انزلہ اللہ۔

۴۳-الفرق بین البیع والربا۔

۴۴-مسائل فی الایمان۔

۴۵-التعلیقات المختصرہ علی متن العقیدہ الطحاویہ۔

۴۶-تدبر القرآن۔

۴۷-من مشاھیر المجددین فی الاسلام۔

۴۸-وجوب التثبت فی الاخبار واحترام العلماء۔

۴۹-من اصول عقیدہ اھل السنۃ والجماعہ۔

۵۰-دور المرأۃ فی تربیۃ الاسرہ۔

۵۱-معنی لا الہ الا اللہ۔

اسکے علاوہ بھی کئی کتابیں اور رسائل ہیں جن میں کچھ مطبوع ہیں اور کچھ غیر مطبوع۔

*** شیخ کے علمی کارنامے آڈیو ریکارڈنگ میں:**

شیخ مختلف موضوعات سوچ علوم وفنون پر لیکچرز دیئے ہیں جنہیں آڈیو ڈیو ریکارڈ نگ کر لیا گیا ہے جو الیکٹرانک لائبیریوں کیلئے ایک بیش بہا نعمت ہے، مثال کے طور پر چند کا ذکر درج ذیل ہے:

-شرح لمعۃ الاعتقاد، ۱۲/کیسٹوں میں۔

-شرح نونیۃ ابن القیم، ۶۴/کیسٹوں میں۔

- شرح العقیدہ السفارینیہ، ۱۵/کیسٹوں میں۔

-شرح منظومۃ الآداب، ۱۶/کیسٹوں میں۔

-شرح عمدۃ الاحکام، ۱۱/کیسٹوں میں۔

-شرح اصول الثلاثة،۱۰/کیسٹوں میں۔

-شرح العقیدہ الطحاویہ،۱۴/کیسٹوں میں۔

-ہفتہ واری پبلک ملاقات،۱۲/کیسٹوں میں۔

-شرح رسائل من مجموعة التوحید،۹/کیسٹوں میں۔

-شرح کشف الشبہات،۹/کیسٹوں میں۔

-شرح العقیدہ الواسطیہ،۳۱/کیسٹوں میں۔

-شرح مسائل الجاھلیہ،۱۴/کیسٹوں میں۔

-شرح نواقض الاسلام،۱۰/کیسٹوں میں۔

-شرح بلوغ المرام،۱۶۸/کیسٹوں میں۔

-شرح زادا لمستقنع،۶۹/کیسٹوں میں۔

-التعلیق علی قرة عیون الموحدین ۶۰/کیسٹوں میں۔

-شرح العدة فی شرح العمدة،۴۳/کیسٹوں میں۔

تیسرا مبحث:
معتمد نسخوں اور منہج بحث کا بیان

پہلا مطلب: امام بربہاری رحمہ اللہ کی کتاب شرح السنہ کے معتمد نسخوں کا بیان:

شرح السنہ کا صرف ایک ہی خطی نسخہ ہے اسی پر میں نے اعتماد کیا ہے، اور اسکا مقابلہ میں نے اس طباعت سے کیا ہے جسکی تحقیق شیخ خالد بن قاسم ردادی نے کی ہے۔

* پہلی چیز: خطی نسخے کی تفصیل:

یہ نسخہ دمشق کی ظاہریہ لائبریری میں موجود ہے، ۱۳/ نمبر گروپ کے ضمن میں یہ کتاب رکھی ہوئی ہے، اسکا خط بہت ہی واضح ہے، اسکے لکھنے والے امام ابو القاسم عبید اللہ بن حمزہ ہیں۔ یہ نسخہ ۳۸/ صفحات میں ہے، متوسط حجم کی ہے، ۱۵/ سطروں پر مشتمل صفحات ہیں۔

اس کے پہلے اور دوسرے صفحے پر ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن غالب باہلی عرف غلام خلیل کا نام لکھا ہوا ہے اور کتاب کی نسبت انہیں کی طرف کی گئی ہے، اسی طرح آخری صفحے پر بھی انہیں کا نام لکھا ہے، حالانکہ کتاب سے انکا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ علامہ بربہاری کی کتاب ہے، جسکی صراحت میں نے مطبوعہ کتاب کے اندر کر دی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کی اکثر عبارتیں ابن ابی یعلی نے طبقات الحنابلہ میں نقل کی ہیں اور ان سب کی نسبت علامہ بربہاری کی طرف کی ہے اور آپ کے بعد آنے والے علماء نے اسکی تصدیق کی ہے، چنانچہ بہت سارے علماء نے اس کتاب کو آپ ہی کی طرف منسوب کیا ہے یا اس کتاب سے اقوال نقل کئے ہیں اور نسبت آپ ہی کی طرف کی ہے۔ مثال کے طور پر چند کتابوں کا نام درج ذیل ہے:

-شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب بغیۃ المرتاد،ص ۲۵۸۔

-امام ذہبی کی کتاب العلو،ص ۲۲۲۔

-آپ ہی کی تاریخ اسلام: ۲۴/ ۲۵۸۔

-آپ ہی کی سیر اعلام النبلاء: ۱۵/ ۹۱۔

-ابن مفلح کی کتاب الفروع: ۲/ ۱۴۹۔

-آپ ہی کی الآداب الشرعیہ: ۳/ ۲۷۰، ۵۴۹۔

-آپ ہی کی المقصد الارشد: ۱/ ۳۲۹۔

-مرداوی کی التحبیر شرح التحریر: ۱/ ۲۵۵، ۷/ ۳۶۹۹۔

-صفدی کی الوافی بالوفیات: ۱۲/ ۹۱۔

-حافظ ابن حجر کی فتح الباری: ۱۱/ ۲۷۶، ۲۷۷۔

-العلیمی کی المنھج الاحمد: ۲/ ۲۷، ۳۷۔

-ابن العماد کی شذرات الذھب: ۲/ ۳۱۹۔

اسکے علاوہ بھی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔

*** دوسری چیز: دونوں مطبوعہ نسخوں کا بیان:**

پہلا نسخہ:

طبقات الحنابلہ (۲/ ۱۸- ۴۳) کے ضمن میں شرح السنہ کا یہ نسخہ شائع ہوا تھا، پوری کتاب نقل کر دی گئی ہے، اور دار المعرفہ کی اشاعت پر میں اعتماد کیا ہے جو کہ شیخ محمد حامد فقی رحمہ اللہ کی تحقیق سے تصویر لی گئی ہے۔

دوسرا نسخہ:

یہ وہ طباعت ہے جسکی تحقیق شیخ خالد بن قاسم ردادی نے کی ہے جو ۱۴۱۸ھ میں دار السلف للنشر والتوزیع سے شائع ہوا تھا۔ یہ نسخہ ۱۶۳/صفحات پر مشتمل ہے، ابتداء میں ایک مقدمہ بھی ہے جسکے اندر کتاب کا دراسہ اور امام بربہاری رحمہ اللہ کی سوانح کا ذکر ہے۔

سیاق وسباق سے جو نسخہ مناسب ہے اسی پر میں نے اعتماد کیا ہے، اور جس سے عبارت اچھی طرح سمجھ میں آرہی ہے، جو نسخہ غیر مطبوع ہے اس کے اندر کمی کو پورا کرنے کیلئے دوسرے نسخوں کا سہارا لیا ہے، البتہ دیگر نسخوں میں موجود فرق اور دوسرے امور کا ذکر نہیں کیا ہے کیونکہ یہاں مقصد کتاب کی تحقیق نہیں بلکہ شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی شرح ہے، اور میں نہیں چاہتا تھا کہ دیگر غیر متعلق امور کو بیان کر کے اس کتاب کا حجم بڑھایا جائے، ہاں اگر کوئی نسخوں کے درمیان فرق کو جاننا چاہتا ہے تو اس کے لئے شیخ خالد بن قاسم ردادی کی طباعت کی طرف رجوع کرے۔

دوسرا مطلب: منہج بحث

کتاب کے شائع کرنے اور اسکے نصوص کی توثیق کے سلسلے میں درج ذیل طریقے کو میں نے اختیار کیا ہے:

۱-متن کو میں نے کتاب کے اوپری حصے پر رکھا ہے جسکی شرح شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے کی ہے، پھر اسکے بعد متن اور شرح کے بیچ میں ایک خط فاصل رکھا ہے، پھر اس خط کے بعد لفظ (الشرح) لکھا ہے، پھر اسکے بعد شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کی شرح کو نقل کیا ہے۔

۲-متن اور شرح میں جو بھی آیات واحادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں انکی تخریج کی ہے، اگر حدیث صحیحین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی ہے تو ایسی صورت میں انکی طرف نسبت کر کے جلد اور صفحہ نیز حدیث نمبر بھی بیان کیا ہے، اور ساتھ صحابی کا نام بھی لکھ دیا ہے اگر متن یا شرح میں نام مذکور نہیں ہے۔

اگر وہ حدیث صحیحین کی نہیں ہے تو ایسی صورت میں اسکی تخریج کئی کتابوں سے کی ہے البتہ پانچ کتابوں سے زیادہ نہیں کیا ہے، البتہ جن کا حوالہ نہیں مل سکا ان پر خاموشی اختیار کر لی ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا حوالہ مجھے نہیں مل سکا ہے۔

۳-اقوال کی نسبت کتابوں کی طرف کر دی ہے جلد اور صفحے کے ساتھ۔

۴-کتاب کے متن اور شرح دونوں کو تشکیل کے ساتھ شائع کیا ہے تاکہ طلبہ کو پڑھنے میں آسانی ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو سیدھے راستے کی توفیق بخشے اور اس کتاب اور اسکی شرح

سے امت کو نفع پہنچانے اور ہمارے شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ کو اس کا بہتر بدلہ عنایت فرمائے، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

❁ ❁ ❁

(فضیلۃ الشیخ صالح الفوزان کی کتاب پر بطور تعلیق)

مقدمہ

الحمد لله رب العٰلمين، وصلى الله على نبينا محمد، وعلى آله وأصحابه اجمعين۔

اس کتاب کے مؤلف ''**الْبَرْبَهَارِيُّ**'' ہیں۔ ان کا نام ''**الحسن بن علی بن خلف البربہاری**'' ہے، ''**بَرْبَهَار**'' کی طرف ان کی نسبت ہے جو کہ دوا کی ایک قسم ہے۔ شاید وہ اس دوا میں مشغول تھے یا اسے بیچا کرتے تھے جس کی وجہ سے اس کی طرف ان کی نسبت پڑ گئی۔

یہ حنابلہ کے کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کافی کچھ علم حاصل کیا۔ مثلاً ''المروذی'' وغیرہ۔ علم میں پختہ ہوئے، عقیدے کا علم حاصل کیا اور فقہ کو سیکھا۔ کبار ائمہ سے علم کو حاصل کیا۔

کتاب کا نام: ''**شَرحُ السُّنَّة**'' ہے۔ یہاں ''**اَلسُّنَّة**'' سے مراد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ اس سے مراد محدثین کے نزدیک جو اصطلاحی معنیٰ مراد ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ قول، فعل اور تقریر سے ثابت ہو'' نہیں ہے۔ مراد اس سے بھی کہیں زیادہ عظیم ہے اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ اور سلف کا طریقہ۔ یہی وہ سنت ہے جو منقول ہے۔ اس کا تعلق چاہے عقیدہ سے ہو یا عبادت یا فقہ یا آداب و اخلاق سے۔ عمومی طور پر ان سب پر سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں مسائل فقہیہ ذکر کئے جائیں گے، مثلاً: موزوں پر مسح کرنا، نکاح مُتعہ کا ذکر اس حیثیت سے کہ اس کی مخالفت کرنے والے گمراہ فرقوں کا رد کیا جائے اور بعض مسائل کو بطور تاکید کے تکرار کے ساتھ ذکر کیا جائے گا یا تکرار کی مناسبت سے یا اسے زیادہ واضح کرنے کے لئے یا اس کے علاوہ دیگر اہم علمی مقاصد کی خاطر۔ من جملہ یہ ایک اہم اور مفید کتاب ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ صف اول کے سلف کی کتابوں میں سے

ہے جو ائمہ کبار کے ہم زمانہ تھے، ان سے علم حاصل کیا اور ان کے صاف وشفاف عقیدہ کا مشاہدہ کیا۔ اس جلیل القدر امام پر اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں۔

اور "**شرح**" کا معنیٰ "بیان" ہے، اس کا مطلب کسی معین کتاب کی تشریح یا تفسیر نہیں ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ سنت کے طریقے کی وضاحت کریں گے۔ یہی "**شَرْحُ السُّنَّة**" کا مطلب ہے۔

پہلے کے لوگ عقیدے کی کتابوں کو "**اَلسُّنَّة**" سے موسوم کرتے تھے۔ مثلاً یہ کتاب اور امام احمد کی کتاب "**اَلسُّنَّة**"، ان کے بیٹے عبداللہ کی کتاب "**اَلسُّنَّة**"، امام اثرم کی کتاب "**اَلسُّنَّة**" اور امام للالکائی کی کتاب "**شَرْحُ أُصُوْلِ اِعْتِقَادِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ**" ہے۔

اسی طرح عقیدہ کو "**ایمان**" سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے بعض کتابوں میں "**کِتَابُ الْإِيْمَانِ**" کے نام سے رکھا گیا جیسا کہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے۔ وہ ایک کتاب قائم کرتے ہیں اس کا نام "**کِتَابُ الْإِيْمَانِ**" رکھتے ہیں اور اس میں وہ باتیں لاتے ہیں جن کا تعلق خاص طور پر عقیدہ (اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں، آخرت کے دن پر اور تقدیر کے اچھے یا برے ہونے پر ایمان رکھنے) سے ہے، اسی کو "**اَلْإِيْمَان**" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی طرح اس کو "**اَلشَّرِيْعَةُ**" بھی کہتے ہیں جیسا کہ امام آجری الشافعی کی کتاب "**الشريعة**" ہے۔

اسی طرح اس کو "**اَلتَّوْحِيْد**" بھی کہتے ہیں جیسا کہ امام ابن خزیمہ کی کتاب "**کِتَابُ التَّوْحِيْد**" ہے۔ اور بھی دیگر توحید کی معروف کتابیں ہیں۔ اسے دل میں اعتقاد رکھنے، اسے دین ماننے اور اس پر یقین کرنے کی وجہ سے "**اَلْعَقِيْدَة**" کہا جاتا ہے۔

ان سارے ناموں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ ایک ہی چیز کے کئی نام ہیں۔ یہ سب مترادفات میں سے ہیں۔ اگر مراد واضح ہو جائے تو ناموں کے اختلاف میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ کوئی اختلافی بات نہیں بس اصطلاح ہے۔ اور ہر اصطلاح کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ تو اس بارے میں

کوئی بھی اختلاف نہیں، گرچہ الفاظ جدا جدا ہیں لیکن معنیٰ ایک ہی ہے۔

البتہ اگر کوئی اس بات کا انکار کرے اور یہ کہے کہ "**عقیدہ اور توحید**" کی اصطلاح پر کوئی دلیل نہیں اور یہ کتاب وسنت میں کہیں موجود نہیں، تو یہ صرف شبہ پیدا کرنا ہے۔ ایسا کہہ کر وہ اس عقیدہ کی جڑ اکھاڑنا چاہتے ہیں جس کے لئے وہ ایسی بات بنا رہے ہیں تا کہ گمراہ فرقوں اور سچے فرقے کے درمیان کسی طرح کا کوئی فرق نہ کیا جا سکے۔ یہی ان کا مقصود ہے۔

اور اس وجہ سے بھی کہ کوئی اہل باطل کی تردید نہ کرے، یہ ان میں سے علم سیکھنے والوں کا مقصد ہے۔ البتہ ایسے کم عقل اور بے وقوف لوگ جو گھٹیا جگہوں سے افکار لیتے ہیں تو وہ اِن اقوال کو دہراتے رہتے ہیں جیسا کہ ان کے بعض اخبارات اور تالیفات میں پایا جاتا ہے۔

پس اس طرح کے شکوک وشبہات کی طرف دھیان دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح کی چیزیں امت میں عام ہیں اور حق و باطل اور ہدایت وگمراہی میں تمیز کے لئے اس کا اہتمام بھی کیا ہے۔ لیکن ان لوگوں کا اس بارے میں ایک مقصد ہے، وہ لوگوں کو اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں تا کہ ملحد و زندیق اور صحیح وغلط کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہے۔ وہ ان کے اپنے گمان کے مطابق مسلمانوں کی وحدت کی خاطر اسلامی جھنڈے تلے خود کو باقی رکھنا چاہتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ: مسلمان صرف عقیدہ صحیحہ پر ہی متحد ہو سکتے ہیں، وہی عقیدہ جس نے بکھرے ہوئے اصحاب کرام کو متحد کر دیا۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ﴾** (سورہ آل عمران: 103)

ترجمہ: "اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے۔" کس بات نے اصحاب کرام کے درمیان باوجود شدید اختلاف وانتشار کے انھیں متحد کر دیا سوائے اس عقیدہ کے جس کا مطلب ہے "اللہ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔"؟!

پس لوگ سوائے عقیدہ صحیحہ کے ایک دین پر جمع نہیں ہو سکتے اور اگر وہ مختلف عقیدہ کے ماننے والے ہیں تو کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔

رہا مسئلہ یہ کہ اجتہادی فقہی مسائل میں اختلاف جس میں دلیل کا احتمال ہوتا ہے تو یہ (ان کے اتحاد پر) اثر انداز نہیں ہوگا، نہ کوئی نیا فرقہ بنے گا اور نہ کوئی دشمنی ہوگی۔ اس لئے کہ ایسے اختلاف کا جواز ہے، لیکن عقیدے کے اختلاف کا کوئی جواز نہیں۔ اس بارے میں اختلاف کرنے والے کبھی بھی متحد نہیں ہو سکتے۔ عقیدے میں اختلاف کرنے والے کتنی بھی کوشش کرلیں وہ کبھی متحد نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ وہ دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں اور متضاد و آپس میں ٹکرانے والی چیزوں میں کبھی بھی اتحاد ممکن نہیں۔

پس اگر وہ مسلمانوں میں اتحاد چاہتے ہیں تو ان پر واجب ہے کہ پہلے وہ اپنے عقیدہ کو صحیح کریں۔ جس عقیدے کا اہتمام رسولوں نے از اوّل تا آخر کیا اور اسی سے اپنی (دعوت کا) آغاز کیا۔ لوگوں پر واجب ہے کہ وہ سب سے پہلے عقیدہ پر متحد ہوں۔ جیسے ہی وہ اس پر متحد ہوں گے تو امت بھی متحد ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ اپنی دعوت میں سچے ہوں۔ لیکن افسوس یہ اس شخص کا مذاق اڑاتے ہیں جو عقیدہ صحیحہ کے بارے میں بات کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔ کہتے ہیں: یہ لوگوں کو کافر کہتے ہیں اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں۔۔۔

ایسے لوگوں سے ہم یہی کہتے ہیں: تم عقیدہ صحیحہ کے بنا مسلمانوں کو ہرگز متحد نہیں کر سکتے، ہاں اگر لوگوں کا عقیدہ ایک ہو گیا تو بڑی آسانی سے لوگ متحد ہو جائیں گے: **﴿هُوَ الَّذِيٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾** (سورہ انفال: 62-63) ترجمہ: ''وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی۔ اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے تم روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے

دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے، یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔"

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (سورہ آل عمران: 103) ترجمہ: "اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔"

عقیدہ صحیحہ جسے از اوّل تا آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ، سارے رسولوں نے پیش کیا، کے بغیر لوگ ایک جگہ پر متحد ہو ہی نہیں سکتے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (سورہ انبیاء: 25) ترجمہ: "ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے۔ اُس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے، پس تم لوگ میری ہی بندگی کرو۔"

﴿وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ﴾ (سورہ مومنون: 52)

ترجمہ: "اور یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس مجھی سے تم ڈرو۔"

دوسری آیت میں ہے: ﴿اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ﴾ (سورہ انبیاء: 92) ترجمہ: "یہ تمہاری امت حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، پس تم میری عبادت کرو۔"

صرف ایک ہی رب کی عبادت پر اتحاد ہوسکتا ہے اور وہ رب صرف اللہ ہے، اس لئے کہ وہی برحق رب ہے اور اس کے سوا جو بھی ہیں وہ باطل ہیں: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (سورہ حج:62) ترجمہ: "یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور وہ سب باطل ہیں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ پکارتے ہیں اور اللہ ہی بالا دست اور بزرگ ہے۔"

یہی مسلمانوں کے اتحاد کا راستہ ہے اگر مسلمان اتحاد کے بارے میں سنجیدہ و مخلص ہیں تو انھیں سب سے پہلے اپنے عقیدے کی اصلاح کرنا چاہئے اور اس کو بگاڑنے والی گمراہیوں سے دور کریں، تاکہ وہ عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے عقیدہ کی طرح ہو جائے۔ تاکہ مسلمان اس پر متحد ہو سکیں۔

یہی سلف کی مراد ہے جیسا کہ شیخ بربہاری وغیرہ کے ان رسائل کی تالیف کرنے کی مراد ہے۔ اور یہ ساری کتابیں صحیح عقیدہ کے بیان میں ہیں۔

جب فتنے، فرقے اور گمراہیاں پیدا ہونے لگیں تو اسلاف نے ان عقائد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے صحابہ اور قرون مفضلہ کی سنت کی تشریح میں لکھیں، جو بھی اسے تھامے گا وہ نجات پائے گا اور جو اس سے انحراف کرے گا وہ ہلاک ہوگا۔ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "میں نے تمھیں ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہے۔" (رواہ احمد (4/126، وابن ماجہ (43))

اللہ فرماتا ہے: ﴿اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورہ مائدہ:3) ترجمہ: "آج کافروں کو تمہارے دین کی طرف سے پوری مایوسی ہو چکی ہے لہذا تم اُن سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے (لہذا حرام وحلال کی جو قیود تم پر عائد کر دی گئی ہیں ان کی پابندی کرو) البتہ جو شخص بھوک سے مجبور ہو کر ان میں سے کوئی

چیز کھالے، بغیر اس کے کہ گناہ کی طرف اس کا میلان ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

یہی اتحاد کا اصل مرکز ہے۔ البتہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ہم اس بات پر متحد ہو جاتے ہیں جس پر ہم متفق ہیں اور جس بارے میں ہمارے درمیان اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے سے معذرت کرتے ہیں۔" اگر یہ اختلاف عقیدے کا ہے تو ایسا ناممکن ہے۔ البتہ اگر یہ اختلاف فقہ اور محتمل مسائل فقہیہ میں ہے تو پھر ایسا جائز ہو سکتا ہے، پھر بھی دلیل کی اتباع کرنا ہر کسی پر واجب ہے، یہاں تک کہ فقہی مسائل میں بھی۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (سورہ نساء: 59) ترجمہ: "پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔"

لیکن ایسے فقہی اختلافات جن میں کوئی احتمال اور کوئی وجہ ہو تو اس سے مسلمانوں کے درمیان تفریق نہیں واقع ہوتی۔ اسی لئے اہل سنت میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی بھی ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ ایک دوسرے سے (عقائد میں) اختلاف نہیں رکھتے اور فرقہ بندی اختیار نہیں کرتے۔ اس لئے کہ (یہ اختلافات) فقہی و اجتہادی ہیں جن کے کئی اسباب ہیں۔ اور اس بارے میں دلائل کے اندر کئی طرح کے احتمالات پائے جاتے ہیں۔ رہی بات عقیدہ کی تو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی سب کا عقیدہ ایک ہی ہے۔ گرچہ ان کے متبعین میں کچھ ایسے ہیں جو عقائد میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، یہ بات حنابلہ، احناف، شوافع اور موالیک سبھی میں پائی جاتی ہے۔ ان میں ایسے لوگ ہیں جو ائمہ کی ان کے عقائد میں مخالفت کرتے ہیں۔ وہ فقط فقہ کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ رہی بات عقیدہ کی تو وہ اس میں اپنے امام کے مخالف ہیں۔ انھیں حقیقت میں ائمہ کا متبع نہیں گردانا جائے گا اس لئے کہ وہ ان کی کچھ معاملات میں اتباع کرتے ہیں اور کچھ میں ان کے مخالف ہیں جو کہ سب سے اہم ہے۔ جو عقیدہ میں امام کے مخالف ہیں انھیں ائمہ کے متبعین میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اسی وجہ سے شیخ بر بہاری جیسے علماء نے اس طریقے کو اختیار کیا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اور ہدایت یافتہ سلف سے ماخوذ ہے محض اسلئے تا کہ مسلمان اسی روش کو اختیار کریں۔ اور یہ اللہ، اس کے رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے ائمہ اور عام مسلمین کے ساتھ نصیحت ہے۔

اگر معاملہ پوشیدہ رہتا اور ان کتابوں کی تالیف نہ ہوتی تو بہت سارے لوگ گمراہ ہو جاتے۔ اللہ کا بے انتہاء شکر ہے کہ اس نے ہمیں ان مؤلفات کی شکل میں نعمت عطا کی۔ اور یہ اللہ کی طرف سے اسی مخلوق پر حجت بھی ہیں: ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ (سورہ انفال:42) ترجمہ: ''تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔''

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ، وَمَنَّ عَلَيْنَا بِهِ، وَأَخْرَجَنَا فِيْ خَيْرِ أُمَّةٍ، فَنَسْأَلُهُ التَّوْفِيْقَ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى، وَالْحِفْظَ مِمَّا يَكْرَهُ وَيَسْخَطُ)

ترجمہ: ''ساری تعریفیں اللہ رب العزت کے لئے ہی سزاوار ہیں جس نے ہمیں اسلام (قبول کرنے) کی ہدایت سے نوازا، اسلام کے ذریعہ ہم پر احسان کیا اور ہمیں سب سے بہترین امت میں پیدا کیا۔ لہٰذا ہم اس سے ایسے اعمال کی توفیق کے طلب گار ہیں جسے وہ پسند کرتا ہو اور اس پر راضی ہو۔ اور ایسے اعمال سے پناہ طلب کرتے ہیں جنھیں کرنے کو وہ ناپسند کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے۔''

الشرح:

یہ کتاب کا خطبہ ہے جس میں سنت کا لحاظ کرتے ہوئے انھوں نے ''**الحمد للہ**'' سے آغاز کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطوط اور خطابات کا آغاز اللہ کی حمد و ثناء سے کیا کرتے تھے۔ اور یہی طریقہ سلف صالح اور اہل علم کا بھی ہے کہ وہ اپنی کتاب کا آغاز قرآن کی اقتداء میں ''**بسم اللہ الرحمٰن الرحیم**'' سے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے ''**الحمد للہ رب العٰلمین**'' سے کیا کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کسی کو مخاطب ہوتے یا بات کرتے یا کسی بات پر تنبیہ کرتے تو پہلے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے اور پھر جو آپ بیان کرنا چاہتے اس کی وضاحت کرتے۔ چنانچہ مؤلف رحمہ اللہ نے بھی اس بارے میں سلف کی اقتداء کرتے ہوئے ''**الحمد للہ**'' سے شروعات کی ہے۔

''**الحمد للہ**'' کا معنیٰ: ہے ''ساری تعریفیں صرف اللہ کو ہی سزاوار ہیں۔'' (**الحمد**) کا مطلب ہے ممدوح (جس کی تعریف بیان کی جارہی ہے) کی تعریف و خوبیوں کو بیان کرنا۔ پس اللہ عزّ وجلّ خود

اپنی ذات اور اسماء وصفات کی خوبیاں بیان کرتا ہے اور اپنے کام کی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ اسی کے لئے ہر قسم کی تعریف سزاوار ہے اس لئے کہ ہر قسم کی نعمتیں اسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ اور جو اللہ کے علاوہ ہیں ان کی تعریف جس قدر انھیں نعمتیں ملی ہیں اسی کے بقدر کی جائے گی۔ البتہ مطلق، کامل اور ہر طرح کے پہلو کو شامل تعریف کا مستحق صرف اللہ ہی ہے۔ "**اَلْحَمْدُ لِفُلَانٍ**" (ساری تعریف فلاں کے لئے ہے۔) استغراق کے معنیٰ میں کہ ہر طرح کی تعریف کا مستحق فلاں ہے، آپ کا اس طرح کہنا جائز نہیں ہے۔ یہ تو صرف اللہ ہی کے لئے جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ**﴾ (سورہ فاتحہ: 2-3) ترجمہ: "ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ جو تمام کائنات کا ربّ ہے، نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔"

﴿**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ**﴾

(سورہ انعام: 1) ترجمہ: "ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں۔"

﴿**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**﴾ (سورہ فاطر: 1) ترجمہ: "ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے۔"

رہا مسئلہ کسی کو اس طرح کہنا کہ: "میں فلاں کا شکریہ ادا کرتا ہوں یا فلاں کی اس اس بات پر تعریف کرتا ہوں" اس معنیٰ میں کہ کوئی چیز اس کے ساتھ خاص ہو تو اس کی وجہ سے میں اس کا شکر گزار ہوں یا اس کی تعریف کرتا ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ یہ کہنا کہ: "**اَلْحَمْدُ لِفُلَانٍ**" (فلاں کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے۔) تو اس طرح کی بات صرف اللہ ہی کے حق میں بہتر ہے۔

اور "**الله**" یہ اس کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ جس کا معنیٰ ہے: "**مَاْلُوْهٌ مَعْبُوْدٌ**" یعنی جس کی عبادت کی جائے۔ اس لئے کہ "اُلوہیت" کا معنیٰ ہے: "بندگی"

اس نام کو اللہ کے سوا کسی اور کے لئے نہیں بولا جاسکتا اور اللہ کے سوا کسی نے بھی اس نام کو کبھی

بھی اپنے لئے نہیں رکھا، یہاں تک کہ بڑے بڑے ظالم و جابر، کفار اور ملحدین نے بھی اس نام کو خود کے لئے نہیں رکھا۔ فرعون نے یہ نہیں کہا کہ: ''میں اللہ ہوں'' بلکہ اس نے کہا: ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ (سورہ نازعات: 24) ترجمہ: ''میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔'' تو اس سے پتہ یہ چلا کہ یہ نام صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔

(**رب العٰلمین**) رب کا معنیٰ ہے: مالک اور متصرف۔ اور عالمین ''عالَم'' کی جمع ہے جس کا مطلب ہے: ساری مخلوقات۔ اللہ ہی ان سب کا رب، پیدا کرنے والا، مدبّر، معبود اور الٰہ ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت سے نوازا۔**) تو معلوم ہونا چاہیئے کہ دین اسلام، اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:
﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورہ مائدہ: 3) ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔'' پس اسلام ہی کی وجہ سے مسلمانوں پر اللہ کی نعمت کا اتمام ہوا۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ (سورہ یونس: 58) ترجمہ: ''اے نبی ﷺ، کہو کہ ''یہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے کہ یہ چیز اس نے بھیجی، اس پر تو لوگوں کو خوشی منانی چاہیے۔'' اسلام، اللہ کا فضل ہے اور قرآن، اس کی رحمت ہے۔ پس اسلام اور قرآن کی وجہ سے خوشی مناؤ۔

اس آیت میں اس بات کا اعتراف ہے کہ اسلام کی ہدایت نصیب ہونا، اس کی طرف رہنمائی کرنا اور اس پر ثبات قدمی نصیب ہونا اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ یہ سب ہماری اپنی محنتوں اور کوششوں سے نہیں بلکہ اللہ کی توفیق خاص سے ملا ہے۔ اسی نے ہدایت دی، اسی لئے اہل جنت قیامت والے دن جنت میں داخل ہونے کے بعد کہیں گے: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ﴾ (سورہ اعراف: 43) ترجمہ: ''ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے

سزاوار ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**اس نے دین کے ذریعہ ہم پر احسان کیا۔**) تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ نے اسلامی ہدایات کو نازل فرما کر ہم پر احسان کیا ہے۔ ورنہ اللہ پر کسی کے تعلق سے کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اس نے تو خود سے بغیر وجوب کے اپنے بندوں پر اسلام کو نازل کر کے، نعمتیں دے کر، عافیت میں رکھ کر اور رزق سے نواز کر احسان کیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**اور ہمیں سب سے بہتر امت میں پیدا کیا۔**) اللہ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: ﴿**كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**﴾ (سورہ آل عمران: 110) ترجمہ: "اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔"

اللہ کا فرمان: (**كُنتُمْ**) "تم ہی ہو" یہ مسلمانوں کو خطاب ہے۔ (**خَيْرَ أُمَّةٍ**) یعنی امتوں میں سب سے بہتر۔ اور "امت" سے مراد جماعت ہے۔ (**أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**) اللہ کے اس فرمان پر ذرا غور تو کیجئے: (**لِلنَّاسِ**) لوگوں کے لئے۔ اس امت کے بہترین لوگ صرف اپنے آپ تک دین کو محصور نہیں رکھتے بلکہ وہ دین کو دیگر لوگوں تک پہنچانے کے لئے دعوت، جہاد، تعلیم اور لوگوں کو رہنمائی کے میدان میں کام کرتے ہیں۔ ایسا کرنا ٹھیک نہیں ہے کہ انسان علم حاصل کرے خود اس پر عمل کرے مگر دوسروں کو اس کی دعوت نہ دے۔ بلکہ اس دین کی، علم کی، خیر کی اور دعوتِ دین کی نشر و اشاعت کرنا ضروری ہے۔ اسے چاہئے کہ لوگوں کو بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور اس طرح وہ مسلمانوں کے معاشرے کا ایک متحرک اور فعال رکن بن جائے۔ چنانچہ اللہ کے اس فرمان: (**أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ**) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انھیں صرف خود انہیں کے لئے پیدا کیا گیا ہے بلکہ اللہ نے انھیں لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**پس ہم اللہ سے ایسے اعمال کی توفیق مانگتے ہیں جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس پر راضی ہو۔**) اس کا مطلب ہے کہ انسان کو اللہ سے ثبات قدمی کی دعا کرتے رہنا چاہئے گرچہ

اس نے حق کو جان لیا، اس پر عمل کرنے لگا اور اسی پر اعتقاد رکھتا ہے تو بھی اسے اس بات سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے کہ وہ کج روی اور فتنوں کا شکار نہ ہوگا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ فتنے آئیں اور اسے جڑ سے اکھاڑ دیں اور وہ اللہ کی راہ سے بھٹک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے: ''**يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ**'' (**رواہ احمد: 4/182، والنسائی فی "الکبریٰ": 7738، وابن ماجہ: 199**) ترجمہ: (اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھنا۔)

اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں اللہ سے یہ بھی مانگا: **﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ﴾** (سورہ ابراہیم: **35-36**)

ترجمہ: ''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔'' انھیں اپنے آپ پر اس بات کا خوف محسوس ہوا۔ حقیقت یہی ہے کہ انسان کا اللہ پر جتنا ایمان مضبوط ہوتا جائے اسی کے بقدر اسے (ایمان کے تحفظ کی خاطر) خوف محسوس ہوگا اور وہ فتنوں سے بے پرواہ نہیں رہے گا۔ نہ اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرے گا بلکہ وہ اللہ سے ہمیشہ ثبات قدمی اور حسن خاتمہ کی دعا کرے گا۔ اسے سوء خاتمہ کا ڈر ستاتے رہے گا، وہ فتنوں سے خوف زدہ رہے گا، کج روی، گمراہی اور برائی کی طرف دعوت دینے والوں سے ڈرے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**اور ان چیزوں سے پناہ مانگتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہو اور اس کے کرنے پر وہ ناراض ہوتا ہے۔**) اللہ سے یہی دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے اعمال، اقوال اور اعتقادات کی توفیق دے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس پر راضی ہو۔ اور ہمیں ایسے اقوال، اعمال اور اعتقادات سے بچائے جس سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ وہی تو ہے جو ہمارا ہادی ہے اور ہمیں توفیق دیتا ہے۔ اور (نیکی کی) طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

۞۞۞

{1} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اِعْلَمُوْا اَنَّ الْاِسْلَامَ هُوَ السُّنَّةُ، وَالسُّنَّةُ هِيَ الْاِسْلَامُ، وَلَا يَقُوْمُ اَحَدُهُمَا اِلَّا بِالْآخَرِ.

ترجمہ: (جان لو کہ اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے، ان میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔)

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**جان لو۔**) یہ کسی بات کو اہتمام کے ساتھ کہنے والا کلمہ ہے اور اس کا معنیٰ ہے: تمھیں اس کا علم ہونا چاہئے۔ اور آپ کو اس بات کا علم کیسے ہوگا کہ اسلام ہی سنت ہے؟ (اس وقت اس کا علم ہوگا) جب تم خود سے اسے جاننے کی کوشش کروگے۔

پس (**جان لو**) یہ لفظ اپنے بعد کی باتوں کے اہتمام کے لئے لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿**فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ**﴾ (سورہ محمد: 19) ترجمہ: "پس خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور معافی مانگو اپنے قصور کے لیے۔" یعنی "**لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ**" کا معنیٰ سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ ﴿**اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**﴾ (سورہ مائدہ:98) ترجمہ: "خبردار ہو جاؤ! اللہ سزا دینے میں بھی سخت ہے اور اس کے ساتھ بہت درگزر اور رحم بھی کرنے والا ہے۔" پس معلوم ہوا کہ "**اِعْلَمْ**" اور "**اِعْلَمُوْا**" کا کلمہ اپنے بعد کی باتوں کی اہمیت بتانے اور اس پر دھیان دینے کے لئے آتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا ہے کہ (**اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے۔**) اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہی وہ طریقہ ہے جسے تمام رسول لے کر آئے۔ اور ہر رسول نے اسلام کو ہی پیش کیا۔ پس ہر نبی نے اللہ کی طرف دعوت دی اور اللہ کی طرف سے جو شریعت لے کر آئے وہ اسلام ہی ہے۔ ہمہ وقت

اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر صرف اسی کی عبادت کرنے کا نام ہی اسلام ہے۔ اللہ نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ایک مدت تک کی شریعت بنائی تھی پھر اسے منسوخ قرار دیا، منسوخ ہونے کے بعد (جس نئے نازل شدہ) حکم پر عمل ہوتا ہے وہ بھی اسلام ہی ہے، یہاں تک محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ قرار دیا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ (سورہ رعد: 38-39) ترجمہ: ''ہر دور کے لیے ایک کتاب ہے۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے، اُمّ الکتاب اسی کے پاس ہے۔''

پس سارے رسول، اسلام کو ہی لے کر کے آئے۔ ہر وقت دعوت اور عمل اسی کے مطابق ہوتا رہا یہاں تک کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو اسلام صرف اسی کا نام رہ گیا جو آپ لے کر کے آئے۔ اب جو بھی پہلے کے دین پر قائم رہے گا اور محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے گا تو اسے مسلمان تسلیم نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس نے خود کو اللہ کے سامنے نہیں جھکایا اور نہ ہی محمد ﷺ کی اطاعت کی۔ ایسا اس لئے ہے کہ جس شریعت پر وہ عمل کر رہا ہے اس کی مدت ختم ہونے کی وجہ سے اسے منسوخ قرار دیا جا چکا ہے اور منسوخ پر باقی رہنا یہ اللہ کا دین نہیں ہے۔ بلکہ ناسخ پر عمل کرنا ہی دین ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**سنت ہی اسلام ہے۔**) تو دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جب ہم سنت کی تفسیر طریقے سے کرتے ہیں تو اس کے اور اسلام کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔**) اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام، سنت سے ہی قائم ہوتا ہے اور سنت، اسلام کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ پس جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے لیکن سنت پر عمل نہیں کرتا یعنی رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر تو وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور جو سنت کا علم ہوتے ہوئے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا تو وہ بھی مسلمان نہیں گرچہ وہ سنت کی معرفت رکھتا ہو۔ پس دونوں کو ایک ساتھ ماننا ضروری ہے۔

{2} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(فَمِنَ السُّنَّةِ لُزُوْمُ الْجَمَاعَةِ، فَمَنْ رَغِبَ عَنِ الْجَمَاعَةِ وَفَارَقَهَا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ، وَكَانَ ضَالًّا مُضِلًّا)

ترجمہ: ''جماعت سے وابستہ رہنا سنت ہے، پس جو شخص جماعت سے انحراف کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دے گا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار دیا، وہ گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرے گا۔''

الشرح:

مؤلف کا یہ کہنا کہ (**جماعت سے وابستگی سنت ہے۔**) معاملہ ہمیشہ ایسا ہی رہا ہے۔ اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے۔ سنت کی کئی اقسام ہیں۔ (**جماعت سے وابستگی سنت ہے۔**) یعنی مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا۔ اور یہاں جماعت سے مسلمانوں کی وہ جماعت مراد ہے جو حق پر قائم ہو۔

رہی بات ان جماعتوں کی جو حق پر قائم نہیں ہیں تو حقیقت میں انھیں جماعت نہیں کہا جائے گا۔ اسلئے کہ ہر وہ جماعت جو گمراہی پر اکٹھا ہو یا اسلام کے خلاف منہج پر ہو یا اسلام مخالف طریقے پر ہو تو اس پر مطلوب حقیقی اور قابل تعریف جماعت کا اطلاق نہیں ہوگا۔

یہاں **جماعت سے مراد:** اہل حق ہیں۔ یہ لازم نہیں کہ وہ اکثریت میں ہوں بلکہ اگر کوئی ایک بھی ہے اور وہ حق پر ہے اسے جماعت کہا جائے گا۔ پس جماعت وہی ہے جو حق پر مبنی ہو، کم ہو یا زیادہ۔ پس خود کو جماعت سے وابستہ رکھئے اور برسر حق جماعت کی مخالفت نہ کیجئے بلکہ ان کے ساتھ حق پر جم جائیے۔ جو جماعت سے علاحدہ ہو جائے اس کے متعلق بیان آگے آرہا ہے۔

جماعت سے وابستہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے خروج نہ کیا جائے اور نہ اس سے اختلاف کیا جائے۔

مؤلف کا یہ کہنا کہ (**پس جو شخص جماعت سے انحراف کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دے گا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار دیا۔**) یہ حدیث کا نص ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو ایک بالشت بھی جماعت سے دوری اختیار کرے گا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹّہ اتار دیا۔'' (رواہ احمد (130/4)، والترمذي (2863)۔ یہ بہت ہی سخت قسم کی وعید ہے، اگر یہ دوری عقیدے کے باب میں پائی جاتی ہے وہ اس طرح کہ بندہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو یہ کفر ہے اور اگر یہ اس کے علاوہ میں دوری پائی جاتی ہے تو یہ گمراہی ہے۔ پس جماعت سے دوری اختیار کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ: ''تم پر جماعت سے وابستہ رہنا لازمی ہے اس لئے کہ اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے۔'' (رواہ احمد (18/1)، والترمذي (2165)، والنسائي في "الکبریٰ" (9225)

اور جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو فتنے اور گروپ بندی سے حاصل ہونے والی باتوں کے بارے میں خبر دی تو انھوں نے آپ ﷺ سے کہا: اگر میں ان حالات میں پڑ جاؤں تو بتائیے کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ رہو۔'' (رواہ البخاری (3411)، ومسلم (1847)

اس طرح جماعت دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگی:

پہلی صورت: یہ کہ اس کا منہج کتاب وسنت ہوگا، فلاں کا مذہب یا فلاں کا قول اس کا منہج نہیں ہوگا بلکہ کتاب وسنت ہی اس کا منہج ہوگا۔

دوسری صورت: کوئی مسلم امام ان کی قیادت کر رہا ہوگا جس کی طرف وہ رجوع ہوتے ہوں گے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ بغیر امام کے جماعت قائم ہو۔ ایک امام کا ہونا ضروری ہے جس کی طرف وہ رجوع ہوتے ہوں۔ اسی لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور

اس کے امام سے وابستہ ہوجاؤ۔" انھوں نے کہا کہ اگر جماعت اور امام دونوں نہ ہوتو؟ آپ نے فرمایا: "سارے فرقوں سے علاحدہ رہنا۔" آپ نے انھیں حکم دیا کہ سارے فرقوں سے دوری اختیار کرلینا اور وابستہ صرف مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کے ہوتے ہوئے کسی اور جماعت کا وجود نہیں ہوسکتا، بلکہ حق پر ایک ہی جماعت ہوگی یہاں تک کہ موت آجائے اور وہ اسی حالت میں رہے گا۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کو منہج حق کی مخالف جماعتوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔ کسی بھی جماعت کے ساتھ رہنے میں دو شرطیں ہیں: ان کا منہج کتاب وسنت اور سلف صالح ہوں، اور یہ کہ ان کا ایک امام ہو جو ان کی قیادت کرے اور ان کی طرف لوگ رجوع ہوں۔ دین کا تصور بغیر جماعت کے نہیں کیا جاسکتا، جماعت بغیر امام کے نہیں رہ سکتی اور نہ ہی سمع وطاعت کے بغیر امام رہ سکتا ہے۔ یہی مسلمانوں کا منہج ہے اور سنت کی یہی تشریح مؤلف رحمہ اللہ نے کی ہے۔

اس میں شاذ رائے اور مخالفتوں کی ممانعت ہے اور انسان پر یہ لازم ہے کہ ہمیشہ ایسے گروہ سے وابستہ رہے جو کہ گمراہی پر نہ ہوں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار لیا۔**) عربوں کی عادت تھی کہ وہ بکریوں کو مربوط رکھنے کے لئے ان کی گردنوں میں پٹے باندھ دیا کرتے تھے تاکہ وہ وہ منتشر ہو کر ضائع نہ ہوں اور انھیں بھیڑیا نہ کھاسکے۔ یہ پٹہ ایک ہی رسّی سے جڑا ہوتا تھا جو ان کی حفاظت کی غرض سے انھیں اکٹھا رکھتا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے سے جماعتی وابستگی کی مثال دی۔ اس لئے کہ ہلاکتوں سے جماعت ہی بچاتی ہے، جیسا کہ وہ پٹہ جو بکریوں کی گردنوں میں ہوتا ہے، انھیں بھیڑیئے اور ہلاکت سے بچاتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔**) یعنی خود کو صحیح راستے سے بھٹکا لیتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اپنے آپ کو گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی

اقتداء کرنے والے متبعین ہیں انھیں بھی گمراہ کرتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (سورہ نساء: 115) ترجمہ: ''مگر جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور راہِ اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآں حالیکہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو، تو اُس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اُسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔''

پس مسلم پر واجب ہے کہ وہ سبیل المؤمنین کی اتباع کرے، ان کی مخالفت نہ کرے اور نہ ہی ان سے شذوذ اختیار کرے۔

{3} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْأَسَاسُ الَّذِیْ تُبْنٰی عَلَیْهِ الْجَمَاعَةُ هُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَرَحِمَهُمُ اللّٰهُ أَجْمَعِیْنَ، وَهُمْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، فَمَنْ لَّمْ یَأْخُذْ عَنْهُمْ فَقَدْ ضَلَّ وَابْتَدَعَ، وَکُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَالضَّلَالَةُ وَأَهْلُهَا فِی النَّارِ)

ترجمہ: ''وہ بنیاد جس پر جماعت کی عمارت قائم ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، اللہ ان تمام لوگوں پر رحم فرمائے۔ اور یہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ جو ان سے دین نہیں لے گا تو وہ گمراہ اور بدعتی ہوگا۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی اور اس کے کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: (**وہ بنیاد جس پر جماعت کی عمارت قائم ہے**) جماعت کون لوگ ہیں جن کی یہ شان ہے؟ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں، ان کے بعد آنے والے ان کے تابعین ہیں، تبع تابعین ہیں اور فضیلت والی صدیوں کے لوگ ہیں۔ (رسول اللہ ﷺ نے تین صدیوں کے بارے میں کہا: سب سے بہترین زمانہ میرا ہے، پھر جو اُن کے بعد آئیں گے، پھر جو اُن کے آئیں گے۔) یہی لوگ جماعت ہیں اور بعد میں آنے والے وہ تمام لوگ جو انکے پیروکار ہوں گے۔ یہی وہ جماعت کے لوگ ہیں کہ جن کے بارے میں مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان کے ساتھ رہے۔ گرچہ ان کی طرف سے کتنی ہی تکالیف، مشکلات اور طعن وتشنیع کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، جب تک وہ حق پر ہوں ان تمام باتوں پر صبر و برداشت کا مظاہرہ کرے۔ حق سے انحراف نہ کرے بلکہ اس راستے میں جو تکالیف پہنچے اس پر صبر کرے ورنہ وہ غلط لوگوں، برے اور گمراہ دُعاۃ کا شکار ہو جائے گا۔

اللہ فرماتا ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورہ توبہ: 100) ترجمہ: ''وہ مہاجر و

انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کریں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔"

سورہ حشر میں اللہ نے مہاجرین اور انصار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورہ حشر: 10) ترجمہ: "جو اِن اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بُغض نہ رکھ، اے ہمارے رب تو بڑا مہربان اور رحیم ہے۔"

بعد میں آنے والا اپنے سے پہلے کے اہل حق اور اہل خیر کی اقتداء کرے گا، گرچہ اِس کے اور اُن کے درمیان ایک طویل زمانہ ہو۔ وہ جس (منہج) پر تھے اسے لازم پکڑے، خواہ اس کے لئے کتنی ہی تکلیف اٹھانی پڑی، اسے صبر کرنا چاہئے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب**) جو مہاجرین اور انصار میں سے ہیں، اس لئے کہ انھوں نے ہی رسول اللہ ﷺ کی صحبت اختیار کی، آپ کے ساتھ جہاد کیا، آپ کی مدد کی، دین کے حاملین ہیں، اسے ہم تک نقل کیا۔ پس وہ ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں۔ یاد رہے کہ جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا کہتے ہیں یا ان کی تنقیص کرتے ہیں، (اس طرح) ان کا ارادہ اسلام کو ختم کرنے کا ہے۔ لیکن اس کے لئے انھوں نے یہ حیلہ اختیار کیا۔ وہ جب بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعلق سے باتیں کرتے ہیں تو ان کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، ایسے میں ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کون سا واسطہ باقی رہ جائے گا؟ ان کا ارادہ ایمان کے لئے سبقت کرنے والے مہاجرین و انصار سے رابطہ ختم کر دینا ہے تاکہ امت گمراہی کا شکار ہو جائے، ورنہ کون سی بات ان کو صحابہ کے خلاف بولنے پر اُبھارتی ہے؟ کیا صحابہ کرام اور ان کے درمیان مال وغیرہ سے

جڑی کوئی دشمنی ہے؟ کیا صحابہ کرام نے ان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچائی ہے، جبکہ صحابہ کرام اور ان کے درمیان ایک طویل زمانہ (کا فرق) ہے؟

انھیں اس بات پر دل میں چھپے بغض نے ابھارا ہے،اس لیۓ کہ صحابہ کرام ہی اس دین کے حاملین ہیں۔ وہ دین کو مٹانے کے لیۓ رسول اللہ ﷺ اور امت کے درمیان کے رابطے کو توڑ دینا چاہتے ہیں، یہی ان کا اصل ٹارگیٹ ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**صحابہ کرام ہی اہل سنت والجماعت ہیں**) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور اُن کے بعد آنے والے وہ لوگ جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کریں گے، یہی اہل سنت ہیں، یعنی: صحیح راستے والے، یہی سنت ہے جس کی تشریح اس کتاب میں کی گئی ہے۔

یہی حقیقی جماعت ہے، رہے ان کے علاوہ وہ لوگ جو باطل امور پر اکٹھا ہیں تو انھیں جماعت نہیں کہا جائے گا گرچہ ان کی تعداد بہت ہی کیوں نہ ہو: ﴿**تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى**﴾ (سورہ حشر: 14) ترجمہ: "تم اِنہیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر اِن کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔"

جماعت وہی ہے جو حق پر قائم ہو۔ جو یہ کہتا ہے کہ میں فلاں گروہ کے ساتھ ہوں، یہی گروہ جماعت ہے،تو آپ ان سے کہتے ہو: جماعت کو لازم پکڑو، جماعت تو یہ ہے۔تو ہم ان سے کہتے ہیں: تم سے کس نے کہا کہ یہی جماعت ہیں؟ جماعت تو وہ ہوتی ہے جو حق پر قائم ہو، جو سنت پر قائم ہوں وہی جماعت ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جو اُن سے (دین) نہیں لے گا وہ گمراہ اور بدعتی ہو جاتے گا۔**) جو صحابہ کرام سے دین نہیں لے گا جو کتاب وسنت کو امت تک پہنچانے والے ہیں،تو وہ حق پر نہیں ہے۔ اگر وہ صحابہ کرام کے بارے میں طعن کرے گا تو اس صورت میں اُن کا دین پہنچانا ہی باطل ٹھہرا- اللہ کی پناہ-، دین کو باطل کرنے کے لیۓ اس کا ارادہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی طرح ہے۔جس کے لیۓ انھوں نے اس خبیث حیلہ کو اختیار کیا۔ اگلے اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کے درمیان

تفریق پیدا کرنے کی خاطر انھوں نے یہ سب کیا جس سے بعد میں آنے والوں کو نگلنا اور بھٹکانا آسان ہوگیا۔ البتہ اگر وہ پہلے کی (یعنی صحابہ کرام کی) جماعت اور کتاب وسنت سے مربوط ہوتے تو ایسا آسان ہی نہیں بلکہ اللہ کی اجازت سے ناممکن ہوتا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ یقیناً گمراہ ہوگیا**) یعنی وہ راہ حق سے بھٹک گیا (**اور بدعتی ہوگیا۔**)

بدعت: ایسی عبادات، اعتقادات اور باتوں کو کہتے ہیں جس پر کتاب وسنت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کوئی بھی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے۔'' (رواہ مسلم (1718)، وعلقه البخاری (753/2))

اور دوسری روایت میں ہے کہ: ''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جس کا تعلق دین سے نہیں تو وہ مردود ہے۔'' (رواہ (2550)، ومسلم (1718))

نیز آپ نے فرمایا: ''(دین میں) نئی باتیں ایجاد کرنے کے معاملے میں سختی سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' (تقدم تخریجه)

پس **بدعت:** دین میں نئی بات ایجاد کرنے کا نام ہے جو دین کا حصہ نہ ہو۔ اچھا یہ کیسے سمجھ میں آئے گا کہ وہ دین میں سے نہیں ہے؟ جب اس پر کوئی دلیل موجود نہ ہو تو اس کا تعلق دین سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ (سورہ مائدہ: 3) ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے۔'' پس الحمد للہ دین کامل ہے، یہ کسی زیادتی کو قبول نہیں کرے گا۔ ہمارا فرض یہ بنتا ہے کہ اس دین کو سمجھیں اور اسے مضبوطی سے تھامے رہیں جسے اللہ نے مکمل کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو زیادتیاں، وہ باتیں جنھیں (بلا دلیل) اچھا سمجھ لیا گیا ہے اور دین میں جو بھی اضافے وغیرہ ہیں، انھیں چھوڑ دیں، اس لئے کہ یہ سب ہمیں اللہ سے دور کرتے ہیں۔ عنقریب اس بات کی وضاحت آئے گی کہ جس قوم نے بھی کسی بدعت کو ایجاد کیا تو اسی کے مثل ان سے سنت کو چھین لیا گیا۔ جماعت سے وابستہ رہنا، سنت کو لازم پکڑنا اور بدعت کو چھوڑ دینا ہی صحیح اور سیدھا

راستہ ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ہر بدعت گمراہی ہے**) تو دھیان رہے کہ کوئی بھی بدعت حسنہ (اچھی) نہیں ہوتی، جیسا کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح حکم کی روشنی میں ہر بدعت گمراہی قرار پاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

(تقدم تخریجہ)

پس دین میں کسی بھی نئی چیز کو کبھی بھی اچھا نہیں مانا جائے گا بلکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**گمراہی اور اس کو بجالانے والے سبھی جہنمی ہیں**) گمراہی اور گمراہی کو اختیار کرنے جہنم میں جائیں گے، یا تو اپنے کفر کی وجہ سے یا اپنی معصیت کی وجہ سے۔ پس بدعت کسی بھی طرح صحیح نہیں ہوسکتی، اس میں کچھ تو کفر ہیں۔ جس کا کرنے والا ہمیشہ کے لئے جہنم رسید ہوگا جیسا کہ مُردوں سے مدد طلب کرنا اور اُن سے دعا مانگنا، غیر اللہ کے لئے (جانور) ذبح کرنا، اور غیر اللہ کے لئے نذر ماننا، یہ کفریہ بدعت ہے۔ اسی طرح اللہ کے اسماء وصفات کی نفی کرنا، جیسا کہ جہمیہ کا کہنا ہے جو اللہ کے اسماء و صفات کا انکار کرتے ہیں، -اللہ کی پناہ- یہ کفر ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے اللہ کا وصف اس طرح بیان کیا کہ اس کے نہ ہی نام ہیں اور نہ ہی صفات۔ اس طرح تو وہ معدوم ہوگا۔ اس لئے کہ موجود کے لئے صفات کا ہونا ضروری ہے۔ اور جس کی صفات نہیں ہوتیں وہ معدوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ائمہ نے جہمیہ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ ان (جہمیہ) کا کہنا ہے کہ ''**قرآن مخلوق ہے۔**'' انھوں نے قرآن جو کہ اللہ کا کلام، اس کی وحی اور اس کا نازل کردہ ہے اسے مخلوقات کی طرح ایک مخلوق قرار دیا ہے۔ اور وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ''**اللہ کلام نہیں کرتا۔**'' انھوں نے اللہ کو جمادات سے تشبیہ دے دی۔ اور جو کلام کی صفت سے متصف نہ ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا﴾ (سورہ

اعراف: 148) ترجمہ: ''موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے اُن کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے بولتا ہے نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کرتا ہے؟''۔

اللہ نے یہ دلیل دی کہ جس کے اندر کلام کی صفت نہیں وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ جبکہ جہمیہ کا کہنا ہے کہ: اللہ کلام نہیں کرتا، تب تو وہ معبود نہیں ہوسکتا (اللہ ان کی اِن باتوں سے بہت بلند و بالا ہے۔)

سورہ طٰہٰ میں ہے: ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ (سورہ طٰہٰ: 89) ترجمہ: ''کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے؟'' یعنی بچھڑا (ان سے بات نہیں کررہا تھا۔) اگر وہ اس سے بات کرتے تو وہ انہیں جواب بھی نہ دیتا۔ کیا ایسے کا معبود ہونا صحیح ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُتوں کی پوجا کرنے والوں کو کہا تھا: ﴿فَسْئَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ﴾ (سورہ انبیاء: 63) ترجمہ: ''اِن ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔'' تو قوم کے لوگوں نے جواب دیا: ﴿لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ﴾ ترجمہ: ''تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔'' تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (سورہ انبیاء: 67-68) ترجمہ: ''پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تُف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟''

اللہ عزّوجلّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (سورہ غافر: 60) ترجمہ: ''تمہارا رب کہتا ہے ''مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔'' اس نے اپنے نفس کی صفت یہ بتائی کہ وہ کہتا ہے اور کلام کرتا ہے، پس جو کلام نہیں کرسکتا وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے بہت سارے ائمہ نے جہمیہ کے ائمہ کو کافر قرار دیا۔ سوائے ان کے مقلدوں اور پیروکاروں کے جن پر حق واضح

نہ ہوسکا۔ وہ جہالت کی بنیاد پر تقلید کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں پر توجہ دی جائے، خاص کر ان کو حقیقت سے واقفیت کرائی جائے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ اصرار کریں تو ان پر کفر کا حکم لگا دیا جائے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَقَالَ عُمَرُ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: (لَا عُذْرَ لِأَحَدٍ فِيْ ضَلَالَةٍ رَكِبَهَا حَسِبَهَا هُدًى، وَلَا فِيْ هُدًى تَرَكَهُ حَسِبَهُ ضَلَالَةً، فَقَدْ بُيِّنَتِ الْأُمُوْرُ وَثَبَتَتِ الْحُجَّةُ، وَانْقَطَعَ الْعُذْرُ)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''گمراہی میں بھٹکنے والے کسی شخص کے لئے کوئی بہانہ نہیں بچا، اس کے لئے ہدایت کافی ہے۔ اور نہ ہی ہدایت چھوڑنے والے کے لئے کوئی عذر ہے، اس کے لئے گمراہی کافی ہے۔ معاملات بالکل واضح ہو چکے ہیں، حجت ثابت ہو چکی ہے اور عذر ختم ہو چکا ہے۔''

الشرح:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: (**کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا**) اس لئے کہ اللہ نے حق کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور اس کی تفصیل قرآن وسنت میں بتا دی ہے۔ اب ایسی صورت میں کسی کے لئے گمراہی میں پڑے رہنے کا کوئی عذر نہیں رہ جاتا، اس لئے کہ کوتاہی اس کی اپنی جانب سے ہو رہی ہے کہ اس نے حق کو تلاش ہی نہیں کیا اور نہ ہی اہل علم سے سوال کیا۔ پس گمراہی اس کی اپنی جانب سے آئی جس نے کوتاہی کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: (**اس کے لئے ہدایت کافی ہے**) اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ گمان سے حق پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: **﴿وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾** (سورہ زخرف: 37) ترجمہ: ''یہ شیاطین ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔'' پس ان کا گمان ان کے کسی کام نہ آئے گا، اس لئے کہ ان کے پاس کوئی عذر ہی نہ بچا، اس وجہ سے

کہ انھوں نے کتاب وسنت کی طرف رجوع نہیں کیا تاکہ باطل کے مقابلے میں حق کی معرفت حاصل کرلیتے۔ وہ تو صرف اپنی خواہشات کی پیروی کررہے تھے: (اور یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم ٹھیک کام کررہے ہیں۔) اس کے باوجود بھی اللہ نے ان پر کفر اور گمراہی کا حکم عائد کیا ہے۔ انسان کے لئے یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ خود کو حق پر سمجھتا ہے الاّیہ کہ اس تک رسولوں پر نازل کردہ وحی میں سے کچھ نہ پہنچا ہو۔ اس لئے کہ اس پر یہی واجب ہے کہ وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے اور اپنے گمان وخیال پر قائم نہ رہے۔ اور نہ ہی اس بات پر کہ کوئی اسے کہے کہ یہی حق ہے۔ یہ سب عذر نہیں بن سکتا۔

ایک دوسری آیت میں ہے: ﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (سورہ اعراف: 30) ترجمہ: "انہوں نے اللہ کے بجائے شیاطین کو اپنا قریبی دوست بنالیا ہے اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں۔" ذرا غور کیجئے کہ کس طرح انھوں نے انسان اور جنات میں سے شیاطین کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا قریبی دوست بنالیا، ان کی اتباع کرنے لگے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں؟ کیا شیاطین ان کے لئے خیر کا ارادہ کریں گے؟ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ (سورہ زُخرف: 36) ترجمہ: "جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کردیتے ہیں اور وہ اُس کا رفیق بن جاتا ہے۔" اللہ کے اس فرمان پر غور کیجئے: (جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کردیتے ہیں) یہ اس کے لئے بطور سزا ہے۔ (اور وہ اُس کا رفیق بن جاتا ہے۔ اور وہ) یعنی شیاطین۔ ﴿لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (سورہ زُخرف: 37) ترجمہ: "ایسے لوگوں کو راہِ راست پر آنے سے روکتے ہیں، اور وہ اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ٹھیک جارہے ہیں۔" پیروکار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ ایسی سوچ انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ اس میں ان کے لئے کوئی عذر نہیں ہے، اس لئے کہ ان تک رسولوں کی دعوت پہنچی پھر بھی انھوں نے اسے قبول نہیں کیا۔

عذر تو صرف اجتہادی مسائل میں ہوتا ہے جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے، انسان ان میں اجتہاد کرتا ہے، اپنی پوری وسعت و طاقت کو بحث و جستجو میں لگاتا ہے یہاں تک کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہی حق ہے۔ تو ایسا شخص رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی رُو سے معذور ہے: ''جب حاکم اجتہاد کرتا ہے اور صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے اور اگر اجتہاد کرنے کے باوجود خطا کر جاتا ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔'' (رواه البخاري (7352)، ومسلم (1716))

یہ حکم صرف اجتہادی مسائل کے لئے ہے۔ رہی بات توقیفی مسائل (عقیدے کے امور) کی تو اس بارے میں کسی کو اجتہاد کی اجازت نہیں، بلکہ اس بارے میں صرف دلیل کی اتباع کرنا واجب ہے اور اس بارے میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ: (**اور نہ ہی اس شخص کے لئے کوئی عذر باقی رہا جس نے ہدایت کو ترک کیا، اس کے لئے گمراہی کافی ہے۔**) معاملات گمان اور خیال پر موقوف نہیں ہیں کہ گمراہی کو ہدایت تصور کرتے ہوئے لے لے یا حق کو گمراہی تصور کرتے ہوئے ترک کر دے۔ اس کا گمان اسے کوئی فائدہ نہ پہنچائے گا، اس لئے کہ ہدایت اور گمراہی کو اللہ نے قرآن میں، رسول اللہ ﷺ نے سنت میں اور سلف نے اپنی سیرت اور عقیدے میں کھلے طور پر بیان کر دیا ہے۔ الحمد للہ اللہ کی رحمت سے کتاب وسنت اور سلف صالح کی رہنمائی میں حق بالکل واضح ہو چکا ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ یا الجھاؤ نہیں ہے، جیسا کہ سابقہ امتوں میں ایک طویل مدت کے بعد ان پر حق مشتبہ ہو گیا، کتاب میں تغییر و تبدیلی کر دی گئی۔ رہی بات اس امت کی تو اس میں حق ہمیشہ واضح رہے گا۔ کتاب وسنت کسی بھی قسم کی تحریف و تبدیلی سے محفوظ رہیں گے۔ اب ایسی صورت میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں رہ جاتا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ (**معاملات بالکل واضح ہو چکے ہیں**) جی ہاں معاملات بالکل واضح ہو چکے ہیں۔ البتہ وہ اس صورت میں بحث اور طلب کے محتاج ہیں کہ انسان اس کو سیکھے اور اس کی سمجھ حاصل کرے۔ علم کو علماء کے ذریعہ حاصل کرے، نہ کہ اپنے آپ سے یا اپنے جیسے

جاہلوں سے یا سیکھنے والوں سے یا کتابوں سے لے، بلکہ علم کو اہل علم سے حاصل کرے، اس لئے کہ اس علم کو علماء سے حاصل کیا جاتا ہے۔ علماء سے ہی اصل علم حاصل کیا جاتا ہے نہ کہ کتابوں سے۔ کتابیں تو صرف بحث کا ذریعہ ہیں، اس کی تشریح تو علماء ہی کرتے ہیں۔ البتہ حق تک رسائی کے لئے علماء سے رجوع ہونا چاہئے اور انھیں سے روایت کرنا چاہیے۔ جو خلف (بعد میں آنے والے ہیں) وہ اپنے سلف (پہلے کے لوگوں سے) علم لیں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ (**حجت ثابت ہو چکی اور عذر باقی نہیں بچا**) کسی کے لئے کوئی عذر نہیں رہا۔ اس دین کو اللہ نے کسی بھی قسم کی تحریف و تبدیلی سے محفوظ کر دیا ہے۔ حق بالکل واضح ہو چکا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ برخلاف سابقہ امتوں کے کہ جب ان پر ایک لمبا زمانہ گزر جاتا تو وہ ان کی طرف نازل کردہ کتابوں میں تحریف کر دیتے اور اس میں تبدیلی کر دیتے جس سے حق اُن پر مشتبہ ہو کر مخفی ہو جاتا۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

"وَذٰلِكَ اَنَّ السُّنَّةَ وَالْجَمَاعَةَ قَدْ اَحْكَمَا اَمْرَ الدِّيْنِ كُلَّهُ، وَتَبَيَّنَ لِلنَّاسِ، فَعَلَى النَّاسِ الْاِتِّبَاعُ"

ترجمہ: (**بات یہ ہے کہ سنت اور جماعت نے دین کے سارے معاملات کو محکم کر دیا اور وہ لوگوں کے لئے واضح ہوگیا، پس اب لوگوں پر اتباع کرنا واجب ہے۔**)

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: (**بات یہ ہے کہ سنت اور جماعت نے دین کے سارے معاملات کو محکم کر دیا**) بات یہ ہے کہ: اس سے اہل سنت والجماعت کے طریقے کو لازم پکڑ لینے پر ابھارنے کی جانب اشارہ ہے، جیسا کہ پہلے ہی یہ بات گزر چکی ہے۔

اور یہ بات پہلے ہی گزر چکی ہے کہ "**اہل سنت**" سے وہ لوگ مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے ہوتے ہیں، یہی لوگ درحقیقت اہل سنت ہیں۔ اور "**جماعت**" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق پر اکٹھا ہیں اور فرقہ بندی سے بچے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾** (سورہ آل عمران: 103) ترجمہ: "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" حق پر اکٹھا ہوتے ہیں، فرقہ بندی سے اجتناب کرتے ہیں اور اختلاف نہیں کرتے۔ یہی ہیں اہل سنت والجماعت۔ رہے وہ لوگ جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے: **﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا﴾** ترجمہ: "جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔" تو اللہ اپنے نبی کی زبان سے ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے: **﴿لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا**

يَفۡعَلُوۡنَ﴾ (سورہ انعام: 159) ترجمہ: ”یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔“

(**بات یہ ہے کہ سنت اور جماعت نے محکم کر دیا**) مُحکم یعنی مضبوط کر دیا۔ **إِحۡکَامٌ** کے معنیٰ **اَلۡإِتۡقَانُ** یعنی مضبوطی کے ہیں۔ دین کے سارے معاملات کو مضبوط کر دیا، پس دین سنت اور جماعت میں محصور ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پس جو بھی زندہ رہا وہ بہت سارے اختلافات کو دیکھے گا، (ایسی صورت میں) تم پر میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنا واجب ہے۔“ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷) ان اختلافات سے صرف سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنے کی بنیاد پر ہی بچا جاسکتا ہے۔ سنت وہی ہے جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عقیدے، عبادت، معاملات، اخلاق اور آداب میں اختیار کئے ہوئے تھے۔ یہی فرقہ ناجیہ ہیں۔ جب آپ نے کہا کہ مکمل تہتّر فرقے جہنم میں جانے والے ہیں سوائے ایک کے۔ تو صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ جنّتی فرقہ کون سا ہے؟ تو ان فرقوں میں جس ایک جماعت کو الگ کیا گیا وہ کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ”**جو بعینہ اسی طریقہ پر ہیں جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔**“ (رواہ الترمذی (2641)) جس طریقہ پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے تھے وہ سنت ہی ہے۔ جو اسے لازم پکڑے گا وہی نجات یافتہ ہوگا۔ اسی لئے اسے ”**فرقہ ناجیہ**“ نجات دہندہ فرقہ سے موسوم کیا گیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور لوگوں کیلئے واضح ہوگیا ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ اس کی اتباع کریں**) لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ دین کے سارے معاملات سنت اور جماعت سے منسلک رہنے میں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ و منہج کی وہی مخالفت کرے گا جو گمراہ ہے: **﴿فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ﴾** (سورہ یونس: 32) ترجمہ: ”پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا؟“ جو حق کو ترک کرے گا وہ گمراہی میں جا پڑے گا اور حق تو وہی ہے جس پر دیگر لوگ نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت قائم ہیں۔

{4} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ- رَحِمَكَ اللهُ- أَنَّ الدِّيْنَ إِنَّمَا جَاءَ مِنْ قِبَلِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى، لَمْ يُوْضَعْ عَلٰى عُقُوْلِ الرِّجَالِ وَآرَائِهِمْ، وَعِلْمُهُ عِنْدَاللهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهِ، فَلَا تَتَّبِعْ شَيْئًا بِهَوَاكَ، فَتَمْرُقَ مِنَ الدِّيْنِ، فَتَخْرُجَ مِنَ الْإِسْلَامِ، فَإِنَّهُ لَا حُجَّةَ لَكَ، فَقَدْ بَيَّنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِأُمَّتِهِ السُّنَّةَ، وَأَوْضَحَهَا لِأَصْحَابِهِ، وَهُمُ الْجَمَاعَةُ، وَهُمُ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ: اَلْحَقُّ وَأَهْلُهُ، فَمَنْ خَالَفَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الدِّيْنِ فَقَدْ كَفَرَ)

ترجمہ: (اللہ آپ پر رحم کرے، یہ جان لو کہ دین اللہ کی طرف سے آیا ہوا ہے۔ اسے آدمیوں کی عقل اور سوچ کی بنیاد پر نہیں وضع کیا گیا ہے۔ اس کا علم اللہ اور اس کے رسول کے پاس ہے۔ پس آپ کسی طرح اپنی خواہش کی پیروی نہ کیجئے، ورنہ دین سے کٹ کر اسلام سے باہر ہو جائیں گے اور آپ کے پاس کوئی حجت بھی نہ رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کو سنت سے آگاہ کر دیا اور اس کی وضاحت اپنے صحابہ سے کر دی ہے جو کہ جماعت اور سواد اعظم ہیں۔ سواد اعظم: حق اور اہل حق کو کہا جاتا ہے۔ پس اب اگر کوئی دین کے کسی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی مخالفت کرتا ہے تو اس نے کفر کیا۔)

الشرح:

دین اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ہے جسے اللہ نے بنایا ہے۔ کسی کو اس بات کا اختیار نہیں کہ اللہ کی اجازت کے بغیر شریعت سازی کرے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ﴾ (سورہ شوریٰ: 21) ترجمہ: ''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ) کے شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنھوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دئے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔'' یہ انکار اور ڈرانے کا انداز میں ہے۔ پس دین وہی ہے جو اللہ نے مشروع قرار دیا اور اس کی تبلیغ رسول اللہ ﷺ نے کی ہے۔ یہی وہ دین ہے جس کے بارے میں اللہ عزّ وجلّ کا ارشاد ہے:

﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِۦ نُوحًا وَٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِۦٓ

اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ (سورہ شوریٰ: 13)

ترجمہ: ''اُس نے تمہارے لیے، دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے، جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جسے (اے محمد) اب تمہاری طرف، ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔'' یہی انبیاء علیہم السلام کی شریعت ہے خاص طور پر ان پانچ اولو العزم پیغمبروں کی، یہی ان کا دین ہے۔ جو اِن سے کٹے گا یا اختلاف کرے گا تو وہ ہلاکت اور گمراہی میں جا پڑے گا۔ یہ دین اللہ کی توحید پر قائم ہے اور ان تمام چیزوں کی عبادت کے ترک کرنے پر جو اس کے سوا ہیں۔ اللہ نے جو مشروع قرار دیا ہے اسی پر جمے رہنا ہے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے دوری اختیار کرنا ہے۔ اسی کو دین کہا جاتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اسے آدمیوں کی عقل اور سوچ کے مطابق وضع نہیں کیا گیا ہے۔**) دین یہ نہیں ہے کہ جسے بندہ اچھا سمجھے یا اس کی رائے دے۔ یہ تو اللہ کا دین نہیں ہو سکتا، یہ لوگوں کا دین ہے جسے انھوں نے ایجاد کیا ہے۔ رہی بات اللہ کے دین کی تو اسے اللہ مشروع کرتا ہے۔ اور جسے بندے اپنی رائے کے مطابق سوچتے ہیں وہ اللہ کا دین نہیں ہے۔ یہ تو اس کا دین ہے جس نے ایسی رائے دی ہو۔ اللہ کی طرف تو وہی دین منسوب کیا جائے گا جسے اس نے اپنے رسول کی زبانی مشروع قرار دیا۔ اور جسے اللہ کے علاوہ نے بنایا اسے اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ اللہ کی طرف تو وہی دین منسوب ہوگا جسے اس نے بنایا۔ اللہ لوگوں کے بنائے ہوئے دین سے بری ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ (سورہ شوریٰ: 21) ترجمہ: ''کیا ان لوگوں نے ایسے (اللہ) کے شریک (مقرر کر رکھے) ہیں جنھوں نے ایسے احکام دین مقرر کر دیے ہیں جو اللہ کے فرمائے ہوئے نہیں ہیں۔''

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس کا علم اللہ اور اس کے رسول کے پاس ہے**) اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی معاملات توقیفی ہوتے ہیں۔ دینی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دلائل

کا ہونا لازمی ہے۔ دینی امور میں جو کچھ کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے وہی لیا جائے گا۔ نئی ایجاد کردہ چیزیں اور بدعات ہیں جن کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی انھیں ترک کردیا جائے گا گرچہ ان کے کرنے والے انھیں دین تصور کرتے ہوں اور ان کے ذریعہ اللہ کا تقرب چاہتے ہوں۔ ہم ان کی جانب توجہ بھی نہیں دیں گے اور نہ ہی اس پر یقین رکھیں گے۔ اس لئے کہ اللہ کا دین وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے مشروع قرار دیا ہے۔

دین اس علم پر قائم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے پاس سے آیا ہے۔ لہٰذا لوگوں کی خواہشات، ان کی آراء، جسے وہ اچھا سمجھیں اور جس چیز کی وہ پیروی کریں اس کے پیچھے نہ چلیں۔ اس کی اصل نہ تو اللہ کی کتاب میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی سنت میں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جس نے ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کی جس کا تعلق اس سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔'' اور دوسری روایت میں ہے کہ: ''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں وہ مردود ہے۔'' (صحیح مسلم: ۱۷۱۸) پس جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا عمل صالح اور مفید ہو تو اسے دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے:

پہلی بات: شرک سے بچ کر دین کو اللہ کے لئے خالص کرنا۔

دوسری بات: رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کرنا اور سنت کو بدعات ومحدثات سے پاک رکھنا۔

انسان عقیدے اور عبادات میں مخالفتوں کا سامنا کرے گا۔ لوگوں کی الگ الگ خواہشیں، شوق، خیالات اور طریقے ہوتے ہیں۔ پس ہمیں لوگوں کے پیچھے نہیں چلنا ہے بلکہ لوگ جو کچھ بھی کریں اسے کتاب وسنت پر پیش کریں، جو کتاب وسنت کے موافق ہو وہ حق ہے اور جو اس کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**کسی طرح اپنی خواہش کے پیچھے نہ چلنا**) اپنی خواہش وشوق کی پیروی نہ

کرنا۔ البتہ تمھاری خواہش وشوق کو اللہ اور اس کے رسول کی لائی ہوئی شریعت کے تابع کردو۔ خواہش وہی ہونی چاہیئے جو اللہ اور اس کے رسول لے کر کے آئے ہیں۔ شوق اسی بات کا ہو جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آیا ہوا ہو۔ یہی نجات کا راستہ ہے۔

اگر تم اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے لگ گئے تو ان لوگوں کی طرح ہو جاؤ گے جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور اللہ کی نازل کردہ وحی کی اتباع نہیں کرتے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (سورہ قصص: 50) ترجمہ: "اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا، جو اللہ کی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟ اللہ ایسے ظالموں کو ہرگز ہدایت نہیں بخشتا۔"

اللہ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ إِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظّٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ جاثیہ: 18-19) ترجمہ: "اس کے بعد اب اے نبی ﷺ ہم نے تم کو دِین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے۔ لہٰذا تم اسی پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم لوگ ایک دُوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔" آپ کے سامنے دو ہی راستے ہیں: یا تو دین صحیح کی اتباع کرو، یا خواہشات کی پیروی، ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا راستہ نہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ورنہ دین سے کٹ کر اسلام کے باہر ہو جاؤ گے**) جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ درحقیقت دین سے الگ ہو جاتا ہے گرچہ دیر ہی میں سہی، مخالفت اور خواہشات کی

پیروی میں سب سے پہلی چیز غفلت کا برتنا ہے۔ پھر خواہشات نفس کی پیروی اس قدر بڑھتی جاتی ہے کہ بندہ دین سے خارج ہو جاتا ہے۔ اپنی خواہشات کو ہی اپنا دین بنالیتا ہے، جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً﴾ (سورہ جاثیہ:23) ترجمہ: ''پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں پھینک دیا اور اُس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟''

خواہشات نفس ایک الگ ہی معبود ہے۔ شرک صرف بُتوں اور قبروں کی عبادت تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ یہاں ایک اور چیز بھی شرک ہے اور وہ ہے خواہشات (نفس کی پیروی)۔ ایسا ہوتا ہے کہ انسان نہ تو بُتوں، درختوں، پتھروں کی عبادت کرتا ہے اور نہ ہی قبروں کی لیکن وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہوتا ہے، تو یہ اپنی خواہشات کا پجاری ہے۔ انسان کو اس بات سے سختی سے بچنا چاہئے۔ اسے صرف اس بات کی اتباع کرنا چاہئے جو کتاب وسنت کے موافق ہو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**تمھارے لئے کوئی حجت نہیں رہ گئی، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنت کو اپنی امت کے سامنے کھول کر بیان کر دیا ہے اور اپنے اصحاب سے سنت کی وضاحت بھی کر دی ہے۔**) اس شخص کے لئے کوئی حجت نہیں رہ جاتی جو سنت کی مخالفت کرے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرے، اس لئے کہ وہ وضاحت ہو جانے اور علم کے آجانے کے بعد گمراہ ہوا ہے: ﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ (سورہ جاثیہ:23) ترجمہ: ''پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں پھینک دیا؟'' ایسا شخص جاہل نہیں ہے، بلکہ کتاب وسنت کی معرفت رکھتا ہے۔ اور اہل علم کے اقوال کو جانتا ہے، لیکن یہ سب اس کی خواہشات کی موافقت نہیں کرتے تو انھیں ترک کر دیتا ہے اور وہی بات لیتا ہے جو اس کی خواہشات کے موافق ہو۔ (اللہ کی پناہ) یہی تو گمراہی ہے۔ یاد رہے کہ خواہشات کی

پیروی کرنا بہت بڑا خطرہ ہے۔ انسان کو خواہشات نفس کی پیروی سے خبردار رہنا چاہئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے فرمان جاری کرتا ہے: **﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾** (سورہ ص: 26) ترجمہ: ''اور خواہش نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں یقیناً اُن کے لیے سخت سزا ہے کہ وہ یوم الحساب کو بھول گئے۔'' علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ ایک ضخیم جلد والی کتاب ہے جس کا نام ہے ''**ذَمُّ الْهَوىٰ**'' (خواہشات نفس کی پیروی کرنے کی مذمت) اس میں انھوں نے بہت سارے دلائل، اہل علم کے اقوال اور ایسی حکیمانہ باتیں جو خواہشات نفس کی پیروی سے روکتی ہیں، ان ساری باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

پس انسان پر واجب ہے کہ: وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے سے بچے۔ وہ بُتوں، پتھر، درخت اور قبروں کی عبادت سے بچ جائے، اور توحید و سنت کی معرفت رکھتا ہو لیکن وہ اپنی خواہشات کی پیروی سے نہیں بچ سکتا، یہ بہت بڑی مصیبت ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ اپنی خواہشات کی پیروی سے بچے اور اپنی خواہشات کو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے تابع کر دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تم میں کا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ کر دے۔'' اسے امام نووی رحمہ اللہ نے ''**اَلْأَرْبَعِيْنَ**'' میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور فرمایا: اسے ہم نے ''**كِتَابُ الْحُجَّةِ**'' میں صحیح اسناد سے روایت کیا ہے۔ **(رواہ ابن أبی عاصم فی "السنة" رقم (15)، والبیهقی فی "المدخل" (ص 188)**

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے سامنے ہر چیز کو واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کر دیا ہے یہاں تک کہ بعض صحابہ کا کہنا ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور حالت یہ تھی کہ فضا میں اڑنے والے پرندے کے بازوؤں کو الٹنے پلٹنے کے علم کا بھی تذکرہ ہم سے کر دیا۔'' ہر اُس چیز کو بتا

دیا جو انسانوں کے لئے ضروری تھیں، جن سے بندہ اللہ کا تقرب حاصل کرسکتا ہے اور کفر و گمراہی سے دور رہ سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں جسے مضبوطی سے تھامے رہے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوں گے، اور وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔'' (رواہ الحاکم (171/1)، والبیھقی في "الکبریٰ" (114/10)

امت کو ایسی روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی راتیں بھی دن کی طرح واضح ہیں۔ جب آپ کے ذریعہ اللہ نے دین کو مکمل کیا اور اپنی نعمت کا اتمام کیا تو آپ اپنے رب کی جوارِ رحمت میں منتقل ہوئے۔ بعد اس کے کہ آپ نے اچھی طرح تبلیغ کر دی اور اپنے اصحاب سے سنت کی وضاحت کر دی، آپ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں کہا: ''کیا میں نے (دین کے احکامات تم تک) پہنچا دئے؟'' صحابہ نے کہا: ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ اور نصیحت کا حق ادا کر دیا، تو آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ ہو جا۔'' (رواہ البخاری (67)، ومسلم (1679)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یہی جماعت ہیں اور یہی سواد اعظم ہیں**) رسول اللہ ﷺ کے صحابہ ہی جماعت ہیں، یعنی: یہی اصل جماعت ہیں، پھر جو اُن کے بعد آئیں گے، پھر جو اُن کے بعد کے آئیں گے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے، پھر جو اُن کے بعد آئیں گے، پھر جو اُن کے بعد آئیں گے۔'' (رواہ البخاري (3450)، ومسلم (2535) صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین۔ یہی فضیلت والے زمانے کے لوگ ہیں۔ یہی جماعت ہیں۔ جو اِن کے بعد آئیں گے وہ ان کے تابع رہیں گے۔ وہ اُس اصل کی اتباع کریں گے جس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ﴾ (سورہ توبہ: 100) ترجمہ: ''وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ اُن کے پیچھے آئیں گے۔''

یہی وہ جماعت ہے جس کے ساتھ رہنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

اور اس سے علاحدگی اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ یہی وہ سواد اعظم ہے جو حق اور ہدایت پر قائم ہے۔ جو لوگ سلف سے جہالت کا مظاہرہ کرتے اور ان کی شان میں کمی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں: وہ رجال ہیں تو ہم بھی رجال ہیں، اور کہتے ہیں: نئی چیزوں سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا، ہم پر سلف اور ان کے اقوال کی اتباع لازم نہیں۔ اللہ کی پناہ، یہ تو گمراہی ہے۔ اس طرح تو امت کے بعد میں آنے والوں کا اگلوں سے رابطہ ٹوٹ جائے گا۔ اور جب بعد والوں کا پہلوں سے رابطہ ختم ہو جائے گا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اور وہ تو امت کی ہلاکت کے خواہش مند ہی ہیں۔ اسی لئے ایسا حیلہ لے کر کے آئے ہیں کہ بعد والوں کا رابطہ اگلوں سے ختم کر دیا جائے۔

ابھی کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو سلف کے مذہب اور ان کے اقوال کی طرف رجوع کرنے سے ڈراتے ہیں۔ کہتے ہیں: یہ زمانہ گزر چکا ہے، پس وہ جس پر سلف قائم تھے اس سے ڈراتے ہیں اور دین میں جدّت پسندی کو ہوا دیتے ہیں۔

دین توقیفی ہے اور اتباع کا نام ہے۔ نہ کہ نئی چیزوں اور جدّت پسندی کے اختیار کرنے کا۔ جدّت پسندی صرف مصنوعات اور دنیوی مفاد میں ہوتی ہے۔ رہی بات دین کی تو اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ ہی شریعت سازی ختم ہو چکی ہے۔ اب ہم پر صرف اتباع کرنا ہے اور اپنی طرف سے کسی نئی چیز کا اضافہ نہیں کرنا ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ: اسی سے اس زمانے کی بھی اصلاح ہوگی۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"اس امت کے اخیر کے لوگوں کی اصلاح اسی سے ہوگی جس سے اس کے اگلوں کی ہوئی تھی۔"** جس نے اگلوں کی اصلاح کی تھی وہ کتاب وسنت ہے۔ پس اس امت کے اخیر میں آنے والے لوگوں کی اصلاح کتاب وسنت اور سلف صالح کی اتباع ہی میں ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**سواد اعظم، حق اور اہل حق ہیں**) سواد ہی اہل حق ہیں اور ا حق کو مضبوطی سے تھامے رہنے والے لوگ ہیں۔ سواد اعظم سے مراد صرف کثرت نہیں ہے۔ **سواد اعظم کا معنیٰ**: یہ ہے کہ جو

لوگ حق پر ہیں گرچہ وہ تھوڑے ہی ہوں، وہی سواد اعظم ہیں۔ یہاں تک ایک ہی آدمی کیوں نہ ہو۔ جو بھی حق پر ہوگا وہ سواد اعظم ہے۔ ہمیں کثرت نہیں دیکھنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حق پر کون ہے۔ کیونکہ کثرت گمراہی پر بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾** (سورہ انعام: 116) ترجمہ: "اور اے نبی ﷺ، اگر تم اُن لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین میں بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔"

اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: **﴿وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾** (سورہ یوسف: 103) ترجمہ: "مگر تم خواہ کتنا ہی چاہو ان میں سے اکثر لوگ مان کر دینے والے نہیں ہیں۔"

اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: **﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾** (سورہ اعراف: 102) ترجمہ: "ہم نے ان میں سے اکثر میں کوئی پاسِ عہد نہ پایا بلکہ اکثر کو فاسق ہی پایا۔"

اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: **﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ﴾** (سورہ مائدہ: 49) ترجمہ: "اور یہ حقیقت ہے کہ اِن لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔" پس کثرت سے دھوکہ میں نہیں پڑنا چاہئے۔ جو حق ہے اس کی اتباع کرنا ہے۔ جو حق پر ہیں وہی جماعت ہیں چاہے کم ہوں یا زیادہ۔

ضابطہ: یہ ہوا کہ وہ جس پر لوگ قائم ہیں، کیا وہ حق ہے یا باطل، اگر وہ حق ہے تو وہی جماعت ہے گرچہ اس پر ایک ہی شخص ہو۔ اور اگر وہ باطل ہے تو وہ گمراہی ہے گرچہ لوگوں کی اکثریت اس پر ہو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جو دین کے کسی بھی معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی مخالفت کرے گا وہ کافر ہے۔**) **کفر:** میں احتمال ہے وہ مخالفت کے اعتبار سے کفر اکبر ہوسکتا ہے اور کفر اصغر بھی۔ پس مؤلف کا یہ کہنا کہ (**بے شک وہ کافر ہوگیا**) اس سے مطلقاً ملّت سے باہر کر دینے والے کفر کا معنیٰ نہیں لیا جائے گا۔ وہ کبھی کفر اکبر ہوگا تو کبھی کفر اصغر۔ اہم بات یہ ہے کہ سلف کی مخالفت کفر ہے۔ مخالفت کے اعتبار سے یہ کبھی کفر اکبر ہوگی تو کبھی کفر اصغر۔

یا اس سے یہ مراد ہے کہ اوّل مرحلہ میں تھوڑی چیز کے بارے میں جب وہ ان کی مخالفت کرے گا تو پھر بتدریج پورے طور پر دین سے خارج ہو جائے گا۔ اس کا معاملہ اسے کفر تک پہنچائے گا۔ اگر وہ مخالفت پر اڑا رہا تو یہ عمل اسے کفر اکبر تک لے جائے گا جس سے وہ مکمل طور پر دین سے خارج ہو جائے گا۔ شیطان، خواہش نفس اور نفس امّارہ اسے دھیرے دھیرے برائی کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ وہ پورے طور پر دین سے باہر نکل جائے گا۔

{5} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ أَنَّ النَّاسَ لَمْ يَبْتَدِعُوْا بِدْعَةً قَطُّ حَتّٰى تَرَكُوْا مِنَ السُّنَّةِ مِثْلَهَا، فَاحْذَرِ الْمُحَرَّمَاتِ مِنَ الْأُمُوْرِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَالضَّلَالَةُ وَأَهْلُهَا فِي النَّارِ)

ترجمہ: ''یہ بات جان لو کہ لوگوں نے جب کسی بدعت کو گھڑا تو اسی کے مثل سنت کو ترک کر دیا، پس معاملات میں حرام کردہ امور سے بچو، اس لیئے کہ نئے چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی اور اس کے کرنے والے جہنم میں جائیں گے۔''

الشرح:

یہ بہت عظیم حکمت ہے جو کہ سلف سے منقول ہے: ''لوگ جب کبھی کسی بدعت کو ایجاد کریں گے تو اسی کے مثل سنت سے محروم ہو جائیں گے۔'' وجہ یہ ہے کہ سنت اور بدعت ایک ساتھ جمع نہیں سکتے۔ دونوں میں سے کوئی ایک ہی پایا جائے گا۔ انسان بیک وقت بدعتی اور سُنّی (سنت پر عمل کرنے والا) نہیں ہوسکتا۔ یا تو وہ بدعتی ہوگا یا تو سُنّی ہوگا۔ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ لازم ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا جدا رہیں۔ یہ بدعت کے نقصانات میں سے ایک ہے۔

یہ منقول شدہ حکمت تجربہ سے بھی ثابت ہے۔ اس کا دلیل کی روشنی میں مشاہدہ کیجئے: تم بدعتیوں کو احادیث صحیحہ سے نفرت کرنے والا پاؤ گے۔ سُنتوں سے بُغض رکھتے ہیں۔ ان کے لیئے سب سے زیادہ بغض وعداوت والی بات جو وہ سنتے ہیں، اُن سے کہا جائے: فلاں حدیث اس کام سے روکتی ہے، یا اسے حرام ٹھہراتی ہے۔ وہ اپنے خلاف احادیث یا سنت کو سننا پسند نہیں کرتے۔ یہی اس بات کی علامت ہے کہ سنت اور بدعت ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے۔ رہی بات اس شخص کی جو سنت پر قائم ہے، جب وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کو سنتا ہے تو اس سے خوش ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی خیر میں مزید اضافہ

ہو جاتا ہے۔علم مزید بڑھ جاتا ہے۔سنت کو ماننے والا احادیث رسول ﷺ سے خوشی محسوس کرتا ہے۔ جبکہ بدعتی احادیث رسول ﷺ سے بدکتا ہے۔ یہ ایک واضح چیز ہے کہ بدعتی، سنتوں سے بھاگتے ہیں، اس لیے کہ سنت ان کی بدعتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

اس طرح بدعت سے نفرت ہوتی ہے، سنتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ سنتوں کی محبت بھی دلوں سے نکل جاتی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**پس معاملات میں حرام کردہ امور سے بچو**) اس لئے کہ حرام کردہ چیزوں میں کوئی خیر نہیں۔محرّمات میں چاہے شرک ہو یا کفر ہو یا گناہ۔اس لئے کہ جس چیز میں خیر ہو، اسے اللہ حرام نہیں ٹھہرا سکتا۔اسی کو حرام قرار دے گا جس میں صرف شر ہو یا شر کا پہلو غالب ہو یا برابر ہو۔اگر کسی چیز میں خیر اور شر دونوں جمع ہو جائیں اور شر زیادہ ہو یا برابری میں ہو تو اس سے اجتناب کیا جائے۔ اور اگر خیر کا پہلو زیادہ ہو تو اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔خیر کی زیادتی کے ہوتے ہوئے معمولی سی برائی چھپ جاتی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔**) یہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا نص ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا وعظ کیا جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں، تو ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی وداع ہونے والے کا وعظ ہے پس آپ ہمیں وصیت کیجئے، آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور سمع وطاعت کی وصیت کرتا ہوں، گرچہ تمہارے اوپر کسی غلام کو امیر بنا دیا جائے۔'' دوسری روایت میں ہے کہ: ''حبشی غلام ہو جس کا سر کشمش (خشک انگور) کی طرح ہو۔اس لئے کہ تم میں جو زندگی گزارے گا وہ بہت سارے اختلافات دیکھے گا۔پس تم میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رہنا اور میرے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم کر لینا۔اسے تھامے رہنا اور اپنے داڑھ کے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا۔اور خبردار (دین میں) نئی چیزیں ایجاد کرنے سے پرہیز کرنا۔۔۔'' حدیث

میں آنے والا لفظ ''**إِيَّاكَ**'' خبردار کرنے کے لئے ہے۔''اور خبردار (دین میں) نئی چیزیں ایجاد کرنے سے پرہیز کرنا، اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' دوسری روایت میں ہے کہ ''اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔'' (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)

ہر نئی چیز ہی بدعت ہوتی ہے۔ ''**نئی چیز**'' سے مراد: دین میں ایجاد کی جانے والی نئی چیز ہے۔ رہی بات اُن نئی چیزوں کی جو عادات زندگی، لوگوں کے فائدے، کھانے پینے اور پہننے میں ہوتی ہیں تو یہ لُغوی بدعت ہے۔ شرعی بدعت نہیں ہے۔ دین میں ایجاد کی جانے والی نئی چیزیں ہی حرام کردہ بدعات ہیں۔ اس میں اُن لوگوں کا رد ہے جو بدعات کو ''**بدعت حسنہ**'' ''**بدعت سیئہ**'' اور ''**بدعت مباح**'' میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ: پانچ احکام۔۔۔۔۔ یہ تو غلط ہے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس واضح فرمان کی روشنی میں دین میں ایجاد کی گئی ہر بدعت گمراہی ہے: ''ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' ان کے بارے میں میرا گمان ہے کہ انہوں نے (دین میں) لُغوی بدعت کو داخل کیا اور اُس کا نام ''**بدعت حسنہ**'' رکھ دیا۔ بدعت لُغوی مباح ہے، مثلاً مدارس کی تعمیر، طالب علموں کے لئے ہاسٹل بنانا، مصاحف میں نقطے لگانا اور اس طرح کے دیگر کام، انہیں بدعت حسنہ کا نام دے دیا گیا۔ جبکہ یہ بدعت (شرعی) نہیں ہیں، یہ تو سُنن کی تابعداری اور اسے زندہ رکھنے کے لئے ہیں۔

پس طالب علموں کے لئے مدارس اور ہاسٹل بنانا اور مصحف کو نقطوں کے ساتھ طبع کرنا، یہ سب علمی اعانت کے لئے ہیں، جو کہ درست اور مسنون ہیں۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ کبھی یہ سنت حسنہ کو بدعت کا نام دے دیتے ہیں اور کبھی عمومی معاملات کو بدعت کہہ دیتے ہیں، جبکہ یہ سب دین میں داخل نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ دنیاوی معاملات ہیں جو کہ دین میں شمار نہیں ہوتے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**گمراہی اور اس کے انجام دینے والے جہنم میں جائیں گے**) جیسا کہ حدیث میں ہے: ''ہر گمراہی کا (انجام) جہنم ہے۔'' اور جیسا کہ فرقوں سے متعلق حدیث میں ہے کہ: ''عنقریب یہ امت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک کے سب جہنم میں جائیں گے۔'' (سنن ترمذی:

۲۶۴۱)

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بدعت مختلف درجات کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ ان میں کوئی اپنے کفر کی وجہ سے جہنم میں ہوگا، کوئی اپنے کئے ہوئے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں ہوگا، کوئی ہمیشہ کے لئے تو کوئی ہمیشہ کے لئے نہیں جائے گا۔ ان پر اصحاب کبائر (کبیرہ گناہ کرنے والوں) کا حکم لاگو ہوگا۔

{6} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاحْذَرْ صِغَارَ الْمُحْدَثَاتِ مِنَ الْأُمُوْرِ فَإِنَّ صِغَارَ الْبِدَعِ تَعُوْدُ حَتّٰى تَصِيْرَ كِبَارًا،وَكَذٰلِكَ كُلُّ بِدْعَةٍ أُحْدِثَتْ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، كَانَ أَوَّلُهَا صَغِيْرًا يُشْبِهُ الْحَقَّ، فَاغْتَرَّ بِذٰلِكَ مَنْ دَخَلَ فِيْهَا، ثُمَّ لَمْ يَسْتَطِعِ الْخُرُوْجَ مِنْهَا، فَعَظُمَتْ وَصَارَتْ دِيْنًا يُدَانُ بِهَا، فَخَالَفَ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، فَخَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ)

ترجمہ: ''معاملات میں چھوٹے نئے امور سے بھی بچو، اس لئے کہ چھوٹی بدعات ہی بڑی بن جاتی ہیں۔ یہی حال اس امت میں ایجاد کی جانے والی ہر بدعت کا ہے۔ اس کی ابتداء چھوٹے پن سے ہی ہوئی جو کہ حق کے مشابہ تھی۔ جس کی وجہ سے اس میں ملوث ہونے والا دھوکہ کھا گیا اور پھر اس سے باہر ہی نہ نکل سکا۔ وہ بدعات اتنی بڑی ہوگئیں کہ دین کا حصہ بن گئیں جسے دین سمجھ کر عمل کیا جانے لگا۔ پس اس طرح اس نے صراط مستقیم کی مخالفت کی جس کی وجہ سے وہ اسلام سے ہی باہر نکل گیا۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ (**معاملات میں چھوٹے نئے امور سے بھی بچو**) وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: بدعت کے بارے میں کسی طرح کی سستی نہ برتی جائے چاہے وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ بڑی ہو جاتی ہے اور اس میں دیگر چیزیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ بدعت کے مفاسد میں سے ایک ہے۔ اس لئے کہ جب بدعت کا دروازہ کھلتا ہے تو بدعت بڑھتے ہی جاتی ہے۔ پس اس میں آپ غفلت کا شکار نہ ہوں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ: یہ چھوٹی سی بدعت ہے، یہ نقصان دہ نہیں۔ بدعت تو چنگاری کی مانند ہے گرچہ وہ چھوٹی سی ہو۔ وہ بڑھتے رہتی ہے یہاں تک کہ گھر، مارکیٹ یا پورے شہر کو جلا دیتی ہے، شاعر کہتا ہے:

ومعظم النار من مستصغر الشرر

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اکثر چھوٹی سی چنگاری سے ہی آگ لگتی ہے۔

پس اس بارے میں سستی نہ کی جائے بلکہ مکمل طور پر بدعت کے دروازے کو بند کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "**إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ**" (خبردار! (دین میں) نئے کاموں کو ایجاد کرنے سے پرہیز کرنا۔)" "**إِيَّاكُمْ**" (خبردار!): یہ لفظ مطلق طور پر بدعات کے ایجاد کرنے سے خبردار کرنے کے لئے ہے۔ بدعات چھوٹی ہوں یا بڑی، رسول اللہ ﷺ نے کسی بدعت کو مستثنیٰ (الگ) نہیں قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی ممانعت تمام بدعات کو شامل ہے۔ اور آپ کا فرمان ہے: "سب سے برا کام دین میں نئی چیزوں کو ایجاد کرنا ہے۔" (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یہی حال اس امت میں ایجاد کی جانے والی ہر بدعت کا ہے۔ اس کی ابتداء چھوٹے پن سے ہی ہوئی جو کہ حق کے مشابہ تھی۔ جس کی وجہ سے اس میں ملوث ہونے والا دھوکہ کھا گیا اور پھر اس سے باہر ہی نہ نکل سکا۔**) امت میں سب سے پہلا فتنہ اہل فساد کے ساتھ غفلت برتنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ انہوں نے زمین کو فساد سے بھر دیا اور نوجوانوں اور عوام الناس کی برین واشنگ (ذہن سازی) کی۔ ذہنوں میں اس قدر شر کو بھر دیا کہ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان اس کی وجہ سے فتنہ واقع ہو گیا۔ جیسا کہ حقیقت معلوم ہے۔

یہ سب اہل شر کو نظر انداز کرنے اور انہیں ڈھیل دینے کی وجہ سے ہوا یہاں تک کہ معاملہ گمبھیر ہو گیا۔ اس لئے اس معاملے کے سدباب کے لئے پختہ ارادے اور سختی کی ضرورت ہے۔ بدعات کے معاملے میں اللہ عزوجلّ کے بعد صرف علم نافع ہی بچا سکتا ہے۔ رہا ایسا شخص جس کے پاس علم نہ ہو تو وہ بدعت کو اچھا گمان کر کے اسے انجام دینے لگے گا۔ اس لئے کہ اسے بدعت کا علم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں ہی بدعات سے نجات مل سکتی ہے: "پس تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازمی طور پر پکڑے رہنا۔" (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)

یہی بدعات سے بچنے کا (طریقہ) ہے۔ اور یہ (طریقہ) دین کے علم اور اس میں تفقُّہ حاصل

کرنے کا محتاج ہے۔اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے سلف، امت میں سب سے زیادہ سمجھدار تھے اور شدت کے ساتھ بدعات سے بچے ہوئے تھے اور شدت کے ساتھ بدعات سے روکتے بھی تھے۔

فتنے جب بھڑکتے ہیں تو اس کی لپیٹ میں خشک وتر، چھوٹے بڑے،علماء اور ان کے علاوہ بلکہ تمام لوگ آجاتے ہیں۔اس سے نجات نہیں پاسکتے اور اگر وہ بذات خود فتنوں سے بچ بھی جائیں تو اس سے ان کے گھر والے، ان کی اولاد اور ان کے اطراف کے لوگ نہیں بچ پاتے۔فتنے آگ کی مانند ہیں جب کھوکھلی لکڑیوں میں آگ پھیلتی ہے تو اسے بجھانا بڑا مشکل ہوتا ہے۔البتہ شروع ہی میں اس پر قابو پالیا جائے تو آسان ہوتا ہے۔لیکن جب وہ بڑھ جائے اور شدت اختیار کرلے تو اسے ختم کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔پس اس کے ساتھ سختی سے پیش آنا اور کوتاہی سے کام نہ لینا ضروری ہے۔

قرون مفضلہ میں سلف بدعات کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور اس بارے میں کسی قسم کی رعایت نہیں کرتے تھے۔فضلیت والا زمانہ اس امت کا سب سے پاک وصاف زمانہ تھا۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس فرمان میں اس کی تعریف بیان کی ہے:''سب سے بہترین زمانہ میرا ہے، پھر جو اس کے بعد کے لوگوں کا ہوگا، پھر جو اس کے بعد کے لوگوں کا ہوگا۔''(صحیح بخاری:۳۶۵۰)۔اس لئے کہ وہ بدعات کے بارے میں غفلت نہیں برتتے تھے۔اس کا گھیراؤ کرتے تھے۔اہل حق کی قوت کی وجہ سے بدعتی پس پردہ رہتے تھے۔جب فضلیت والا دور چلا گیا تو بدعت، بدعتی اور اہل شر پروان چڑھے۔اور مسلمانوں کے درمیان فتنے کی آگ بھڑکی۔لیکن اللہ نے تو اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، الحمدللہ دین تو محفوظ ہے،البتہ ہلاکت اہل دین پر آئے گی اور وہ ہلاک ہوں گے۔اور دین تو اللہ کی حفاظت میں محفوظ ہوگا۔اس دین کی خاطر اللہ ایسے لوگوں کو متعین کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اور اسے قائم رکھیں گے۔اللہ کا فرمان ہے:﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ (سورہ محمد:38) ترجمہ:''اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔''

اور اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (سورہ مائدہ: 54) ترجمہ: ''اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ اُن کو محبوب ہوگا۔'' پس اللہ اپنے دین کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔لیکن ہم ہی وہ ہیں جو اپنے دین کو ضائع کرنے کی وجہ سے خود ضائع ہو رہے ہیں۔خود کو بدعات میں ڈبوئے ہوئے ہیں اور بدعات کے ایجاد کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔ان کے ساتھ غفلت برت رہے ہیں۔(ایسی صورت میں) ہم ہی تو ہیں جو (دین) کو ضائع کرنے کے ذمہ دار ہیں۔اکثر اوقات فتنے، قتال اور خون خرابے اسی سبب سے ہوتے ہیں۔اور ہم اس سے چھٹکارا پانے کی استطاعت نہیں رکھ پاتے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ (بدعات) بڑھتی گئیں یہاں تک کہ دین بن گئیں جن پر عمل کیا جانے لگا۔**) یعنی بدعات کو جب چھوڑ دیا جائے تو بعد میں وہ دین بن جاتی ہیں۔اس سے پہلے ہی یہ قول گزر چکا ہے کہ: ''لوگ جب کبھی کسی بدعت کو ایجاد کریں گے تو اسی کے مثل ایک سنت اٹھالی جائے گی۔'' یہاں تک کہ بدعت ہی دین بن جاتی ہے۔سنت اٹھالی جاتی ہے اور اس معاشرے میں بدعت ہی دین بن جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ساری امت اسی طرح کی ہے، البتہ وہ معاشرہ جہاں بدعت کو نظر انداز کیا جاتا ہے کہ وہ وہاں پھیلے تو پھر بدعت ہی ان کے درمیان دین بن جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دین مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے بلکہ دوسرے لوگ کسی اور علاقے یا شہر میں کھڑے ہوتے ہیں جن سے اللہ اس دین کی حفاظت کرتا ہے۔وہ اس دین کی مدد کرتے ہیں، اسے بچاتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

حدیث میں آیا ہے کہ اخیر زمانے میں سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت بنالیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب اس طرح کا بدلاؤ آجائے گا تو کہا جائے گا: دین تبدیل ہو گیا ہے۔اور جب آپ اس بدعت کا رد کریں گے تو آپ سے کہا جائے گا: آپ دین پر نکیر کر رہے ہیں۔(یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے)۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**پس وہ صراط مستقیم کی مخالفت کر کے دین سے ہی خارج ہو گیا۔**)

یعنی بدعتی کا معاملہ اتنا آگے بڑھ گیا کہ اس کا پورا دین بدعت بن گیا اور وہ دین سے خارج ہوتا چلا گیا۔ اس طور پر کہ اس کے دین میں کوئی سنت باقی نہ رہی۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(فَانْظُرْ -رَحِمَكَ اللهُ- كُلَّ مَنْ سَمِعْتَ كَلَامَهُ مِنْ أَهْلِ زَمَانِكَ خَاصَّةً فَلَا تَعْجَلَنَّ، وَلَا تَدْخُلَنَّ فِي شَيْءٍ مِنْهُ حَتَّى تَسْأَلَ وَتَنْظُرَ: هَلْ تَكَلَّمَ فِيهِ أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَرَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ- أَوْ أَحَدٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ؟ فَإِنْ أَصَبْتَ فِيهِ أَثَرًا عَنْهُمْ فَتَمَسَّكْ بِهِ، وَلَا تُجَاوِزْهُ لِشَيْءٍ، وَلَا تَخْتَرْ عَلَيْهِ شَيْئًا فَتَسْقُطَ فِي النَّارِ)

ترجمہ: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے! غور کیجئے خاص طور پر آپ کے زمانے کے لوگوں کی باتیں سننے کے بعد تو اس میں جلد بازی نہ کیجئے اور نہ کسی معاملے میں دخل اندازی کیجئے، یہاں تک کہ پوچھ تاچھ کر لیجئے اور اس پر غور کر لیجئے کہ: کیا اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی صحابی نے یا کسی عالم نے کلام کیا ہے؟ اگر اس بارے میں کسی کا قول مل جائے تو اسی کو لازم پکڑ لیجئے اور اس سے تھوڑا بھی تجاوز نہ کیجئے اور نہ ہی اس کے خلاف کسی اور چیز کو اختیار کیجئے، ورنہ جہنم میں جا گریں گے۔''

الشرح:

لوگوں کی سنی سنائی باتوں میں عجلت سے کام نہ لیں خصوصاً اخیر زمانے میں کہ لوگ کثرت سے کلام کرنے والے، فتویٰ دینے والے اور خود کو عالم کہنے والے پائے جاتے ہیں، اور خاص طور پر اس لئے بھی کہ معلومات کے وسائل نے جدّت اختیار کر لی ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ہر کوئی علم و دین کے حوالے سے گفتگو کرتا اور باتیں پیش کرتا ہے، یہاں تک کہ گمراہ لوگ اور گمراہ ومنحرف فرقے والے ٹی وی چینلوں پر دینداری کے نام پر باتیں کرتے ہیں۔ پس خطرہ بہت بڑا ہے۔ سوائے مسلم اور طالب علم! بذات خود تم پر لازم ہے کہ ثابت قدمی اختیار کرو اور ہر کسی کی بات سننے کے بعد جلد بازی نہ کرو۔ ثبات قدمی کو خود پر لازم قرار لو اور اس بات کو بھی کہ کس نے یہ بات کہی ہے؟ اور یہ بھی کہ یہ فکر کہاں سے آئی ہے؟

اس کے بعد یہ کہ اس کی ذرائع کیا ہیں اور کتاب وسنت سے اس کے کیا دلائل ہیں؟ پھر یہ بھی کہ اس کا کہنے والا کہاں سے علم حاصل کیا ہے؟ اور کس سے علم لیا ہے؟

یہ ساری باتیں تحقیق طلب ہیں، خاص طور پر اس زمانے میں۔ کوئی بھی قائل کتنا ہی فصیح و بلیغ اور عمدہ کلام والا ہو، نیز چرب زبانی اور چکنی چپڑی باتیں کرتا ہو اس سے دھوکہ نہ کھانا یہاں تک کہ اس کے پاس جو علم وفقہ ہے اس کی وسعت کو نہ سمجھ لو۔ بہت سارے ایسے ہوتے ہیں جن کا کلام کم ہوتا ہے لیکن وہ فقیہ ہوتا ہے۔ بہت سارے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا کلام زیادہ ہوتا ہے لیکن وہ جاہل ہوتا ہے، اس کے پاس کچھ بھی فقاہت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو کلام کی جادوگری آتی ہے جس سے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ عالم ہے، سمجھدار ہے اور مفکّر ہے اور بھی اسی طرح بہت کچھ ظاہر کرتا ہے۔ یہاں تک لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اس طرح وہ لوگوں کو حق سے نکال باہر کرتا ہے۔ اس کے کلام کی کثرت اور چرب زبانی قابل اعتبار نہیں۔ بلکہ اس کے علم اور اصالت کا اعتبار ہوگا۔ تھوڑی اصول پسندی کی باتیں، ڈھیر سارے چرب زبانی والے کلام جن سے صرف تھوڑا سا فائدہ ہوتا ہے، سے کہیں زیادہ نفع بخش ہوتی ہیں۔ ہمارے زمانے کی یہی حقیقت ہے جس میں باتیں زیادہ ہیں اور علم کم ہے۔ پڑھے لکھے زیادہ ہیں اور فقیہ (سمجھدار) کم ہیں۔ فقہ، کثرت کلام یا کثرت سے پڑھنے یا عمدہ گفتگو یا حسن تعبیر کا نام نہیں ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

فِيْ زُخْرُفِ الْقَوْلِ تَزْيِيْنٌ لِبَاطِلِهِ وَالْحَقُّ قَدْ يَعْتَرِيْهِ سُوْءُ تَعْبِيْرِ
تَقُوْلُ: هٰذَا مُجَاجُ النَّحْلِ تَمْدَحُهُ وَإِنْ تَشَأْ قُلْتَ: ذَا قَيْءُ الزَّنَابِيْرِ

ترجمہ: ''چکنی چپڑی باتوں کو اس کے باطل ہونے کی وجہ سے سجا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ حق پیش کرنے میں کبھی کبھار عمدہ تعبیر نہیں ہو پاتی، تم کہتے ہو: یہ نحل (شہد کی مکھی) کا شہد ہے، تم اس کی تعریف میں ایسا کہتے ہو۔ اور اگر تم چاہتے تو یہ بھی کہہ سکتے تھے: یہ شہد کی چھوٹی مکھیوں کی قئے (اُلٹی) کیا ہوا ہے۔''

تم چاہو تو شہد کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہو: یہ نحل (شہد کی مکھی) کا شہد ہے۔ اور اگر اس کی برائی کرنا چاہو تو یہ کہہ دو: شہد کی مکھیوں کی قئے (اُلٹی) ہے۔ اور نحل (شہد کی مکھی) کے بدلے میں یہ کہہ دو: زنابیر: چھوٹی مکھیاں۔ اس طرح ایک بلیغ حق کو باطل بنا کر پیش کرتا ہے۔ اور بلاغت کی وجہ سے باطل حق بن جاتا ہے۔ پس اس سے خبر دار رہنا چاہیے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایسے فصیح اللسان سے آگاہ کیا ہے جو اپنی زبان سے باتوں کو لپیٹ لپیٹ کر بیان کرتا ہے جیسا کہ گائے اپنی زبان سے چارہ لپیٹ لپیٹ کر کھاتی ہے" (رواہ احمد (165/2)، ابو داؤد (5005)، والترمذی (2853)) "بلاشبہ کچھ بیان جادو ہوتے ہیں۔" (رواہ البخاری (4851)، ومسلم (869)) یعنی کانوں پر جادو کی طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ (**اللہ آپ پر رحم فرمائے! غور کیجئے خاص طور پر آپ کے زمانے کے جن لوگوں کی باتیں سننے کے بعد جلد بازی نہ کیجئے اور نہ کسی معاملے میں دخل اندازی کیجئے۔**) یہ مؤلف کے وقت کی بات ہے۔ بہت ممکن ہے کہ مؤلف حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہم عصر رہے ہوں۔ اس لئے کہ یہ ان کے یعنی امام احمد کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: اپنے زمانے والوں کے کلام کو قبول میں جلد بازی نہ کرو یہاں تک کہ اس کی اچھی طرح سے تحقیق کرلو۔ کہاں وہ اور کہاں ہمارا زمانہ جو کہ خواہشات اور جہالت کا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں، حالت یہ ہوگئی ہے کہ فتنے، شرور اور افکار موجیں مار رہے ہیں۔ آج کے دشمن دین کو یکسر بدل دینا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارے متعلق یہ چاہتے ہیں کہ اس بارے میں ہم ان کے تابعداری کریں۔ اپنے افکار کو ہم پر تھوپ دینا چاہتے ہیں۔ اپنی سیاست کو ہم پر لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ پس ایسی صورت میں ہم پر واجب ہے کہ اس معاملے میں محتاط رہیں اور بہت سارے امور میں توقف اختیار کریں۔ کلام اللہ اور فرمان رسول ﷺ میں غور و فکر کی طرف توجہ دیں اور اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کریں۔

فقہ دین ہی فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔ اور فقہ، فہم و فراست کو کہتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا

ہے کہ انسان بہت کچھ یاد رکھتا ہے لیکن اس کے پاس فہم و فراست نہیں ہوتی۔ پس وہ اور ایک عام انسان دونوں برابر ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایک عام آدمی اس سے بہتر ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ توقف اختیار کرتا ہے اور اسے اپنی نادانی کی معرفت ہوتی ہے۔ جبکہ یہ (بہت کچھ یاد رکھنے والا) اس بات سے ناآشنا ہوتا ہے کہ وہ جاہل ہے۔ مسئلہ زیادہ یاد رکھنے یا زیادہ کلام کا نہیں ہے، مسئلہ فقہ (سمجھداری اور معاملہ فہمی) کا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کچھ ایسے مبلَّغ (جن تک بات پہنچائی جاتی ہے) ہیں جو سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے اور سمجھنے والے ہوتے ہیں۔" (رواہ البخاری (1654)، ومسلم (1679)) کبھی انسان حفظ کرتا ہے، (باتوں کو سن کر) نقل کرتا ہے اور اس کو روایت کرتا ہے لیکن وہیں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اس سے کہیں زیادہ فقیہ (سمجھدار) ہوتے ہیں۔ "کچھ حاملین فقہ کی حالت یہ ہے کہ وہ فقیہ نہیں ہوتے۔" (رواہ احمد (183/5)، وابوداؤد (3660)، والترمذی (2656)، وہ حامل علم اور نقل کرنے والا ہوتا ہے لیکن فقیہ نہیں ہوتا۔ پس فقہ، اللہ کی تحفہ ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اسے عطا کرتا ہے۔ لیکن جب بندے اس کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہیں اور اسے پروان چڑھاتے ہیں تو اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اگر اس سے غفلت برتتے ہیں تو وہ نعمت ضائع ہو جاتی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جلد بازی نہ کیجئے اور نہ کسی معاملے میں دخل اندازی کیجئے، یہاں تک کہ پوچھ تاچھ کر لیجئے اور اس پر غور کر لیجئے کہ: کیا اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی صحابی نے کلام کیا ہے؟**) یہ بہت ہی عظیم وصیت ہے۔ جب تمہیں دین کے بارے میں کسی کا کلام اچھا لگے، رہی بات دنیاوی امور سے متعلق کلام کی تو وہ موضوعِ بحث نہیں ہے۔ البتہ جب تمہیں دین کے بارے میں کسی کا کلام پسند آجائے تو جلد بازی سے کام نہ لینا یہاں تک کہ اس پر اچھی طرح غور نہ کر لو۔ کیا اس کی بنیاد حق اور اس کے دلیلوں پر ہے یا وہ صرف خواب و خیال ہی ہے۔ (اگر وہ صرف کسی کا خیال ہے تو) یہ سیلاب کے کچرے کی طرح ہے اسے چھوڑ دو۔ البتہ اگر اس کی بنیاد اور اصل کتاب و سنت پر ہے تو وہ حق ہے۔ بلا سوچے سمجھے اس کلام کے لینے میں جلد بازی کا ارتکاب نہ کرو۔

یہاں تک کہ اگر تمہیں اس کلام کی فصاحت و بلاغت اور اس کی قوت و جزالت اچھی لگے تب بھی اس کے بارے میں جلد بازی نہ کرو جب تک کہ اس پر غور نہ کرلو، اسے کتاب وسنت پر نہ پیش کرلو اور یہ نہ دیکھ لو کہ اس کا کہنے والا فقیہ ہے یا نہیں؟ حتیٰ کہ اس کے بارے میں اہل علم سے پوچھ تاچھ کرلو اور یہ دیکھ لو کہ ایسا سلف میں سے کسی نے کہا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں بار بار احتیاط برتنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ: ایسے اجتہادات، آراء، اقوال اور عبارتیں بیان ہی نہ کرو جو پہلے گزری نہ ہو۔ سلف کو قدوہ اور نمونہ بناؤ اور ان کے فرامین کی روشنی میں رہو۔ اگر تم نے کوئی ایسی بات پیش کر دی جو پہلے نہیں تھی تو وہ شاذ ہوگی۔ اس کا فائدہ اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہے۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کلام ہی معیار رہے؛ اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے شاگرد ہیں۔ آیت کے ضمن میں ان کے قول کو دیکھا جائے کہ انہوں نے اس کی کیا تفسیر کی ہے۔ اور حدیث کے بارے میں دیکھا جائے کہ اس کی کیا شرح کی ہے۔ ان کے کلام اور تفسیر کو ہی لیا جائے اس لئے کہ ان کے بعد آنے والوں کے مقابلے میں ان کے اقوال ہی حق سے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے تاویل وتفسیر رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ اور آپ سے اس کو حاصل کیا ہے۔ اس لحاظ سے وہ لوگوں میں حق کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اس شخص کے قول کا کوئی اعتبار نہیں جو یہ کہتا ہے کہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی اعتبار نہیں، وہ انسان تھے اور ان کے افکار تھے۔ ہم بھی انسان ہیں اور ہمارے بھی افکار ہیں۔ زمانہ بدلتا جا رہا ہے۔

دین قیامت تک باقی رہے گا اور زمانے کی تبدیلی سے اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ یہ ہر زمانے اور ہر جگہ کو شامل ہے۔ تبدیل ہونے والی چیزیں تو: انسانی اجتہادات ہیں جو خطا بھی ہوتے ہیں اور درست بھی۔ رہی بات دین کی تو بذات خود نہیں بدلے گا۔ اس لئے کہ وہ ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے درست ہے۔ اس لئے بھی کہ وہ حکیم وحمید ذات کا نازل کردہ ہے۔ اسی لئے سلف یہ وصیت کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اپنے آپ پر کتاب وسنت کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق لازم پکڑ لو،

اپنی یا بعد والوں کی طرف سے کسی نئی فہم کو ایجاد نہ کرو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یا کسی عالم نے**) یعنی اس بات کو معتبر علماء میں سے، ان ائمہ کرام میں سے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے منہج پر چل رہے ہوں، کسی نے کہا ہو، اس لئے کہ وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرنے والے ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**پس اگر اس بارے میں ان کی طرف سے کوئی اثر مل جائے تو اسے مضبوطی سے تھام لو**) جب اس بات کو سلف کے قول کے موافق پاؤ تو اسے مضبوطی سے تھام لو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور اس سے ذرا تجاوز نہ کرو**) سلف کے بعد میں آنے والوں کی رائے کی وجہ سے سلف کے قول سے تجاوز نہ کرو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور سلف سے منقول قول کے مقابلے میں کسی اور بات کو اختیار نہ کرو، ورنہ جہنم میں جا گروگے**) اور سلف کے قول کے مقابلے میں بعد میں آنے والے جو کچھ پیش کریں اسے اختیار نہ کرنا ورنہ جہنم میں جا گروگے۔ اس لئے کہ ایسا کر کے تم نے جنت کے راستے کی مخالفت کی ہے۔ اور جنت کا راستہ وہی ہے جس پر: ﴿الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (سورہ نساء: 69) ترجمہ: "جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔" یہی جنت کا راستہ ہے اور اس کا مخالف جو راستہ ہے وہ جہنم کا ہے۔ اللہ عزّ وجلّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (سورہ انعام: 153) ترجمہ: "اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو، ورنہ صحیح راستے سے علاحدہ ہو جاؤ گے۔" اللہ کا راستہ ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ جو راستے ہیں وہ بہت ہیں۔ ہر شیطان کا ایک راستہ ہے اور جنّ وانس کے شیاطین میں سے ایک طریق ہے۔ پس

بہت سارے طریقے ہیں جس میں پڑنے والا حیرانگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور جب تم اس پر چلو گے تو کبھی ضائع نہیں ہو گے۔

{7} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ أَنَّ الْخُرُوجَ مِنَ الطَّرِيقِ عَلَى وَجْهَيْنِ: أَمَّا أَحَدُهُمَا: فَرَجُلٌ قَدْ زَلَّ عَنِ الطَّرِيقِ، وَهُوَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الْخَيْرَ فَلَا يُقْتَدَى بِزَلَّتِهِ، فَإِنَّهُ هَالِكٌ، وَآخَرُ عَانَدَ الْحَقَّ وَخَالَفَ مَنْ كَانَ قَبْلَهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ، فَهُوَ ضَالٌّ مُضِلٌّ، شَيْطَانٌ مَرِيدٌ فِي هَذِهِ الْأُمَّةِ، حَقِيقٌ عَلَى مَنْ عَرَفَهُ أَنْ يُحَذِّرَ النَّاسَ مِنْهُ، وَيُبَيِّنَ لِلنَّاسِ قِصَّتَهُ، لِئَلَّا يَقَعَ فِي بِدْعَتِهِ أَحَدٌ فَيَهْلِكَ)

ترجمہ: ''جان لو کہ (سلف) کے طریقے سے خروج دو طرح (کے لوگ) کرتے ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے: جو شخص (سلف) کے راستے سے بھٹک جائے، حالانکہ اس کا ارادہ خیر کا ہی تھا، تو ایسی صورت میں اس کی غلطی کی پیروی نہیں کی جائے گی اس لئے کہ وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے حق کے ساتھ دشمنی مول لی اور اپنے سے پہلے کے متقیوں کا مخالف ہے تو ایسا شخص خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ اس امت کا سرکش شیطان ہے۔ وہ تو اس لائق ہے کہ جو بھی اس کو پہچانتا ہے وہ لوگوں کو اس سے خبردار کرے اور اس کی حقیقت واضح کرے تاکہ کوئی اس کی بدعت میں پڑ کر ہلاک نہ ہو۔''

الشرح:

جب شیخ رحمہ اللہ نے گذشتہ کلام میں صحیح راستے کے وصف کو بیان کیا جس پر مسلمان کو اپنے عقیدے اور دین کے مطابق چلنا واجب ہے: تو اب اس بات کا ذکر کیا کہ اس راستے سے دو طرح کے لوگ خارج ہیں:

پہلا آدمی: جو غیر ارادی طور پر خارج ہو جائے۔ اس کا ارادہ بھلائی کا تھا لیکن وہ خیر کے راستے کو بُھلا بیٹھا۔ اور صرف اجتہاد کافی نہیں، گرچہ اس کے کرنے والے کی نیت اچھی ہو اور مقصد نیک ہو۔

ان سب کے ساتھ راستے کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے۔ پس ایسا شخص خاطی شمار کیا جائے گا۔ جو اس راستے پر اس شخص کی موافقت کرے گا اور جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ راستہ غلط ہے اس کے ساتھ اس راستے پر چلے گا تو وہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اس لئے کہ یہ ہلاکت کا راستہ ہے۔ یہاں تک کہ اس راستے پر چلنے والا خروج کا ارادہ نہ بھی کرے اور وہ خیر کی تلاش میں ہو۔

یہی حال بہت سارے لوگوں کا ہے جو بذات خود اپنی طرف سے عقیدے کی علم میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں، یہ کام جائز نہیں ہے۔ اس پر اُن کی پیروی نہیں کی جائے گی۔ اس کا انجام دینے والا صواب اور جائز راہ پر نہیں ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾ (سورہ انعام: 153)

ترجمہ: ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو، ورنہ صحیح راستے سے علاحدہ ہو جاؤ گے۔'' تو جو بھی راستہ ہمیں صراط مستقیم سے خارج کرتا ہے تو ہم اسے چھوڑنے والے ہوں گے، گرچہ اس کا کرنے والا خیر کا ارادہ رکھے اور اس کی نیت اچھی ہو۔ پس ہم اس بارے میں اس کی پیروی نہیں کریں گے۔ اگر وہ اپنی اس خطا پر جما رہا تو ہلاکت میں جا گرے گا۔ اس لئے کہ جس نے اپنے سفر میں صحیح راستے کو ترک کیا اور بربادی کے راستے پر چلا تو وہ ہلاک ہوگا۔

رہا **دوسرا آدمی:** تو یہ جان بوجھ کر خروج کرتا ہے۔ وہ حق کی معرفت رکھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو بھی اس راستے سے خروج کرے گا وہ باطل ہے، باوجودیکہ وہ جانتے بوجھتے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے حق سے خروج کرتا ہے۔

پہلے: کا ارادہ لوگوں کی اصلاح کرنا تھا لیکن وہ صحیح راستے پر نہیں چلا۔

اور دوسرے: کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا اور صحیح راستے سے پھیر دینا تھا، تو یہ شیطان ہے۔ اس لئے کہ شیاطین لوگوں کو صراط مستقیم سے نکال باہر کرتے ہیں۔ ابلیس نے اپنے رب سے کہا تھا: ﴿لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ (سورہ اعراف: 16) ترجمہ: ''میں بھی اب تیری سیدھی

راہ پر ان انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔" وہ چاہتا ہے کہ لوگوں کو صحیح راستے سے انحراف والے راستے کی طرف موڑ دے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثال بیان کی جب آپ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور اس کے اردگرد دیگر خطوط کو کھینچا، تو خط مستقیم کے بارے میں آپ نے فرمایا: "یہ اللہ کا راستہ ہے۔" اور دیگر خطوط کے بارے میں کہا: "یہ دیگر راستے ہیں، ان میں سے ہر راستے پر شیطان بیٹھا ہوا ہے اور لوگوں کو اس راستے کی طرف بُلا رہا ہے۔" (رواه أحمد (435/1)، والنسائي في "الكبرىٰ" (11175)

یہ ایک واضح مثال ہے۔ اور اسی کے مطابق ہے جو شیخ نے یہاں ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ جو لوگوں کو صراط مستقیم سے، ایجاد کردہ بدعتی راستوں کی طرف نکال لے جاتا ہے تو وہ ان لوگوں کے لئے خیر کا ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ تو انہیں ہلاک کر دینا چاہتا ہے اور وہ شیطان ہے۔ چاہے وہ جنّوں کا شیطان ہو یا انسانوں کا۔ ہمیں چاہیے کہ پہلے شخص کے مقابلے میں اس دوسرے سے لوگوں کو شدت کے ساتھ خبردار کریں۔ اس لئے کہ یہ جان بوجھ کر لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، سرکش شیطان ہے۔**) یعنی: بذات خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ تو سرکش شیطان ہے۔ لوگوں کو صراط مستقیم سے پھیر دینا چاہتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ تو اس لائق ہے کہ جو بھی اس کو پہچانتا ہے وہ لوگوں کو اس سے خبردار کرے اور اس کی حقیقت واضح کرے تاکہ کوئی اس کی بدعت میں پڑ کر ہلاک نہ ہو۔**) یعنی: یہ وہی ہے جو جان بوجھ کر حق سے خروج کر بیٹھا، اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اس کے معاملے کا پردہ فاش کرنا چاہئے اور اسے سرعام رسوا کیا جائے یہاں تک کہ لوگ اس سے خبردار ہو جائیں۔ یہ نہ کہا جائے کہ: لوگوں کو آزادیٔ رائے حاصل ہے۔ بات کہنے کی آزادی ہے۔ دوسروں کی رائے کا احترام کرنا چاہیئے جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے، دراصل مسئلہ آزادیٔ رائے کا نہیں ہے، مسئلہ اتباع کا ہے۔ اللہ نے ہمارے لئے ایک واضح راستہ طے کر دیا ہے۔ اور ہم سے کہا: اسی پر چلو، جیسا کہ اللہ کا فرمان

ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا﴾ (سورہ انعام: 153) ترجمہ: "اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔"
پس کون ہے جو ہمارے پاس آئے اور ہم سے یہ امید کرے کہ ہم اس راستے سے علاحدہ ہو جائیں، پس ہم پہلے پہل: اس کی بات کو ٹھکرا دیں گے۔ اور دوسرا یہ کہ: اس کی حقیقت بیان کر کے اس سے لوگوں کو خبردار کریں گے۔ ہم اس کے بارے میں خاموشی اختیار نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ اگر اس کے بارے میں خاموش رہے تو لوگ دھوکے میں پڑ جائیں گے۔ خاص طور پر اگر وہ صاحب فصاحت، زباندانی، قلم اور ثقافت پر مہارت رکھنے والا ہو۔ تو ایسی صورت میں لوگ اس سے دھوکہ کھا جائیں گے۔ اور کہیں گے: یہ تو بڑا قابل ہے اور مفکرین میں سے ہے۔ جیسا کہ اس وقت ہو رہا ہے، مسئلہ بڑا ہی سنگین ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ مخالف پر رد کرنا چاہئے برخلاف ان لوگوں کے جو لوگ کہتے ہیں: رد کرنا چھوڑ دو۔ لوگوں کو جانے دو، ہر کسی کی اپنی سوچ اور اس کا احترام ہوتا ہے۔ آزادیٔ رائے اور کہنے کی آزادی ہے۔ اس سے تو امت ہلاک ہو جائے گی۔ سلف نے ان لوگوں کے بارے میں خاموشی اختیار نہیں کی، بلکہ ان کی فضیحت اور ان پر رد کی۔ اس لئے کہ انہیں امت پر ان کے خطرات کا علم تھا۔ ہمارے لئے بھی مناسب نہیں کہ ان کے شر کے بارے میں خاموش رہیں، بلکہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا اس کو بیان کرنا ضروری ہے اور اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو ہم (اللہ کی احکام کو) چھپانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ جن کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ﴾ (سورہ بقرہ: 159) ترجمہ: "جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درآں حالیکہ ہم اُنہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں۔" معاملہ صرف بدعتی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس میں خاموش رہنے والے بھی شامل ہیں۔ مذمت اور سزا میں یہ

لوگ بھی شامل ہیں ۔اس لئے کہ لوگوں کو بیان کرنا اور وضاحت کرنا واجب ہے ۔اور یہ وافر علمی ردود کا سلسلہ فی الحال مسلمانوں کی لائبریریوں میں موجود ہے، ہر کسی نے صراط مستقیم کا دفاع کیا ہے ۔اور ان لوگوں سے خبردار کیا ہے، چنانچہ یہ آزادی رائے اور دوسروں کی رائے کے احترام کرنے کی فکر کی ترویج وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ کرنے والے اور حق کو چھپانے والے ہیں ۔

ہمارا ارادہ حق بیان کرنے کا ہے، ہم لوگوں پر جرح کرنے یا ان کے بارے میں بات کرنے کا قصد نہیں رکھتے ۔ارادہ صرف حق کو بیان کرنے کا ہے ۔یہ ایک امانت ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے علماء کرام کے کاندھوں پر ڈالی ہے ۔پس اس طرح کے لوگوں کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا جائز نہیں ۔ لیکن افسوس ہوتا ہے کہ اگر کوئی عالم ان لوگوں کا رد کرتا ہے تو کہتے ہیں: یہ بڑا جلد باز ہے ۔۔۔۔۔ اس طرح کے بہت سارے وسوسے پیدا کرتے ہیں ۔اس سے اہل علم کو خفت (ہلکا پن) نہیں محسوس کرنا چاہئے کہ وہ لوگوں کے سامنے اس طرح کے گمراہی کی طرف دعوت دینے والوں کے شر کو نہ بیان کریں، انہیں شرمندہ نہیں ہونا چاہئے ۔

{8} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ -رَحِمَكَ اللهُ-: أَنَّهُ لَا يَتِمُّ إِسْلَامُ عَبْدٍ حَتَّى يَكُونَ مُتَّبِعاً مُصَدِّقاً مُسَلِّماً، فَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ بَقِيَ شَيْءٌ مِنْ أَمْرِ الْإِسْلَامِ لَمْ يَكْفُنَاهُ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَدْ كَذَّبَهُمْ، وَكَفَى بِهِ فُرْقَةً وَطَعْناً عَلَيْهِمْ، فَهُوَ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ، مُحْدِثٌ فِي الْإِسْلَامِ مَا لَيْسَ مِنْهُ)

ترجمہ: ''اللہ آپ پر رحم کرے! یہ جان لو کہ: بندے کا اسلام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اتباع کرنے والا، تصدیق کرنے والا اور تسلیم کرنے والا نہ ہو جائے۔ اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ اسلام کے معاملے کا کچھ حکم باقی رہ گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اسے ہم تک پورا نہیں پہنچایا تو وہ ان کی تکذیب کر رہا ہے۔ یہی بات اصحاب کرام سے کٹنے اور طعن کے لئے کافی ہے۔ پس ایسا شخص بدعتی، گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اسلام میں ایسی بات کو ایجاد کرنے والا ہے جس کا تعلق اسلام سے نہیں ہے۔''

الشرح:

یہ سابق کلام کا تتمہ ہے۔ پس مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**بندے کا اسلام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اتباع کرنے والا، تصدیق کرنے والا اور تسلیم کرنے والا نہ ہو جائے۔**) اتباع کرنے والا ہو، بدعتی نہ ہو۔ تصدیق کرنے والا ہو، شک یا تردد کرنے والا نہ ہو۔ (**تسلیم کرنے والا**) یعنی: کتاب وسنت کو ماننے والا ہو۔ اس لئے کہ یہ سارے امور قابل تسلیم ہیں، نہ کہ جدال والے ہیں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس بارے میں ہم جھگڑا نہیں کرتے، یا اپنی رائے کو اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے ساتھ جوڑتے، جیسا کہ لوگ کہتے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اگر کوئی یہ گمان کرتا ہے کہ اسلام کے معاملے کا کچھ حکم باقی رہ گیا ہے،**

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے اسے ہم تک پورا نہیں پہنچایا تو وہ ان کی تکذیب کر رہا ہے۔) یعنی: جو یہ گمان کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حق کے بیان کرنے، اس کی وضاحت میں اور رسول اللہ ﷺ سے لے کر لوگوں تک اسے پہنچانے میں کمی کی۔ اور وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کلام کرنے یا کچھ اضافہ کرنے کی اجازت ہے تو یہ لوگوں کے ساتھ شر کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا یا جو کچھ دیکھا تو اسے امت تک امانتداری کے ساتھ پہنچا دیا۔ اور امت کے سامنے اسے بیان کر دیا۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر کو دیگر لوگوں کی تفسیر پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے شاگرد ہیں۔ آپ سے قرآن، احادیث اور قرآن کے بیان (یعنی تفسیر) کو سنا۔ آپ کے عمل کو دیکھا۔ پس اسے امانتداری کے ساتھ امت تک نقل کیا۔ انہوں نے کسی چیز کو ترک نہیں کیا۔

پس جو بھی یہ گمان کرتا ہے کہ انہوں نے کمی کی اور کچھ چیزوں کو چھوڑ دیا، اسے پہنچایا نہیں تو وہ بڑا جھوٹا اور بہتان تراش ہے، گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، اللہ کے دین کے بارے میں لوگوں کو شک میں ڈال رہا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اس کے حاملین (پہنچانے والوں) کے بارے میں شک پیدا کر رہا ہے۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ جیسا کہ یہ طریقہ بدعتیوں کا رہا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خیانت کرتے ہیں، ان پر الزام تراشی کرتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کے واسطے کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ پس ان لوگوں سے خبردار رہنا ضروری ہے۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قدر و منزلت کو جانیں۔

یہ قرآن، احادیث اور فقہ کہاں سے آئے؟ ہاں جن لوگوں نے اس کو اٹھایا اور رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری خاطر اس دین کو اٹھایا اور اسے کامل طور پر ہم سے روایت کیا۔ ہر کسی نے اللہ نے اسے جو کچھ عطا کیا اور جتنی طاقت دی، اللہ کے دین کے کسی حصے کو نہ

چھوڑا، جیسا رسول اللہ ﷺ سے سنا اسی طرح پہنچایا۔ وہ قابل اعتبار مقام پر ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت، ان سے علم دین کے حصول اور اس کی روایت کے لئے منتخب کیا۔ جو اُن پر کوتاہی یا کمی کی تہمت لگاتا ہے تو ایسی بات سوائے گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے کے کوئی اور نہیں کرسکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ امت کا رابطہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے کاٹ دے۔ اور اس کے بعد امت کے رابطہ رسول اللہ ﷺ سے کاٹ دے۔ ہم نے تو رسول اللہ ﷺ کی مجالس میں حاضری دی اور نہ ہی آپ سے سماعت فرمایا۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کئی صدیاں ہیں۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے ہم تک (دین کو) پہنچایا۔ دین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام بہت عظیم ہے۔ ان پر یہ الزام تراشی کی ہی نہیں جاسکتی کہ انہوں نے کسی بات کو مخفی رکھا یا اسے چھپایا اور اسے بیان نہیں کیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**پس ایسا شخص بدعتی، گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اسلام میں ایسی بات کو ایجاد کرنے والا جس کا تعلق اسلام سے نہیں۔**) یہی اس کا مقصد ہے کہ اسلام میں وہ باتیں پیدا کرے جو اسلام کی نہیں ہیں۔ ایسا اسی وقت ممکن ہے جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرے، انہیں خائن قرار دے اور ان کی تکذیب کرے۔ تب جا کر وہ اپنے پاس کی چیزوں کی شروعات کرسکتا ہے، اور کہے گا: یہ دین ہے جس پر چلنا ہمارے لئے واجب قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکذیب، انہیں خائن قرار دینے اور ان کی تنقیص کا ٹارگیٹ ہے کہ آپ انہیں اس بات کی اجازت دے دیں کہ وہ اپنی طرف سے، اپنی عقل و آراء کے مطابق لوگوں کے لئے دین کو وضع کریں۔ اور ہم ایسے گمراہ شیوخ و ائمہ سے دین لیں، جنہوں نے جھوٹ کا سہارا لے کر رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تبدیل کر دیا۔ مشائخ اور ان اسانید کو جو اُن کے پاس ہیں، اسلامی مصادر کی مخالفت میں سنوار کر پیش کیا۔ یہ ایک واضح چیز ہے جو اُن کے ورثے اور افکار میں موجود ہے۔

الحمد للہ! لیکن اُن کے پاس جو گمراہی بچی ہے وہ ان کا گھیراؤ کئے ہوئے ہے، حق کی کرنیں اور

وحی کے انوار اسے عیاں کر رہے ہیں۔ ان کی کتابوں میں مدوّن بہت سارے جھوٹ کا پردہ فاش کر رہے ہیں۔

{9} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ -رَحِمَكَ اللّٰهُ- أَنَّهُ لَيْسَ فِي السُّنَّةِ قِيَاسٌ، وَلَا تُضْرَبُ لَهَا الْأَمْثَالُ، وَلَا تُتَّبَعُ فِيهَا الْأَهْوَاءُ، بَلْ هُوَ التَّصْدِيقُ بِآثَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِلَا كَيْفٍ وَلَا شَرْحٍ، وَلَا يُقَالُ: لِمَ؟ وَلَا: كَيْفَ؟)

ترجمہ: ''اللہ آپ پر رحم کرے ۔ جان لو کہ! سنت میں کوئی قیاس آرائی نہیں، نہ اس کی مثالیں پیش کی جائیں گی اور نہ ہی اس میں خواہشات کی پیروی کی جائے گی، بلکہ وہ بغیر کیفیت اور تشریح، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تصدیق کا نام ہے ۔ اور یہ نہ کہا جائے: ''کیوں؟'' اور نہ یہ کہا جائے: ''کیسے؟''

الشرح:

یہاں سنت سے مراد: **عقیدہ** ہے، اس لئے کہ یہ کتاب عقیدے کے موضوع پر ہے ۔ اور عقیدہ ہی سنت ہے ۔ اس کتاب کا نام ہے: ''**شَرْحُ السُّنَّةِ**'' سنت نام دیا گیا ہے، اس لئے کہ سنت ہی طریقہ ہے اور عقیدہ توقیفی ہوتا ہے ۔ اس میں کبھی بھی کسی قسم کے اضافے کی کوئی گنجائش نہیں، اس کی بنیاد جو کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا ہے وہی ہے ۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آئے ہوئے کلام کے مخالف ہے تو وہ باطل اور گمراہی ہے ۔ یہی علماء کے قول ''**عقیدہ توقیفی**'' ہوتا ہے کا معنیٰ ہے ۔ اس میں قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے کہ قیاس فقہ کے مسائل میں ہوتا ہے، ان مسائل میں ہی قیاس کا دخل ہے، جو کہ حلال وحرام سے متعلق ہیں ۔ رہے عقیدے کے مسائل تو ان میں قیاس نہیں چلے گا ۔ یہ تو جو کچھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا ہے بغیر کسی دخل اندازی کے تسلیم کرنے اور نافذ کرنے کا نام ہے ۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ (**اس بارے میں خواہشات کی پیروی نہیں کی جائے گی**) یعنی: عقیدے کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ: جو خواہش کے مطابق ہو اُسے لیا جائے اور جو اُس کے

مخالف ہے اسے رد کر دیا جائے، جیسا کہ گمراہ لوگوں کا طریقہ کار رہا ہے۔ اسی لئے تو انہیں اہل الاھواء یعنی خواہشات والے کہا جاتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَآءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ﴾** ترجمہ: "اب اگر وہ تمہارا یہ مطالبہ پورا نہیں کرتے تو سمجھ لو کہ دراصل یہ اپنی خواہشات کے پیرو ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا، جو اللہ کی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟" (سورہ قصص: 50) پس جس نے کتاب وسنت سے ثابت شدہ عقیدے کو تسلیم نہیں کیا تو وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے۔ اسی لئے عقیدے کے باب میں اہل بدعت کو "**اہل الاھواء**" کا نام دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ آیت میں ہے: **﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ﴾** (سورہ قصص: 50) ترجمہ: "اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا، جو اللہ کی ہدایت کے بغیر بس اپنی خواہشات کی پیروی کرے؟"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**بلکہ وہ بغیر کیفیت اور تشریح کے، صرف رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تصدیق کا نام ہے۔ اور یہ نہ کہا جائے: "کیوں؟" اور نہ یہ کہا جائے: "کیسے؟**) یعنی: اللہ کے اسماء، اس کی صفات اور عقیدے کے امور میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال کو مان لینا۔ (**بغیر تشریح کے**) یعنی: ایسی تشریح کئے بغیر جو اس کے صحیح معنیٰ کے خلاف ہے۔ یہ وہ تشریح ہے جو نصوص کے دلائل کے خلاف ہو۔ اور یہ جہمیہ، معتزلہ اور اشاعرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ان لوگوں کو گمان ہے کہ "**يَدٌ**" یعنی ہاتھ سے مراد: قدرت ہے۔ اور "**وَجْهٌ**" یعنی چہرہ سے مراد: ذات ہے۔ اور "**إِسْتِوَاءٌ**" سے مراد: غالب ہونا ہے۔ یہ باطل تشریح ہے۔ ان نصوص کا یہ معنیٰ ہے ہی نہیں۔ پس مؤلف رحمہ اللہ کے قول (**بغیر تشریح کے**) یعنی: بغیر باطل تشریح کے ہے۔ رہی بات ایسی تشریح کی جو اُس کے صحیح کے بیان میں ہو تو یہ حق ہے۔

{10} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(فَالْكَلَامُ وَالْخُصُومَةُ وَالْجِدَالُ وَالْمِرَاءُ مُحْدَثٌ، يَقْدَحُ الشَّكَّ فِي الْقَلْبِ، وَإِنْ أَصَابَ صَاحِبُهُ الْحَقَّ وَالسُّنَّةَ)

''پس کلام، مخاصمت، جدال اور فضول بحث بعد نئی ایجاد کردہ چیزیں ہیں، بندے تک حق اور سنت کے پہنچ جانے کے بعد بھی دل میں شک کو جگہ دیتے ہیں۔''

الشرح:

کلام، جدال اور جھگڑے یہ سارے امور جو فرقوں کے درمیان ہوتے ہیں، سب کے سب نئے ایجاد کردہ امور ہیں۔ اور خواہشات کی پیروی ان سب کا سبب بنی ہے۔ اور جس کی خواہش رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے تابع ہوگی تو اس کے اندر کوئی شک، جنگ و جدال اور جھگڑا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ وہ فرمانبردار مسلمان ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾** (سورہ بقرہ:38) ترجمہ: ''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اُس ہدایت کی پیروی کریں گے، اُن کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔'' نیز اللہ کا فرمان ہے: **﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ﴾** (سورہ طٰہٰ:123) ترجمہ: ''تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔'' مسئلہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی بغیر جدال اور جھگڑے کے اتباع، فرمانبرداری اور تسلیم کرنے کا ہے۔ گمراہ لوگوں میں جو جھگڑے اور جدال واقع ہوئے ہیں وہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اس طرح تسلیم نہیں کیا جیسا کہ اہل سنت والجماعہ نے تسلیم کیا۔ الحمدللہ! اسی وجہ سے آپ اہل سنت والجماعہ کو پاؤ گے کہ وہ متحد ہیں اور ان کے درمیان

عقیدے کے باب میں کوئی اختلاف نہیں ۔ یہ اختلاف تو گمراہ فرقوں کے درمیان ہے ۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (سورہ بقرہ: 137) ترجمہ: "اور اگر اس سے منہ پھیریں، تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں ۔ لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے ۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ۔" اسی کے مصداق دوسری آیت میں ہے: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (سورہ انعام: 153) ترجمہ: "اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی ۔ اس کا تم کو اللہ نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم پرہیز گاری اختیار کرو ۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(اور گرچہ بندے تک حق اور سنت پہنچ چکے ہوں)** یعنی: وہ غلطی پر ہے، اس لئے کہ صحیح راستے کے علاوہ سے اس تک پہنچے ہیں ۔ صحیح راستہ یہ ہے کہ: تسلیم کر لینا، بال کی کھال نکالنے سے بچنا، ایسے جدال و جھگڑے جس سے دل پراگندہ ہوں، نفرت کی آگ بھڑکے اور اس سے بھی زیادہ سخت بات یہ کہ ایک دوسرے کو کافر قرار دینے کے عمل کو ہوا دی جائے ۔ اس لئے کہ گمراہ فرقے کا بعض، بعض کو کافر اور گمراہ قرار دیتا ہے: ﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (سورہ روم: 32) ترجمہ: "ہر ایک گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے ۔" ہر کوئی یہی اعتبار کئے ہوئے کہ وہ جس (فکر) پر ہے وہی صحیح ہے ۔ رہے اہل سنت والجماعت جنہوں نے حکم کو تسلیم کیا اور مانا تو ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے ۔ وہ ایک دوسرے کو کافر نہیں قرار دیتے اور نہ ایک دوسرے کو گمراہ ٹھہراتے ہیں ۔ بلکہ ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں، ایک دوسرے کی اقتداء کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں ۔ کینہ، نفرت، ایک دوسرے کو کافر و گمراہ قرار دینا اور باطل آراء و افکار کو قبول کرنا یہ سب حق کی مخالفت کی وجہ سے واقع ہوتا ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کوئی اپنی رائے کی تائید کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ قبول کرنے کیلئے تیار ہی نہیں کہ کوئی اسے یہ کہے: آپ خطا پر ہیں ۔ اسکا معنیٰ یہ ہے کہ آپ

اسکی عقل کی کمی کا اتہام لگاتے ہیں اور وہ اس پر راضی نہیں۔لیکن جب آپ صاحب حق کو غلطی کرتا دیکھ کر کہیں گے: کہ آپ نے دلیل میں خطا کر دی ہے،سنت میں خطا کر دی ہے تو وہ اسے قبول کر لے گا۔ اس لئے کہ اس کا مقصد حق (تک پہنچنا) ہے،نہ کہ اپنی رائے کی تائید کرنا۔پس جب آپ کہیں گے: اے فلاں! تو نے سنت میں خطا کر دی ہے،تو نے دلیل میں خطا کر دی ہے،تو اسے قبول کر کے رجوع کر لے گا۔لیکن جب آپ خواہش کے پیروکار کو کہیں گے: تو نے غلطی کی ہے،تو وہ شدت کے ساتھ غصہ میں آجائے گا۔ یہی خواہش کے پیروکار کی علامت ہے۔کہ ہر کوئی اپنی رائے صحیح قرار دینا چاہتا ہے۔جبکہ صاحب حق،حق کی تائید کرنا چاہتا ہے۔وہ حق کی تلاش میں ہوتا ہے۔حکمت،مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں کہیں ملے اسے لے لیتا ہے۔

۞۞۞

{11} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ -رَحِمَکَ اللّٰہُ-: أَنَّ الْکَلَامَ فِی الرَّبِّ تَعَالٰی مُحْدَثٌ، وَھُوَ بِدْعَةٌ وَضَلَالَةٌ، وَلَا یَتَکَلَّمُ فِی الرَّبِّ إِلَّا بِمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسَهٗ عَزَّوَجَلَّ فِی الْقُرْآنِ، وَمَا بَیَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِأَصْحَابِهٖ، وَھُوَ -جَلَّ ثَنَاؤُہٗ- وَاحِدٌ: ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الشوریٰ: 11) **رَبُّنَا أَوَّلٌ بِلَا مَتٰی، وَآخِرٌ بِلَا مُنْتَھٰی، یَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفٰی، وَھُوَ عَلٰی عَرْشِهٖ اسْتَوٰی، وَعِلْمُهٗ بِکُلِّ مَکَانٍ، وَلَا یَخْلُوْ مِنْ عِلْمِهٖ مَکَانٌ)**

''اللہ آپ پر رحم فرمائے! یہ جان لو کہ! رب تعالیٰ کے بارے میں کلام کرنا مُحدَث (نیا کام) ہے۔ یہ بدعت اور گمراہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں ویسا ہی کلام کیا جائے گا جیسا کہ اس نے قرآن میں اپنی ذات کا وصف بیان کیا ہے۔ اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بتایا ہے، سو وہ اکیلا ہے: ''اس کی مانند کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔'' ہمارا رب بغیر ''کب'' کے اوّل (سب سے پہلا) ہے۔ اور بغیر انتہیٰ کے آخر (سب سے آخری) ہے۔ راز اور مخفی چیزوں کو جانتا ہے۔ وہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اس کا علم ہر جگہ ہے اور کوئی جگہ اس کے علم سے خالی نہیں۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(رب تعالیٰ کے بارے میں کلام کرنا مُحدَث (بعد میں ایجاد کی جانے والی چیز) ہے۔ یہ بدعت اور گمراہی ہے۔)** یعنی: رب کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں کلام کرنا نیا کام ہے۔ جسے گمراہ لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو نصوص کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی ان کے اندر اللہ کی خشیت ہے۔ وہ رب کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں کلام کرتے ہیں۔ وہ انکار کرتے ہیں اور نفی کرتے ہیں ان چیزوں کی جنہیں اللہ نے اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے اور اس

کے رسول ﷺ نے اللہ کے لئے انہیں ثابت مانا ہے۔ وہ خود کی طرف آراء پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں: یہی درست ہے۔ نصوص کی غلط تفسیر کرتے ہیں۔ یا وہ کہتے ہیں: ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے، اسے ہم اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو ایسے عجمی کلام کی طرح بنا دیتے ہیں جسے عرب نہیں سمجھ سکتے۔ پس مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ صحیح اور سلف کے راستے پر ڈٹے رہیں۔ اور ان گمراہوں کی طرف توجہ نہ دیں، جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی نازل شدہ دلیل کے مباحثہ کرتے ہیں۔ وہ قرآن کے بارے میں اور سنت کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ ان لوگوں سے سخت چوکنّا رہنا چاہیے۔ یہ اتباع کرنے والے نہیں ہیں۔ یہ تو بدعتی ہیں جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں ویسا ہی کلام کیا جائے گا جیسا کہ اس نے قرآن میں اپنی ذات کا وصف بیان کیا ہے۔**) جب اللہ کے بارے میں جدال سے اور اس کے اسماء وصفات کے بارے میں جھگڑنے سے روک دیا گیا تو اس تعلق سے جو واجب ہے اسے واضح کیا اور وہ یہ ہے: کہ ہم قرآن وسنت کو اسی پر ثابت مانیں جس معانی پر دونوں آئے ہیں اسی زبان کی روشنی میں جس میں قرآن وسنت کا نزول ہوا۔ پس علم کا معنیٰ لُغت میں معروف ہے۔ اسی طرح **وَجْهٌ** (چہرہ)، **عَيْنٌ** (آنکھ)، **يَدٌ** (ہاتھ)، **اِسْتِوَاءٌ** (مستوی ہونا، تشریف فرما ہونا)، **عُلُوٌّ** (بلند ہونا)۔ یہ سارے اور اس کے مثل، ان کے معنیٰ عربی زبان میں معروف ہیں جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ گمراہ لوگ کہتے ہیں: یہ کلام اپنے ظاہر پر نہیں ہے، اس تعلق سے وہ دو دھڑوں میں بٹے ہوئے ہیں:

ایک وہ لوگ جو کہتے ہیں: ہم توقّف اختیار کریں گے۔ اور کہیں گے: اس کا ظاہر مراد نہیں ہے۔ اور ہم اس کی مراد کو نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں مفوضہ کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ لوگ معنیٰ کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ جنہیں موولہ کہا جاتا ہے: اور انہیں کی اکثریت ہے۔ اس کی تاویل بغیر صحیح معنیٰ کے کی ہے، سو یہ لوگ خود گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور لوگوں کو الجھا دیا۔ اور اسی طرح

کے نہ ختم ہونے والے بے سود مناظروں، مجادلوں اور جھگڑوں سے کتابوں کو بھر دیا۔

پس واجب یہ ہے کہ: اللہ کے اسماء وصفات کے بارے میں جو کچھ بھی قرآن وسنت میں آیا ہے اسے اللہ اور اس کے رسول کی مراد کے مطابق تسلیم کیا جائے۔ اس لئے کہ اللہ ہی اپنی ذات کے بارے میں سب سے بہتر علم رکھتا ہے۔ اور مخلوق میں سب سے بہتر علم رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ رہے ہم تو ہمارا علم ادھورا ہے۔ ہم تو خود اپنے آپ جوڑوں، نسوں اور حواس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے۔ یہاں بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کی ہمیں معرفت نہیں۔ کیا آپ روح کو جانتے ہیں؟ عقل کیا چیز ہے؟ جب آپ اپنے جسم اور ذات کے بارے میں معرفت نہیں رکھتے تو اللہ کی ذات کے بارے میں کیونکر کلام کرتے ہیں جسے سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا: **﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾** (سورہ طٰہٰ: 110) ترجمہ: "وہ لوگوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے اور دوسرے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔" یہ لوگوں کی معلومات اور تصورات کے ماوراء ہے۔ اللہ کو اس کی مخلوق پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو اللہ کی تنقیص ہے۔ وہ خود اپنی ذات کے بارے میں اور دوسروں کے بارے میں سب سے بہتر جانتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے بارے میں سب سے سچی اور سب سے اچھی بات والا ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "**الواسطیہ، ص ۷**" میں کہا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیان کیا ہے۔**) اسماء وصفات اور اس کی تفسیر کا مدار کتاب وسنت پر ہے۔ شریعت عربی زبان میں نازل ہوئی ہے۔ ہم ارسطو، افلاطون اور فلاں فلاں کی منطق کی طرف نہیں جاسکتے۔ یہ تو اللہ کی شریعت پر ظلم کرنا ہے اور وحی الٰہی کو منطق اور علم کلام سے تبدیل کر دینا ہے۔ آخر ان لوگوں نے علم کلام اور علم جدل سے گمراہی اور ناکامی اور گھاٹا کے سوا کیا حاصل کیا! وہ کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکے، اس کا اقرار وہ خود کرتے ہیں۔

اپنی زندگی کو جدال وجھگڑوں میں فنا کر دیا اور اخیر میں اقرار کرلیا کہ وہ کسی نتیجے تک نہیں پہنچ

پائے۔ اگر انہوں نے خود کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا ہوتا تو سکون میں رہتے۔

اسی لئے انہیں میں سے ایک شاعر کہتا ہے:

نِهَايَةُ إِقْدَامِ الْعُقُوْلِ عِقَالٌ   وَأَغْلَبُ سَعْيِ الْعَالِمِيْنَ ضَلَالٌ
وَأَرْوَاحُنَا فِيْ وَحْشَةٍ مِنْ جُسُوْمِنَا   وَحَاصِلُ دُنْيَانَا أَذًى وَوَبَالٌ
وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُوْلَ عُمْرِنَا   إِلَّا أَنْ جَمَعْنَا فِيْهِ قِيْلَ وَقَالُوْا

ترجمہ: عقل کے اقدام کی انتہاء حیرانگی ہے اور دانشوروں کی کوشش کا غالب حصہ گمراہی ہے۔ ہماری روحیں ہمارے جسموں کی وحشت میں ہیں۔ ہماری دنیا کا حاصل پریشانی اور وبال ہے۔ پوری زندگی ہم نے اپنی بحث سے کچھ بھی فائدہ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ اس میں ہم نے قیل وقال کو جمع کر دیا۔ (یعنی فضول باتوں کو جمع کر دیا۔ **(درء تعارض العقل والنقل: ۱/۱۶۰)**

پس وہ شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے خود کو کر دیا تو وہ اس (فضول بحث) سے راحت میں ہیں۔

گمراہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔

لَعُمْرِيْ لَقَدْ طُفْتُ الْمَعَاهِدَ كُلَّهَا   وَسَيَّرْتُ طَرْفِيْ بَيْنَ تِلْكَ الْمَعَالِمِ
فَلَمْ أَرَ إِلَّا وَاضِعاً كَفَّ حَائِرٍ   عَلٰى ذَقْنٍ أَوْ قَارِعاً سن نَادِمِ

ترجمہ: میری عمر کی قسم! میں نے سارے کالجز کے چکر لگائے اور تعلیم گاہوں کے درمیان گھوما، تو میں نے دیکھا کہ وہ کسی حیرت میں پڑے ہوئے کیطرح ہے جو ہتھیلی کو اپنی ٹھوڑھی پر رکھے ہوئے ہے یا اس پشیمان کی طرح ہے جو اپنا دانت توڑ رہا ہے۔ (منہاج السنۃ: ۵/ ۲۷۰)

اس نے ہر کالج کا چکر لگایا۔ کلام، منطق اور بحث ومباحثہ کے کالج کا۔ اور ان کے درمیان سیر کی لیکن ان میں وہ چیزیں نہیں پائیں جس سے اسکو تسلی ہو سکے۔ اس نے کہا: میں نے علم کلام کے طور طریقے اور فلسفیانہ مناہج پر غور کیا تو اس میں کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جو تسلی کا ذریعہ بن سکے اور کسی پیاسے کو

سیراب کر سکے ۔میں نے سب سے قریب ترین طریقہ قرآن مجید کا پایا۔(کہنے والے "**فخر الدین رازی**" ہیں۔ کتاب النبوات: ۱۱۷)۔

اثبات کے تعلق سے یہ آیات پڑھیں: ﴿**إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ**﴾ (سورہ فاطر:10) ترجمہ:"تمام تر ستھرے کلمات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک عمل ان کو بلند کرتا ہے۔" ﴿**اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى**﴾ (سورہ طٰہٰ:5) ترجمہ:"جو رحمٰن ہے، عرش پر قائم ہے۔" اور نفی میں ان آیات کو پڑھیں: ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَّهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ**﴾ (سورہ شوریٰ: 11) ترجمہ:"اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔" ﴿**وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا**﴾ (سورہ طٰہٰ:110) ترجمہ:"مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہوسکتا۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (وہ اللہ اکیلا ہے: ﴿**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ**﴾ (سورہ شوریٰ: 11) ترجمہ:"اس جیسی کوئی چیز نہیں، وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔") وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا ہے۔اس کی ذات، اسماء وصفات، نہ اس کی تخلیق و افعال اور نہ ہی عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔پھر کیوں اپنے آپ کو تھکاتے ہو؟ تم مخلوق ہو اور وہ خالق ہے، مخلوق کیونکر خالق جلّ وعلا کا احاطہ کرسکتی ہے؟

تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حوالے خود کو کردو۔نہ جھگڑا کرو اور نہ ہی بحث و مباحثہ۔خود اور دوسروں کو ہلکان نہ کرو۔یہی فرض اور واجب ہے۔اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح کے تکلفات میں نہیں پڑے۔نہ کسی آیت یا حدیث کے بارے میں توقف اختیار کیا، بلکہ اسے اقرار کیا، اسے تسلیم کیا اور اس میں جو کچھ تھا اس کا عقیدہ رکھا۔اور نہ ہی ان کو کبھی کوئی مشکل پیش آئی۔ پس راستہ ایک ہی ہے اور وہ ہے تسلیم کرنا اور تابعداری کرنا۔ہم عقائد میں اس طرح غور و خوض نہیں کریں گے جیسا کہ اہل جدل، اہل کلام اور اہل منطق کرتے ہیں۔پس نتیجہ یہی نکلے گا کہ جیسا کہ انہوں نے خود کو حیرت اور اضطراب میں ڈالا ہے اور کسی نتیجے تک نہیں پہنچ سکے، جیسا کہ ان میں ایک

شخص کہتا ہے:

وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُوْلَ عُمْرِنَا إِلَّا أَنْ جَمَعْنَا فِيْهِ قِيْلَ وَ قَالُوْا

ترجمہ: پوری زندگی ہم نے اپنی بحث سے کچھ بھی فائدہ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ اس میں ہم نے قیل وقال کو جمع کر دیا۔ (یعنی فضول باتوں کو جمع کر دیا۔

فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا، اور اگر اس نے ایسا کہا تو اس کا جواب ایسے ہوگا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ہمارا رب اوّل (سب سے پہلا ہے) بغیر "کب" کے۔ اور آخر (سب سے آخری) بغیر "انتہاء" کے**) اللہ رب العزت اوّل ہے بغیر آغاز کے، اور بغیر انتہاء کے آخری ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿**هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ**﴾ (سورہ حدید: 3) ترجمہ: "وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی۔" اسماء ایک دوسرے کے مقابل میں ہیں۔ اوّل کے مقابل آخر اور ظاہر کے مقابل باطن۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمان میں اس آیت کی اس طرح تفسیر کی ہے: "تو اوّل ہے، پس تجھ سے پہلے کوئی بھی نہیں۔ تو آخر ہے، تیرے بعد کوئی نہیں۔ تو ظاہر ہے، تیرے اوپر کوئی نہیں۔ تو ہی باطن ہے، تیرے سوا کوئی نہیں۔" (صحیح مسلم: ۲۷۱۳) یہ رسول اللہ ﷺ کی تفسیر ہے۔ اس کے بعد کوئی آتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تفسیر سے ہٹ کر تفسیر کرتا ہے اور کہتا ہے: **ظاہر**، یعنی: عقل کے لئے ظاہر ہے اور براہین سے ظاہر ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہ مخلوقات کے اوپر ہے یا وہ عرش پر بلند ہے۔۔۔۔ تو یہ (تفسیر) باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تفسیر کے خلاف ہے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس آیت کی تفسیر سب سے واضح آپ نے کی ہے۔ وہ یہ کہ (**اوّل**) وہ ہے جس سے پہلے کوئی بھی چیز نہیں۔ (بغیر ابتداء کے وہ اوّل (سب سے پہلا) ہے۔)

اور (**آخر**) وہ ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ (بغیر انتہاء کے آخر ہے)۔ اور (**ظاہر**) وہ ہے جس سے اوپر کوئی نہیں۔ وہ اپنی مخلوقات کے اوپر ہے: ﴿**وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ**

الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ (سورہ انعام: 18) ترجمہ: ''اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے، اور وہی بڑی حکمت والا اور پوری خبر والا ہے۔'' **﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾** (سورہ انعام: 61) ترجمہ: ''اور وہی اللہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے برتر ہے، اور تم پر نگرانی کرنے والے (فرشتے) بھیجتا ہے۔'' اس کے لئے ذات کی فوقیت ہے، قدرت کی فوقیت ہے اور غلبہ کی فوقیت ہے۔ ''**تو باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں**۔'' یعنی: وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی چیز اس پر پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنی مخلوق سے عُلُو (بلندی) پر ہونے کے باوجود ان کے باطن کی کوئی چیز اس پر مخفی نہیں اور نہ ہی ان کے دلوں کی بات اس سے پوشیدہ ہے: **﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾** (سورہ آل عمران: 5) ترجمہ: ''یقیناً اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔''

اس کے باجود کوئی آئے اور یہ کہے: کہ اللہ نہ ہی اوپر ہے اور نہ ہی نیچے، اور نہ دائیں، نہ بائیں۔ اور نہ ہی کائنات کے اندر ہے اور نہ باہر۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ معدوم ہے۔ جیسا کہ علمائے کلام کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا (**وہ عرش پر مستوی ہوتے ہوئے راز اور چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے**) سو زمین میں کیا ہے، زمین کے نیچے کیا ہے اور نمناک زمین کے اندر کیا ہے، ان سب چیزوں کا جاننا اس کے عرش پر ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اور کوئی چیز اُس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ ساری مخلوق اللہ کی نسبت سے چھوٹی ہے، وہ عظیم، کبیر، متعال (بلندی والا) اور جلیل ہے۔ ہم اسے اپنے آپ پر قیاس نہیں کر سکتے: **﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾** (سورہ زُمر: 67) ترجمہ: ''اِن لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اُس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے

دستِ راست میں لپیٹے ہوئے ہوں گے پاک اور بالا تر ہے وہ اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"

مخلوقات اس کی ذات کے مقابلےمخلوقات کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، گرچہ لوگوں کی نظروں میں عظیم ہوں لیکن اسکی عظمت کے سامنے انکی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن ان لوگوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا، کیونکہ انہوں نے اس کی قدرت و عظمت کا انکار کیا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (سورہ حج: 73-74) ترجمہ: "لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اُسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔" انہوں نے اللہ کی عظمت، اس کی قدرت، جلال اور علم کی معرفت حاصل نہیں کی۔ تو وہ اسے اپنے آپ پر قیاس کرتے رہے۔ اسی لئے اللہ کی شان میں تنقیص کی۔

اگر تم میں سب ملکر، اوّل سے لے کر آخر تک جنّ وانس سب جمع ہو کر مکھی جیسی چھوٹی سے مخلوق کو پیدا کرنا چاہیں تو تم اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ خاص طور پر جن (باطل) معبودوں اور خدا کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو: ﴿لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ﴾ (سورہ حج: 73) ترجمہ: "وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔" اگر دنیا کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز، فنکار اور ایجاد کرنے والے سائنداں جمع ہو جائیں اور آپ ان سے کہیں: کہ ہمارے لئے ایک مکھی ایجاد کرو تو وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ باوجود اس کے کہ وہ بڑے بڑے جہاز بنانے کی استطاعت رکھتے ہیں جس میں ہیلی پیڈ ہوں اور جو ہوائی جہاز کو اٹھا سکیں۔ اور بڑے بڑے ہوائی جہاز بناتے ہیں۔ ان ساری چیزوں کو بنانے کی انہیں قدرت ہے۔ رہی بات مکھی پیدا کرنے اور اس میں روح ڈالنے کی تو وہ اس

کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ مکھی، انسان اور درندے وغیرہ کی تصویر بنا سکتے ہیں، لیکن انہیں ایسا نہیں بنا سکتے کہ وہ چلنے لگے اور باتیں کرنے لگے۔ وہ صرف نقشہ سازی کر سکتے ہیں۔ لیکن روح کو پھونکنا یہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، تو خالق کو مخلوق کے ساتھ کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہے؟ اُس تک عقل، گمان اور نہ ہی افکار اسے خیالات میں لا سکتے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ راز اور مخفی باتوں کو جانتا ہے جبکہ وہ عرش پر مستوی ہے**) اس کا عرش پر مستوی ہونا، اس کے راز اور مخفی چیزوں کے جاننے کے منافی نہیں ہے۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا: کہ وہ عرش پر مستوی ہے تو اپنے بندوں سے دور ہے، نہ سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ یہ تو رب کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینا ہو جائے گا۔

اللہ کے نزدیک ساری چیزیں برابر ہیں۔ اس سے کوئی بھی چیز مخفی نہیں۔ قریب و بعید، پہلی و آخری مخلوق اور دنیا و آخرت ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر عظیم الشان کائنات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی قدرت، ارادے اور کاریگری کے ساتھ چلا رہا ہے: ﴿**إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ إِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا**﴾ (سورہ فاطر: 41) ترجمہ: "حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کو ٹل جانے سے روکے ہوئے ہے، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے بعد کوئی دوسرا انہیں تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک اللہ بڑا حلیم اور درگزر فرمانے والا ہے۔" وہی افلاک کو چلا رہا ہے۔ سورج اور چاند کو ایسے دقیق نظام کے تحت چلا رہا ہے جس میں نہ تاخیر ہوتی ہے اور نہ ہی غلطی و خطا۔ یہ تنظیم سازی کس نے کی ہے؟ وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے۔

چاند اور ستارے ایک منظم نظام کے تحت چل رہے ہیں۔ جب تک اللہ چاہے گا دنیا کی انتہاء تک چلتے رہیں گے۔ اور پھر آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اس نظام کو حکمت اور علم والی ذات نے بنایا ہے۔

اگر آپ اس کائنات پر غور کریں گے تو اللہ کی عظمت کا ادراک کرلیں گے۔ لوگ جب کسی دقیق مشنری کو دیکھتے ہیں تو اس فنکاری پر تعجب کرتے ہیں۔ یہ تو بنانے والی کی ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ تو پوری کائنات کی کیا حالت ہوگی جو کبھی (وقت سے) پیچھے نہیں ہوتی۔ کون اسے چلا رہا ہے؟ اور کون اس کی حفاظت کر رہا ہے؟ کون ہے جو اس پوری کائنات کی حفاظت کر رہا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی؟ نہ تاخیر ہوتی ہے اور نہ کسی چیز کی کمی ہوتی ہے؟ وہ اللہ کی ہی ذات ہے۔

یہ چھوٹی بڑی مخلوقات، کون ہے جو اِن کے رزق کو فراہم کر رہا ہے؟ عظیم ترین مخلوقات، کون ہے جو اِن کی حالت کے حساب سے رزق فراہم کر رہا ہے؟ وہی اللہ ہے۔

پس ہم پر فرض بنتا ہے کہ ہم اللہ کی طرف سے آئی ہوئی باتوں کو مانیں اس لئے کہ وہ اپنے بارے میں سب سے بہتر جانتا ہے۔ اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آیا ہے اسے بھی تسلیم کریں۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ مخلوق میں اپنے رب کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔ ہم اپنی عقل اور خیالات کی بنیاد پر کسی قسم کا اعتراض یا دخل اندازی نہ کریں۔

پس اس بات کے بارے میں کوئی تعارض نہیں کہ **(وہ راز اور مخفی باتوں کو جانتا ہے جبکہ وہ عرش پر مستوی ہے)**

اور مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ **(اس کا علم ہر جگہ کو گھیرے ہوئے ہے اور کوئی بھی جگہ اس کے علم سے خالی نہیں)** اس کا علم ہر جگہ پر ہے: **﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾** (سورہ آل عمران: 5) ترجمہ: ''زمین وآسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں۔'' **﴿وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾** (سورہ انعام: 59) ترجمہ: ''بحر و بر میں جو کچھ ہے سب سے وہ واقف ہے۔ درخت سے گرنے والا کوئی پتہ ایسا نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ زمین کے تاریک پردوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں جس سے وہ باخبر نہ ہو۔ خشک وتر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔''

﴿وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ ''وہی ہے جو رات کو تمہاری رُوحیں قبض کرتا ہے۔'' یعنی نیند میں۔ ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ﴾ ''اور دن کو جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے'' یعنی جو کچھ کماتے ہو۔ ﴿بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ﴾ (سورہ انعام:60) ''پھر دوسرے روز وہ تمہیں اِسی کاروبار کے عالم میں واپس بھیج دیتا ہے۔'' نیند سے بیدار ہوتے ہو۔ کس نے تمہیں پہلی بار نیند دی اور کون ہے جس نے تمہیں بیدار کیا؟ وہ اللہ ہی ہے۔ اگر تم نے اس کائنات میں غور کیا تو یہ عمل تمہیں اللہ کی عظمت کی طرف رہنمائی کرے گا۔

اور تم خود کو اللہ کے حوالے کر دو گے۔ اگر تم رسول اللہ ﷺ کے کلام کے بارے میں غور کرو گے اور جو خبریں آپ نے ماضی اور مستقبل کے حوادث کے بارے میں دی ہیں، جو اسی طرح پیش آئیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی، تو کس نے آپ کو ان باتوں کی طرف رہنمائی کی؟ وہ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے آپ کی طرف وحی کی۔ یہ سب آپ نے اپنی طرف سے نہیں پیش کیا۔ وہ تو صرف اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر احادیث واقعات کے مطابق اتریں تو اس سے تمہیں تعجب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ ہم سے انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی کے حالات اور امتوں کے بہت سارے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جبکہ آپ کا زمانہ ان کے بہت بعد کا ہے۔ کس نے ان چیزوں کی اطلاع آپ کو دی؟ وہ اللہ ہی نے دی ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ قرآن مجید کے بارے میں ممکن ہی نہیں کہ یہ غیر اللہ کے طرف سے آئے: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (سورہ اسراء: 88)
ترجمہ: ''کہہ دو اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اُس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔''

یہ اللہ کا کلام ہے اور رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے اسے پہنچانے والے ہیں: ﴿وَاُوْحِيَ

اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (سورہ انعام:19) ترجمہ: ''اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے، سب کو متنبہ کر دوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے اسے امت تک پہنچانے والے ہیں۔

{12} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَلَا يَقُوْلُ فِي صِفَاتِ الرَّبِّ تَعَالٰى: كَيْفَ؟ وَلِمَ؟ إِلَّا شَاكٌّ فِي اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى)

ترجمہ: ''اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کے بارے میں: وہ کیسا ہے؟ اور کیوں؟ (اس طرح کے سوالات) صرف وہی کرے گا جو اللہ کے بارے میں شک کرتا ہو۔''

الشرح:

کیفیت کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی علّت کے بارے میں سوال ہو گا کہ ایسا کیوں کہا؟ بلکہ (معاملہ) اللہ کے حوالے کر دیا جائے گا، اس لیے کہ کیفیت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

{13} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ وَتَنْزِيلُهُ وَنُورُهُ، وَلَيْسَ مَخْلُوقًا، لِأَنَّ الْقُرْآنَ مِنَ اللّٰهِ، وَمَا كَانَ مِنَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمَخْلُوقٍ، وَهٰكَذَا قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ قَبْلَهُمَا الْفُقَهَاءُ وَمَنْ بَعْدَهُمَا، وَالْمِرَاءُ فِيهِ كُفْرٌ)

ترجمہ: ''قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کا نازل کردہ ہے اور اس کا نور ہے۔ وہ مخلوق نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن اللہ سے آیا ہے اور جو اللہ سے آئے وہ مخلوق نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح کی بات حضرت امام مالک بن انس اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان سے قبل اور بعد کے فقہاء نے کہی ہے اور اس بارے میں جھگڑنا کفر ہے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کا نازل کردہ ہے اور اس کا نور ہے۔ وہ مخلوق نہیں ہے۔**) اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ: ''قرآن اللہ کا کلام ہے، اس کو اللہ نے حقیقت میں کلام کیا ہے، اللہ سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سنا اور اسے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر لے کر نازل ہوئے۔'' یہ وہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلنے والے کسی بھی اہل علم نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

اس بارے میں جہمیہ جیسے گمراہ لوگوں نے مخالفت کی جو جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں۔ اور معتزلہ، زیدیہ اور شیعہ میں سے جہمیہ کے ہمنواؤں نے اس کی مخالفت کی۔ سبھی نے یہ مسئلہ جہمیہ سے لیا۔ اسی طرح اِباضیہ بھی ہیں، سب کے سب ایسے منہج پر چل رہے ہیں جو اہل سنت والجماعت کے منہج کے خلاف ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک اللہ صفت کلام سے متصف

نہیں۔جیسا کہ وہ اللہ کو سمع (سننے)، بصر (دیکھنے)، علم اور ارادے کی صفت سے متصف نہیں مانتے۔اس کے علاوہ بھی ان کے نزدیک کچھ اور باتیں ہیں۔وہ اللہ کو صفت **وَجْهٌ** (چہرہ) سے متصف نہیں مانتے۔اور یہ بھی کہ اس کے **يَدَيْنِ** (دو ہاتھ) ہیں، اسے بھی نہیں مانتے۔اس کے علاوہ بھی دیگر مسائل ہیں۔

اس سے ان کا مقصد عقیدے میں بگاڑ پیدا کرنا ہے، گرچہ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کا مقصد اللہ کو مخلوق کی مشابہت سے مُنزّہ کرنا ہے۔یہ ایک باطل خیال ہے۔اس لئے کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے۔رب کے اسماء وصفات ہیں جو اُس کے اور اُس کی عظمت کے لائق ہیں۔اور مخلوق کے اسماء وصفات ہیں جو ان کے اور ان کی بشریت کے لائق ہیں۔پس حقیقت اور کیفیت کے اعتبار سے دونوں قسموں میں کوئی مشابہت نہیں۔گرچہ معنیٰ اور لفظ میں مشابہت پائی جاتی ہے۔یہ نام میں مشارکت ہے، لیکن حقیقت وکیفیت میں مشترک نہیں ہیں۔یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔اس کی دلیل اللہ کی کتاب سے یہ ہے: **﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾** (سورہ توبہ: 6) ترجمہ: ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص پناہ مانگ کر تمہارے پاس آنا چاہے (تا کہ اللہ کا کلام سنے) تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔'' اس میں اللہ نے کلام کی نسبت بذات خود اپنی طرف کی ہے۔اور منافقوں کے بارے میں کہا: **﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ﴾** (سورہ فتح: 15) ترجمہ: ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔'' اس آیت میں اپنی ذات کی طرف (کلام کی) اضافت کی ہے۔

اس مسئلہ پر سنت اور اجماع امت سے بہت ساری دلیلیں ہیں۔بلا شبہ یہ ایک یقینی مسئلہ ہے۔گمراہ لوگوں کا اختلاف اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کے کلام کا ایک حصہ ہے۔اللہ کلام کرتا ہے اور جب تک چاہے مسلسل کلام کرتا ہے۔جب چاہے اور جس سے چاہے۔وہ صفت کلام سے متصف ہے۔اور یہ قرآن اللہ کے کلام کا ایک حصہ ہے۔اس نے تورات، انجیل اور زبور کے ذریعے بھی کلام کیا ہے۔امر ونہی کے ذریعے بھی کلام کرتا ہے۔کسی چیز کے بارے میں کہتا ہے

(كُنْ) ''ہوجا'' پس وہ ہوجاتی ہے۔ ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (سورہ یٰس:82) ترجمہ: ''وہ تو جب کسی چیز کاارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے کہے کہ ہوجا اور وہ ہو جاتی ہے۔'' پس اللہ نے اپنے آپ کے لئے (قَوْل) ''کہنے'' کو ثابت کیا، ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى﴾ (سورہ آل عمران:55) ترجمہ: ''جب اللہ نے کہا کہ: ''اے عیسیٰ!۔'' اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسا کلام کیا جسے انہوں نے سنا، جب انہیں فرعون کی طرف بھیجا۔ پس اللہ رب العزت صفت کلام سے متصف ہے۔ اور قرآن اس کے کلام میں سے ہے۔

رہی بات گمراہ لوگوں کے کلام کی کہ: کلام کی اضافت اللہ کی طرف کرنا مخلوق کی اضافت خالق کی طرف کرنے کی طرح ہے۔ مثلاً (نَاقَةُ اللهِ) ''اللہ کی اونٹنی'' اور (بَيْتُ اللهِ) ''اللہ کا گھر'' تو ہم کہیں گے: یہ بہتان اور تلبیس ہے، اللہ کی طرف اضافت کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: معانی کی اضافت

دوسری قسم: اَعیان کی اضافت

معانی: اللہ کی طرف اس کی اضافت کا مطلب یہ ہے کہ صفت کو موصوف کی طرف منسوب کرنا۔ یہ حقیقی اضافت ہے۔ یہ اللہ کی صفات میں سے ہے۔ جیسا (كَلَام) ''بات کرنا''، (سَمْع) ''سننا'' اور (بَصَر) ''دیکھنا''۔

اور اَعیان کی اضافت: جیسے اونٹنی اور گھر۔ یہ مخلوق کی اضافت اس کے خالق کی طرف ہے۔ یہ اضافت تشریف ہے۔ پس ان لوگوں نے دو الگ الگ معاملے کو خلط ملط کر دیا اور اِس کے اور اُس کے درمیان فرق نہیں کیا۔ اسی لئے اہل سنت والجماعت نے اس مسئلہ پر عقائد کی کتابوں میں واضح دلائل پیش کئے تا کہ گمراہ لوگوں کی تردید کرسکیں۔ اور اگر اللہ کلام نہیں کرسکتا جیسا کہ ان کا گمان ہے تو پھر وہ حکم کیسے کرتا اور منع کیسے کرتا ہے؟ اس کا معنیٰ تو یہی ہے کہ احکام شریعت معطل ہوجائیں اور اصل الاصول یعنی قرآن مجید منہدم ہوجائے۔ پس جب اصل الاصول ہی منہدم ہوجائے گا تو اسلام بھی منہدم ہوجائے گا۔

لیکن یہ لوگ **تَنْزِیْہٌ** کا سہارا لیتے ہیں۔حالانکہ یہ **تَنْزِیْہ** نہیں ہے۔ یہ تو تعطیل ہے اور تعطیل و **تَنْزِیْہٌ** کے درمیان فرق ہے۔

تَنْزِیْہٌ: یہ ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنے قول میں کیا: **﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾** (سورہ شوریٰ: 11) ترجمہ: ''اُس کے جیسی کوئی چیز نہیں۔'' **﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾** (سورہ مریم: 65) ترجمہ: ''کیا تیرے علم میں اس کا ہم نام ہم پلہ اور اور بھی ہے؟'' یہ ہے وہ **تَنْزِیْہٌ** جس کا ذکر اللہ نے کیا ہے اور وہ ہے کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ تشبیہ دینے کی یا مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرانے کی نفی کرنا۔ یہ ہے وہ **تَنْزِیْہٌ** جو اللہ نے کی ہے۔ رہی بات صفات کی نفی کرنا تو یہ تشبیہ کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے والی تعطیل ہے۔ پہلے تو انہوں نے تشبیہ دی اور پھر دوبارہ اسی کو معطل کر دیا۔ یہ تو **تَنْزِیْہٌ** نہیں ہے۔ پس **تَنْزِیْہٌ** اور تعطیل کے درمیان فرق کو سمجھیے۔

اشاعرہ نے جہمیہ سے بھی زیادہ عجیب چیز پیش کی ہے، انہوں نے کہا: اللہ کا کلام دو قسموں میں تقسیم ہوتا ہے: معنیٰ اور الفاظ:

معانی: یہ اللہ کا کلام ہے، اور اللہ کو اس سے متصف مانا جائے اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ یہی اس کا قدیم معنیٰ ہے جو اپنے نفس کے ساتھ قائم ہے۔ رہی بات یہ کہ اللہ حرف اور آواز کے ساتھ کلام کرتا ہے تو یہ ان کے نزدیک اللہ کے بارے میں منفی چیز ہے۔ اور وہ کہتے ہیں: وہ اس معنیٰ میں ہے کہ اللہ اپنے نفس کے ساتھ قائم ہے۔

رہی بات لفظ کی: تو وہ مخلوق کا کلام ہے، یعنی: وہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کلام سے ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے ہے۔

پس انہوں نے قرآن کو دو چیزوں سے بنا ہوا قرار دیا: مخلوق اور غیر مخلوق سے۔ پس یہ اہل سنت کے ساتھ نہیں ہوئے۔ جو کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں ہے۔ اور نہ ہی جہمیہ کے ساتھ ہوئے، کہ کہتے کہ قرآن پورا کے پورا مخلوق ہے۔ یہ تذبذب کا شکار ہو گئے۔ جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے

بارے میں کہا: وہ دو چیزوں سے بنے ہوئے ہیں: لاہوت اور ناسوت سے۔ اور وہ کہتے ہیں: لاہوت ناسوت سے متحد ہو گیا۔

پس حاصل کلام یہ ہے: کہ یہ بہت عظیم مسئلہ ہے۔ باطل پرستوں کے قول سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت میں سے ہیں۔ اور کہتے ہیں: یہ مسئلہ جدال کا متحمل نہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ قرآن کو مخلوق کہنے کو روکنے میں انتہاء درجے کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ مسئلہ ان سب چیزوں کا متحمل نہیں۔ یہ بعض اہل علم کی کتابوں میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں: کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان جھگڑا "سیاسی جھگڑا" تھا۔

غور کرنے پر آپ کو محسوس ہو گا کہ یہ آسان بات نہیں ہے۔ جب قرآن کے کلام اللہ ہونے کی نفی کی جائے گی تو ہمارے پاس بچے گا کیا؟ جب رب کو صفت کلام سے معطل قرار دیا جائے تو رب میں نقص پایا جائے گا، اس لئے کہ جو کلام نہیں کرتا وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ یہود جب بچھڑے کی پوجا کرنے لگے تو اللہ نے ان پر عیب لگایا کہ: ﴿أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ﴾ (سورہ اعراف: 148) ترجمہ: "کیا انہیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ نہ ان سے کلام نہیں کرتا۔" رب کے لئے ضروری ہے کہ وہ کلام کرے۔ تدبیر کرے، (بھلائی کا) حکم دے اور (برائی سے) منع کرے۔ پس اگر اللہ سے کلام کی نفی کر دی گئی تو وہ اُلوہیت کے قابل ہی نہیں رہے گا، اللہ ان کی باتوں سے بہت بلند بالا ہے۔ تو یہ بڑا مسئلہ ہے۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کے سامنے بلند بالا پہاڑ کی طرح ڈٹے رہے۔ نہ پیچھے ہٹے اور نہ تاویل کی راہ اپنائی۔ آزمائش میں صبر اختیار کیا۔ جیل میں اور مار پڑنے پر صبر کیا۔ اور ذلیل کئے جانے پر صبر کیا۔ مامون، معتصم اور واثق تینوں خلفاء نے یکے بعد دیگرے انہیں سزا دی۔ وہ چاہتے تھے امام احمد رحمہ اللہ اپنے موقف سے پیچھے ہٹ جائیں، انہوں نے انکار کیا اور ثبات قدمی کے ساتھ جمے رہے۔ واثق کے اخیر زمانے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: واثق نے اس سے رجوع کر لیا تھا جب اہل سنت کے ایک عالم اور بشر مُریسی کے درمیان مناظرہ ہوا۔ مُریسی ہار گیا۔ اسی وقت واثق نے رجوع کر لیا۔ (سیر اعلام

النبلاء: ۱۰/ ۳۰۷)

حاصل کلام یہ کہ: یہ مسئلہ بہت عظیم ہے اور بہت اہمیت کا حامل بھی ہے، اس سے غفلت نہیں برتنا چاہیے۔ اور ایسا نہ کہا جائے جیسا کہ بعض جاہل، کاتب اور تہذیب کے دلدادہ کہتے ہیں۔ یا اشاعرہ یا اُن کے جیسے لوگوں نے کہا کہ: یہ مسئلہ اس قدر اہتمام کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی اتنی تردید کی ضرورت ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ کے اس قول سے اُن کا رد کیا: ﴿حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ (سورہ توبہ:6) ترجمہ: "یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔" ﴿كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ (سورہ فتح:15) ترجمہ: "اللہ پہلے ہی یہ فرما چکا ہے۔" ﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ "اللہ نے کہا" اللہ نے اپنے لئے کلام اور قول کو ثابت کیا ہے۔

(**اور اس کا نازل کردہ ہے۔**) یعنی: قرآن، اسے اللہ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ﴾ (سورہ شعراء:193-195) ترجمہ: "اِس (قرآن کو) لے کر تیرے دل پر امانت دار رُوح (حضرت جبرئیل علیہ السلام) اُترے ہیں۔ تاکہ آپ اُن لوگوں میں شامل ہوں جو متنبہ کرنے والے ہیں۔ (یہ قرآن) صاف صاف عربی زبان میں۔" یہ تو بالکل واضح اور دوٹوک انداز میں ہے۔ اس کے باوجود کوئی آئے اور یہ کہے: قرآن مخلوق ہے اور (اللہ کا) نازل کردہ نہیں ہے۔ اللہ نے اس کو کلام نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی اللہ صفت کلام سے متصف ہے۔ تو اِن کی باتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بلند و بالا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور یہ قرآن اُس کا نور ہے**) قرآن کو نور سے متصف کیا جاتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (سورہ شوریٰ:52) ترجمہ: "مگر اُس رُوح (قرآن) کو ہم نے نور بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔" قرآن کو روح کا نام دیا گیا ہے۔ ﴿اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (سورہ

شوریٰ:52) ترجمہ:''ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے۔''یہ ایسی روح ہے جس سے دلوں کو زندگی ملتی ہے، جیسا کہ بدن روح کے ذریعہ زندہ رہتے ہیں۔تو یہ قرآن دلوں کی روح ہے۔ اور مشہور روح تو وہی ہے جو بدن کی ہوتی ہے۔ یہ قرآن نور ہے، روح ہے اور ہدایت ہے۔قرآن ذکر ہے اور نصیحت ہے۔اس کے بہت سارے نام ہیں جو اس کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس لئے کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے اور جو اللہ کی جانب سے ہو وہ مخلوق نہیں ہو سکتی**) اللہ اپنے اسماء وصفات مخلوق نہیں ہے۔اللہ تو خالق ہے اور جو اس کے سوا ہے وہ مخلوق ہے۔پس یہ نہیں کہا جاسکتا کہ: اسماء وصفات مخلوق ہیں۔اس لئے کہ وہ اللہ سے ہیں۔اور جو اللہ سے ہوں وہ مخلوق نہیں۔اس معنیٰ میں کہ اللہ اُن سے متصف ہے۔پس اللہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ خالق ہے اور جو اس کے سوا ہیں وہ مخلوق ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اسی طرح امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے**) یہ ائمہ کا قول ہے۔انہی میں امام دار الہجرت حضرت امام مالک رحمہ اللہ ہیں اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں جنہیں اس بارے میں سزا دی گئی اور ایذا پہنچائی گئی اور انہوں نے اس پر صبر کیا۔ان کے علاوہ بھی اہل سنت کے ائمہ ہیں جن کا یہی قول ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ان سے پہلے اور بعد کے فقہاء کا بھی**) یعنی: اس بارے میں حضرت امام مالک اور امام احمد منفرد نہیں ہیں۔بلکہ ان سے پہلے صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین، اور اُن کے بعد جو ائمہ آئے سبھی نے یہی بات کہی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس بارے میں جھگڑنا کفر ہے**) اس بارے میں جھگڑنا کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں؟ یا انسان اس بارے میں شک کرے اور کہے: میں نہیں جانتا، یہ اختلافی مسئلہ ہے، جیسا کہ وہ اب بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔

اس وقت یہ عام ہو گیا ہے وہ کہتے ہیں: یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ہم کہتے ہیں: اختلاف کے وقت

دلیل کی اتباع کی جائے گی۔ پس ہم لوگوں کے اختلاف اور ان کی باتوں کی وجہ سے عبادت نہیں کریں گے، ہم دلیل کے ذریعہ عبادت کریں گے۔ پس دلیل آجانے کے بعد ہم اختلاف سے گریز کریں گے۔ جس پر دلیل قائم ہو وہی حق ہے۔ جو دلیل کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اللہ نے ہمیں اختلافی آراء واقوال کے وقت یونہی نہیں چھوڑ دیا ہے بلکہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ**﴾ (سورہ نساء: 59) ترجمہ: "پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو۔" ﴿**وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ إِلَى اللّٰهِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ**﴾ (سورہ شوریٰ: 10) ترجمہ: "تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اُس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے وہی اللہ میرا رب ہے، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔" پس کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے اور اسی بات کو لیا جائے گا جس پر دلیل قائم ہو اور جو دلیل کے خلاف ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔ رہی بات اس شخص کی جو ایسی بات لیتا ہے جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہو گرچہ وہ دلیل کے خلاف ہو تو ایسا شخص گمراہ ہے۔ یہ اپنی خواہش کا غلام ہے۔ البتہ وہ شخص جو اللہ کی عبادت کرتا ہے تو وہ وہی بات لے گا جس پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی دلیل قائم ہو۔

❁❁❁

{14} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِالرُّؤْيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَرَوْنَ اللّٰهَ بِأَعْيُنِ رُؤُوسِهِمْ، وَهُوَ يُحَاسِبُهُمْ بِلَا حِجَابٍ وَلَا تَرْجُمَانٍ)

ترجمہ: ''قیامت کے دن (اللہ کے) دیدار پر ایمان رکھنا۔ لوگ اللہ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے اور اللہ لوگوں سے بغیر حجاب اور ترجمان کے حساب لے گا۔''

الشرح:

عقیدے کے اہم اور عظیم مسائل میں سے ہے کہ: اس بات کو ماننا کہ مومنین اپنے رب کو قیامت کے دن کھلے طور پر اپنی نگاہوں سے دیکھیں گے جیسا کہ وہ چودھویں کے چاند کو دیکھتے ہیں اور جیسا کہ وہ صاف طور پر سورج کو بغیر ابر کے دیکھتے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں یہ بات آئی ہے جو کہ مومنین کے اپنے رب کے دیکھنے کے اثبات میں تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے ''**حَادِي الْأَرْوَاح**'' میں اس بارے میں وارد احادیث کو جمع کیا ہے۔ اور اس بارے میں احادیث کی اسناد کے ساتھ توسّع سے کام لیا ہے۔ مومنین کا اپنے رب کا اپنی آنکھوں سے دیدار کرنے کے اثبات کے بارے میں احادیث تواتر کو پہنچتی ہیں۔

اس بارے میں معتزلہ جیسے گمراہ فکر رکھنے والے فرقوں نے مخالفت کی اور جو اُن کے مذہب کے مطابق چلتے ہیں، پس انہوں نے رؤیت کی نفی کر دی۔ حالانکہ اس کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے: **﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾** (سورہ یونس: 26) ترجمہ: ''جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں۔'' ''صحیح مسلم'' کی روایت میں ہے کہ ''**زِيَادَة**'' یعنی: مزید برآں کا مطلب ہے: اللہ کے چہرے کی طرف دیکھنا۔ (صحیح مسلم:۱۸۱) اور اللہ کا فرمان ہے: **﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ**

﴿فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ﴾ (سورہ ق: 35) ترجمہ: ''وہاں! ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا، جو وہ چاہیں گے، اور ہمارے پاس اس سے زیادہ بھی بہت کچھ اُن کے لیے ہے۔'' ''مَزِيدٌ'' یعنی: ''بہت کچھ'' سے مراد: اللہ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔(رواہ الشافعی فی "مسندہ" ص: 70) سورہ قیامہ: آیت: 22-23 میں ہے: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ ترجمہ: ''اُس روز کچھ چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' ''نَاضِرَةٌ'' ض سے۔ یہ ''نَضْرَةٌ'' سے بنا ہے، جس کا معنیٰ ہے: تر وتازگی۔ ﴿تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ﴾ (سورہ مطففین: 24) ترجمہ: ''ابرار (نیک لوگوں) کے چہروں پر خوشحالی کی رونق محسوس ہوگی۔'' ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ ترجمہ: ''اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔'' ''ظ'' سے ''نَاظِرَةٌ'' یعنی: اُن کی نگاہیں اللہ کی طرف (بغیر کسی واسطہ) کے دیکھ رہی ہوں گی۔ جنت کی جو بھی نعمتیں انہیں حاصل ہوں گی، اُن سب سے کہیں زیادہ بڑھ کر نعمت اللہ کا دیدار ہوگی۔

یہ تو قرآن مجید میں ہے، سورہ مطففین میں کفار کے بارے میں کہا: ﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ﴾ (سورہ مطففین: 15) ترجمہ: ''ہرگز نہیں! بالیقین اُس روز یہ اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔'' انہیں اللہ کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔ جب کفار کو اللہ کے دیدار سے روک دیا جائے گا تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین اللہ کا دیدار کریں گے۔ اس لئے کہ مومنین نے دنیا میں اپنے رب کو دیکھے بغیر ایمان لے آئے۔ انہوں نے صرف براہین پر اعتماد کیا اور اس پر ایمان لے آئے۔ اس کے رسولوں کی تصدیق کی، اللہ پر ایمان لے آئے حالانکہ انہوں نے اُسے دنیا میں نہیں دیکھا۔ پس اللہ اُن کی جنت میں تکریم کرے گا، اُن پر اپنی تجلّی ظاہر کرے گا اور مومنین اسے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس پر اسے دیکھے بغیر ایمان لائے تھے۔ اور جو کفار ہیں جب انہوں نے دنیا میں ہی اس کے ساتھ کفر کیا تو ان کے بدلے کے طور پر انہیں قیامت کے دن اللہ اپنی رؤیت سے محروم کردے گا: ﴿جَزَاءً وِفَاقًا﴾ (سورہ نبا: 26) ترجمہ:

''ان کے (کرتوتوں کا) بھرپور بدلہ ہوگا۔''

وہ شبہ جس پر معتزلہ اور اُن کے ماننے والوں نے اعتماد کیا وہ یہ ہیکہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: (**لَنْ تَرٰنِیْ**) ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِیْ﴾ (سورہ اعراف: 143) ترجمہ: ''جب وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچے اور اُن کے ربّ نے اُن سے کلام کیا تو اُنہوں نے التجا کی کہ ''اے ربّ! تو مجھے (اپنا جمال) دکھا کہ میں تجھے ایک نظر دیکھ لوں۔'' فرمایا ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔'' وہ کہتے ہیں کہ: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کو دیکھا نہیں جاسکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ: جی ہاں، لیکن یہ صرف دنیا کی حد تک ہے۔ اس لیے کہ یہ واقعہ دنیا میں پیش آیا۔ ہم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ اللہ کو دنیا میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں ہی دیکھنے کی فرمائش کی تھی۔ تو اللہ نے کہا: (**لَنْ تَرٰنِیْ**) ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔'' اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتے۔ اور (**لَنْ**) ''ہرگز نہیں'' کی نفی ہمیشگی کا تقاضہ نہیں کرتی۔ بلکہ یہ وقتی انکار کے لئے ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ: (**لَنْ تَرٰنِیْ**) ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔'' یعنی تم مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکتے۔ لُغتِ عرب میں ہے کہ: (**لَنْ**) ''ہرگز نہیں'' کی نفی ہمیشگی کا تقاضہ نہیں کرتی۔ اسی لئے ابن مالک نحو کی کتاب ''**الكافية الشافية**'' میں کہتے ہیں:

وَمَنْ یَرَی النَّفْیَ بِـ"لَنْ" مُؤَبَّدًا ۔۔۔ فَقَوْلَهٗ اُرْدُدْ وَسِوَاهُ فَاعْضُدَا

ترجمہ: جو ''**لَنْ**'' کی نفی کو دائمی گمان کرتا ہے تو اُس کے قول کو چھوڑ دو اور جو اس کے سوا قول ہو اُسے لے لو۔ ''**الكافية الشافية: ۳/ ۱۵۳۱**''

یعنی: (**لَنْ**) ''ہرگز نہیں'' کی نفی ہمیشگی کا تقاضہ نہیں کرتی۔

یہ بھی ایک دلیل ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں کہا: ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ (سورہ بقرہ:94-95) ترجمہ: ''تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ یقین جانو کو یہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔'' باوجود اس کے یہ بات طے ہے کہ وہ آخرت میں عذاب سے نجات پانے کے لئے موت کی تمنّا کریں گے، اللہ فرماتا ہے: ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ (سورہ زُخرُف: 77) ترجمہ: ''وہ پکاریں گے''اے مالک، تیرا رب ہمارا کام ہی تمام کردے تو اچھا ہے۔'' وہ موت طلب کریں گے۔ پس ثابت یہ ہوا کہ: (لَنْ) ''ہرگز نہیں'' کی نفی ہمیشگی کا تقاضہ نہیں کرتی۔ یہی عربی زبان کا مقتضیٰ ہے۔ اور یہی مقتضیٰ قرآن کی دلالت کا بھی ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا: اس بات کی دلیل کہ اللہ کو دیکھا نہیں جاسکتا، اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ﴾ (سورہ انعام: 103) ترجمہ: ''نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے۔'' ہم ان سے کہیں گے: اس میں رؤیت کی نفی نہیں ہے۔ اس میں تو ''اِدراک'' (پالینے) کی نفی ہے۔ اللہ نے یہ نہیں کہا کہ: ''نگاہیں اُس کو دیکھ نہیں سکتیں۔'' بلکہ یہ کہا: ﴿لَا تُدْرِكُهُ﴾ ''اُس کو نہیں پا سکتیں۔'' ''اِدراک'' (پالینے) کی نفی، رؤیت کی نفی سے الگ ہے۔ نگاہیں اُس کو دیکھ سکتیں ہیں لیکن اُس کا اِدراک نہیں کرسکتیں۔ یعنی: اُس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ پس ادراک کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ کا احاطہ کرنا، اہل جنت اللہ کا دیدار جنت میں کریں گے لیکن اس کا احاطہ نہیں کرسکیں گے۔ پس نفی ادراک بمعنیٰ احاطہ کی، کی گئی ہے۔ نگاہیں اُس کو دیکھیں گی لیکن اُس کا ادراک نہیں کریں گی۔ البتہ دلائل کے بموجب نگاہیں اُس کو دیکھیں گی۔ نصوص کے درمیان جمع کی صورت پیدا کرنا واجب ہے۔ جب بھی نصوص کے درمیان اختلاف واقع ہو، پس ان کے درمیان جمع کرنا ممکن ہو تو کرنا چاہیے۔ الحمدللہ یہ بات بالکل واضح ہے۔

اللہ کے کلام آپس میں کبھی نہیں ٹکراتے بلکہ بعض بعض کی تفسیر کرتے ہیں۔ ایسا شخص جو کسی

ایک آیت کو لے لیتا ہے اور دوسری آیت کو ترک کر دیتا ہے تو یہ گمراہوں میں سے ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾ (سورہ آل عمران: 7) ترجمہ: ''جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔'' پس پورے قرآن سے استدلال کیا جائے گا۔ ﴿كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا﴾ (سورہ آل عمران: 7) ترجمہ: ''یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔'' جیسا کہ علم میں پختہ لوگ کہتے ہیں۔ پس قرآن اپنے بعض کی خود تفسیر کرتا ہے اور اس میں کبھی بھی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اختلاف کی نفی کی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (سورہ نساء: 82) ترجمہ: ''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔''

پس اگر تم پر کوئی آیت مشکل لگے تو قرآن میں ہی اس کی تفسیر کو تلاش کرو۔ اگر قرآن میں اس کی تفسیر نہ ملے تو سنتِ رسول ﷺ میں تلاش کرو، اس میں اس کی تفسیر مل جائے گی۔ اگر سنت میں بھی اس کی تفسیر نہ ملے تو اقوال صحابہ کرام کی طرف رجوع کرو جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا ہے، اُن کے اقوال میں تمہیں مشکل لگنے والی آیت کی تفسیر مل جائے گی۔ الحمدللہ قرآن اپنے لفظ اور معنیٰ کے ساتھ محفوظ ہے۔ آپس میں کسی قسم کا کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ تعارض تو لوگوں کی سمجھ میں ہے۔

ایسے متعالم (خود کو عالم سمجھنے والے) جنہوں نے علم کے لئے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا اور استدلال و استنتاج کے قواعد سے واقف نہیں ہیں، بغیر فقہ کے استدلال کرتے ہیں یہ ایسی چیزیں ثابت کرتے ہیں جسے ان سے پہلے کے اہل علم نے ثابت نہیں کیا۔ ایسا ان کی جہالت اور خود کو عالم نہ ہوتے ہوئے عالم سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اس کے لئے تعلّم، گہری نظر، غور و فکر اور سمجھداری کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ عقیدہ ہی اصل ہے۔ اگر اس میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے تو اصل میں خلل

واقع ہوگا۔ یہی لوگوں کے درمیان قیامت کے دن اللہ کی رؤیت کے بارے میں اختلاف کا حاصل ہے۔ پس اللہ کا دیدار دنیا میں ممکن نہیں۔ آخرت میں اہل ایمان اسے دیکھیں گے اور کافروں کو اس سے محروم رکھا جائے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**قیامت کے دن اللہ کی رؤیت پر ایمان لانا**) انہوں نے "قیامت کے دن" کیوں کہا؟ اس لئے کہ اللہ کو دنیا میں نہیں دیکھا جاسکتا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**لوگ اللہ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے**) اپنے سر کی آنکھوں سے، ایسا اُن لوگوں کی نفی کرنے کے لئے کہا جو کہتے ہیں کہ: "اپنے رب کو دیکھیں گے" اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے دلوں سے دیکھیں گے، نہ کہ اپنی نگاہوں سے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ بغیر حجاب اور ترجمان کے لوگوں کا حساب لے گا**) یعنی: قیامت کے دن حساب کے وقت بندہ اپنے رب کے ساتھ تنہائی میں ہوگا اور اللہ بندے کے اعمال کا ایسی زبان میں حساب لے گا جو بندے کی سمجھ میں آئے۔ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ ترجمان: وہ ہوتا ہے جو ایک زبان سے دوسری زبان میں معنیٰ کو منتقل کرتا ہے۔ جیسے انگریزی زبان کے معنیٰ کو عربی زبان میں منتقل کرنا یا اس کے برعکس۔ اس لئے کہ زبانیں بہت ساری ہیں۔

❁❁❁

{15} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيمَانُ بِالْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُوزَنُ فِيهِ الْخَيْرُ وَالشَّرُّ لَهُ كِفَّتَانِ وَلِسَانٌ)

ترجمہ: ''قیامت کے دن میزان پر ایمان رکھنا، جس میں نیکی اور برائی کو وزن کیا جائے گا، اُس کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی۔''

الشرح:

یہ عقیدے کے مسائل میں سے ہے کہ: میزان پر ایمان رکھنا، جس میں قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو وزن کیا جائے گا، اللہ فرماتا ہے: **﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ﴾** (سورہ اعراف: 8-9) ترجمہ: ''اور وزن اس روز عین حق ہوگا۔ جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے کیونکہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے۔'' دوسری آیت میں ہے: **﴿خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾** (سورہ مومنون: 103) ترجمہ: ''اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈال لیا۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اگر نیکی کا پلڑا وزنی رہا تو بندہ کامیاب ہوگا اور اگر اس کے برعکس رہا اور گناہ کا پلڑا وزنی ہوگیا تو بندہ ہلاک ہوگا۔ **﴿فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ﴾** (سورہ قارعہ: 6-11) ترجمہ: ''پھر جس کے پلڑے بھاری ہوں گے (جس کا عمل، حق اور وزن دار ہوگا) وہ دل پسند زندگی میں ہوگا، اور جس کے

پلڑے ہلکے ہوں گے اس کی جائے قرار گہری کھائی ہوگی۔ اور تمہیں کیا خبر کہ وہ کیا چیز ہے؟ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔"

یہ اللہ کا عدل ہے کہ وہ لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کے درمیان ایسے ترازو سے موازنہ کرے گا جسے لوگ دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ محسوس کیا جانے والا ترازو ہوگا۔ اس کے دو پلڑے ہوں گے اور ایک زبان ہوگی۔ ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور دوسرے میں برائیاں۔ جیسا کہ اس پر کتاب و سنت سے دلیل موجود ہے۔ برخلاف **معتزلہ** کے جو کہتے ہیں کہ: ترازو سے مراد: عدل قائم کرنے والا ترازو ہے۔ ورنہ وہاں کوئی بظاہر محسوس کیا جانے والا ترازو نہیں ہوگا۔ اسی پر ان کے باطل مذہب کی بنیاد ہے۔ اس لئے کہ ان کا اعتماد نصوص کی بجائے اپنی عقلوں پر ہوتا ہے۔ پس ترازو حقیقت میں ہوگا۔ اس کے دو پلڑے ہوں گے، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس میں خیر وشر کا وزن ہوگا**) یعنی: نیکیوں اور برائیوں کا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس کے دو پلڑے اور ایک زبان ہوگی**) اس کے دو پلڑے ہوں گے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ ایک پلڑے میں نیکیاں رکھی جائیں گی اور ایک پلڑے میں برائیاں۔ جیسا کہ کارڈ والی حدیث میں اس آدمی کے قصے میں ہے جس کے ننانوے رجسٹر ہوں گے اور ہر رجسٹر تاحد نگاہ برائیوں سے بھرا ہوگا۔ اُس سے کہا جائے گا: کیا تیری کوئی نیکی بھی ہے؟ تو وہ کہے گا: اے میرے رب! نہیں، کوئی نیکی نہیں ہے۔ وہ ان بڑے رجسٹروں کو بھاری سمجھے گا اور کہے گا: اے میرے رب! نہیں، میرے پاس کوئی نیکی نہیں ہے۔ پس اس سے کہا جائے گا: کیوں نہیں، ہمارے یہاں تجھ پر ظلم نہیں ہوگا، تیری ایک نیکی ہے، پس ایک کارڈ لایا جائے گا جس میں اس بات کی گواہی ہوگی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور اس بات کی بھی گواہی ہوگی کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پس اسے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور بقیہ سارے ننانوے رجسٹروں کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے گا تو وہ ایک کارڈ (جس میں اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی گواہی ہوگی) وہ وزنی ہوگا اور بقیہ رجسٹر ہلکے پڑ

جائیں گے۔ تو وہ بندہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (رواہ احمد (213/2)، والترمذی: 2639) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے جس میں قیامت کے دن لوگوں کے اعمال رکھے جائیں گے۔

(اس کی ایک زبان ہوگی) لوگوں کے نزدیک ترازو کی زبان معروف ہے۔ لوگ اسے ترازو کا دل کہتے ہیں جو دائیں یا بائیں جانب مائل ہوتی رہتی ہے۔ پس جب دونوں پلڑے برابر ہوں گے تو ترازو معتدل ہوگا۔ اور جب کوئی پلڑا بھاری ہوگا تو دل اسی طرف جھکے گا۔

۞۞۞

{16} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِعَذَابِ الْقَبْرِ وَمُنْكَرٍ وَنَكِيْرٍ)

ترجمہ: ''عذاب قبر اور منکر ونکیر پر ایمان رکھنا۔''

الشرح:

اسی طرح اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے کہ: عذاب قبر اور اس کی نعمتوں پر ایمان رکھا جائے۔ پس میت کو قبر میں یا تو عذاب ہوتا ہے یا وہ نعمتوں میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے اٹھایا جائے گا۔

قبر: یہ دنیا اور آخرت کے درمیان کی ایک منزل ہے۔ اسی لئے اس کو برزخ کہا جاتا ہے۔ اور **برزخ:** دو چیزوں کے درمیان آڑ کو کہتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: **﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ﴾** (سورہ رحمٰن: 19-20) ترجمہ: ''دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں، پھر بھی اُن کے درمیان ایک پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔'' نمکین سمندر کا پانی، میٹھے پانی کے سمندر پر تجاوز نہیں کرتا اور نہ ہی میٹھے سمندر کا پانی، نمکین پانی کے سمندر پر تجاوز کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے ان دونوں کے درمیان ایک فصل (جدا رکھنے والی چیز) رکھ دی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اختلاط نہیں کرتے۔ پس **برزخ:** دو چیزوں کے درمیان فصل کرنے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔ عالم تین طرح ہیں:

(۱) عالم دنیا

(۲) عالم برزخ

(۳) عالم قرار (عالم آخرت)

اِن تینوں جہان سے بندے گزرتے ہیں: عالم دنیا، عمل کی جگہ ہے۔ اور عالم برزخ، انتظار کی جگہ ہے۔ اور عالم آخرت، یہ بدلے کی جگہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (سورہ تکاثر: 2) ترجمہ: ''یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کرلیتے ہو۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قبریں ٹھہرے رہنے کی جگہ نہیں ہیں بلکہ انسان وہاں ایک زیارت کرنے والے کی طرح ہوتا ہے جو زیارت کرتا ہے اور پھر (آگے کے لئے) کوچ کرجاتا ہے۔ قبروں میں ٹھہرنا ایک زیارت کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے کہ میت وہاں قیام کرتا ہے اور پھر کوچ کرجاتا ہے۔

قبر میں پہلی دفعہ جب میت کو رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال کر لوگ پلٹنے لگتے ہیں تو ''میت لوگوں کے جوتوں کی آہٹ کو سنتا ہے۔'' (رواہ البخاری: 1273، ومسلم: 2870)، اس کے پاس قبر میں دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھاتے ہیں اور پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اسے برزخی زندگی دی جاتی ہے۔ اور وہ دنیاوی زندگی کی طرح نہیں ہوتی۔ دونوں فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں: ''تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟'' جب وہ ان سوالوں کے صحیح جواب دیتا ہے تو نجات پاجاتا ہے۔ اور اسے ایسی سعادت ملتی ہے جس کے بعد کوئی تکلیف نہیں۔ اس کی قبر کو تاحدنگاہ کشادہ کردیا جاتا ہے اور جنت کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس جنت کی راحت اور اس کی پاکیزگی آتے رہتی ہے۔ اس کے لئے جنت کے بستر کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ (مسند الامام احمد: 287/4، وسنن ابی داؤد: 4753) وہ مسلسل قبر کی نعمت میں ہوتا ہے۔ یہ غیبی امر ہے جسے ہم نہیں جان سکتے۔ اگر ہم قبر کو کھولیں گے تو ایسی کوئی چیز نہیں پائیں گے۔ اس لئے کہ وہ ایک الگ جہان ہے اور ہم ایک الگ دنیا میں ہیں۔

البتہ جو منافق اور شک کرنے والا ہوگا تو وہ کہے گا: ''جب اس سے کہا جائے گا: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہے گا: میں نہیں جانتا۔ تیرا نبی کون ہے؟ میں نہیں جانتا، تیرا دین کیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔'' یہاں تک کہ وہ اگر دنیا میں اس کا علم حاصل کیا ہوگا اور متون و شروحات کو یاد کیا ہوگا، زبان سمجھتی ہوگی، وہ ایک

ماہر خطیب ہوگا اور زباندانی پر عبور رکھتا ہوگا پھر بھی اگر اس میں ایمان نہیں ہوگا تو وہ قبر میں اس کی زبان گنگ ہو جائے گی اور وہ جواب دینے سے عاجز رہ جائے گا۔ جب اس سے یہ سارے سوال پوچھے جائیں گے تو وہ کچھ کہہ نہیں پائے گا بس یہی کہے گا: ''ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو کچھ کہتے ہوئے سنا تو میں نے کہہ دیا۔ پس اس کے لئے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور اس پر قبر اتنا تنگ ہوگی کہ اِدھر کی پسلیاں اُدھر ہو جائیں گی۔ اس تک جہنم گرم ہوا اور اس کی گرمی پہنچے گی۔ اور اس کے لئے آگ کا بستر لگا دیا جائے گا۔'' (مسند الامام احمد: 4/287، وسنن ابی داؤد: 4753)

عذاب قبر یا اس کی نعمتوں کا ثبوت کتاب وسنت سے ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرو: جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح الدجال کے فتنے سے۔'' (رواہ البخاری: 1311، ومسلم: 588) آپ ﷺ قبر کے عذاب سے پناہ طلب کرتے رہتے تھے۔ (رواہ البخاری: 1002، ومسلم: 584)

قرآن میں عذابِ قبر کی جانب اشارات کئے گئے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ﴾ (سورہ سجدہ: 21) ترجمہ: ''بالیقین ہم انہیں قریب کے چھوٹے سے بعض عذاب، اُس بڑے عذاب کے سوا چکھائیں گے۔'' بعض کہتے ہیں کہ: یہ عذابِ قبر سے متعلق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ: یہ دنیا کا عذاب ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ (سورہ غافر: 46) ترجمہ: ''آگ ہے جس کے سامنے یہ ہر صبح وشام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی (فرمان ہوگا کہ) فرعونیوں کو سخت عذاب میں ڈالو۔'' اس (آگ کے سامنے) قبر میں صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں۔ جب وہ مر گئے تو انہیں صبح وشام آگ کے سامنے پیش کیا جانے لگا۔ پس جب قیامت واقع ہوگی تو کہا جائے گا: (آل فرعون کو سخت عذاب میں ڈالو۔)

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ (سورہ طٰہٰ: 124) ترجمہ: ''اور ہاں جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کی زندگی تنگی میں رہے گی، اور ہم اسے بروز قیامت اندھا کر کے اٹھائیں گے۔'' کہتے ہیں کہ: تنگ زندگی سے مراد قبر کی تنگ زندگی ہے۔ (اللہ کی پناہ) (ابن کثیر: ۳/ ۱۷۰)

عذابِ قبر پر دلائل تواتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ عذابِ قبر کو جھٹلانے والے معتزلہ اور جو ان کے پیروکار ہیں، یہ متواتر دلائل کے مخالف ہیں۔ اور اللہ کی پناہ، ان کے عقیدے میں خلل ہے اور عقیدے کے اصول میں سے ایک اہم اصل کو چھوڑ دیتے ہیں اور وہ ہے عذابِ قبر پر ایمان لانا۔ اگر ایسا جان بوجھ کر نصوص کی معرفت رکھتے ہوئے کیا جا رہا ہے، تکبر اور اس کی نفی مقصود ہے تو پھر ایسا شخص کافر ہے۔ البتہ اگر وہ تاویل کرتا ہے یا مقلد ہے یا جاہل ہے تو ایسے شخص کو کافر نہیں گردانا جا سکتا۔ ہاں وہ گمراہ ضرور ہے لیکن کافر نہیں۔

مؤلف کا کہنا کہ (**منکر اور نکیر**) منکر اور نکیر: یہ دو فرشتوں کے نام ہیں جو میت کے پاس ڈراؤنی شکل میں آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو: منکر، اور دوسرے کو: نکیر کہا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ (سنن ترمذی: 1071)

{17} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِحَوْضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَلِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضٌ، إِلَّا صَالِحًا عليه السلام، فَإِنَّ حَوْضَهُ ضَرْعُ نَاقَتِهِ)

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ کے حوض پر ایمان لانا، اور ہر نبی کا ایک حوض ہوگا سوائے حضرت صالح علیہ السلام کے، اس لیئے ان کا حوض ان کی اونٹنی کا تھن ہوگا۔''

الشرح:

اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ: حوض پر ایمان لانا۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک حوض ہے۔ اور ہر نبی کا ایک ایک حوض ہوگا جہاں اُن کے امتی آئیں گے۔ اس لیئے کہ لوگوں کو شدید پیاس لگی ہوگی۔ وہ پانی کے محتاج ہوں گے۔ ہمارے نبی کا حوض سب حوضوں سے بڑا ہوگا۔ اس کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت کی ہوگی اور چوڑائی ایک مہینے کی مسافت کی ہوگی۔ اس کا پانی دودھ سے بھی زیادہ سفید ہوگا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس کے پیالے آسمان کے تاروں سے بھی زیادہ تعداد میں ہوں گے۔ جو اس سے ایک مرتبہ پانی پیئے گا وہ اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (رواہ مسلم: 2292) رسول اللہ ﷺ کے بعد جن لوگوں نے ارتداد کی راہ اختیار کی انہیں وہاں سے دور بھگا دیا جائے گا اور ان بدعتیوں کو بھی دور بھگا دیا جائے گا جنہوں نے نبی کی تکذیب کی۔ **واللہ اعلم**

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ہر نبی کا ایک حوض ہوگا سوائے حضرت صالح علیہ السلام کے، اس لیئے ان کا حوض ان کی اونٹنی کا تھن ہوگا۔**) یہ استثناء جہاں تک کہ میرا علم ہے، ثابت نہیں ہے۔ صحیح بات تو یہی ہے کہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ (رواہ البخاری فی "العاریخ الکبیر" (44/1)، والترمذی (628/4))

❁❁❁

{18} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيمَانُ بِشَفَاعَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِلْمُذْنِبِينَ الْخَاطِئِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَعَلَى الصِّرَاطِ، وَيُخْرِجُهُمْ مِنْ جَوْفِ جَهَنَّمَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَلَهُ شَفَاعَةٌ، وَكَذٰلِكَ الصِّدِّيقُونَ وَالشُّهَدَاءُ وَالصَّالِحُونَ، وَلِلّٰهِ بَعْدَ ذٰلِكَ تَفَضُّلٌ كَثِيرٌ فِيمَنْ يَشَاءُ، وَالْخُرُوجُ مِنَ النَّارِ بَعْدَ مَا احْتَرَقُوا وَصَارُوا فَحْمًا)

ترجمہ: ’’اس بات پر ایمان لانا کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ گناہ گار خطا کاروں کی شفاعت کریں گے۔ جو پل صراط پر ہوں گے ان کی شفاعت کریں گے اور جو جہنم کے بیچ میں ہوں گے انہیں (شفاعت کرکے) باہر نکلوائیں گے۔ ہر نبی کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی۔ اسی طرح صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کو بھی شفاعت کا موقع دیا جائے گا۔ اس کے بعد بہت سارے لوگ ہوں گے جنہیں اللہ اپنی مشیئت کے مطابق اپنے فضل سے نجات دے گا۔ انہیں جہنم میں جل کر کوئلہ ہو جانے کے بعد نکال لیا جائے گا۔‘‘

الشرح:

اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ: ان شروط کے ساتھ شفاعت پر ایمان رکھنا جن کا ذکر اللہ نے کیا ہے: یہ کہ اس کی اجازت سے ہو اور جس کے بارے میں سفارش کی جائے وہ اہل ایمان میں سے ہو۔ اگر جس کے بارے میں سفارش کی جا رہی ہے وہ اہل کفر میں سے ہو گا تو پھر اس کے بارے میں شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ اللہ فرماتا ہے: **﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾** (سورہ مدثر: 48) ترجمہ: ’’اُس وقت سفارش کرنے والوں کی کوئی سفارش ان کے کسی کام نہ آئے گی۔‘‘ **﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ﴾** (سورہ غافر: 18) ترجمہ: ’’ظالموں کا نہ کوئی مشفق دوست ہو گا اور نہ کوئی شفیع جس کی بات مانی جائے۔‘‘ پس کافر کے بارے میں

کبھی بھی شفاعت نہیں ہوگی۔ ہاں مومن کے حق میں اللہ جب اجازت دے گا وہ ثابت ہے۔ سب سے عظیم اور سفارشیوں کے سردار ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہوں گے۔ آپکو خاص شفاعتوں کی اجازت ہوگی۔ وہاں اور بھی شفاعتیں ہوں گی جن میں آپ کے علاوہ لوگ بھی شریک ہوں گے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس بات پر ایمان لانا کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ گناہ گار خطا کاروں کی شفاعت کریں گے۔ جو پل صراط پر ہوں گے ان کی شفاعت کریں گے۔**) قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سب سے عظیم ہوں گے جو شفاعت کریں گے۔ بلکہ آپ (محشر کے میدان) میں کھڑے رہنے والے تمام ہی لوگوں کی سفارش کریں گے کہ اللہ اُن کو اس موقف سے راحت دے اور ان کا حساب لے۔ اس لئے کہ شدید تنگی، سخت گرمی اور پیاس اور خوف کی وجہ سے ان پر کھڑے رہنا دشوار ہو رہا ہوگا۔ میدان محشر میں کھڑے رہنا ان پر تکلیف دہ ہو رہا ہوگا تو وہ اولوا العزم پیغمبروں کے پاس آئیں گے، ان سے مطالبہ کریں گے وہ اللہ سے دعا کریں گے کہ اللہ انہیں اس موقف سے نجات دے۔ یا تو انہیں جنت میں داخل کرے یا تو جہنم میں۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ معذرت کرلیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ معذرت کرلیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی معذرت کرلیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی معذرت کرلیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے تو وہ بھی معذرت کرلیں گے۔ اور جب لوگ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ کہیں گے: ''میں شفاعت کرنے کا حقدار ہوں۔'' پھر آپ آئیں گے اور عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جائیں گے، اس لئے کہ کسی کو بھی اللہ کی اجازت کے بغیر شفاعت کی اجازت نہیں ہوگی۔ آپ سجدہ ریز ہو کر اللہ سے دعا کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ سے کہا جائے گا: ''اے محمد ﷺ! اپنا سر اٹھائیے، مانگئے عطا کیا جائے گا اور سفارش کیجئے آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کی اجازت دے گا۔'' (رواہ البخاری: 4206، ومسلم: 193) تب آپ ﷺ محشر والوں کے بارے میں شفاعت کریں گے کہ اُن کو میدان محشر سے حساب کی طرف منتقل کیا

جائے۔ یہی شفاعت عظمیٰ ہے جس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو مخلوق پر فضیلت عطا کرے گا۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (سورہ بنی اسرائیل: 79) ترجمہ: ''اور رات کو تہجد پڑھو، یہ تمہارے لیے فضل (اضافی) ہے، بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہیں مقامِ محمود پر فائز کر دے۔''

مقامِ محمود: یہ شفاعت عظمیٰ ہے۔ اذان کے بعد کی دعا میں کہا جاتا ہے: (آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ) ترجمہ: ''محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عنایت کر اور انہیں مقامِ محمود پر فائز کر جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔'' یہی شفاعت عظمیٰ ہے۔ (رواہ البخاری: 589)

اسی طرح آپ ﷺ امت کے ان افراد کے بارے میں سفارش کریں گے جو کبیرہ گناہ کے مرتکب تھے۔ آپ سفارش کریں گے کہ انہیں جہنم میں نہ ڈالا جائے یا پھر اگر وہ جہنم میں ہیں تو انہیں باہر نکالا جائے۔ تو ان کے بارے میں آپ سفارش کریں گے۔ یہ سفارش صرف آپ کے لئے خاص نہیں ہے۔ آپ سفارش کریں گے، سارے انبیاء علیہم السلام سفارش کریں گے، اولیاء سفارش کریں گے اور اَفراط (جو کہ بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے) یہ اہل کبائر کے لئے سفارش کریں گے۔ برخلاف جہمیہ، معتزلہ اور خوارج کے (کہ یہ سفارش کو نہیں مانتے۔)

خوارج وہ ہیں جنہوں نے مسلمان حکمرانوں کے خلاف تلوار لے کر خروج کیا اور اطاعت کی لاٹھی کو توڑ دیا۔ اور وہ لوگ بھی جو شرک کے علاوہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ یہی خوارج ہیں۔ انہیں خوارج اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ شریعت سے باہر نکل گئے، حکمرانوں (کی اطاعت سے) باہر نکل گئے اور اطاعت و فرمانبرداری کی لاٹھی کو توڑ دیا۔ یہ شفاعت کے منکر ہیں۔ اِن کا کہنا ہے کہ جو بھی جہنم میں داخل ہو گا تو اس سے باہر نہیں نکلے گا اور اللہ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ (سورہ بقرہ: 167) ترجمہ: ''اور وہ جہنم کی آگ سے نکلنے والے

نہیں ہیں۔" ہم کہتے ہیں کہ: یہ کفار کے بارے میں کہا گیا ہے۔

پس کفار جہنم کی آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔ اور یہاں سفارش سے مراد اہل ایمان کے لیے ہے جنہوں نے کبیرہ گناہ کیا تھا۔ یہ تو ثابت ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (سورہ بقرہ: 255) ترجمہ: "کون ہے جو اُس کی جناب میں اُس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب اللہ کی اجازت ہوگی تو بندہ اس کے پاس سفارش کر سکتا ہے۔

اسی طرح اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ (سورہ نجم: 26) ترجمہ: "آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے موجود ہیں، اُن کی شفاعت کچھ بھی کام نہیں آسکتی جب تک کہ اللہ کسی ایسے شخص کے حق میں اُس کی اجازت نہ دے جس کے لیے وہ کوئی عرض داشت سننا چاہے اور اُس کو پسند کرے۔" اس آیت میں سفارش کی دو شرائط بیان کی گئی ہیں:

(**اللہ کی اجازت ہو**): یہ پہلی شرط ہے۔

(**اور اس سے وہ راضی ہو**): یہ دوسری شرط ہے۔ جس کے بارے میں سفارش کی جائے گی اُس سے اللہ راضی ہو۔ اور اللہ تو صرف مومن سے ہی راضی ہوگا۔ رہی بات کافر کی تو اللہ اُس سے راضی نہیں ہوگا۔

سفارش کے بارے میں اہل سنت کی مخالفت کرنے والے ایک دوسرے کے بالکل خلاف کھڑے ہیں: اُن میں سے کچھ سفارش کا انکار کرتے ہیں، اور وہ خوارج اور معتزلہ ہیں جو شرک کے علاوہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔

اور دوسری طرف: وہ ہیں جو سفارش میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ اور وہ صوفی و قبوری ہیں۔ جو صرف سفارش پر ہی اعتماد کئے بیٹھے ہیں، قبروں کی طرف پناہ پکڑتے ہیں، مُردوں سے فریاد رسی کرتے

ہیں اور اُن سے شفاعت طلب کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ﴾ (سورہ یونس: 18) ترجمہ: ''یہ لوگ اللہ کے سوا اُن کی پرستش کر رہے ہیں جو اُن کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔'' وہ اُن کی اس لئے عبادت کر رہے ہیں تا کہ وہ اللہ کے پاس اُن کی سفارش کریں۔

اعتدال کی راہ چلنے والے: اہل سنت والجماعت ہیں۔ جو مطلقاً شفاعت کی نفی نہیں کرتے اور نہ ہی مطلقاً اُس کا اثبات کرتے ہیں بلکہ اسے کتاب وسنت میں وارد دو شرطوں کے ساتھ ثابت مانتے ہیں۔ یہی شفاعت کے بارے میں بحث کا حاصل ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**خطا کار گناہ گاروں کے لئے**) یعنی: شفاعت گناہ گار مومنوں کے لئے ہوگی جو کفر کی حد تک نہ پہنچے ہوں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور پُل صراط پر**) یعنی: اور رسول اللہ ﷺ مومنین کے لئے پُل صراط سے گزرتے وقت بھی شفاعت کریں گے۔ اور جو اہل توحید میں سے جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے انہیں باہر نکلوانے کے لئے شفاعت کریں گے۔ پس جب لوگ پُل صراط سے گزر رہے ہوں گے تو آپ شفاعت کریں گے۔ پُل صراط ایک پُل ہے جو جہنم کے بیچ میں کھڑا کیا جائے گا۔ لوگ اپنے اعمال کے بقدر اُس پر سے گزریں گے۔ اُن میں سے کچھ پلک جھپکتے گزر جائیں گے، کچھ بجلی کی طرح گزریں گے، کچھ ہوا کی طرح گزریں گے، کچھ تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزریں گے، کچھ سواری کے اونٹ کی طرح گزریں گے، کچھ دوڑتے ہوئے گزریں گے، کچھ چلتے ہوئے گزر جائیں گے اور کچھ گھسٹتے ہوئے گزریں گے۔ اور کچھ اُچک لئے جائیں گے اور جہنم میں جا گریں گے۔ تمام ہی مخلوق مومنین اور کفار کو اس پُل پر سے گزرنا ہوگا اور اپنے اعمال کی بنیاد پر ہی نجات ملنے والی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ ترجمہ: ''تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو۔'' یعنی:

پُل صراط پر۔ ﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا﴾ (سورہ مریم: 71-72) ترجمہ: ''یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔ پھر ہم اُن لوگوں کو بچالیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور ظالموں کو اُسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔'' نجات صرف متقیوں کو ہی ملے گی۔ اور رہے کفار تو وہ جہنم میں ہلاک ہوں گے۔ اللہ کی پناہ! یہی وہ پُل صراط ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور اس کے بعد بھی اللہ بہت سارے لوگوں پر جسے وہ چاہے فضل کرے گا**) اللہ تعالیٰ بعض مومنوں کو بغیر کسی کی سفارش کے جہنم سے باہر نکالے گا۔ یہ صرف اس کے فضل سے ہوگا۔ کچھ لوگوں کو بغیر کسی کی سفارش کے صرف اپنے فضل سے جہنم سے نکالے گا۔ یہ اس کے فضل کی وجہ سے ہوگا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جہنم میں جل کر کوئلہ ہو جانے کے بعد اُن کو نکال لیا جائے گا**) اللہ نے جہنم میں ہمیشہ رہنے والوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ اس میں نہ تو جی پائیں گے اور نہ ہی مر پائیں گے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿فَذَكِّرۡ اِنۡ نَّفَعَتِ الذِّكۡرٰى ۚ سَيَذَّكَّرُ مَنۡ يَّخۡشٰى ۙ وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ۙ الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى ۚ ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى﴾ (سورہ اعلیٰ: 9-13) ترجمہ: ''لہٰذا! آپ نصیحت کیجیے! اگر نصیحت (یاد دہانی) نافع ہو۔ جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرلے گا۔ اور اس نعمت سے گریز کرے گا، وہ انتہائی بدبخت (اَشقیٰ) جو بڑی آگ میں جائے گا۔ پھر نہ اس میں مرے گا نہ جئے گا۔''

پس جو تذکیر اور نصیحت کو قبول نہیں کرتا اور اپنی گمراہی پر ڈٹا رہتا ہے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا، اسی میں باقی رہے گا، اس کی زندگی آرام دہ نہیں ہوگی اور نہ ہی موت آئے گی بلکہ وہ ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔ البتہ جو گناہ گار مُوحّدِین (اللہ کی توحید کو ماننے والے) جہنم میں داخل ہوں گے تو اس میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر وہ جہنم سے نکالے جائیں گے اور ایسی نہر میں ڈالے جائیں گے جسے نہر حیات

کہا جاتا ہے۔ پس اُن کے جسم نشو ونما پانے لگیں گے، پس جب ان کے جسم مکمل ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔

{19} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِالصِّرَاطِ عَلٰى جَهَنَّمَ، يَأْخُذُ الصِّرَاطُ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَيَجُوْزُ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَيَسْقُطُ فِيْ جَهَنَّمَ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَلَهُمْ أَنْوَارٌ عَلٰى قَدْرِ إِيْمَانِهِمْ)

ترجمہ: ''جہنم کے اوپر رکھے جانے والے پُل پر ایمان رکھنا، جسے اللہ چاہے گا وہ پُل اسے اپنی گرفت میں لے لے گا، جسے چاہے گا وہ اُس پُل کو پار کر پائے گا اور جسے چاہے گا وہ جہنم میں جا گرے گا۔ لوگوں کے ایمان کے بقدر روشنی عطا کی جائے گی۔''

الشرح:

قیامت کے روز جو ماجرا پیش آئے گا اس میں ایک یہ ہے کہ: پُل صراط پر سے گزرنا ہوگا جس کا ذکر ہو چکا۔

صراط لُغت میں: راستے کو کہا جاتا ہے۔ اور یہاں مراد: وہ پُل ہے جو جہنم کے بیچ میں رکھا جائے گا۔ وہ بہت باریک ہوگا، بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز دھار والا ہوگا۔ اور انگارے سے زیادہ گرم ہوگا۔ اس پر سے مخلوق اپنے اعمال کے بقدر رفتار سے گزریں گے۔ مخلوق کو اُن کے اعمال چلائیں گے۔ جو نجات پا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور جو نجات نہ پا سکا تو وہ ہلاک ہوگا۔ اس پر سے لوگوں کا گزر اُن کے اعمال کے بقدر ہوگا۔ کچھ پلک جھپکتے، کچھ بجلی کی سی رفتار سے، کچھ ہوا کی رفتار سے، کچھ تیز رفتار گھوڑوں کی رفتار سے، کچھ سواری کے اونٹوں کی رفتار سے، کچھ اپنے قدموں پر دوڑتے ہوئے، کچھ چلتے ہوئے اور گھسٹتے ہوئے گزریں گے۔ اور کچھ لوگوں کو اُچک لیا جائے گا اور انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سب قرآن اور سنت نبویہ میں مذکور ہے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ

جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ (سورہ مریم: 68-71) ترجمہ: ''تیرے ربّ کی قسم، ہم ضرور ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے، پھر جہنم کے گرد لا کر انہیں گھٹنوں کے بل گرا دیں گے، پھر ہر گروہ میں سے ہر اس شخص کو چھانٹ لیں گے جو رحمن کے مقابلے میں زیادہ سرکش بنا ہوا تھا، پھر یہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے بڑھ کر جہنم میں جھونکے جانے کا مستحق ہے۔ تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔'' یعنی جہنم میں وارد ہونے والا ہے۔ یہ وارد ہونا ہی دراصل صراط سے گزرنا ہے۔ یہی قرآن میں مذکور وارد ہونا ہے۔ خطاب مومنین اور اُن کے علاوہ سب سے ہے: (تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو) اُس پُل پر سے مومنین، کفار اور منافقین سارے لوگ گزریں گے۔ جو اُس سے نجات پائے گا وہی جنت میں داخل ہوگا اور جو اُس سے گر جائے گا وہ ہلاک ہوگا۔ (پھر ہم متقیوں کو نجات دیں گے) صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہی نجات ملنے والی ہے۔ نہ بدن کی قوت پر، نہ مال کی کثرت پر، نہ جاہ و مرتبہ کی بنیاد پر نجات ملے گی۔ صرف اللہ کا تقویٰ ہی نجات دلائے گا۔ یہ قرآن کریم کا نص ہے۔

سنت میں قیامت کے ہولناکیوں سے متعلق احادیث آئی ہوئی ہیں، انہی احادیث میں سے: صراط پر سے گزرنا ہے۔ پس لازم ہے کہ صراط اور اُس پر سے گزرنے پر ایمان رکھا جائے۔ اُس پر صرف ایمان ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ عمل بھی کرنا ہوگا۔ پس انسان اُس پر سے گزرنے کے لئے تقویٰ کی تیاری کرے اور وہ عمل صالح ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**پُل پر جسے اللہ چاہے اُسے اپنی گرفت میں لے لے گا اور جسے اللہ چاہے وہی پار ہوگا**) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ (سورہ مریم: 72) ترجمہ: ''پھر ہم اُن لوگوں کو بچا لیں گے جو (دنیا میں) متقی تھے اور

ظالموں کو اُسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔" پُل صراط پر آنکڑے لگے ہوئے ہوں گے جو اُن لوگوں کو اُچک لیں گے جن کے بارے میں اُچک لیئے جانے کا حکم ہوگا۔

(**اور اسے پار کریں گے**) یعنی: اُس پُل پر سے گزریں گے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**لوگوں کے ایمان کے بقدر اُن کے لئے روشنی ہوگی**) قیامت کے دن اہل ایمان کے لئے روشنی کا نظم ہوگا جس کے ذریعہ وہ (پُل صراط) پر چلیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ**﴾ (سورہ تحریم: 8) ترجمہ: "اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا اور وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے رب، ہمارا نور ہمارے لیے مکمل کر دے اور ہم سے درگزر فرما، تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔" ﴿**يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ**﴾ (سورہ حدید: 12) ترجمہ: "اُس دن جبکہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) "آج بشارت ہے تمہارے لیے۔" جنّتیں ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔" پہلے پہل منافقوں کو نور عطا کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام کا اظہار کیا تو ان کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ انہوں نے اظہار کیا، انہیں دھوکے کے طور پر نور عطا کیا جائے گا جیسا کہ انہوں نے اپنے اسلام سے دھوکہ دیا تو انہیں بھی دھوکہ دینے کے لئے نور عطا کیا جائے گا پھر اُن کا نور بجھ جائے گا اور وہ اندھیرے میں بھٹکنے لگیں گے: ﴿**يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا**﴾ (سورہ حدید: 13) ترجمہ: "اُس روز منافق مردوں اور عورتوں کا حال یہ ہوگا کہ وہ مومنوں سے کہیں گے "ذرا ہماری طرف دیکھو۔" یعنی: ہمارا انتظار کرو، اس لئے کہ وہ مومنوں کے پیچھے چل رہے

ہوں گے۔ ﴿انْظُرُونَا﴾ یعنی: ہمارا انتظار کرو۔ ﴿نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ﴾ یعنی: دنیا میں ﴿قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَاْوٰىكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلٰىكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (سورہ حدید: 13-15) ترجمہ: ''تاکہ ہم تمہارے نور سے کچھ فائدہ اُٹھائیں،'' مگر اُن سے کہا جائے گا ''پیچھے ہٹ جاؤ، اپنا نور کہیں اور تلاش کرو۔'' پھر اُن کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اُس دروازے کے اندر رحمت ہوگی اور باہر عذاب۔ وہ مومنوں سے پکار پکار کر کہیں گے ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' مومن جواب دیں گے ''ہاں، مگر تم نے اپنے آپ کو خود فتنے میں ڈالا موقع پرستی کی، شک میں پڑے رہے، اور جھوٹی توقعات تمہیں فریب دیتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آگیا اور آخر وقت تک وہ بڑا دھوکے باز تمہیں اللہ کے معاملہ میں دھوکہ دیتا رہا۔ لہٰذا آج نہ تم سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ اُن لوگوں سے جنہوں نے کھلا کھلا کفر کیا تھا۔ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے، وہی تمہاری خبر گیری کرنے والی ہے۔ اور بدترین انجام ہے۔''

پس قیامت کے دن ایمان نور بن جائے گا جس کے ذریعہ صاحبِ ایمان (پُل صراط) پر چلے گا۔ اللہ کی پناہ! اسی دوران کفار اور منافقین اندھیروں میں ہوں گے، انہیں سُجھائی نہیں دے گا کہ کہاں جائیں۔

{21} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيمَانُ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالْمَلَائِكَةِ)

ترجمہ: "انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں پر ایمان لانا۔"

الشرح:

ایمان کے ارکان اور اصول میں سے ہے کہ: فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا۔ یہ حدیث جبریل علیہ السلام میں ہے جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "آپ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟ آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ: تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور تقدیر کی اچھائی اور برائی پر یقین رکھو۔"(1)

اور قرآن میں ہے: ﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ﴾ (سورہ بقرہ: 177) ترجمہ: "نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور فرشتوں کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے۔"

اللہ کا فرمان ہے: ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (سورہ بقرہ: 285) ترجمہ: "رسول ﷺ اس ہدایت پر ایمان لائے جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں اُنہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے

رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور اُن کا قول یہ ہے کہ "ہم اللہ کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔" ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ: 136)

ترجمہ: "مسلمانو! کہو کہ: "ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب علیہم السلام کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں علیہم السلام کو اُن کے ربّ کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم اُن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔"

پس جن کا نام اللہ نے لیا ہے اُن پر بھی اور جن کا نام نہیں لیا ہے اُن پر بھی، تمام فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔ **مَلَآئِكَة**: **مَلَكٌ** کی جمع ہے۔ یہ غیب کے جہان میں سے ایک جہان ہے۔ اللہ نے اُن کو نور سے پیدا کیا ہے۔ اور جن کو اللہ نے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی پھر حقیر پانی سے۔ جیسا کہ اس بات کا تذکرہ اللہ نے کیا ہے۔

پس جن کا نام اللہ نے لیا ہے اُن پر بھی اور جن کا نام نہیں لیا ہے اُن پر بھی، تمام فرشتوں پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو کچھ پر ایمان رکھتا ہے اور کچھ پر نہیں تو وہ سب کا انکار کرنے والا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورہ بقرہ: 97-98) ترجمہ: "اُن سے کہو کہ جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا ہو، اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل نے اللہ ہی کے اِذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے، جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور کامیابی کی بشارت بن کر آیا ہے۔ (اگر جبریل سے اِن کی عداوت کا سبب یہی ہے، تو کہہ

دو کہ) جو اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُس کے رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں، اللہ اُن کافروں کا دشمن ہے۔"

پس جو فرشتوں میں سے کسی ایک فرشتے کا بھی انکار کرتا ہے تو وہ تمام فرشتوں کا منکر ہے۔ جیسا کہ یہود کہتے تھے: حضرت جبریل علیہ السلام ہمارے دشمن ہیں۔ اگر محمد ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور فرشتہ نازل ہوتا تو ہم محمد ﷺ کی اطاعت کرتے۔ لیکن اُن پر جبریل نازل ہوئے ہیں جو کہ ہمارے دشمن ہیں، اس لئے ہم اُن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تو اللہ نے اس آیت کو نازل کیا: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ (سورہ بقرہ: 97) ترجمہ: "اُن سے کہو کہ جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا ہو، اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل نے اللہ ہی کے اِذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے۔" (رواہ البخاری: 4210) قرآن جبریل کی طرف سے نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جبریل اللہ کے پیمبر ہیں جو وحی کے نزول کے ذمہ دار ہیں۔

اسلام کی طرف منسوب گمراہ فرقے والے کہتے ہیں: جبریل نے امانت میں خیانت کی، اس لیے کہ رسالت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا لیکن جبریل نے امانت میں خیانت کی اور اُسے محمد ﷺ کو سونپ دیا، اُن کا شاعر کہتا ہے ؎

خَانَ الْأَمِيْنُ فَصَدَّهَا عَنْ حَيْدَرَ

ترجمہ: امین نے خیانت کی اور اسے (یعنی شرعی امانت کو) حیدر (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے روک دیا۔

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (**اور ہم تمام رسولوں اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے ہیں**)

نبی: جس کی طرف شریعت کی وحی کی جائے اور اس کی تبلیغ کا حکم نہ دیا جائے۔

رسول: جس کی طرف شریعت کی وحی کی جائے اور اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا جائے۔

نبی اور رسول کے درمیان فرق: رسول اُس شریعت کے ساتھ بھیجا جاتا ہے جو اُس کی طرف نازل کی گئی، اس کے برخلاف نبی اپنے سے پہلے بھیجے گئے رسول پر نازل کردہ شریعت کو لے کر بھیجا جاتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام ہیں جنہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ تورات کو لے کر مبعوث کیا گیا، ﴿إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ﴾ (سورہ مائدہ: 44) ترجمہ: ''ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت و نور ہے۔ یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے۔''

وہ تورات کے مطابق فیصلہ کرتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ وہ کسی مستقل شریعت کو نہیں لائے تھے۔ اس کے برخلاف رسول ایک مستقل شریعت کو لاتا ہے اور اسے اس شریعت کی تبلیغ کا حکم دیا جاتا ہے۔

نبی کو اپنے سے پہلے کی رسالت کی تبلیغ کا حکم دیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس کی طرف کسی خاص مسئلے کے بارے میں وحی نازل کی جاتی ہے۔ یہی دونوں کے درمیان فرق ہے۔

جو کسی ایک نبی کا انکار کرے تو وہ تمام کا انکار کرنے والا ہے یہاں تک کہ اس نبی کا بھی انکار کرنے والا ہے جس کے بارے میں اسے گمان ہو کہ وہ اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اس لئے کہ انبیاء آپس میں بھائی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء علّاتی بھائی ہیں۔'' (رواہ البخاری: 3259، ومسلم: 2365) (علّاتی بھائی: باپ ایک ہو اور مائیں الگ الگ ہوں انہیں علّاتی بھائی کہا جاتا ہے۔) ایک ہی کڑی ہیں، ان کا طریقہ ایک ہی ہے۔ جو اُن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے گا وہ تو سب کی تکذیب کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ جو اِس کے ساتھ ہے وہ دوسرے کے ساتھ ہے۔ سبھی اللہ کے رسول ہیں۔ پس جو یہ گمان رکھتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتا ہے جیسا کہ یہود، اور عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں تو یہ سارے انبیاء کے منکر ہیں، یہاں تک کہ اس نبی کے بھی منکر ہیں جن کے بارے میں اُن

کا گمان ہے کہ وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں، اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں اس میں محمد ﷺ کا بھی ذکر ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورہ اعراف: 157) ترجمہ: "جو اِس پیغمبر، نبی اُمّی (ﷺ) کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اُس روشنی کی پیروی اختیار کریں، جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ (سورہ بقرہ: 146) ترجمہ: "جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اِس (نبی کو) ایسا پہنچانتے ہیں، جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔" لیکن حسد نے انہیں محمد ﷺ کا انکار کرنے پر آمادہ کر دیا، اس لئے کہ وہ چاہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل سے نہ نکلے۔ وہ اللہ کے فضل کو صرف اپنے لئے ہی خاص مانتے تھے: ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (سورہ نساء: 54) ترجمہ: "پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟" جس چیز نے انہیں کفر پر آمادہ کیا وہ حسد اور سرکشی ہے، ورنہ وہ تو جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اس لئے کہ وہ آپ کا ذکر تورات اور انجیل میں پاتے تھے۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کی بشارت دی، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ﴾ (سورہ صف:6) ترجمہ: ''اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اُس تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے، اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔'' وہ کون سے رسول ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سوائے محمد ﷺ کے کوئی اور رسول نہیں آیا۔ آپ ہی کا نام احمد ہے اور محمد ہے۔ آپ کے اور بھی بہت سارے نام ہیں۔ پس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرے گا وہ سارے رسولوں کا منکر ہوگا۔ اور جو محمد ﷺ کا انکار کرے گا تو وہ تمام رسولوں کا منکر ہوگا۔ اسی لئے اللہ نے کہا: ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ﴾ (سورہ شعراء:105) ترجمہ: ''قومِ نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔'' سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اُن کی قوم نے صرف ان کی ہی تکذیب کی۔ اس کے باوجود اللہ نے کہا: انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی یعنی جو اُن کے بعد آئے، اس لئے کہ جو ایک رسول کا منکر ہوگا وہ تمام رسولوں کا منکر ہوگا۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ﴾ (سورہ شعراء: 123) ترجمہ: ''قومِ عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔'' ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (سورہ شعراء:141) ترجمہ: ''ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔'' ﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ (سورہ شعراء:176) ترجمہ: ''اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔'' پس جو ایک کا انکار کرے گا وہ سبھی کا انکار کرنے والا ہوگا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ (سورہ نساء:150-151) ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں

گے اور کسی کو نہ مانیں گے، اور کفر وایمان کے بیچ میں ایک راہ نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں، وہ سب پکے کافر ہیں۔" باوجود اس کے کہ وہ بعض پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن بعض پر ایمان لانا ان کے لئے کافی نہیں۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا لازم ہے اس لئے سبھی اللہ کے رسول ہیں اور ہر کوئی اللہ کے پاس ہی سے آیا ہے، ان میں سے پہلا اخیر کی بشارت دیتا ہے اور اُن میں کا اخیر اپنے پہلے پر ایمان رکھتا ہے علیہم الصلاۃ والسلام۔ یہی مسلمانوں اور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

{21} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ، وَأَنَّهُمَا مَخْلُوقَتَانِ، اَلْجَنَّةُ فِي السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، وَسَقْفُهَا الْعَرْشُ، وَالنَّارُ تَحْتَ الْأَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلٰى، وَهُمَا مَخْلُوقَتَانِ، قَدْ عَلِمَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَدَدَ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا، وَعَدَدَ أَهْلِ النَّارِ وَمَنْ يَدْخُلُهَا، لَا تَفْنِيَانِ أَبَدًا، بَقَاؤُهُمَا مَعَ بَقَاءِ اللّٰهِ أَبَدَ الْآبِدِيْنَ، وَدَهْرَ الدَّاهِرِيْنَ، وَآدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ فِي الْجَنَّةِ الْبَاقِيَةِ الْمَخْلُوقَةِ، فَأُخْرِجَ مِنْهَا بَعْدَ مَا عَصَى اللّٰهَ)

ترجمہ: ''اس بات پر ایمان لانا کہ جنت اور جہنم حق ہیں۔ دونوں مخلوق ہیں۔ جنت ساتویں آسمان میں ہے اور اس کا چھت عرش ہے۔ جہنم ساتوں زمین کے نیچے ہے اور وہ دونوں مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اہل جنت کی تعداد کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ کون اس میں داخل ہوگا۔ اور جہنمیوں کی تعداد کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ کون اس میں داخل ہوگا۔ وہ دونوں کبھی بھی فنا نہیں ہوں گی۔ ان دونوں کی بقاء ہمیشہ ہمیش کے لئے اور جب تک زمانہ ہے تب تک کے لئے اللہ کی بقاء کے ساتھ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام باقی رہنے والی (اللہ کی) مخلوق جنت میں تھے۔ جب انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی تو انہیں وہاں سے نکال دیا گیا۔''

الشرح:

ایمان کے ارکان میں سے ہے کہ: آخرت کے دن پر اور اُس میں جو بھی ہوگا سب پر ایمان رکھنا۔ اور آخرت کے دن میں جو کچھ ہے: جنت وجہنم جو کہ بدلے کی جگہ ہیں۔ مومنین جنت میں ہوں گے جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور کفار جہنم میں ہوں گے جو کہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ یہ دونوں بدلے کی جگہیں ہیں۔ دنیا عمل کی جگہ ہے یہاں بدلہ نہیں اور آخرت بدلے کی جگہ ہے وہاں عمل نہیں ہوگا۔ پس جو جنت اور جہنم پر ایمان نہ رکھے وہ کافر ہے۔ اس لئے کہ لازم ہے کہ آخرت میں جو کچھ ہوگا

ایمان اُن سب کو شامل ہے۔اسی میں سے جنت وجہنم ہیں۔ یہ قرآن مجید میں کئی جگہوں پر مذکور ہے۔ پس جو اِن کا انکار کرے یا اِن کی تاویل کرے جیسے کہ قرامطہ اور باطنیہ اِن کی تاویل کرتے ہیں تو یہ سب اللہ کا انکار کرنے والے ہیں۔

جنت وجہنم پر ایمان رکھنا واجب ہے۔وہ دونوں حقیقی جگہیں ہیں۔متقیوں اور کافروں کا ٹھکانہ ہیں۔دونوں باقی رہنے والی ہیں، ابھی موجود ہیں، ابھی انہیں پیدا کیا جاچکا ہے اور وہ باقی رہیں گی اور کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ اللہ جنت کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ آل عمران: 133) ترجمہ: ''جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' اور جہنم کے بارے میں کہا: ﴿أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورہ آل عمران: 131) ترجمہ: ''جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''

لفظ (أُعِدَّتْ) یعنی: تیار کی گئی ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ موجود اور تیار شدہ ہے۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ اسے بعد میں پیدا کیا جائے گا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ چیزوں کا ذکر کیا جو جنت وجہنم کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔اسی میں سے ایک قول ہے کہ: ''گرمی کی شدت جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔'' (رواہ البخاری: 1069، مسلم: 79)

اور ٹھنڈی کی شدت کے بارے میں فرمایا: ''اللہ نے جہنم کی دو سانسیں طے کی ہیں: ایک گرمی کی موسم میں، جس کی وجہ سے تم گرمی کی شدت محسوس کرتے ہو۔اور ایک ٹھنڈی کے موسم میں، جس کی وجہ سے ٹھنڈی کی شدت ہوتی ہے۔ یہی جہنم کی سخت ٹھنڈ ہے۔'' (رواہ البخاری: 2637) پس آپ نے دلیل دے دی کہ دونوں موجود ہیں۔اور اسی طرح جنت بھی موجود ہے جسے اللہ نے متقیوں کے لئے تیار کیا ہے۔اور ان دونوں پر کچھ فرشتوں کو متعین کیا ہے۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو اِس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اُس کا کلمہ ہیں جسے حضرت مریم کی طرف القاء کیا گیا اور اُس کی روح ہیں۔اور جنت وجہنم حق ہیں۔جو بھی اس عمل پر

ہوگا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔" (صحیح بخاری: ۳۲۵۲) اس قول میں محلِّ شاہد یہ ہے کہ: (جنت و جہنم حق ہیں۔) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کی ابتداء میں کہتے تھے: "تیری ملاقات حق ہے، تیرا وعدہ حق ہے اور جنت و جہنم حق ہیں۔" (صحیح بخاری: ۱۰۶۹)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور وہ دونوں مخلوق ہیں۔**) یعنی: دونوں کو ابھی پیدا کیا جا چکا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جنت ساتویں آسمان میں ہے اور اس کا چھت عرش ہے۔**) یہ صحیح ہے۔ حدیث میں ہے کہ: "جنت میں سو درجات ہیں جنہیں اللہ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے۔ دو درجات کے درمیان اتنی دوری ہے جتنی کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ پس جب بھی تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو اس لئے کہ وہ جنت کا وسط اور اعلیٰ مقام ہے۔ اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے۔ اور وہیں سے جنت کی نہریں جاری ہوتی ہیں۔" (صحیح بخاری: ۱۰۲۸) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنت آسمان میں علیین میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿**كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلۡأَبۡرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ**﴾ (سورہ مطففین: 18) ترجمہ: "ہرگز نہیں! بے شک نیک آدمیوں کا نامۂ اعمال بلند پایہ لوگوں کے دفتر میں ہے۔" سب سے اعلیٰ چیز ہے۔ اور جہنم سب سے نچلی ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿**كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلۡفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝ وَمَآ أَدۡرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ**﴾ (سورہ مطففین: 7-8) ترجمہ: "ہرگز نہیں! یقیناً بدکاروں (فجّار) کا نامۂ اعمال قید خانے کے دفتر میں ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ کیا ہے وہ (سجّین) قید خانے کا دفتر؟"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اللہ ہی اہل جنت کی تعداد کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ کون اس میں داخل ہوگا۔**) اللہ تعالیٰ ازلی علم کے ذریعہ سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور اسی میں سے ہے کہ: اسے اس بات کا علم ہے کہ اہل جنت کون ہیں اور کون اس میں داخل ہوگا۔ وہ جہنمیوں کو جانتا ہے اور یہ بھی کہ کون اس میں داخل ہوگا۔ اس کے علم سے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے اور اس نے ان سب کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جنت وجہنم کبھی فنا نہیں ہوں گے**) جنت وجہنم باقی رہنے والے ٹھکانے ہیں وہ کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ اس میں اُن لوگوں کا رد ہے جن کی رائے ہے کہ جنت وجہنم فنا ہوجائیں گے۔ اور ان کا کہنا ہے کہ: تاکہ وہ دونوں بقاء میں اللہ کے شریک نہ ہوں۔ اور یہ ماضی اور مستقبل کے تسلسل کا انکار کرتے ہیں۔ یہ تو ان کی جہالت ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ: یہاں اللہ کی ابدیت اور جنت وجہنم کی ابدیت میں فرق ہے۔ اللہ کی ابدیت اُس کی شان کے لائق ہے۔ اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اور جنت وجہنم کی ابدیت اللہ کے باقی رکھنے اور پیدا کرنے کی وجہ سے ہے۔ یہ تو اکتسابی ابدیت ہے۔ اللہ نے اس ابدیت کو عطا کیا ہے۔ رہی بات اللہ کی ابدیت کی تو اس کا ازل سے ابد تک ہونا اُس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ یہ صفت ذاتی ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جنت وجہنم کی ہمیشہ ہمیش کی بقاء اللہ کی بقاء کے ساتھ ہے۔**) وہ دونوں اللہ کی بقاء کے ساتھ باقی رہیں گے اور اللہ کی بقاء کی کوئی انتہاء نہیں۔ اسی طرح جنت وجہنم کی بقاء کی بھی کوئی انتہاء نہیں ہوگی۔ اور دونوں (اللہ اور جنت وجہنم) کی بقاء وابدیت میں ساری صفات کی طرح کوئی مشابہت نہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**زمانے تک**) یہ تاکید کے لئے ہے (کہ جس طرح زمانہ ہمیشہ باقی رہے گا اسی طرح جنت وجہنم بھی ہمیشہ باقی رہیں گے۔)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور آدم علیہ السلام پیدا کی گئی باقی رہنے والی جنت میں تھے۔**) جب اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انہیں اللہ کی طرف سے جو بھی عزت حاصل ہوئی۔ اور فرشتوں پر اُن کی فضیلت کا اظہار کیا تو اُس پر ابلیس نے حسد کیا اور اُن کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ حسد اور تکبر کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کی۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: **﴿اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا﴾** (سورہ اعراف: 19) ترجمہ: "تو اور تیری بیوی، دونوں اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ۔"

اللہ نے بطورِ اکرام کے دونوں کو جنت میں ٹھہرایا۔ یہ جنت آسمان میں ہے۔ پھر جب ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بہکایا اور انہوں نے بہکاوے میں آکر جس درخت کے پھل کو کھانے سے منع کیا گیا تھا اسے کھالیا تو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کو زمین کی طرف اتار دیا: **﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾** (سورہ بقرہ: 38) ترجمہ: ''ہم نے کہا کہ ''تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔'' تو وہ زمین کی طرف اتر آئے۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی بیوی کو بخش دیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے توبہ کیا: **﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾** (سورہ اعراف: 23) ترجمہ: ''دونوں بول اُٹھے'' اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنے اوپر زیادتی کی، اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔'' **﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾** (سورہ طٰہٰ: 121-122) ترجمہ: ''آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہِ راست سے بھٹک گئے۔ پھر اُس کے رب نے اُنہیں برگزیدہ کیا اور اُن کی توبہ قبول کرلی۔''

پس حضرت آدم علیہ السلام اور حواء نے اللہ سے توبہ کی اور اللہ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ رہا ابلیس تو وہ اپنی گمراہی پر ڈٹا رہا اور توبہ نہیں کیا۔ اسی لئے اللہ نے اسے اپنی رحمت سے دھتکار دیا اور اس پر لعنت کی۔ اور اسے ہر برائی کا رہنما بنا دیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(تو انہیں اللہ کی نافرمانی کرنے کے بعد جنت سے نکال دیا گیا)** اُن کا جنت سے نکالا جانا اُن کی معصیت کی سزا کے طور پر تھا، لیکن انہوں نے اللہ سے توبہ کی جیسا کہ اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے۔

❁❁❁

{22} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِالْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ)

ترجمہ: "مسیح الدجال پر ایمان رکھنا۔"

الشرح:

اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ: مسیح الدجال پر ایمان رکھا جائے۔ وہ بنو آدم کا ایک فرد ہے جس کا خروج یہود میں ہوگا اور یہود اُس کی پیروی کریں گے۔ یہی وہ مہدی ہے جس کے انتظار میں یہود ہیں۔ اس لئے کہ مہدی کا ہر کوئی دعویدار ہے۔ یہود اُس کے دعویدار ہیں اور اُن کا مہدی مسیح الدجال ہے۔ شیعہ غار میں چھپے ہوئے مہدی کے منتظر ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوگا۔ اہل سنت والجماعت بھی مہدی کے انتظار میں ہیں جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح اور متواتر احادیث سے ملتی ہے، اس معنیٰ میں کہ وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کے اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسل سے ہوں گے۔ ان کا خروج اخیر زمانے میں ہوگا۔ مسلمان اُن سے بیعت کریں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں گے۔ یہی حالت ہوگی کہ مسیح الدجال کا خروج ہوگا۔ مسلمان اس سے پریشان ہوں گے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا، اس طرح وہاں دو مسیح ہو جائیں گے:

گمراہی کا مسیح: وہ دجال ہوگا۔

ہدایت کا مسیح: اور وہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہوں گے۔

مسیح الدجال کو زمین میں تیزی کے ساتھ سیاحت کرنے کی وجہ سے مسیح کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ اس کے لئے ایسے اسباب مہیا کر دے گا جن کی وجہ سے اسے زمین میں ایذاء پہنچانے، برائی عام

کرنے اور فتنہ پروری کے لئے تیزی سے چلنا ممکن ہو جائے گا۔ اس کا نام دجال رکھا گیا ہے جو کہ ''دجل'' سے بنا ہے یعنی جھوٹ۔ اس لئے کہ دجال: دجل یعنی جھوٹ میں انتہاء کو پہنچا ہو گا۔ وہ کذّاب یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دعویٰ کرے گا کہ وہی اللہ ہے۔ لوگ اس کے فتنے میں پڑ جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ ثبات عطا فرمائے گا۔ اس کے پاس جنت و جہنم ہوں گے۔ وہ خرق عادت کام کرے گا، وہ یہ کہ اس کے پاس شیطانی شعبدہ بازیاں ہوں گی، کرامات نہیں ہوں گی۔ وہ سب شیطانی شعبدہ بازیاں ہوں گی۔ اللہ اسے بندوں پر بطور آزمائش و امتحان جاری کرے گا۔ پس اُس کا خطرہ بڑا ہی شدید ہو گا، اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے اس سے خبردار کیا ہے۔ اور اس بارے میں سب سے زیادہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا ہے۔ اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے اخیر تشہّد میں ہم اس کے فتنے سے پناہ طلب کریں۔ جہاں ہم اللہ کی چار چیزوں سے پناہ طلب کرتے ہیں: جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کے فتنے سے اور مسیح الدجال کے فتنے سے۔

اللہ کی پناہ! مسیح دجال کا فتنہ زمین پر واقع ہونے والا سب سے بڑا فتنہ ہو گا۔ دجال اسی طرح مسلمانوں کو تنگ کر رہا ہو گا، انہیں تکلیف پہنچا رہا ہو گا اور انہیں آزمائش میں ڈالے ہوئے ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہو گا۔ وہ دجال کو تلاش کر کے اسے قتل کر دیں گے۔ اور مسلمانوں کو اس (کے شر) سے راحت پہنچائیں گے۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں گے اور زمین میں عدل قائم کریں گے، صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صرف دین اسلام ہی باقی رہے گا، یہودیت و نصرانیت اور دیگر کفریہ ادیان کو ختم کر دیں گے، صرف اسلام ہی باقی رہے گا، وہ شریعت محمد ﷺ کے مطابق فیصلہ کریں گے اسی کے تابع رہیں گے اس لئے کہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کے لئے ہو گا۔ وہ شریعت اسلامیہ کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے۔ یہ ساری چیزیں دجال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور سے ہوں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کا نام دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ: اس لیے کہ وہ بیمار پر (ہاتھ)

پھیرتے تھے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی اجازت سے شفایاب ہوجاتا۔ یہ ان کے معجزات میں سے ہے کہ وہ اپنا ہاتھ نابینا، برص کے بیمار اور مجنون پر پھیرتے تو اس کی وجہ سے ان کی بیماری ختم ہوجاتی۔ اسی لئے ان کو مسیح، ماسح (پھیرنے والا) کے معنیٰ میں کہا گیا ہے۔

{23} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِنُزُوْلِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، يَنْزِلُ فَيَقْتُلُ الدَّجَّالَ، وَيَتَزَوَّجُ، وَيُصَلِّيْ خَلْفَ الْقَائِمِ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَيَمُوْتُ، وَيَدْفِنُهُ الْمُسْلِمُوْنَ)

ترجمہ: ''حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول پر ایمان رکھنا، وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے، شادی کریں گے اور وہ آل محمد ﷺ کے ایک قائم مہدی کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کریں گے۔ ان کی وفات ہو گی اور مسلمان ان کی تدفین کریں گے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول پر ایمان رکھنا، وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے۔**) یہ قیامت کی بڑی علامتوں سے ایک ہے۔

''ان کا نازل ہونا'' یعنی آسمان سے اترنا۔ اس لیے کہ اللہ نے انہیں (زندہ) آسمان پر اٹھالیا تھا۔ جب یہود نے ان کو قتل کرنا چاہا اور ان کے پاس آئے تاکہ دن دہاڑے انہیں قتل کر سکیں اور انہیں پھانسی پر لٹکائیں۔ جب وہ ان کے پاس داخل ہوئے تو ان کے سامنے سے اللہ نے انہیں (آسمان) پر (زندہ) اٹھالیا اور وہ سمجھ بھی نہ پائے۔ اُن کی شبیہ ایک شخص پر ڈال دی۔ تو لوگوں نے اس شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں تھے۔ اللہ فرماتا ہے: **﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾** (سورہ نساء: 157) ترجمہ: ''حالانکہ فی الواقع انہوں نے نہ اُس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے وہی صورت بنادی گئی۔'' تو اللہ نے اس شخص پر ان کی شبیہ ڈال دی۔ کہا جاتا ہے کہ: یہ وہی شخص تھا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو مخبری کی تھی۔ تو اللہ نے بطور سزا کے اس کے ساتھ ایسا کیا۔ اور یہ بھی کہا

جاتا ہے کہ: وہ حواریوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار تھا تو اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ عنقریب تم پر میری شبیہ ڈال دی جائے گی اور (اس کے بدلے میں) تمہارے لئے جنت ہے۔ تو اس شخص نے صبر کیا اور اس شبیہ کو، قتل ہونے اور سولی پر لٹکائے جانے کو قبول کرلیا۔ اس لئے کہ وہ اس کے بدلے میں جنت کا طلبگار تھا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے**) دجال کو "**باب لُد**" پر جو کہ ایک معروف جگہ ہے، قتل کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کی طلب میں ہوں گے۔ جیسے ہی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو پگھلنے لگ جائے گا جیسا کہ نمک پانی میں پگھلنے لگتا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے پاس جائیں گے اور اسے اپنے نیزے سے مار کر قتل کر دیں گے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ شادی کریں گے اور آل محمد ﷺ کے ایک قائم مہدی کے پیچھے نماز ادا کریں گے**) یہ قول کہ (وہ شادی کریں گے) یہ بعض آثار میں آیا ہے لیکن ثابت شدہ نہیں ہے۔ (فتح الباری: ۶/ ۴۹۳) ہاں! اُن کا مہدی کے پیچھے نماز ادا کرنا ثابت ہے۔ مہدی اُن سے درخواست کریں گے وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں، اس لئے کہ وہ نماز فجر کے وقت (آسمان سے) نازل ہوں گے۔ اور مسلمان نماز کے لئے جمع ہوں گے۔ تو مہدی اُن سے درخواست کریں گے وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے: "**نہیں! تم میں کے بعض، بعض کے امام ہیں۔**" (صحیح مسلم: ۱۵۶) تو وہ مہدی کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔

قائم: مہدی ہیں، محمد بن عبداللہ، اُن کا نام رسول اللہ ﷺ کے نام کی طرح ہوگا۔ اور اُن کے والد کا نام رسول اللہ ﷺ کے والد کے نام کی طرح ہوگا۔ وہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے گھرانے سے ہوں گے۔ لوگ کہتے ہیں کہ: (اللہ ہی بہتر جانتا ہے) اس کی حکمت یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مسلمانوں کے خون کو بہائے جانے کو

روکنے کے لئے دستبردار ہو گئے تو اللہ نے اُن کو عزت بخشی اور مہدی کو اُن کی ذریت میں کر دیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو گی اور مسلمان اُن کی تدفین کریں گے**) یہ قرآن مجید میں ہے، اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ﴾** (سورہ نساء: 159) ترجمہ: ''اور اہل کتاب میں سے کوئی ایسا نہ ہوگا جو اُس کی موت سے پہلے اُس پر ایمان نہ لے آئے گا۔'' ان پر بھی موت واقع ہوگی جس طرح تمام انسانوں پر موت آتی ہے: **﴿وَمَا جَعَلۡنَا لِبَشَرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ الۡخُلۡدَ اَفَا۟ئِنۡ مِّتَّ فَهُمُ الۡخٰلِدُوۡنَ﴾** (سورہ انبیاء: 34) ترجمہ: ''اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیشگی تو ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی انسان کے لیے نہیں رکھی ہے۔ اگر آپ فوت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ جیتے رہیں گے؟'' چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی عمر کے اخیر میں وفات پائیں گے جو اللہ نے ان کے مقدر میں رکھی ہے۔ مسلمان انہیں اسی طرح دفن کریں گے جس طرح وہ اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں۔

{24} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ الْإِيْمَانَ قَوْلٌ وَعَمَلٌ، وَنِيَّةٌ وَإِصَابَةٌ، يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ، يَزِيْدُ مَا شَاءَ اللهُ، وَيَنْقُصُ حَتّٰى لَا يَبْقٰى مِنْهُ شَيْءٌ)

ترجمہ: ''اس بات پر ایمان لانا کہ ایمان قول وعمل اور نیت و درست ہونے کا نام ہے۔ وہ بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے۔ جتنا اللہ چاہے بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔''

الشرح:

ایمان لغت میں: ''پختہ تصدیق کو کہتے ہیں جس کے ساتھ یقین ہو اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔'' کہا جاتا ہے: **آمَنَ لَهُ** یعنی: اس کو سچ مانا۔ **﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا﴾** (سورہ یوسف: 17) ترجمہ: '' آپ ہماری بات کا یقین نہ کریں گے۔'' یعنی اس کی تصدیق نہیں کریں گے۔ **﴿فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ﴾** (سورہ عنکبوت: 26) ترجمہ: ''اس وقت لوط نے اس کو مانا۔'' یعنی اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق کی۔

ایمان شریعت میں: ''دل سے اعتقاد رکھنا، زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء سے عمل کرنا۔ اطاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔'' ان ساری چیزوں کے مجموعے کا نام ہی ایمان ہے۔ پس جو دل سے ایمان لایا لیکن اپنی زبان سے نہیں تو وہ مومن نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اللہ کا فرمان کفار کے بارے میں ہے کہ: **﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾** (سورہ انعام: 33) ترجمہ: ''اے نبی ﷺ! ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ بناتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، لیکن یہ لوگ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔''

اور فرعون کے بارے میں کہا: ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ (سورہ بنی اسرائیل: 102) ترجمہ: ''موسیٰ نے اس کے جواب میں کہا: ''تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں زمین اور آسمانوں کے رب کے سوا کسی اور نے نازل نہیں کی ہیں۔''

اللہ نے اُن کفار کے بارے میں فرمایا جنہوں نے اُس کی آیت کی تکذیب کی: ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (سورہ نمل: 14) ترجمہ: ''اُنہوں نے سراسر ظلم اور غرور کی راہ سے ان نشانیوں کا انکار کیا حالانکہ دل اُن کے قائل ہو چکے تھے۔'' پس صرف دل سے ایمان لانا کافی نہیں جیسا کہ مُرجئہ کا کہنا ہے۔ وہ ایمان نہیں ہے۔ اور اسی طرح صرف زبان سے ایمان لانا بھی کافی نہیں۔ اس لئے کہ یہ منافقوں کا ایمان تھا: ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ (سورہ فتح: 11) ترجمہ: ''یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اِن کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔''

دل و زبان سے ایمان لانا بھی کافی نہیں جیسا کہ بعض مُرجئہ کا قول ہے۔ یہ کافی نہیں۔ بلکہ اعضاء سے عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص دل و زبان سے ایمان لاتا ہے لیکن کبھی نماز نہیں پڑھتا اور نہ ہی روزہ رکھتا ہے۔ فرض حج کی ادائیگی نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی اور عمل کرتا ہے تو یہ کافر ہے۔ گرچہ وہ اپنی زبان سے ایمان لائے، باتیں کرے اور دل سے عقیدہ رکھے۔ اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن بلا عذر عمل کو ترک کرے۔ ہاں مگر کسی عذر جیسے مجبوراً، بھول کر اور جہالت کی وجہ سے عمل کو ترک کرے اور اسی طرح وہ شخص ہے جو اسلام میں داخل ہوا اور اس کو عمل کی توفیق نہ مل سکی، وہ اس طرح کہ اس نے اسلام قبول کیا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہو گئی تو اس پر عمل کا اعتبار نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکا۔ اسی طرح وہ شخص ہے جس پر دیوانگی طاری ہو جس کی وجہ سے عمل ممکن نہ ہو سکے۔ البتہ جس کے لئے عمل ممکن تھا اور اس نے اسے اخیر تک چھوڑے رکھا تو یہ مومن نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے ایمان کی تعریف میں- جیسا کہ مؤلف نے تذکرہ کیا- چوتھے مسئلے کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے سنت کی اتباع۔ وہ کہتے ہیں: ایمان: قول، اعتقاد، عمل اور سنت کا نام ہے۔ یعنی: سنت کی اتباع کرنا۔ اس سے بدعتی خارج ہو جاتے ہیں جو سنت پر عمل نہیں کرتے۔ وہ محدثات (دین میں نئے گھڑے جانے والے اعمال) پر عمل کرتے ہیں۔ اس کا ذکر مؤلف نے یہاں اپنے قول میں کیا: (**نیت اور درستگی کا ہونا**) یعنی: سنت پر عمل کرنا۔ ہاں جو شخص بدعات، خرافات اور نئی ایجاد کردہ چیزوں پر عمل کرتا ہے تو یہ مومن نہیں ہوگا۔

(**اطاعت سے ایمان بڑھتا ہے**) یہ (ایمان کی) تعریف کی تکمیل میں سے ہے کہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے۔ اس کی صراحت قرآن میں ہے: **﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾** (سورہ مریم: 76) ترجمہ: ''جو لوگ راہِ راست اختیار کرتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کرتا ہے۔'' **﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾** (سورہ انفال: 2) ترجمہ: ''اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔'' **﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾** (سورہ مدثر: 31) ترجمہ: ''اور ایمان لانے والوں کا ایمان بڑھے۔''

ان آیات میں صراحت ہے کہ ایمان اطاعت سے بڑھتا ہے۔ (**اور معصیت سے گھٹتا ہے**) اس لئے کہ جو چیز جو گھٹتی ہے وہ بڑھتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ: ''جو شخص اپنے دل میں برائی کو بُرا نہ جانے، اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں بچتا۔'' (صحیح مسلم: ۵۰) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کمزور پڑتا ہے یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ہو جاتا ہے۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ: ''جہنم سے اس شخص کو نکال لیا جائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی بہت کم مقدار میں ایمان ہوگا۔'' (صحیح بخاری: ۴۲۰۶) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کمزور پڑتا ہے یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ہو جاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: **﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾** (سورہ آل عمران: 167) ترجمہ: ''اُس وقت وہ ایمان کی بہ

نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔" ان کے پاس کمزور ایمان ہے اور وہ کفر سے زیادہ قریب ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان کمزور پڑتا ہے۔ اور یہاں تک کہ (اللہ کی پناہ) صاحب ایمان کفر سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

یہ اس قول کا معنیٰ ہے کہ: (**ایمان اتنا گھٹتا ہے کہ اس میں کچھ باقی نہیں بچتا**) ایمان گھٹتا ہے یہاں تک کہ اس میں کوئی چیز باقی نہیں بچتی اور کبھی کبھار اس میں رائی کے دانے کے برابر مقدار باقی رہ جاتی ہے۔ یہی صاحب ایمان کو قیامت کے دن فائدہ دے گی اور اسے جہنم سے باہر نکلوائے گی۔ اور جب رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہیں بچے گا تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی قرار پائے گا۔

❁ ❁ ❁

{25} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَأَفْضَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَالْأُمَمِ كُلِّهَا بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ -صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ- أَبُوبَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ. هٰكَذَا رُوِيَ لَنَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ أَظْهُرِنَا: أَنَّ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، وَيَسْمَعُ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ ﷺ فَلَا يُنْكِرُهُ)

ترجمہ: ''اس امت اور ساری امتوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل: حضرت ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر فاروق اور پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم ہیں ۔ یہی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ: ''ہم کہا کرتے تھے جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ بہتر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں ۔ اور اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا کرتے لیکن اس سے منع نہیں کرتے ۔''

الشرح:

سب سے بہترین زمانہ: وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، پھر وہ زمانہ ہے جو اُس کے بعد کا ہے، پھر وہ زمانہ ہے جو اُس کے بعد کا ہے ۔ یہی فضیلت والے زمانے ہیں ۔ اور سب سے زیادہ فضیلت والا زمانہ: اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے ۔ پھر اصحاب کرام رضی اللہ عنہم بھی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں ۔ ان میں سب سے افضل: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے، آپ کو تقویت دی اور آپ کا دفاع کیا۔ آپ کی حمایت میں اپنا مال خرچ کیا اور (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) موت تک آپ سے وابستہ رہے ۔ پھر آپ کے بعد خلافت کی ذمہ داری کو بہترین طریقے سے اٹھایا ۔ اللہ نے اُن کے ذریعہ دین کو ثابت رکھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کے قدم ڈگمگانے لگے تھے ۔ اللہ نے انہیں پہاڑ کی طرح ثابت رکھا

یہاں تک کہ اُن کی وجہ سے امت ثابت قدم ہوگئی اور مرتدین وکفار کا رد کیا۔ پس رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دین پختہ ہوگیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (آپ کے پہلو میں) دفن کر دیا گیا۔ وہ زندگی میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے اور مرنے کے بعد بھی۔ وہ آپ کے یارِ غار بھی تھے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (سورہ توبہ: 40) ترجمہ: ''جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ ''غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے بہترین شخص تھے۔ ان کے بعد دوسرے خلیفہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں، پھر ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ چاروں خلفائے راشدین ہیں۔ **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُ**۔

پھر ان کے بعد عشرہ مبشرہ (وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جنہیں دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی تھی) میں سے بقیہ (چھ) صحابہ ہیں۔ اور وہ (دس صحابہ) یہ ہیں: چار خلفاء، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نُفیل، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوّام، ابوعبیدہ بن جرّاح اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ وہ دس صحابہ ہیں جنہیں جنتی ہونے کی (دنیا میں ہی) بشارت دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دی۔ (اس اعتبار سے وہ) صحابہ کرام میں سب سے بہتر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر جنتی ہیں، عمر جنتی ہیں، علی جنتی ہیں، عثمان جنتی ہیں، طلحہ جنتی ہیں، زبیر جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں، سعید بن زید بن عمرو بن نُفیل جنتی ہیں اور ابوعبیدہ بن جرّاح جنتی ہیں۔'' (سنن ترمذی: ۳۷۴۷)

پھر ان کے بعد: اصحاب بدر، پھر بیعت رضوان میں شامل ہونے والے مہاجرین و انصار

کے اصحاب، پھر وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا اور ہجرت کی، یہ ان لوگوں سے افضل ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور ہجرت کی۔ اِن لوگوں کو وہ فضیلت حاصل ہے جس تک کوئی اور نہیں پہنچ سکتا اور وہ یہ کہ: رسول اللہ ﷺ کی صُحبت اور ہجرت۔ پس مہاجرین، انصار سے افضل ہیں۔ یہ عام فضیلت تمام صحابہ کو حاصل ہے۔ ان کے بعد جو بھی آئے وہ اُن تک نہیں پہنچ سکتے۔ وہ سب سے بہتر اور اچھے زمانے والے ہیں۔

جو بھی صحابہ کرام پر طعن کرتا ہے یا اُن سے بغض رکھتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے ان کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے اور انہیں اپنے نبی محمد ﷺ کی صحبت کے لئے چُنا ہے۔ پس جو بھی صحابہ کرام پر طعن کرتا ہے یا انہیں کافر گردانتا ہے یا اُن کی تنقیص کرتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورہ توبہ: 100) ترجمہ: ''وہ مہاجر وانصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ اُن کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

مؤلف رحمہ اللہ کا کہنا کہ **(یہی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے کہ: ''ہم کہا کرتے تھے جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ ﷺ موجود تھے کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ بہتر حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم ہیں۔)** حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر اجماع ہے۔ اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے مابین فضیلت پر اختلاف ہے۔ بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فضیلت دیتے ہیں۔ اور بعض حضرت علی رضی اللہ عنہ کو۔ البتہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اس امت کے سب سے بہترین لوگ ہیں۔ یہ اجماع فضیلت سے متعلق ہے۔ رہی بات خلافت کی تو: بلاشبہ ترتیب یہ ہے: ابوبکر، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی رضی اللہ

عنہم ۔ جو کوئی ان میں سے کسی ایک کی بھی خلافت کے بارے میں اختلاف کرتا ہے تو وہ گمراہ ہے ۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''**الواسطیه: ۴۲**'' میں فرماتے ہیں: ''جو کوئی بھی ان میں سے کسی ایک کی خلافت کے بارے میں طعن کرتا ہے تو وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔'' اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے اجماع کا مخالف ہے ۔ مسلمانوں نے خلافت کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مقدم ہونے پر اجماع کیا ہے ۔ پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مقدم ہونے پر اجماع ہے ۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ہونے پر اجماع ہے ۔ پس جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت میں مقدم مانتا ہے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر بھی مقدم مانتا ہے اور کہتا ہے کہ: خلافت کا حق رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا، اس لئے کہ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی تھی اور وہی خلیفہ تھے ۔ حضرت ابو بکر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن پر ظلم کیا اور اُن سے خلافت لے لی ۔ اللہ کی پناہ! یہ تو امت کو ہی گمراہ قرار دینا ہے اور اُن نصوص کی مخالفت ہے جو کہ اِن خلفاء کی ترتیب کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ۔

خلافت کے بارے میں ترتیب اجماعی معاملہ ہے ۔ ہاں! حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کے درمیان فضلیت کو لے کر اختلاف ہے ۔ اور صحیح بات تو یہی ہے کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی افضل ہیں، اس لئے کہ صحابہ کرام جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے منتخب کیا ۔ جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں موجود تھے، پھر بھی صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا جو کہ ان کے افضل ہونے کی دلیل ہے ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم سمجھتے ہیں اور انکے برابر کسی کو نہیں سمجھتے ہیں ۔'' (صحیح بخاری: ۷۲۰۷) یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے افضل ہونے کی دلیل ہے ۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(ثُمَّ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ: عَلِيٌّ، وَطَلْحَةُ، وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ، وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، وَأَبُوعُبَيْدَةَ عَامِرُ بْنُ الْجَرَّاحِ، وَكُلُّهُمْ يَصْلُحُ لِلْخِلَافَةِ.

ثُمَّ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ: أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، اَلْقَرْنُ الَّذِي بُعِثَ فِيهِمُ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ وَالْأَنْصَارُ وَهُمْ مَنْ صَلَّى الْقِبْلَتَيْنِ)

ترجمہ: ''ان کے بعد لوگوں میں سب سے افضل: علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عبدالرحمٰن بن عوف اور ابوعبیدہ عامر بن جرّاح رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہ سب خلافت کے لئے مناسب تھے۔

ان کے بعد لوگوں میں سب سے افضل: اس زمانے کے صحابہ کرام ہیں جس میں آپ کی بعثت ہوئی، ان میں پہلے پہل ہجرت کرنے والے اور انصار ہیں اور وہ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز ادا کی۔''

الشرح:

یعنی: تین خلفاء کے بعد صحابہ کرام میں افضل عشرہ مبشرہ کے بقیہ لوگ ہیں اور وہ وہی ہیں جن کا ذکر مؤلف نے کیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یہ سب خلافت کے لئے مناسب تھے**) یعنی: وہ اصحاب شوریٰ جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کی ذمہ داری سونپی تھی، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنائی جس کی طرف یہ بقیہ لوگ رجوع کریں۔ اس لئے کہ ان کے سبھی خلافت کے لئے موزوں تھے تو معاملہ انہیں کی طرف

لوٹایا گیا تو انہوں نے آپس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**پہلا زمانہ**) فضیلت والے زمانے میں سے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اور صحابہ کرام آپ پر ایمان لائے۔

اصحاب: صحابی کی جمع ہے۔ اور **صحابی:** "جس نے حالت ایمان میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور اسی پر اس کی موت واقع ہوئی۔"

پس جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا لیکن اس نے ملاقات نہیں کی تو وہ صحابی نہیں ہے جیسا کہ نجاشی۔ ان کا اعتبار تابعین میں ہوتا ہے۔

اور جس نے ملاقات کی لیکن ایمان نہیں لایا تو وہ بھی صحابی نہیں ہے۔ اس لئے کہ مشرکین اور کفار نے نبی ﷺ سے ملاقات تو کی لیکن ایمان نہیں لائے۔

اور جس نے حالت ایمان میں ملاقات کی پھر مرتد ہو گیا تو اس کی صحابیت باطل ہو جائے گی اگر وہ ارتداد کی حالت میں ہی مر گیا۔ لیکن اگر اس نے توبہ کیا تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا اور اس کی صحابیت لوٹ آئے گی۔

اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی کتاب "**اَلنُّخبَۃُ**" میں صحابی کی تعریف کے متعلق فرماتے ہیں: "جس نے حالت ایمان میں نبی ﷺ سے ملاقات کی اور اسی پر اس کی موت آئی۔ صحیح ترین قول کے مطابق گرچہ ارتداد کا خلل واقع ہوا ہو۔" یعنی: علماء کے دو قوال میں صحیح قول یہی ہے۔

دوسرا قول: گرچہ وہ توبہ بھی کر لے تب بھی اس کی صحابیت باطل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ارتداد اپنے سے قبل کے اعمال کو باطل قرار دیتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ زمانہ جس میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی جس میں: پہلے پہل ہجرت کرنے والے، انصار اور جنہوں نے دونوں قبلوں کی جانب نماز ادا کرنے والے شامل ہیں۔**)

مہاجرین کو ذکر میں انصار پر مقدم رکھا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مہاجرین اللہ کی راہ میں

ہجرت کرنے کی وجہ سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے وطن اور مال کی قربانی دی۔ بہت ساری آیات میں اللہ نے انصار سے قبل مہاجرین کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (سورہ توبہ: 100) ترجمہ: ''وہ مہاجرو انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی۔'' ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ﴾ (سورہ حشر: 8-9) ترجمہ: ''(نیز وہ مال) ان غریب مہاجرین کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور جائدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا فضل اور اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حمایت پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ (اور وہ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔'' یعنی: انصار۔

پس مہاجرین کے تذکرے کو انصار پر مقدم رکھا گیا۔ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ (سورہ توبہ: 117) ترجمہ: ''اللہ نے نبی ﷺ اور مہاجرین وانصار کی توبہ کو قبول کر لیا۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مہاجرین، انصار سے افضل ہیں۔

انصار: انصاری کی جمع ہے۔ اور وہ اَوس وخزرج کے مومنین ہیں۔ مدینہ کے رہنے والے ہیں جنہوں نے بیعت عقبہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے انہی لوگوں کی طرف ہجرت کی تھی۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، تعاون دیا اور پناہ دی۔ اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کو بھی پناہ دی۔ انہی کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورہ حشر: 9) ترجمہ: ''(اور مال فئے اُن لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان مہاجرین کی

آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دار الہجرت میں مقیم تھے۔ یہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دُوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔" انہیں پہلے اَوس وخزرج کہا جاتا تھا، پھر جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد پر بیعت کی تو ان کا نام "**انصار**" رکھ دیا گیا یعنی: رسول اللہ ﷺ کے مددگار۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ثُمَّ أَفْضَلُ النَّاسِ بَعْدَ هٰؤُلَاءِ: مَنْ صَحِبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً، أَوْ أَقَلَّ مِنْ ذٰلِكَ أَوْ أَكْثَرَ نَتَرَحَّمُ عَلَيْهِمْ، وَنَذْكُرُ فَضْلَهُمْ، وَنَكُفُّ عَنْ زَلَلِهِمْ، وَلَا نَذْكُرُ أَحَدًا مِنْهُمْ إِلَّا بِالْخَيْرِ، لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: "إِذَا ذُكِرَ أَصْحَابِيْ فَأَمْسِكُوْا"

وَقَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ: "مَنْ نَطَقَ فِيْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِكَلِمَةٍ فَهُوَ صَاحِبُ هَوًى"

ترجمہ: ’’پھر ان لوگوں کے بعد افضل وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک دن یا ایک مہینہ یا اس سے کم وبیش صحبت اختیار کی۔ ہم ان کے لئے (اللہ کی) رحمت کے طلبگار رہیں۔ ان کی فضیلت کا ذکر کریں گے اور ان کی لغزشوں کے بارے میں اپنی زبان بند رکھیں گے۔ اور ان میں سے ہر کسی کا ذکر خیر ہی کریں گے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ’’جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو (ان کے خلاف زبان استعمال کرنے سے) باز رہو۔‘‘

امام سفیان بن عُیینہ فرماتے ہیں: ’’جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی (مخالفت) میں ایک کلمہ بھی کہا تو وہ صاحب ہویٰ (خواہشات کا غلام) ہے۔‘‘

الشرح:

صُحبت میں بھی فضیلت کے الگ الگ درجات ہیں: کسی کو زیادہ اور طویل عرصے تک رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنا نصیب ہوا تو کسی کو کم نصیب ہوا۔ البتہ جسے بھی صحبت ملی تو اس کو صحبت کی فضیلت حاصل ہوئی گرچہ وہ صحبت کم ہی رہی ہو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: **(ہم ان کے لئے (اللہ کی) رحمت کے طلبگار رہیں۔ ان کی فضیلت کا ذکر کریں گے اور ان کی لغزشوں کے بارے میں اپنی زبان بند رکھیں گے۔)** ہم پر اُن کا یہ حق ہے: کہ

ہم ان سے راضی ہوں، ان کے لئے رحمت کی دعا کریں، ان کی اقتداء کریں، ان کی تعریف کریں اور ان پر یا ان میں سے کسی پر بھی طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکے رکھیں، یا ان میں جو فتنے پھیلے اور جنگیں ہوئیں اس کے بارے میں کھود کرید نہ کریں۔ اس لئے کہ ان میں ہر کوئی مجتہد تھا۔ پس ان میں سے جس نے اجتہاد کیا اور صحیح نتیجے پر پہنچا تو اس کے دوہرا اجر ہے۔ اور ان میں سے جس نے اجتہاد کیا اور غلطی کر گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ اور خطا معاف ہے۔ پھر اسی طرح ان کے ایسے جلیل القدر اعمال ہیں کہ ان سے سرزد ہونے والی بعض خطاؤں کے لئے کفارہ ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ان میں سے ہر کسی کا ذکر خیر ہی کریں گے**) اس لئے کہ وہ حق کے طالب تھے اور اسی کے لئے کوشش کی۔ ان میں سے ہر کسی نے اپنے اجتہاد سے عمل کیا۔ ان میں سے کچھ صحیح نتیجے تک پہنچے تو کچھ خطا کر گئے جس کی معافی انہیں مل گئی۔ بہر حال ہر کسی کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ ان کے درمیان جو کچھ بھی واقع ہوا اُس بارے میں ہم دخل اندازی نہیں کریں گے۔ اس آیت کریمہ پر غور کیجئے: ﴿**وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ**﴾ "اور جو اُن کے بعد آئے۔" یعنی جو لوگ انصار اور مہاجرین کے بعد آئے۔ ﴿**يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**﴾ (سورہ حشر: 10)

ترجمہ: "کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بُغض نہ رکھ۔"

اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ: "اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ: اپنے دلوں اور زبانوں کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں محفوظ رکھنا۔" (الواسطیہ: ۴۰)

اپنے دلوں کو محفوظ رکھنا: ان میں سے کسی سے بُغض نہ رکھنا۔ **اپنی زبانوں کو محفوظ رکھنا:** ان میں سے کسی کے تعلق سے بات نہ کرنا اور نہ ہی ان کی تنقیص کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صحیح حدیث میں ارشاد

فرمایا ہے کہ: ''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں کا کوئی شخص اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو اُن کے ایک مُد یا آدھے مُد کی برابری نہیں کر سکتا۔'' (صحیح بخاری: ۳۶۷۳) (**میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو**) اتنے واضح فرمان کے بعد بھی ایک کم عقل، جس کا ایمان ڈگمگا رہا ہو اور اس میں ہویٰ پرستی (قرآن و حدیث کے مقابلے میں اپنی سوچ و فکر کو اہمیت دینا) پائی جاتی ہے ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں باتیں کرتا ہے!!

اگر یہ گمراہ فرقہ والوں میں سے ہو تو اس پر زیادہ بات نہ کرتے، لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ اہل سنت والجماعت کی طرف خود کو منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ ایک تاریخی تحقیق ہے۔ اور کیا تم تاریخی تحقیق کے مکلف ہو؟ جس کے بارے میں تم نہیں جانتے وہ داخل کرتے ہو۔ جس کی وجہ سے خطرات مرتب ہوتے ہیں اور لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں شک میں ڈالتے ہو۔ جس سے لوگوں کے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں حقد و حسد سے بھرتے ہیں۔ اسی لئے واجب یہی ہے کہ: ان کے درمیان جو کچھ ہوا اُس بارے میں اپنی زبانوں بند رکھا جائے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے تو اپنی (زبانوں کو) بند رکھو۔**) اس سے زیادہ صراحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ہے کہ: ''میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔'' اس میں صحابہ کرام کے بارے میں برا بھلا کہنے سے روک دیا گیا ہے۔ پس واجب یہی ہے کہ ہم اللہ کے فرمان کے مطابق ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کریں:

﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾ (سورہ حشر: 10) ترجمہ: ''جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔'' ہم اپنی زبانوں اور قلم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں استعمال کرنے سے روک لیں۔ ان کا دفاع کریں۔ اور جو اُن کی تنقیص کرتا ہے اس کا رد کریں۔ اس کی بات کو باطل ٹھہرائیں، اس لئے کہ وہ صحیح عقیدے کا جو کہ

اہل سنت والجماعت کا ہے اس کے مخالف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "**الواسطية**" میں فرماتے ہیں: "صحابہ کرام کے بارے میں جو کچھ منقول ہے یا تو وہ صحیح نہیں ہے تو ایسی صورت میں یہ جھوٹ اور فریب ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو وہ مجتہد تھے اور مجتہد اگر صحیح نتیجے پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے اور اگر خطا کر جاتا ہے تو ایک اجر ہے۔ علاوہ ازیں ان کے اتنے فضائل ہیں کہ جو اُن سے سرزد ہونے والی بعض خطاؤں کو چھپا لیتے ہیں۔" **(الواسطيه: ۴۰)**

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا جب انہوں نے اجتہاد کیا اور مکہ والوں کو خط لکھ دیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "مجھے اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن مار دوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عمر! تمہیں پتہ نہیں، شاید کہ اللہ نے اہل بدر کی طرف دیکھا اور کہا: تمہیں جو کرنا ہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔" (صحیح مسلم: ۲۴۹۴) یہ وہ صحابی تھے جو جنگ بدر میں شریک تھے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (امام سفیان بن عُیینہ فرماتے ہیں: "**جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی (مخالفت) میں ایک کلمہ بھی کہا تو وہ صاحب ہویٰ (خواہشات کا غلام) ہے۔**") اس لئے کہ ان کے بارے میں وہی شخص بات کرے گا جو گمراہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں تعرّض کرتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے لئے محبت اور تعظیم وتوقیر واجب ہے۔ ان کے قدر کی معرفت حاصل کرنا اور ان کی اقتداء کرنا اس لئے کہ وہ خیر القرون کے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا، ان پر ایمان لائے، ان کی صحبت اختیار کی اور مدد کی، آپ کے ساتھ جہاد کیا اور آپ سے علم حاصل کیا۔ پس وہ اس امت کے سب سے بہترین لوگ ہیں۔ بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ اللہ نے انہیں اپنے آخری اور سب سے افضل نبی محمد ﷺ کی صحت

کیلئے چن لیا ہے۔ان کے بارے میں وہی شخص طعن کرے گا جس کے دل میں اسلام کے بارے میں کینہ اور دشمنی ہوگی۔ وہ ان کی شخصیت پر طعن نہیں کرتا بلکہ اس بنیاد پر طعن کرتا ہے کہ وہ اس دین کی نصرت اور امانت داری کے ساتھ لوگوں تک اس دین کو پہنچانے کے لئے کھڑے ہوئے۔

پس جو شخص ان کے بارے میں طعن کرتا ہے تو وہ اسی وجہ سے کرتا ہے۔اس لئے کہ وہ دین اسلام سے جلن رکھتا ہے اور اسلام کا حاسد ہے اپنا حسد مٹانا چاہتا ہے، اور اس واسطے کہ وہ امت اور اس کے نبی محمد ﷺ کے درمیان کے تعلق کو ختم کر دینا چاہتا ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام ہی ہمارے اور رسول ﷺ کے درمیان واسطہ ہیں۔ یہی صحابہ کرام پر طعن کرنے والوں کا مقصد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب سورہ حشر میں مہاجرین اور انصار کا ذکر کیا تو فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (سورہ حشر:10) ترجمہ: ’’(اور یہ مال فیئ ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو اِن اگلوں کے بعد آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے اُن سب بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بُغض نہ رکھ۔‘‘ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو بھی ان کے بارے میں طعن کرتا ہے یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی تو وہ اس بُغض کی وجہ سے ہے جو ان کے خلاف اُس کے دل میں ہے۔

اسی لئے امام سفیان بن عُیینہ نے فرمایا: ’’جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں زبان درازی کرتے ہوئے ایک کلمہ بھی کہتا ہے تو وہ صاحب ہویٰ (گمراہ) ہے۔‘‘ اس کی گمراہی نے اسے اس بات پر آمادہ کیا ہے۔ اور خواہش نفس یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام سے بُغض اور کینہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے تم لوگوں میں سب سے برا اُن لوگوں کو پاؤ گے جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر طعن کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے درمیان جھوٹ اور نفرت کو پھیلاتے ہیں۔ اُن میں سے جس کسی کو دیکھو گے تو لوگ اُس سے نفرت کرتے ہوں گے۔ اس لئے کہ اللہ نے اُن کے لئے زمین میں نفرت اتار دی ہے۔ پس جو بھی کسی ایسے شخص کو

دیکھے گا جو صحابہ کرام سے نفرت کرتا ہے وہ اُس شخص کے بارے میں اپنے دل میں بُغض اور نفرت پائے گا۔ ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار رہیں۔

اس سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے والا اور نہ ہی اسلام کو۔ صحابہ کرام کی قدر اور اجر بہت ہی زیادہ ہے۔ الحمدللہ! اسلام جاری رہے گا اور اس کی مدد ہوتی رہے گی۔ یہ خود اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن خطرہ اُن لوگوں کے لئے ہے جن کے پاس علم نہیں ہے اور وہ اُن کی کتابوں کو پڑھے گا تو اُس کے دل میں صحابہ کرام کے بارے میں کچھ باتیں پیدا ہو جائیں گی اور اُس سے وہ متاثر ہو گا۔ اِن لوگوں کی کتابوں کے مطالعہ کے سبب کتنے مسلمان لوگ مشکلات میں پڑ گئے۔ اس لئے کہ جب انہوں نے اُن کی کتابوں کو پڑھا تو متاثر ہوئے اور اپنے دل میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں بُغض پایا۔ یا کم از کم صحابہ کرام کی عزت اور قدر اُن کے نزدیک کم ہو گئی۔

یہ مسلم نوجوانوں کے لئے خطرے کی بات ہے۔ اور اُن لوگوں کے لئے بھی جو علم میں پختہ نہیں کہ وہ اِن کتابوں سے متاثر ہو جاتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں طعن کیا گیا ہے۔ خاص طور پر یہ کتابیں فی الحال نشر ہو کر عام ہو رہی ہیں۔ اور جدید طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ رہی ہیں۔ اور اُن کی ترویج کو عام کیا جا رہا ہے۔ لوگ اس کے لئے وقت نکال رہے ہیں تا کہ انہیں عام کریں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر کئے گئے طعن و تشنیع کو شائع کریں۔

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں طعن کرنا دراصل رسول ﷺ کے بارے میں طعن کرنا ہے۔ آخر اِن لوگوں کے نزدیک برے اوصاف بیان کرنے کے بعد صحابہ کرام کیسے ہوں گے، یہ تو رسول ﷺ کے بارے میں طعن ہے۔

اسی طرح یہ کتاب اللہ کی تکذیب ہے اس لئے کہ اللہ نے قرآن مجید کی آیات میں صحابہ کرام کی تعریف کی ہے، انہی میں سے اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (سورہ توبہ:100)
ترجمہ:"وہ مہاجر و انصار جنھوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ اُن کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔"

اللہ کا فرمان ہے:﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾ (سورہ فتح: 18-19) ترجمہ:"اللہ مومنوں سے خوش (راضی) ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اُن کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا، اُس لیے اس نے ان پر سکینت (طمانیت) نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی، اور بہت سا مالِ غنیمت انہیں عطا کر دیا جسے وہ (عنقریب) حاصل کریں گے۔"

اللہ کا فرمان ہے:﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (سورہ فتح:29) ترجمہ:"محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ) وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات اُن کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے اُن کی صفت (تمثیل) توراۃ میں (یعنی: اُن کی یہی صفات تورات میں ہے۔ صحابہ کرام کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے جیسا کہ اُن کے نبی محمد ﷺ کا ذکر ہے۔) اور انجیل میں (جو کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔) اُن کی مثال یُوں دی گئی ہے، کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل (سوئی) نکالی پھر اس کو تقویّت دی، (سہارا دیا) پھر وہ گدرائی، (سخت ہوئی) پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفّار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔"

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے جلنے اور بُغض رکھنے والے کافر ہیں جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: (تاکہ کفار اُن کے پھلنے پھولنے سے جلیں۔) یہ اُن کے کفر کی علامت ہے۔ اللہ کی پناہ! پس رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے بُغض رکھنا کفر او رنفاق ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ایک کلمہ کہنے والا بھی گمراہ ہے**) یعنی: جب کوئی صحابہ کرام کی تنقیص میں ایک کلمہ بھی کہے گا تو وہ گمراہ اور نفس پرست ہوگا۔

جب یہ صرف ایک کلمہ کہنے کا حاصل ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو اُن کی برائی میں کتابیں تالیف کرتا ہے اور ان کی بے عزتی کرتا ہے۔ اور اُن کی غلطیوں کو تلاش کرتا ہے اور اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے؟ اس کا کیا ہوگا؟ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بارے میں ایک کلمہ کہے تو وہ گمراہ ہے۔ یعنی: وہ اپنی خواہش نفس کا پیروکار ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے نفس کی خواہش کی خاطر اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے بُغض میں باتیں کرتا ہے۔

{26} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِلْأَئِمَّةِ فِيمَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَيَرْضَى، وَمَنْ وَلِيَ الْخِلَافَةَ بِإِجْمَاعِ النَّاسِ عَلَيْهِ وَرِضَاهُمْ بِهِ فَهُوَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَبِيتَ لَيْلَةً وَلَا يَرَى أَنْ لَيْسَ عَلَيْهِ إِمَامٌ، بَرًّا كَانَ أَوْ فَاجِرًا)

ترجمہ: ''جس بات کو اللہ پسند کرے اور اس سے راضی ہو تو اُس میں حکام کی سمع وطاعت کرنا ضروری ہے۔ اور جو لوگوں کے اجماع سے مسلمانوں کا خلیفہ بنے اور لوگ اس سے راضی ہوں تو وہ امیر المومنین ہے۔ کسی کے لئے حلال نہیں کہ ایک رات بھی اس حال میں گزارے کہ اس کا کوئی حاکم نہ ہو۔ چاہے وہ نیک ہو یا فاجر ہو۔''

الشرح:

اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہے: مسلمانوں کے حکمرانوں کی بات سننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (سورہ نساء: 59) ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لاتے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔''

(تم میں سے) یعنی: مسلمانوں میں سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی اور سننے اور عمل کرنے کی وصیت کرتا ہوں گرچہ تمہارے اوپر کوئی غلام ہی امیر ہو۔'' (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)

ایک روایت میں ہے: ''گرچہ تمہارا امیر ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔'' (صحیح بخاری: ۶۷۲۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ: ''ایسا غلام جس کے بدن اطراف سے کٹے ہوئے ہوں۔'' (صحیح مسلم: ۷/ ۱۸۳) یعنی: دونوں پیر اور دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہوں۔ جب تک وہ ولی امر ہے تب تک بھلائی کے کاموں میں اس کی اطاعت واجب ہے۔ یہ عقیدے کے اصولوں میں سے ہے۔ اور جو مسلمانوں کے ائمہ کے خلاف خروج کرتا ہے تو وہ گمراہوں میں سے ہے۔ یا تو وہ خارجی ہے یا پھر معتزلی، یا گمراہ و باطل جماعت والا ہے جو سنت رسول ﷺ کا مخالف ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جس بات کو اللہ پسند کرے اور اس پر راضی ہو اس معاملے میں ائمہ کی بات سننا اور عمل کرنا**) اس شرط کے ساتھ کہ ''جس بات کو اللہ پسند کرے اور اس پر راضی ہو''۔ رہی بات معصیت کی تو اس میں اُن کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''خالق کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں کی جائے گی۔'' (مسند احمد: ۴/ ۴۳۲)

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ: ''اطاعت صرف معروف (بھلائی کے کاموں) میں کی جائے گی۔'' (صحیح بخاری: ۴۰۸۵) اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ولی امر کسی گناہ کے کرنے کا حکم دے تو اس کی امامت سے علاحدگی اختیار کر لی جائے۔ بلکہ صرف اُس گناہ کے معاملے میں اس کا حکم نہیں مانا جائے گا۔ اور گناہ کے علاوہ جو کام ہوں گے اس میں اطاعت کی جائے گی۔ اس کی ولایت باقی رہے گی اور گناہ کے علاوہ کاموں میں اطاعت کی جائے گی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور جو لوگوں کے اجماع سے مسلمانوں کا خلیفہ بنے اور لوگ اس سے راضی ہوں تو وہ امیر المومنین ہے۔**) اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کس طرح امامت کا انعقاد ہوگا۔ امامت مندرجہ ذیل چند امور کی بنیاد پر منعقد ہوگی:

پہلا امر: جس کا ذکر مؤلف نے کیا۔ اور وہ یہ کہ جسے مسلمانوں نے منتخب کیا ہو۔ اور امام کا انتخاب کرنے والوں سے مراد علماء، امراء، اہل سیاست اور لشکریوں میں سے صاحب فہم و فراست افراد مراد ہیں۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ امام کا انتخاب کرنا بچوں، عورتوں اور شہری و دیہاتی میں سے ہر کسی کے لئے

ہے۔اس لئے کہ لوگ اہل حل وعقد یعنی صاحب فہم وفراست کے تابع ہوتے ہیں۔جب صاحب فہم و فراست نے کسی کو امام منتخب کرلیا تو بقیہ لوگوں پر اس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سلسلے میں ہوا۔اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کرلیا تھا۔بقیہ امت ان لوگوں کے تابع تھی جنہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا تھا۔یہ ہر کسی کے اختیار کی بات نہیں ہے کہ وہ (امامت کے) انتخاب میں شرکت کرے۔اس لئے کہ یہ صاحب فہم وفراست لوگوں کی خصوصیات میں سے ہے۔پس مسلمانوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا جو اُن میں سب سے افضل تھے۔اس طرح آپ کے انتخاب کرنے پر رسول اللہ ﷺ کی سنت سے دلائل دلائل موجود ہیں:

اس کی **پہلی دلیل**: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام میں مطلقاً سب سے افضل تھے۔اس بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔

دوسری دلیل: رسول اللہ ﷺ نے اُن کی خلافت کے کئی اشارے کئے تھے، ان میں سے ایک یہ کہ: جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہی کو رسول اللہ ﷺ کے محراب (مصلّٰی) پر نماز کے لئے آگے بڑھایا۔(صحیح بخاری:۶۶۴) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے ہوئے جہاں رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوتے تھے۔یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہی خلافت میں لوگوں کے امام ہوں گے جیسا کہ وہ اُن کی امامت نماز میں کررہے ہیں۔پس لوگوں نے اُن کا انتخاب کیا اور کہا: ''جب رسول اللہ ﷺ آپ سے ہمارے دینی معاملے میں راضی تھے تو کیا ہم آپ سے ہمارے دنیوی امور میں راضی نہیں ہوں گے؟ اور ان کی بیعت منعقد ہوگئی۔اور صحابہ کرام نے اس بارے میں کھلے طور پر اجماع کیا اور جو وہاں موجود نہیں تھے تو وہ اُن کے تابع ہیں۔اور مسلمان ایک جماعت اور ایک ہاتھ ہیں۔

دوسرا اَمر: جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا اور اپنی جانب سے انہیں (خلافت کے لئے) متعین کردیا۔

مسلمانوں نے اس حکم کو سنا اور مان لیا۔ یہ امامت کو ثابت کرنے کا دوسرا طریقہ ہے کہ ولی امر اپنے بعد ولی عہد کا انتخاب کرلے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

تیسرا اَمر: جب مسلمانوں میں سے کوئی خود سے غلبہ حاصل کرلے اور لوگ اس کی امارت کے لئے تیار ہو جائیں تو وہی ان کا امیر ہوگا اور اُن کا امام ہوگا۔ جیسا کہ عبد الملک بن مروان نے کیا۔ جب حضرت یزید بن معاویہ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد اختلاف پیدا ہوا تو عبد الملک بن مروان بن حکم خلافت کی ذمہ داری کو نبھانے کے لئے کھڑے ہوئے۔ وہ ذہین، سمجھدار، معاملہ فہم اور طاقتور انسان تھے جن کے ذریعہ اللہ نے (امت کو) فائدہ پہنچایا۔ ان کی بیعت کا انعقاد ہوا۔ مسلمانوں نے ان کی بات سنی اور اس کے مطابق عمل کیا۔ پس یہی مسلمانوں کے لئے بہتر تھا۔

یہ امام کی ولایت کو ثابت کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ یا تو صاحب فہم و فراست کے اختیار سے ولایت ثابت ہوگی۔ یا تو سابق ولی امر کے معاہدہ سے یا تو مسلمانوں سے کوئی ایک خود غلبہ حاصل کرلے کہ وہ ان کا امام ہوگا اور لوگ سر تسلیم خم کر کے اس کی بات ماننے کو تیار ہو جائیں تو کسی اور کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عصا کو توڑے یعنی اس کی بیعت سے انکار کرے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**مسلمانوں کے اجماع سے**) اس کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ سارے مسلمانوں کا انتخاب کرنا ضروری ہے۔ بلکہ یہ صاحب فہم و فراست لوگوں کے اجماع سے حاصل ہوگا جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا تھا۔ اور جیسا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں ہوا۔ جن لوگوں نے انتخاب کیا تھا وہ اہل شوریٰ تھے۔ اور وہ عشرہ مبشرہ کے بقیہ لوگ تھے جنہیں دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بیک وقت خوشخبری سنائی گئی تھی۔ انہوں انتخاب کیا تو اس سے امامت ثابت ہوگئی۔ کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی امامت پر متفق ہو گئے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**کسی کے لئے حلال نہیں کہ ایک رات بھی اس حال میں گزارے کہ اس کا کوئی امام نہ ہو۔ چاہے وہ نیک ہو یا فاجر ہو۔**) یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ جماعت المسلمین سے خروج کرے اور اطاعت سے منہ موڑے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو ''وہ رات گزارے گا جبکہ اس کا کوئی امام نہیں ہوگا'' جس کی امامت کو وہ تسلیم کرے۔ اس نے تو ''اپنے گلے سے اسلام کے پٹے کو اتار دیا۔'' (صحیح مسلم: ۱۸۵۱) اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہ کر اُن سے وابستگی رکھے۔ اگر وہ امام کی اطاعت سے خروج کرتا ہے تو اس نے اپنا رابطہ مسلمانوں سے توڑ لیا۔ مثلاً: چھوٹی بکریاں جنہیں ایک لمبی رسّی میں (باندھ کر) رکھا جاتا ہے، اس میں پٹے ہوتے ہیں جس میں چھوٹی بکریوں کے سر داخل کئے جاتے ہیں تاکہ انہیں ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ اسی کو ''**ربق**'' یعنی پٹہ کہا جاتا ہے۔ اسی سے مسلمانوں کی اجتماعیت کی اپنے امام کے ساتھ وابستہ رہنے کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پس جو اپنے امام کی اطاعت سے خروج کرے گا تو اس نے اس پٹے کو اتار دیا اور اسے برباد ہونے کے لئے بھیڑیوں اور گمراہ لوگوں کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ اس نے کفر کیا۔ اس کا معنیٰ ہے کہ: اس نے جماعت سے علاحدگی اختیار کر لی اور اطاعت سے خروج کیا تو جانور کی طرح ہو گیا جو بندھن سے آزاد ہو گیا ہے اور درندوں کی لوٹ کھسوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ نہ کہا جائے: میں نے بیعت نہیں کی ہے، میرا کوئی امام نہیں ہے۔ آپ مسلمانوں میں سے ایک ہیں۔ اور جب صاحب فہم وفراست بیعت کر لیں تو آپ بھی ان کے تابع ہیں۔

{27} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْحَجُّ وَالْغَزْوُ مَعَ الْإِمَامِ مَاضٍ، وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ خَلْفَهُمْ جَائِزَةٌ، وَيُصَلِّي بَعْدَهَا سِتَّ رَكَعَاتٍ، يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ، هٰكَذَا قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ)

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ: ''امام کے ساتھ حج اور جہاد جاری رہیں گے۔ اور نماز جمعہ ان کے پیچھے جائز ہے۔ اور اس کے بعد چھ رکعات ادا کی جائے۔ ہر دو رکعتوں کے درمیان فصل کیا جائے گا، یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے۔''

الشرح:

امام کی ذمیداریاں بہت زیادہ ہیں۔ ان کا احاطہ کرنا، جمع کرنا اور اس پر مطلع ہونا ہے تو اسکے لئے ان کتابوں کو دیکھیں جنہیں خصوصی طور پر شاہی احکام پر تالیف کی گئی ہیں، مثلاً: ماوردی کی ''**الاحکام السطانية**'' اور ابویعلیٰ الحنبلی کی ''**الاحکام السطانية**'' اس باب میں جو کتابیں تالیف کی گئی ہیں ان میں امام کی ذمیداریوں کا بیان ہے۔ اور یہ فقہ کی کتابوں میں بھی مذکور رہے۔ اور عقائد کی کتابوں میں بھی جیسا کہ:

پہلی ذمیداری یہ ہے کہ وہ جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا ذمہ دار ہو اور مسلمان اس کے پیچھے نماز ادا کریں، الاّ یہ اسے اختیار ہو اور وہ علماء میں سے کسی کو یا کسی طالب علم کو جو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ لیکن اصل بات یہی ہے کہ امام ہی جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر وہ کسی کو اپنا جانشین بنانا چاہے تو یہ اس کے اختیار میں ہے۔ اسی پر ابھی تک عمل رہا ہے۔

دوسری ذمیداری یہ ہے کہ وہ حج کو قائم کرے، حجاج کرام کی قیادت کرے، ان پر امیر بنے اور ان کے مسائل پر نظر رکھے۔

تیسری ذمیداری: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا امام کی ذمیداریوں میں سے ہے۔ وہی اس کا حکم دے گا، وہی جھنڈے کا نظم کرے گا، وہی لشکر اور جنگجوؤں کا انتخاب کرے گا، امراء کا تعین کرے گا، سرایا اور فوج کی تنظیم سازی کرے گا، مجاہدین کو مسلح کرے گا، اور انہیں دشمنوں کی طرف بھیجے گا اور ان کے لئے اس سمت کی تعیین کرے گا جدھر غزوہ کرنا ہے۔ پس جہاد امام کی ذمیداریوں میں سے ہے اور جہاد بلا کسی امیر کے نہیں کیا جاسکتا۔ ہر وہ شخص جو اوزار اٹھانے کا ارادہ رکھے وہ قتال اور مقابلہ کرے اور کہے: میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں گا، یہ صحیح نہیں ہے۔ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا منظم اور شرعی ضابطوں کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اگر وہ بغیر امیر کے کیا جائے تو پھر وہ فساد ہوگا۔ اگر اس میں نفع ہو بھی تو اس کے نفع کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہوگا۔ اس سے نقصان زیادہ پھیلے گا۔ پس معاملات کے کچھ ضوابط ہوتے ہیں اور جہاد تو بہت عظیم امر ہے جو کہ ضابطوں کا محتاج ہے۔ اور وہ کتاب وسنت میں ذکر کئے گئے جہاد کے احکام کی تقیید اور اہل علم کے کلام کا محتاج ہے۔ یہ معاملہ بلا کسی امیر کے نہیں ہوسکتا کہ فتنہ کے داعیوں میں سے کوئی آئے اور غالی یا حد سے تجاوز کرنے والے یا جاہل لوگ جنہیں کچھ معلوم نہیں انکی قیادت کرنے لگے اور کہے: ہم اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے۔ یہ جہاد نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں اعتبار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ جہاد کے ضوابط کی قید میں نہیں آتا۔ اور جب یہ جہاد کے ضابطوں میں نہیں بیٹھتا تو پھر جہاد نہیں فساد ہوگا۔ ہر وہ چیز جو اپنی حد کو تجاوز کر جائے تو پھر وہ اپنی ضد (یعنی خلاف) کی طرف لوٹتی ہے۔ جو لوگ اُن پر تنقید کرتے ہیں تو انہیں یہ لوگ کہتے ہیں: تم اللہ کے راستے میں جہاد سے روک رہے ہو۔ ہم کہتے ہیں: ہم اللہ کے راستے میں جہاد سے نہیں روک رہے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ: لازم یہ ہے کہ جہاد کو شرعی ضوابط کے ساتھ جوڑا جائے۔ آپ لوگ جو بغیر قائد کے کام کر رہے ہو یہ جہاد نہیں ہڑبونگ ہے۔ اللہ نے اس بات کا حکم نہیں دیا ہے۔

پس حج کا قائم کرنا، جہاد کرنا، جمعہ اور عیدین کو قائم کرنا یہ ولی امر کی ذمیداریوں میں سے ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اُن کے پیچھے نماز جمعہ جائز ہے**) یعنی: گرچہ ان کے اندر فسق ہو اور معصیتیں پائی جائیں تب بھی ان کے پیچھے نماز ادا کی جائے گی۔ اس لئے کہ ان کے پیچھے نماز ادا کرنا ایک کلمہ پر جمع ہونے کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر فاسق کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اس کے ساتھ اچھائی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ محصور (ان کے گھر میں نظر بند) تھے اس وقت لوگوں نے کہا: فلاں شخص امام نہ ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی امامت کر رہا ہے، وہ تو فتنوں کا امام ہے۔ تو انہوں نے کہا: ''اے میرے بھتیجے! جب لوگ اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھائی کرو۔ اور جب وہ برائی کریں تو ان کی برائی سے علاحدگی اختیار کرلو۔'' (بخاری: ۶۶۳)

پس جب وہ نماز پڑھے گا تو ہم بھی اس کے ساتھ نماز ادا کریں گے۔ وہ ولی امر ہے۔ گرچہ اس کے اندر فسق اور (سنت کی) مخالفت پائی جاتی ہو۔ اسی میں مصلحت ہے اور اس لئے بھی کہ نماز عبادت ہے۔ فاسق جب نماز پڑھے تو اس پر اس کی ہمت افزائی کی جائے اور اس کے لئے دعا کی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان امراء کے پیچھے نماز ادا کی جن پر اعتراضات تھے جیسے کہ حجاج وغیرہ۔ ان کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے رسول کے حکم کو بجالانے اور ایک کلمہ پر جمع رہنے کی خاطر نماز ادا کی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس کے بعد چھ رکعات نماز ادا کی جائے گی**) یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جو نماز جمعہ کے ذکر کی مناسبت سے آگیا ہے۔ جمعہ سے پہلے سنت مؤکدہ نہیں ہے۔ جو بھی مسجد آئے تو اسے جتنا میسر ہو سکے نماز پڑھے اور (خطبہ کے) انتظار میں بیٹھ جائے۔ اور اگر امام کے آنے تک مسلسل نماز ادا کرتا رہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ مطلق نفل نمازیں ہیں، ان کا نماز جمعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ رہی سنت مؤکدہ تو وہ جمعہ کی نماز کے بعد ہیں۔ اس کی کم از کم تعداد دو رکعت ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ چار رکعت دو سلام کے ساتھ ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ: ''وہ تین سلام کے ساتھ چھ رکعات ہیں۔ اس صورت میں کم از کم دو رکعات ہوں گی اور زیادہ سے زیادہ چھ یا چار رکعات، جیسا کہ مشہور ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ہر دو رکعت کے درمیان فصل کیا جائے گا، یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے**) یعنی: اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چھ رکعات صرف ایک سلام کے ساتھ ادا کرے گا۔ بلکہ چھ رکعات میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے گا، یا چار رکعات میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے گا۔ یہی افضل ہے۔ اس کی نسبت حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف کی جاتی ہے اس لئے کہ (اس کتاب کے) مصنف حنبلی ہیں۔ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے مذہب سے معروف ہیں۔ یہ چھ رکعات حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت کی جاتی ہے۔ جبکہ مشہور یہ ہے کہ وہ چار رکعات ہی ہیں۔

{28} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْخِلَافَةُ فِيْ قُرَيْشٍ اِلٰى اَنْ يَنْزِلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ)

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''خلافت قریش میں ہی رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (قرب قیامت آسمان سے) نازل ہو جائیں۔''

الشرح:

جب ایک سے زائد امامت کے خواہش مند ہو جائیں اور اُن میں سے ہر ایک امامت کے لئے موزوں ہو تو دیگر لوگوں پر قریشی کو مقدم رکھا جائے گا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''ائمہ قریش میں سے ہوں گے۔'' (مسند احمد: ۱/ ۲۸۴) اور آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ: ''قریش کو مقدم رکھو اور ان پر کسی اور کو مقدم نہ رکھو۔'' (السنۃ لابن ابی عاصم: ۱۵۱۹) پس اگر قریشی صلاحیت مند ہو اور دیگر بھی خواہش مند ہوں تو کون ذمہ دار بنے گا؟ تو قریشی کو مقدم رکھا جائے گا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بارے میں وصیت ہے۔ اور اس لئے بھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور انصار نے کہا: ''ہم میں سے ایک امیر ہوگا اور تم (مہاجرین) میں سے ایک امیر ہوگا۔'' تو ابوبکر نے ان سے کہا: اس معاملے میں عرب قریش کے علاوہ اور کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۶۷) تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بیعت کی، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر، ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر، ان کے بعد بنو اُمیہ پر اور اُن کے بعد بنو عباس پر، یہ سب کے سب قریش کے تھے۔

البتہ اگر معاملہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے اور بیعت منعقد ہو جائے تو پھر اطاعت لازم ہے گرچہ وہ قریشی نہ ہو یا قریشی ہو مگر امامت کے لئے موزوں نہ ہو۔ چنانچہ صرف قریشی ہونا امامت کے لئے کافی

نہیں الاّ یہ کہ قریشی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اس کے لئے مناسب اور لائق بھی ہو اور وہاں کوئی امام قائم نہ ہو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (قرب قیامت آسمان سے) نازل ہو جائیں)** اس میں اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب (آسمان سے) نازل ہوں گے تو اس وقت مسلمانوں کے امام محمد بن عبداللہ المہدی ہوں گے۔ جو کہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے گھرانے سے ہوں گے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخری امام قریش میں سے ہی ہوں گے۔ اور پہلے امام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی قریش میں سے تھے۔ یہ حسب امکان ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور اگر قریش میں سے کوئی نہ ملے تو ولایت معطل نہیں ہوگی۔ یا اگر کوئی صالح قریشی کے ہوتے ہوئے معاملات کو سنبھال لے تو ہم اس سے دوری اختیار کریں گے اور کہیں گے: یہ امامت کے لئے مناسب نہیں ہے۔ پس ان امور کی معرفت ضروری ہے۔

❁ ❁ ❁

{29} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَمَنْ خَرَجَ عَلٰی إِمَامٍ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَهُوَ خَارِجِيٌّ، وَقَدْ شَقَّ عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ، وَخَالَفَ الْآثَارَ وَمِيْتَتُهُ مِيْتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ)

ترجمہ: ''جو مسلمانوں میں سے کسی امام کے خلاف خروج کرتا ہے تو وہ خارجی ہے۔ اس نے مسلمانوں کی عصا (یعنی سہارے) کو توڑ دیا اور آثار کی مخالفت کی۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جو مسلمانوں میں سے کسی امام کے خلاف خروج کرتا ہے تو وہ خارجی ہے۔**) جس نے ولی امر کی اطاعت سے خروج کیا اور اس بنیاد پر اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا کہ ولی امر اس کے نزدیک گناہ گار یا (شریعت کا) مخالف ہے، جیسا کہ خوارج نے کیا تھا تو اس کے لئے بھی خوارج کا حکم لگے گا۔ خوارج ایک گمراہ فرقہ ہے جس کا بیج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہی بویا گیا تھا۔ جب ذو الخویصرہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال غنیمت تقسیم کرتا دیکھ کر کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عدل سے کام لیجئے، اس لئے کہ آپ عدل نہیں کر رہے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تیرا برا ہو! اگر میں عدل نہ کروں تو پھر کون کرے گا؟'' جب وہ پلٹ کر جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی نسل سے'' یعنی اس کی جنس سے: ''ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی نمازیں دیکھ کر تمہیں اپنی نمازیں معمولی لگیں گی، ان کی عبادت دیکھ کر تمہیں اپنی عبادتیں کم لگیں گی۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے گلے کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ تم انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کر دینا، اس لئے کہ ان کے قتل کرنے میں تمہارے لئے اجر ہے۔'' (بخاری: ۳۱۶۶) پس ان

سے قتال واجب ہے۔ اور یہ اس وجہ سے کہ مسلمانوں کو ان کے شر سے بچایا جائے۔

یہ (حکم اس وقت ہے) جب وہ ہتھیار کے ساتھ ظاہر ہوں اور اسے اٹھائیں (یعنی ہتھیار کا استعمال کریں)۔ البتہ اگر وہ صرف خوارج کی رائے کا اظہار کریں اور باتیں کریں لیکن قتال نہ کریں اور نہ ہی ان کے پاس ہتھیار ہوں تو ہم ان پر نکیر کریں گے اور ان کی گمراہی کی وضاحت کریں گے لیکن ان سے قتال نہیں کریں گے۔ البتہ جب ان کی گرفت مضبوط ہونے لگے اور وہ مسلمانوں سے قتال کرنے لگیں تو پھر مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ انہیں چھوڑیں، بلکہ ولی امر پر واجب ہے کہ اُن سے قتال کرے۔ اور مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے کہ وہ ولی امر کا ساتھ دیں۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں واقعہ پیش آیا جب انہوں نے نہروان میں خوارج سے قتال کیا اور صحابہ کرام نے ان کا ساتھ دیا۔ صحابہ کرام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے ہوئے خوب اچھی طرح سے خوارج کو قتل کیا۔ اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کی زبانی اس اجر کو پالیا جو آپ نے فرمایا تھا: "ان کے قتل کرنے میں قتل کرنے والوں کے لئے اجر ہے۔" (بخاری: ۳۱۶۶)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ہے۔ ان کے اور بھی فضائل ہیں۔ انہی میں سے یہ ہے کہ: وہ خوارج سے قتال کریں گے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ان کے حق میں ثابت ہوگیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ **(اس نے مسلمانوں کی عصا (یعنی سہارے) کو توڑ دیا اور آثار کی مخالفت کی۔ اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔)** خوارج وہ ہیں جنہوں نے اطاعت سے منہ موڑا اور ولی امر کے خلاف خروج کیا۔ اور اسی طرح وہ بھی ہیں جو شرک کے علاوہ کبیرہ گناہوں کی بنیاد پر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، ان کی دو علامتیں ہیں:

پہلی علامت: مسلمانوں کے ولی امر کے خلاف خروج کرنا اور اسے ولی امر کی ذمہ داری سے ہٹانے کی کوشش کرنا۔

دوسری علامت: وہ مسلمانوں کو شرک کے علاوہ کبیرہ گناہوں کی بنیاد پر کافر قرار دیتے ہیں۔

اللہ کی پناہ! جس چیز نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا وہ غلو ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلو سے منع کیا، آپ نے فرمایا: ''غلو سے بچو! اس لئے کہ تم سے پہلے کے لوگوں کو غلو نے ہی ہلاک کیا۔'' (ابن ماجہ: ۳۰۲۹) غلو، دین میں زیادتی کا نام ہے۔ انکار منکر کے شرعی حد سے تجاوز کرنا، یہی وہ غلو ہے جو خوارج کو یہاں تک لایا جس سے یہ سب حاصل ہوا۔ انہوں نے انکار منکر کے بارے میں غلو سے کام لیا یہاں تک کہ اطاعت سے خروج کر بیٹھے۔ اور عبادت میں غلو سے کام لیا یہاں تک کہ مسلمانوں میں کبیرہ گناہ کرنے والوں کو کافر قرار دیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**انہوں نے آثار کی مخالفت کی**) یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واردشدہ ان احادیث کی مخالفت کی جو مسلمانوں کے ولی امر کی اطاعت کو لازم قرار دیتی ہیں۔

(**اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی**) یعنی: اس لئے کہ اس میں جاہلیت کی ایک خصلت موجود ہے۔ عرب دور جاہلیت میں قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ان کا کوئی ایک امام نہیں تھا جو انہیں اکٹھا کرے۔ بلکہ ہر قبیلہ بذات خود ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا اور دوسرے قبیلہ پر حملہ کرتا۔ وہ اس وقت اکٹھا ہوئے جب اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسے قبول کیا اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اسی لئے اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾** (سورہ آل عمران: 103) ترجمہ: ''اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اُس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾** (سورہ انفال: 26) ترجمہ: ''یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم

کو بے زور سمجھا جاتا تھا، تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبُوط کیے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔'' یہ مسلمانوں کے ولی امر کی اطاعت کا نتیجہ ہے۔ یہ ساری اچھائیاں حاصل ہوئیں: امن کا پھیلنا، رزق کی طلب اور راستوں کے پُر امن ہونے کی وجہ سے رزق کی طلب کرنے کی کوشش میں لوگوں کا پھیل جانا۔ اگر وہاں خوف ہوتا تو لوگ سفر ہی نہ کرتے اور اپنی جان کے خطرے کی وجہ سے خرید و فروخت ہی نہیں کرتے۔ یہ اجتماعیت اور ولی امر کی اطاعت کی فضیلت ہے۔

رہی بات ولی امر کے خلاف خروج کرنا اور اس کی اطاعت سے منہ موڑنا تو اس سے یہ سب لازم آتا ہے:

پہلا امر: مسلمانوں کی جماعت میں تفریق۔

دوسرا اَمر: ناحق خون کا بہانا۔

تیسرا اَمر: دشمن کا غالب ہو جانا۔ اس لئے کہ دشمن اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم کفار کو مسلمانوں کی تفریق پر خوشیاں مناتا ہوا پاؤ گے۔ وہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کرتے ہیں۔ گمراہ جماعتوں کی وہ مدد کرتے ہیں اور ہتھیار کے ذریعہ مدد کرتے ہیں۔ پلان بنا کر مدد کرتے ہیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت کے خلاف خروج کریں۔ اور اس سے مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا ہوتی ہے۔ پس وہ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں جیسا کہ اس کا حاصل ہے۔ ان سب کا نتیجہ اتحاد میں دراڑ کا پیدا کرنا ہے، رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور مسلمانوں کے ولی امر کے خلاف خروج کرنا ہے۔

حاصل کلام: یہ ہے کہ جس کا کوئی امام نہ ہو تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو جاہلیت کی زندگی گزار رہا ہو اور جب مرے گا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہے، البتہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ: اس میں جاہلیت کی خصلتوں میں سے ایک خصلت ہے۔ اس اعتبار سے کہ وہ ایک امام کی اطاعت میں داخل نہیں ہو سکتا اور بلا رہنما کے زندگی گزارتا ہے۔

{30} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَلَا يَحِلُّ قِتَالُ السُّلْطَانِ وَلَا الْخُرُوجُ عَلَيْهِ وَإِنْ جَارَ وَذٰلِكَ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِأَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِي: "اِصْبِرْ! وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا"
وَقَوْلُهُ لِلْأَنْصَارِ: "اِصْبِرُوْا حَتّٰى تَلْقَوْنِيْ عَلَى الْحَوْضِ" وَلَيْسَ مِنَ السُّنَّةِ قِتَالُ السُّلْطَانِ، فَإِنَّ فِيْهِ فَسَادَ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ)

ترجمہ: ''ظلم کے باوجود بھی سلطان سے قتال کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''صبر کرنا! گرچہ (امیر) ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو'' اور آپ نے انصار سے کہا تھا: ''تم صبر کرنا! یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو'' سلطان سے قتال کرنا سنت نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں دین و دنیا کا فساد ہے۔''

الشرح:

کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ سلطان سے قتال کرے، اس طرح کہ وہ ہتھیار کے ساتھ اس کے خلاف خروج کرے کیونکہ اس سے بڑے فساد مرتب ہوں گے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ظلم کے باوجود بھی سلطان سے قتال کرنا اور اس کے خلاف خروج کرنا حلال نہیں ہے۔**) یعنی: سلطان سے قتال کرنا حرام ہے۔ یعنی: سلطان سے اس طرح قتال کرنا جیسا کہ خوارج کرتے ہیں۔

(**ظلم کے باوجود**) یعنی: اس کی جانب سے ستم ہو یا ظلم ہو تو بھی اس پر صبر کیا جائے۔ اس لئے کہ اس کے ظلم پر صبر کرنے پر اس کے خلاف خروج کرنے والے نقصان سے کم نقصان ہے۔ پس ظالم سلطان کی اطاعت پر صبر کرنے سے حاصل ہونے والا نقصان اس کے خلاف خروج کرنے سے ہونے

والے نقصان سے کم ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کے مقرر کردہ قواعد میں سے ہے کہ: بڑے نقصان کو دور کرنے کے لئے دو میں سے چھوٹے نقصان کا انتخاب کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے انصار سے کہا تھا: ''تم میرے بعد ترجیحات دیکھو گے، پس تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرنا'' (مسلم: ۱۸۴۷) ترجیحات اور حق تلفی کے باوجود انہیں صبر کی تلقین کی اور وہ یہ کہ: ''انصار کو نظر انداز کر کے دوسروں کو مال میں ترجیح دینا۔ تو آپ نے انہیں صبر کی تلقین کی، اس لئے کہ اس میں دو فساد میں سے بڑے کو دور کرنا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (یہ اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''**صبر کرنا! گر چہ (امیر) ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو**'') یعنی: ولی امر کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ گر چہ اس کا ظاہری دکھاوا اچھا نہ ہو۔ گر چہ وہ کالے رنگ کا ہو، یا اس کا نسب عربی نہ ہو، اس لئے کہ اعتبار منصب کا ہے شخصیت کا نہیں اور وہ خلافت و امارت ہے۔ پس جب تک وہ مسلمان ہے اس کی اطاعت کی جائے گی۔ اس کے ظاہر کی طرف نہیں دیکھا جائے گا کہ اس کی شخصیت دیکھنے والے کو کس قدر بارعب اور دمدار لگتی ہے۔ یا اس کے جسمانی عیب کو نہیں دیکھا جائے گا کہ ''اطراف کٹا ہوا ہے'' یہ سب اس کے خلاف خروج کے لئے جواز نہیں۔ یہاں تک کہ وہ مریض ہو، یا اس کی صحت کمزور ہو۔ جب تک اس کی بیعت منعقد رہے اس پر صبر کیا جائے، اس کی بات سنی جائے اور اس کی اطاعت کی جائے گر چہ اس میں مذکورہ صفات پائی جائیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**سلطان سے قتال کرنا سنت نہیں ہے**) رسول اللہ ﷺ کی سنت سے سلطان سے قتال کرنا ثابت نہیں۔ کسی ایک بھی ضعیف، حسن اور صحیح حدیث میں اس کا ثبوت نہیں۔ سنت میں کوئی حدیث نہیں جو مسلم سلطان سے قتال پر دلالت کرے۔ گر چہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو۔ ظالم و جابر ہی کیوں نہ ہو۔ اموال میں دوسروں کو ترجیح دینے والا ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں۔ بلکہ تمام احادیث اس بارے میں صبر کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور اس کے خلاف خروج کو حرام قرار

دیتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ سلطان کو نصیحت نہ کی جائے۔اسے پوشیدہ طور پر نصیحت کی جائے جو کہ سلطان اور ناصح کے درمیان راز رہے۔پس واجب ہے کہ جس کسی کے پاس کوئی نصیحت والی بات ہو وہ اسے سلطان تک پہنچائے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:"دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔" ہم نے کہا: کس کے لئے؟ کہا:"اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمانوں کے ائمہ کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے۔" (مسلم:۵۵) خروج نہ کرنے کا مطلب یہ نہ نکالا جائے کہ نصیحت نہ کی جائے اور اس کو چھوڑ دیا جائے۔بلکہ ضروری ہے کہ اس کے سامنے معاملے کو واضح کیا جائے اور اس کی خیر خواہی کی جائے۔یہ حق علماء پر، رعایا پر، اہل شوریٰ پر اور اہل فکر پر واجب ہے کہ سلطان کی خیر خواہی کے لئے اسے نصیحت کریں۔

(**سلطان سے قتال کرنا سنت نہیں ہے**) یعنی: اس کی کوئی دلیل نہیں۔نہ صحیح اور نہ ہی کوئی ضعیف روایت مسلم سلطان سے قتال پر دلالت کرتی ہے۔بلکہ احادیث اور قرآن میں اس کی اطاعت کا حکم ہے: **﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾** (سورہ نساء:59) ترجمہ:"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔" غور کیجئے: (تم میں سے) یعنی: جب تک وہ مسلمان ہو تو اس کی اطاعت واجب ہوگی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اس لئے کہ اس میں دین و دنیا کا فساد ہے**) سلطان سے قتال کرنے میں دنیا کا فساد ہے اس لئے کہ اس سے ملک برباد ہوتا ہے، انارکی پھیلتی ہے، دشمن کا غلبہ ہوتا ہے اور دین ضائع ہوتا ہے۔اس لئے کہ (ایسی صورت میں) کوئی ایسا نہیں جو حدود کو قائم کرے۔کوئی ایسا نہیں جو قصاص کا نفاذ کرے۔کوئی ایسا نہیں جو احکام شرعیہ کو نافذ کرے اور حق کو اس کے مستحق تک پہنچائے اور قضاء کے احکام کو لاگو کرے۔ایسی صورت میں تو دین فساد کا شکار ہو جائے گا۔اس کے بعد تو

صرف انارکی اور فساد ہی رہ جائے گا۔ جب چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا مال ضائع ہوں گے۔ ڈاکوؤں پر قدغن عائد نہیں کی جائے گی تو راستے معطل ہو جائیں گے۔ کون ہوگا جو ان سب کو قائم کرے گا؟ وہ ولی امر ہی ہے۔ یہ سب ولی امر کی ذمیداریوں میں سے ہے۔ کوئی بھی ایسا نہیں کہ جو سارے لوگوں کو ان معاملات میں اکٹھا کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ بلکہ ایسی صورت میں انارکی ہی رہ جاتی ہے۔

{31} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَيَحِلُّ قِتَالُ الْخَوَارِجِ إِذَا عَرَضُوا لِلْمُسْلِمِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ، وَلَيْسَ لَهُ إِذَا فَارَقُوهُمْ أَنْ يَطْلُبَهُمْ، وَلَا يُجْهِزُ عَلَى جَرِيحِهِمْ، وَلَا يَأْخُذُ فَيْئَهُمْ، وَلَا يَقْتُلُ أَسِيرَهُمْ، وَلَا يَتْبَعُ مُدْبِرَهُمْ)

ترجمہ: ''خوارج سے قتال کرنا واجب ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے مال، جان اور اہل کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کریں۔ (ولی امر) کے لئے مناسب نہیں کہ جب وہ باز آجائیں تو پھر انہیں پکڑا جائے، نہ ان کے زخمیوں کا کام تمام کرے، نہ ان کا مال فئے لے، نہ ان کے قیدیوں کو قتل کرے اور نہ ہی ان کے بھاگنے والوں کا پیچھا کرے۔''

الشرح:

ہم نے اس بات کو اچھی طرح جان لیا کہ خوارج وہ ہیں جنہوں نے اطاعت سے منہ موڑا۔ اور ان کی سوچ یہ ہے کہ اگر ولی امر سے گناہ کا صدور ہو تو اس کے لئے بیعت نہیں ہے یا لوگوں پر اس کے لئے بیعت کرنا واجب نہیں۔ وہ مسلمانوں کو کبیرہ گناہوں کی بنیاد پر کافر قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ اگر اس مذہب پر جمے رہیں مگر ان کی کوئی طاقت نہ ہو اور انہوں نے قتال نہیں کیا۔ تو انہیں چھوڑ دیا جائے ساتھ ہی انہیں نصیحت کی جائے گی اور معاملے کی وضاحت کی جائے گی تاکہ وہ توبہ کرسکیں۔

البتہ اگر ان کی طاقت ہو جائے اور قوت غالب ہو جائے تو ان کے شر سے بچنے کے لئے مسلمانوں پر ان سے قتال واجب ہے۔ وہ کفار ہیں اس اعتبار سے ان سے قتال نہیں کیا جائے گا بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ مسلمان ہی ہیں لیکن مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کر رہے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب خوارج کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا وہ کفار ہیں؟ انہوں نے کہا: ''نہیں، وہ کفر سے بھاگے ہوئے ہیں۔ وہ تو ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔'' پس ان سے اس

لئے نہیں قتال کیا جائے گا کہ وہ کافر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی نہیں بنایا جائے گا، نہ ہی ان کے مال لئے جائیں گے اور نہ ہی ان کے زخمیوں کا کام تمام کیا جائے گا۔ اس لئے کہ ان سے قتال کرنا ان کے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کے شر سے بچنے کے لئے ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**خوارج سے قتال کرنا واجب ہے جبکہ وہ مسلمانوں کے مال، جان اور اہل کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کریں۔**) اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قتال کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ جب انہوں نے عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے چھیڑ چھاڑ کر کے قتل کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔ خوارج نے ان کی لونڈی کا پیٹ پھاڑ دیا جبکہ وہ حاملہ تھی۔ اسی وقت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کرنے کا عزم کیا، اس لئے کہ ان کی جانب سے بغاوت کی پہل کی گئی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یہ مناسب نہیں کہ جب وہ باز آجائیں تو انہیں پکڑا جائے**) جب وہ قتال سے باز آجائیں تو ولی امر کے لئے مناسب نہیں کہ انہیں پکڑا جائے اور قتال کیا جائے۔ جب تک ان سے دشمنی کا ظہور نہ ہو تب تک وہ بلاشک گمراہ ہیں۔ ان کی خیر خواہی کرنا واجب ہے تا کہ وہ پلٹ آئیں، لیکن قتال نہ کیا جائے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور نہ ہی ان کے زخمیوں کا کام تمام کیا جائے**) اس لئے زخمی شر سے باز آچکا ہوتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور نہ ہی ان کا مال فئے لیا جائے**) یعنی: ان کے مال کو بطور غنیمت کے نہیں لیا جائے گا (جیسا کہ کفار کے ساتھ جنگ ہونے کے بعد ان کے مال کو بطور غنیمت کے مسلمان فوجیوں کے درمیان تقسیم کیا جاتا ہے) اس لئے کہ وہ مسلمانوں کا ہی مال ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور نہ ہی ان کے قیدیوں کو قتل کیا جائے**) اس لئے کہ وہ مسلمان ہیں۔ قیدی اور زخمی ہونے کے بعد ان کے شر سے بچنا ممکن ہوگیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور نہ ہی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے**) جب وہ شکست خوردہ ہو جائیں تو ولی امر کو چاہیئے کہ انہیں چھوڑ دے اور ان کا پیچھا نہ کرے، اس لئے کہ وہ اپنے شر سے باز آگئے ہیں۔

{32} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ - رَحِمَكَ اللّٰهُ - أَنَّهُ لَا طَاعَةَ لِبَشَرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ. وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، وَلَا يَشْهَدُ عَلَى أَحَدٍ، وَلَا يَشْهَدُ لَهُ بِعَمَلٍ خَيْرٍ وَلَا شَرٍّ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي بِمَا يُخْتَمُ لَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ، تَرْجُو لَهُ رَحْمَةَ اللّٰهِ، وَتَخَافُ عَلَيْهِ، وَلَا تَدْرِي مَا يَسْبِقُ لَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ إِلَى اللّٰهِ مِنَ النَّدَمِ، وَمَا أَحْدَثَ اللّٰهُ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ إِذَا مَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ، تَرْجُو لَهُ الرَّحْمَةَ، وَتَخَافُ عَلَيْهِ ذُنُوبَهُ، وَمَا مِنْ ذَنْبٍ إِلَّا وَلِلْعَبْدِ مِنْهُ تَوْبَةٌ)

ترجمہ: ''اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ جان لو کہ! اللہ کی معصیت میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ جو اہل اسلام میں سے ہے اور اس (کے مسلمان ہونے) پر کوئی گواہ نہیں۔ نہ ہی کوئی اس کے عمل کے اچھے یا برے ہونے کا گواہ ہے۔ تو آپ نہیں جانتے کہ موت کے وقت اس کا کس پر خاتمہ ہو۔ آپ اس کے لئے اللہ کی رحمت کی امید رکھئے، اس کے بارے میں خوف زدہ رہیئے اور آپ کو نہیں پتہ کہ موت کے وقت اللہ کی طرف ندامت میں سے اس کے لئے کون سی چیز سبقت کر جائے گی۔ اور اللہ نے اس وقت میں اسلام پر موت ہونے کی وجہ سے اس کے لئے کیا تیار کر رکھا ہے۔ اس کے لئے رحمت کی امید رکھئے اور اس کے گناہوں سے خوفزدہ رہیئے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لئے بندے کی توبہ کو قبول نہ کیا جائے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ جان لو کہ! اللہ کی معصیت میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔**) پہلے ہی گزر چکا کہ یہ استثناء ہے۔ جب یہ ذکر ہوا کہ ولی امر کی اطاعت واجب ہے (تو یہ واضح کر دیا کہ) ہر چیز میں واجب نہیں ہوگی۔ اطاعت اسی میں کی جائے گی جس میں معصیت نہ ہو۔ اگر وہ معصیت کا حکم دیں تو اس میں اطاعت نہیں کی جائے گی۔ حدیث میں آیا ہے

کہ: رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر میں کسی صحابی کو امیر بنایا۔ جب وہ رات کے وقت راستے پر چلے تو امیر نے ان سے کہا: لکڑیاں جمع کرو۔ جب انہوں نے لکڑیاں جمع کیں تو اس نے کہا: اسے جلاؤ، جب لکڑیاں جلنے لگیں تو اس نے کہا: اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ کیا رسول اللہ ﷺ نہیں کہتے تھے: ''سنو اور اطاعت کرو۔'' تو ان میں سے بعض نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی جو اطاعت کی ہے وہ تو جہنم سے بچنے کے لئے ہے، تو ہم کیسے اسی آگ میں داخل ہوں؟ پس انہوں نے آگ میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ نے کہا: ''سنو! اگر وہ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے نکلتے نہیں۔ اطاعت تو صرف بھلائی کے کاموں میں کی جاتی ہے۔'' (بخاری: ۴۰۸۵)

اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اللہ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔'' (مسند احمد: ۴/ ۴۳۲)

اللہ تعالیٰ نے والدین کے بارے میں کہا: ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ○ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ (سورہ لقمان: 14-15) ترجمہ: ''میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر وہ دونوں (یعنی والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اُس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے۔'' لیکن اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ اگر حاکم معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت ہی ختم ہو جائے گی۔ صرف معصیت میں اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور جو معصیت والے کام نہیں ہوں گے ان میں اس کی اطاعت باقی رہے گی۔

یہ معنیٰ ہے ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔'' پس یہ نہ کہا جائے: کہ اللہ نے ہر معاملے میں ولی امر کی اطاعت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم کہیں

گے: جی ہاں! اللہ نے بھلائی کے کاموں میں ولی امر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اور بھلائی کے کاموں میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ نہ کہ اللہ کی معصیت میں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(اور اس (کے مسلمان ہونے) پر کوئی گواہ نہیں۔ نہ ہی کوئی اس کے عمل کے اچھے یا برے ہونے کا گواہ ہے۔)** یہ کسی معین شخص کے لئے جنت یا جہنم کی شہادت کا مسئلہ ہے۔ پس کسی معین شخص کے لئے جنتی ہونے کی گواہی نہیں دی جاسکتی۔ اور نہ ہی کسی معین شخص کے لئے کتاب وسنت کی دلیل کے بغیر جہنم کی گواہی دی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی کے بارے میں اسکے جنتی ہونے پر کوئی دلیل دلالت نہ کرے گرچہ وہ نیک مومن ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے کہ اس کا خاتمہ کس پر ہوگا۔ اسی طرح گناہ گار اور کافر کے بارے میں بھی حتمی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ جہنمی ہے، اس لئے کہ ہمیں کیا پتہ وہ توبہ کرلے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بندہ اہل جنت والے عمل کرتا رہتا ہے، پس اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ذراع فاصلہ رہ جاتا ہے، تو اس پر کتاب (یعنی تقدیر) غالب آجاتی ہے پس وہ اہل جہنم کے عمل کرنے لگتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح) تم میں سے کوئی بندہ اہل جہنم والے کام کرتے رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ذراع باقی رہ جاتا ہے، تو اس پر کتاب (یعنی تقدیر) غالب آجاتی ہے پس وہ اہل جنت کے عمل کرنے لگتا ہے اور اس میں داخل ہو جاتا ہے۔'' (بخاری: ۳۰۳۶، مسلم: ۲۶۴۳) اعمال (کا اعتبار) خاتمے پر ہوتا ہے۔ اور خاتمے کو صرف اللہ جو کہ علّام الغیوب ہے وہی جانتا ہے۔ البتہ ہم اہل معاصی کے بارے میں خوفزدہ رہتے ہیں اور اطاعت گزاروں سے پُر امید ہوتے ہیں۔ لیکن حتمی طور پر کوئی فیصلہ نہیں کرتے۔ بلکہ اطاعت گزاروں کے بارے میں پُر امید ہیں اور حتمی بات نہیں کرتے۔ اور گناہ گاروں کے بارے میں ڈرتے ہیں اور حتمی بات نہیں کرتے۔ یہ معین شخص کے بارے میں ہے۔ رہی بات عمومی نسبت کی تو: ہم حتمی طور پر کہتے ہیں کہ اہل ایمان جنتی ہوں گے۔ اور حتمی طور پر کفار جہنمی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا جہنم کے بارے میں فرمان ہے: ﴿أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورہ آل عمران: 131) ترجمہ:

''جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' اور جنت کے بارے میں کہا: ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورہ آل عمران: 133) ترجمہ: ''جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' یہ عمومی اعتبار سے ہے۔ البتہ افراد یا معین لوگوں کی بات تو یہ اللہ کے حوالے ہے۔ ہم تو ظاہر کو دیکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں گے۔ اطاعت گزاروں کے ساتھ ہم ویسے ہی پیش آئیں گے جیسا کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے اور گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں گے جیسا کہ ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم صرف ظاہر کی بنیاد پر فیصلہ کریں گے نہ کہ انجام کار کے اعتبار سے۔ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔

{33} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالرَّجْمُ حَقٌّ)

ترجمہ: "(سزائے) رجم برحق ہے۔"

الشرح:

اللہ نے عزت و آبرو اور معاملات وغیرہ میں کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ حرام کردہ چیزیں دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں:

محرّمات کبائر

محرّمات صغائر

اس کے بعد ارتکاب کرنے والوں کے اعتبار سے سزائیں تین قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں:

پہلی قسم: وہ محرّمات جن کی اللہ تعالیٰ نے محدود سزا رکھی ہے۔ اس کو حُدود کے نام سے بولا جاتا ہے۔ حد کی وجہ سے انہی حُدود کہا جاتا ہے اور وہ ہے منع یعنی روکنا۔ اس لئے کہ یہ سزائیں ان گناہوں کی روک تھام کا ذریعہ ہیں۔

دوسری قسم: وہ محرّمات جن کی اللہ نے سزا نہیں رکھی ہے۔ البتہ اس کے لئے تعزیر ہے۔ یہ ولی امر کے صوابدید پر منحصر ہوگی وہ جو بھی سزا چاہے تجویز کرے۔ اسے تعزیر کہا جاتا ہے۔ اور وہ تادیب ہے۔ یعنی یہ سزا بطور تادیب کے دی جائے گی۔

تیسری قسم: وہ محرّمات جن پر نہ حد ہے اور نہ ہی تعزیری سزا ہے۔ ان پر صرف وعید، غضب، لعنت، آگ اور اس کے علاوہ وعید کی دیگر اقسام ہیں۔ جیسا کہ سود کھانا اور جُوا کھیلنا وغیرہ۔ جن میں کہ شدید وعید ہے۔ جس کے دل میں ایمان ہے وہ ان سے باز آجائے گا۔ اور جس کے دل میں ایمان

نہیں ہے یا وہ کمزور ایمان والا ہے تو آگے چل کر اس کے لئے آخرت میں حساب اور سزا ہے۔ اللہ ہی ان محرّمات کے بارے میں تصرّف کرنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ نے فرائض کو طے کیا ہے پس اسے ضائع نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے تو اس کا ارتکاب نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے بارے میں بنا بھولے خاموشی برتی ہے تو ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔'' (الطبرانی فی "الکبیر" (222/22))

انہی حدود میں سے زنا کی حد ہے۔ اور زنا: یہ ہے کہ ایسے شرمگاہ میں فحش کاری کو انجام دینا جو کہ مرد کے لئے حلال نہیں ہے۔ یہی زنا ہے۔ عورت کی شرمگاہ میں فحش کاری جسے اللہ نے صحیح شرعی نکاح کے بغیر حرام کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ﴾ (سورہ مومنون: 5-7) ترجمہ: ''اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اپنی بیویوں کے اور ان عورتوں کے جو اُن کی ملکِ یمین میں ہوں (یعنی لونڈیاں) کہ اُن پر (محفوظ نہ رکھنے میں) وہ قابل ملامت نہیں ہیں، البتہ جو اُس کے علاوہ کچھ اور چاہیں وہی زیادتی کرنیوالے ہیں۔'' یعنی جو لوگ حلال سے حرام کی طرف تجاوز نہیں کرتے۔ جو زنا میں واقع ہوتا ہے تو اس کی دو صورت ہے:

یا تو وہ کنوارا ہوگا جس نے پہلے کبھی صحیح نکاح کے ذریعہ کسی عورت سے ہمبستری نہ کی ہوگی جس سے وہ عفت میں رہتا۔ تو یہ کنوارا ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے سو کوڑے مارے جائیں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سورہ نور: 2) ترجمہ: ''زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامن گیر نہ ہو اگر تم اللہ

تعالیٰ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ اور ان کو سزا دیتے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔"

اور سنت صحیحہ میں ہے کہ اسے شہر بدر کیا جائے گا۔ یعنی: جس شہر میں اس نے بدکاری کی ہے وہاں سے دوسرے شہر میں ایک سال کے لئے شفٹ کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کنوارا کنواری کے ساتھ زنا کاری کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا جائے۔" (مسلم: 1690) پس شہر بدر کرنا سنت سے ثابت ہے۔ اور کوڑے لگانا قرآن سے بھی ثابت ہے۔ کوڑے مارنے پر علماء کا اجماع ہے اور اسی طرح جمہور کا شہر بدر کرنے پر بھی اجماع ہے۔ یہ کنوارے کی سزا کے بارے میں ہے۔

شادی شدہ: وہ ہے جس نے نکاح صحیح کے ذریعہ پہلے کسی عورت سے ہمبستری کر چکا ہو۔ اور اسے اس گناہ اور اس کی سزا کا علم ہو۔ اسے پتھروں سے مارا جائے گا یہاں تک کہ اسے موت آجائے۔ یہ قرآن سے ثابت ہے جس کے الفاظ منسوخ ہو چکے ہیں اور حکم باقی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر رسول ﷺ پر سے کہا: "آیت رجم نازل ہوئی، اسے ہم نے محفوظ کیا اور یاد بھی کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے رجم کی سزا کا نفاذ بھی کیا۔ مجھے خدشہ ہے کہ لوگوں پر جب ایک طویل زمانہ گزر جائے گا تو وہ کہیں گے: ہم تو آیت رجم کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے۔ سنو! وہ اللہ کی کتاب میں ہے۔" (البخاری: 6442، ومسلم: 1691) وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی جانب اشارہ کر رہے تھے: ﴿وَالشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللهِ وَاللهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ترجمہ: "اور جب بوڑھا مرد اور عورت زنا کریں تو انہیں رجم کر دو، یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے۔ اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔" (مسلم: 1691) یہ قرآن ہی ہے جس کے الفاظ منسوخ ہو گئے لیکن حکم باقی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ سوائے اہل بدعت کے جن کے اختلاف کو شمار ہی نہیں کیا جاتا ہے جیسا کہ خوارج ہیں، کسی نے بھی اس بارے میں مخالفت نہیں کی ہے۔

پس رجم کتاب اللہ، قولی و عملی سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ جو بھی اس کا انکار کرے گا وہ کافر

ہے، اس لئے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے اجماع کا منکر ہے۔ رجم ثابت شدہ ہے اس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسی لئے (مؤلف رحمہ اللہ نے) اس پر صراحت کے طور پر کہا: **(رجم برحق ہے۔)** یہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جس میں بلا علم رجم کا انکار کرنے والے بدعتیوں کا رد ہے۔ جو بصیرت کے بغیر اپنی جہالت کی وجہ سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ جو علم کے میدان میں بچے ہیں۔ ان کے اعتماد محض اپنی عقل اور خیالات پر ہے۔ ایسے لوگوں کو شمار ہی نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی ان کے اقوال کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا چاہئے۔ بسا اوقات ایک جاہل معرفت اور بحث کا دعویٰ کرتے ہوئے آتا ہے اور کہتا ہے: اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ تو اس سے کہا جائے گا: کیا ہر اختلاف کو اہمیت دی جائے گی؟ بہت سارے فضول اختلافات ہیں جنہیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، اسی میں سے یہ اختلاف بھی ہے۔ اسی لئے شاعر کہتا ہے۔

وَلَيْسَ كُلُّ خِلَافٍ جَاءَ مُعْتَبَراً ۝ إِلَّا خِلَافٌ لَهُ حَظٌّ مِنَ النَّظَرِ

ترجمہ: ''ہر اختلاف قابل اعتبار نہیں ہوتا۔ ہاں! مگر ایسا اختلاف ہو جو قابل غور ہو۔''

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اختلاف کا دعویٰ کیا جائے۔ اصل مسئلہ: تحقیق اور دلیل سے مربوط ہونے کا ہے۔ پس جو دلیل کا مخالف ہے تو اس سے لڑا جائیگا اور اس کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی جائے گی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: **﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾** (سورہ نساء: 59) ترجمہ: ''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔'' ہمیں اختلاف پر باقی نہیں رہنا چاہئے بلکہ دلیل کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے: **﴿فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾** (سورہ نساء: 59) ترجمہ: ''اسے اللہ اور رسول

ﷺ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

اسی لئے مؤلف رحمہ اللہ نے واضح طور پر رجم کے مسئلے کی وضاحت کی ہے حالانکہ یہ عقائد کی کتاب ہے۔ اس لئے رجم کے وجوب کا عقیدہ رکھنا واجب ہے۔ جو بھی اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔ مولف رحمہ اللہ نے اسی لئے اس کی وضاحت کی ہے جو ان بدعتیوں پر رد ہے جو رجم کا انکار کرتے ہیں۔

{34} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ سُنَّةٌ)

ترجمہ: "موزوں پر مسح کرنا سنّت ہے۔"

الشرح:

(**موزوں پر مسح کرنا سنّت ہے۔**) یہ اس مسئلہ پر نص ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہے۔ جو بھی موزوں پر مسح کرنے کا مخالف ہے وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور عقیدہ صحیحہ کا مخالف ہے۔ اس لئے کہ موزوں پر مسح کرنا احادیث رسول ﷺ سے ثابت ہے جو کہ تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں۔

موزوں پر مسح کرنا (دین میں اس کی) رخصت ہے اور رخصت پر عمل کرنا سنت ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اللہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصت کو اپنایا جائے جیسا کہ وہ ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کی جائے۔" (مسند احمد: ۲/۱۰۸) خُفَّین پر مسح کرنا اور جو بھی اس کے قائم مقام موزے وغیرہ تو ان پر مسح کرنا سنت نبویہ سے ثابت ہے۔ اس بارے میں سوائے روافض کے کسی نے مخالفت نہیں کی ہے۔ وہ دونوں پیروں پر مسح کو ثابت مانتے ہیں۔ روافض کے نزدیک دونوں پیروں کو دھویا نہیں جائے گا بلکہ ان پر مسح کیا جائے گا۔ ایک قرأت کے مطابق وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ﴾ (لام پر زیر کے ساتھ) ﴿إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (سورہ مائدہ: 6) ترجمہ: "اور اپنے سر اور اپنے دونوں پیروں پر ٹخنے تک مسح کرو۔" اُن لوگوں کے نزدیک وہ معروف ٹخنے نہیں ہیں جو پنڈلی کے بالکل نیچے ہوتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک دونوں ٹخنے وہ ہیں جو تسمہ باندھنے کی جگہ کے نیچے ہوتے ہیں۔ وہ قدم کی ایڑی سے ملنے کی جگہ ہے جسے

پیر کے عرش کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ رافضیوں کے نزدیک ٹخنہ ہے۔ جبکہ یہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ٹخنہ نہیں ہے۔

ان کے پاس (**وَاَرْجُلِكُمْ**) کے لام کو زیر کے ساتھ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے مشہور قرأت **لام** پر زبر کے ساتھ (**وَاَرْجُلَكُمْ**) ہے۔ اور یہ ﴿**فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ**﴾ پر عطف ہے۔ اور جو زیر والی قرأت ہے وہ اس سے پہلے زیر والی ﴿**وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ**﴾ قرأت کے ہونے کی وجہ سے ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں پیروں کو دھویا کرتے تھے اور صرف خُفَّین پر مسح کرتے تھے۔

{35} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَتَقْصِيْرُ الصَّلَاةِ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ)

ترجمہ: ''سفر میں نماز قصر کرنا سنت ہے۔''

الشرح:

یہ ان رخصتوں میں سے جسے شریعت نے بندوں پر آسانی اور مشکل کو دور کرنے کے لئے دی ہے اور وہ ہے چار رکعت والی نماز میں قصر کرنا۔ یہ قرآن کے نص سے ثابت ہے۔ اللہ فرماتا ہے: **﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾** (سورہ نساء: 101) ترجمہ: ''اور جب تم لوگ سفر کے لیے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں قصر کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کر کافر تمہیں ستائیں گے۔'' آیت کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز قصر حالت خوف میں ہی جائز ہے۔ یہ اشکال زائل ہوگیا۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کیا ہم امن کی حالت میں بھی قصر کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے، پس اللہ کی جانب سے اس صدقہ کو قبول کرو۔'' (مسلم: ۶۸۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام سفروں میں قصر کیا کرتے تھے۔ چار رکعت والی نماز کو دو رکعت تک قصر کرتے۔ یہی سنت ہے۔ اور اگر کوئی اتمام یعنی پوری چار رکعتیں پڑھتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ البتہ قصر کرنا ہی افضل ہے۔

پس قصر کرنا رخصت ہے جو چاہے اس پر عمل کرے اور یہی افضل ہے۔ اور جو چاہے اسے چھوڑ دے اور پوری چار رکعتیں پڑھے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اس لئے اتمام کرنا ہی اصل ہے۔ مصنف نے اس بات کا ذکر اس لئے کہ کیا کہ شرعی رخصت کو قبول کرنا عقیدے کے مسائل میں سے ہے۔ اور اس میں ان متشدد لوگوں کی تردید ہے جو شرعی رخصت کو قبول نہیں کرتے۔

{36} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالصَّوْمُ فِي السَّفَرِ: مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ)

ترجمہ: "سفر میں روزہ رکھنا: جو چاہے رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔"

الشرح:

یہ ان رخصتوں میں سے ایک ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو دی ہے: رمضان میں حالت سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔ جو چاہے روزہ نہ رکھے اور جو چاہے روزہ رکھے۔ اگر جو روزہ رکھتا ہے تو اس کا روزہ صحیح ہوگا، اس لئے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ان کے پاس سفر میں روزہ رکھنے کی طاقت ہے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں سفر میں روزہ رکھنے کی اجازت دی۔ (مسلم:۱۱۲۱)۔

تو یہ ایک رخصت ہے اور رخصت پر عمل کرنا واجب نہیں ہے۔ افضل تو اس پر عمل کرنا ہے جیسا کہ تمام رخصتوں کا معاملہ ہے۔ اور اگر اصل کی طرف رجوع کرتے ہوئے روزہ رکھ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ اللہ ارشاد فرماتا ہے: **﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾** (سورہ بقرہ: 185) ترجمہ: "لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔" رسول اللہ ﷺ اپنے سفروں میں روزہ نہیں رکھتے تھے۔ (بخاری:۱۸۴۲، مسلم:۱۱۱۳)

{37} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَلَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ فِي السَّرَاوِيْلِ)

ترجمہ: ''شلوار میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

الشرح:

اَلسَّرَاوِيْلُ: مفرد ہے اور یہ ایک معروف (لباس) ہے: جو ستر پوشی کے لئے پہنا جاتا ہے۔ یہ ایک سِلا ہوا لباس ہے جو جسم کے نچلے حصے میں پہنا جاتا ہے۔ اس کے پائنچے بھی ہوتے ہیں۔

مؤلف فرماتے ہیں: شلوار میں نماز درست ہے، یہ مرد کی نسبت سے ہے۔ اس لئے کہ مرد کی ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ اور شلوار ان چیزوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اگر ایسی شلوار پہن کر مرد نماز ادا کرے جو کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کو ڈھانپ لے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔

رہی بات عورت کی تو وہ پوری کے پوری نماز میں ستر ہے، سوائے اس کے چہرے کے بشرطیکہ اس کے پاس کوئی نامحرم مرد نہ ہو۔ اور اگر مرد ازار میں نماز ادا کریں تو یہ شلوار سے افضل ہے، یا قمیص میں نماز ادا کرے تو بھی افضل ہے، اس لئے کہ یہ ہیئت کے لئے زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورہ اعراف: 31) ترجمہ: ''اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو۔'' یعنی: ہر نماز کے وقت، اور **زینت:** جیسا کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ستر پوشی سے زیادہ عام چیز ہے۔ (یہاں دراصل امام بربہاری نے ان شیعوں پر رد کیا ہے جو سروال میں نماز کو حرام سمجھتے ہیں)

{38} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالنِّفَاقُ اَنْ يُّظْهِرَ الْإِسْلَامَ بِاللِّسَانِ وَيُخْفِي الْكُفْرَ بِالضَّمِيْرِ)

ترجمہ: ''اور نفاق یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اظہار کیا جائے اور دل میں کفر کو چھپایا جائے۔''

الشرح:

خیر کا اظہار کرنا اور شر کو چھپانا نفاق ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں:

اعتقادی نفاق: یہ کفر اکبر ہے اور منافق اصلی کافر سے زیادہ برا ہے۔ اس لئے اصلی کافر اپنے کفر کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے اور وہ دشمن ہے۔ لیکن منافق مسلمانوں کو دھوکہ دیتا ہے اور خود کو مسلمانوں میں سے ظاہر کرتا ہے، حالانکہ وہ مسلمانوں کا دشمن ہے۔ خود کو مسلم ظاہر کرتا ہے لیکن درحقیقت وہ کافر ہے: **﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾** (سورہ بقرہ: 9) ترجمہ: ''وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، مگر دراصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔'' اسی لئے اللہ انہیں جہنم کے سب سے نچلے حصے میں رکھے گا، بتوں کی عبادت کرنے والے اور کافروں کے بھی نیچے رکھے گا، اس لئے کہ وہ کافروں سے زیادہ برے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا: **﴿هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾** (سورہ منافقون 4:6) ترجمہ: ''یہ پکے دشمن ہیں، ان سے بچ کر رہو، اللہ کی مار ان پر، یہ کدھر الٹے پھرائے جا رہے ہیں۔'' اعتقادی نفاق یہ کے ساتھ ایمان کبھی بھی جمع نہیں ہو سکتا۔

دوسری قسم: **عملی نفاق:** عملی نفاق یہ ہے کہ: انسان ظاہری اور باطنی اعتبار سے مومن ہو، لیکن اس سے کچھ صفات منافقوں والی ظاہر ہو۔ اس سے اس کا ایمان گھٹتا ہے اور اس پر شدید وعید ہے۔ لیکن وہ

دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اسے نفاق عملی کہا جاتا ہے اور اسی کو نفاق اصغر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''جس کے اندر یہ چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس کے اندر ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے: بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس خلاف ورزی کرے، امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جھگڑا کرے تو گالی بکے۔'' (البخاری: 34، ومسلم: 58)

تو مومن سے عملی نفاق کا صدور ہوسکتا ہے۔ یہ اس کی ایمان میں کمی کا ذریعہ ہے اور وہ وعید کا مستحق ہے۔ لیکن وہ دین سے خارج نہیں ہوگا۔

یہ نفاق ریاکاری بھی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو خوف دلایا اور اس کا نام **شرک اصغر** رکھا۔ فرمایا: ''مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کا ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: اللہ کے رسول! یہ شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: ''ریاکاری، اللہ رب العزت قیامت کے دن لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتے ہوئے فرمائے گا: جن کو دنیا میں دکھلانے کے لئے کام کرتے تھے انہی کے پاس جاؤ، دیکھو! کیا ان کے پاس (تمہارے عمل کا) کوئی بدلہ ملتا ہے؟'' (احمد (428/5)

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے: ''کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں خبر دوں جو میرے نزدیک مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟'' لوگوں نے کہا: کیوں نہیں۔ فرمایا: ''وہ شرک خفی ہے۔ بندہ کھڑا ہوتا ہے اور اپنی نماز کو لوگوں کی نظر میں آنے کے لئے خوب سنوار کر ادا کرتا ہے۔'' (احمد (30/3) وابن ماجۃ: 4204) جب وہ لوگوں کے پاس نماز ادا کرتا ہے تو اپنی نماز کو سنوارتا ہے۔ اور جب اپنے گھر یا ایسی جگہ نماز ادا کرتا ہے جہاں اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا تو نماز لاپرواہی کے ساتھ جلدی جلدی ادا کرتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں صحابہ کرام اپنے آپ پر شدید خوف رکھتے تھے۔ کوئی نہیں ہے جو اپنے آپ کو اس سے بری کر سکے تو انسان کو اس سے خوف کھانا چاہیئے۔ اسی

لئے کہا جاتا ہے کہ: ''ریاکاری سے صرف مومن ہی خوفزدہ رہتا ہے اور منافق اس سے لاپرواہ ہوتا ہے۔'' پس مومن اس کے بارے میں اپنے آپ پر خوفزدہ ہوتا ہے اور وہ نفاق اصغر ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور نفاق یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اظہار کیا جائے اور دل میں کفر کو چھپایا جائے۔**) یہ اعتقادی نفاق کی تعریف ہے اور یہی نفاق اکبر ہے۔ یہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کبھی کسی مومن سے اس کا صدور ہوسکتا ہے۔ اللہ نے سورہ بقرہ کی ابتداء میں لوگوں کو ظاہری و باطنی مومنین، ظاہری و باطنی کفار اور ان منافقوں میں تقسیم کیا جو ظاہری طور پر اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے اندر کفر کو چھپائے ہوئے ہیں، اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: ﴿الٓمٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ: 1-5) ترجمہ: ''الف، لام، میم۔ اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت ہے اُن پرہیزگار لوگوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے ربّ کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' یہ آیات ظاہری و باطنی مومنوں کے بارے میں ہے۔

اور جو ظاہری و باطنی کفار ہیں ان کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (سورہ بقرہ: 6-7) ترجمہ: ''جن لوگوں نے (ان باتوں کو تسلیم کرنے سے) انکار کر دیا، اُن کے لیے یکساں ہے، خواہ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو، بہرحال وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور اُن کے کانوں پر مہر لگا

دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ وہ سخت سزا کے مستحق ہیں۔"

پھر تیسری قسم کے بارے میں بیان کیا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۝ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۝ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ۝ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ: 8-18) ترجمہ: "بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، مگر دراصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں اور اُنہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا، اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں، اُس کی پاداش میں ان کے لیے دردناک سزا ہے۔ جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ مفسد ہیں مگر اِنہیں شعور نہیں ہے۔ اور جب اُن سے کہا گیا کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں اُسی طرح تم بھی ایمان لاؤ، تو اُنہوں نے یہی جواب دیا کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ خبردار! حقیقت میں تو یہ

خود بے وقوف ہیں، مگر یہ جانتے نہیں ہیں۔ جب یہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور اِن لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔ اللہ اِن سے مذاق کر رہا ہے وہ اِن کی رسی دراز کیے جاتا ہے، اور یہ اپنی سرکشی میں اندھوں کی طرح بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں، جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، مگر یہ سودا اِن کے لیے نفع بخش نہیں ہے اور یہ ہرگز صحیح راستے پر نہیں ہیں۔ اِن کی مثال ایسی ہے: جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اُس نے سارے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے اِن کا نورِ بصارت سلب کر لیا اور اِنہیں اِس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں اِنہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے۔" یہ پوری دس آیات منافقین کے تعلق سے ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**وہ ضمیر میں کفر کو چھپاتا ہے**) ضمیر کا معنیٰ ہے: جو دل میں چھپا ہو۔

{39} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ أَنَّ الدُّنْيَا دَارُ إِيْمَانٍ وَإِسْلَامٍ، وَأُمَّةُ مُحَمَّدٍ ﷺ فِيْهَا مُؤْمِنُوْنَ مُسْلِمُوْنَ فِيْ أَحْكَامِهِمْ وَمَوَارِيْثِهِمْ وَذَبَائِحِهِمْ وَالصَّلَاةِ عَلَيْهِمْ، لَا تَشْهَدُ لِأَحَدٍ بِحَقِيْقَةِ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَأْتِيَ بِجَمِيْعِ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ، فَإِنْ قَصَّرَ فِيْ شَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ كَانَ نَاقِصَ الْإِيْمَانِ حَتّٰى يَتُوْبَ، وَاعْلَمْ أَنَّ إِيْمَانَهُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى - تَامُّ الْإِيْمَانِ أَوْ نَاقِصُ الْإِيْمَانِ - إِلَّا مَا ظَهَرَ لَكَ مِنْ تَضْيِيْعِ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ)

ترجمہ: ''جان لو کہ دنیا ایمان اور اسلام کی جگہ ہے اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تعلق سے اپنے احکام، میراث، ذبیحہ اور نماز کے معاملے میں مومن و مسلم ہے۔ کسی کے ایمان کی حقیقت کی گواہی اس وقت تک نہیں دی جاسکتی جب تک کہ وہ اسلام کے تمام احکام پر عمل نہ کرے۔ اگر وہ اس میں کمی کرتا ہے تو وہ ناقص الایمان ہوگا یہاں تک کہ توبہ کرلے۔ اور جان لو کہ اس کا ایمان اللہ کی طرف مکمل ہے یا ناقص ہے، الاّ یہ کہ تمہارے سامنے جو اسلامی شریعت کی پامالی ظاہر ہو جائے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جان لو کہ دنیا ایمان اور اسلام کی جگہ ہے**) یعنی: اسلام و ایمان دار العمل دنیا کے لئے ہے۔ اور آخرت بدلے کی جگہ ہے۔ پس اسلام و ایمان دنیا میں ہوں گے۔ جو اسلام و ایمان کے علاوہ پر مرے گا تو وہ کافر ہے۔ قیامت کے دن جب وہ ان چیزوں کو دیکھ لے گا جس کا وہ انکار کیا کرتا تھا، ان پر ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا یا دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرنا اور اپنے رب سے یہ مطالبہ کرنا کہ اسے دنیا میں لوٹا جائے تا کہ وہ ایمان لے آئے، اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَلَوْ تَرٰى إِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾** (سورہ انعام: 27) ترجمہ: ''کاش تم اس وقت کی حالت دیکھ سکتے جب وہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے۔ اس وقت وہ کہیں گے کاش کوئی صورت ایسی ہو کہ ہم دُنیا میں پھر

واپس بھیجے جائیں اور اپنے رب کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں شامل ہوں۔"

اسلام اور ایمان کے درمیان فرق ہے، اس لئے کہ دین کے تین مراتب ہیں:

پہلا: اسلام

دوسرا: ایمان

تیسرا: احسان

جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے اور اس میں سب سے زیادہ وسیع اسلام ہے۔ اس لئے کہ اسلام کا مطلب ہے ظاہری طور پر مان لینا۔ وہ باطنی طور پر مومن بھی ہوسکتا ہے۔ اور ظاہری طور پر اسلام لانے کے بعد وہ منافق بھی ہوسکتا ہے، باطنی طور پر کافر ہوگا۔

رہی بات ایمان کی تو اس کا اطلاق منافق پر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس میں ایسا مومن داخل ہوگا جو کامل ایمان والا ہے۔ اور اس میں ایسا مومن بھی داخل ہے جو ناقص الایمان ہے۔ جب اسلام اور ایمان ایک ساتھ ذکر کئے جائیں تو اس سے اسلام سے مراد ظاہری احکام ہوں گے اور ایمان سے مراد باطنی احکام ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث جبریل میں آیا ہے: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان المبارک کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔'' یہ ظاہری اعمال ہیں۔ حضرت جبریل نے پوچھا: ''ایمان کے بارے میں بتلائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی نازل کردہ کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور تقدیر کے اچھے یا برے ہونے پر ایمان لاؤ۔'' (مسلم:۱) یہ باطنی اعمال ہیں۔

اسلام اور ایمان دونوں ایک ہی ہیں۔ جب صرف ایک کا ذکر کیا جائے گا تو دوسرا اُس میں داخل ہوگا چنانچہ جب صرف ایمان کا ذکر کیا جائے گا تو اس میں اسلام داخل ہوگا۔ اور جب صرف اسلام کا ذکر ہوگا تو اس میں ایمان داخل ہوگا۔ اسی لئے کہتے ہیں: اسلام اور ایمان جب ایک ساتھ ہوں گے تو

دونوں کا معنیٰ الگ الگ ہوگا۔ اور جب دونوں کو الگ الگ بولا جائے گا تو دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہوگا۔ مثلاً فقیر اور مسکین۔ جب دونوں کو ایک ہی جگہ بولے جائیں گے تو فقیر الگ معنیٰ ہوگا اور مسکین کا الگ۔ اور جب ان میں سے کسی ایک کا ذکر ہو تو دوسرا اس میں شامل ہوگا۔ (مجموع الفتاوی: ۷ / ۵۵۱)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور امت محمدیہ ﷺ اس تعلق سے اپنے احکام، میراث، ذبیحہ اور نماز کے معاملے میں مومن و مسلم ہے۔**) امت محمدیہ ﷺ مسلمان و مومن ہے۔ اس لئے کہ جو بھی مومن ہوگا وہ مسلم بھی ہوگا۔ اور جو مسلم ہوگا وہ مومن بھی ہوسکتا ہے اور منافق بھی۔ البتہ صحیح اسلام کے لئے ایمان کا ہونا لازم ہے گرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو: ﴿**قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا**﴾ (سورہ حجرات: 14) ترجمہ: "یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے۔" ان سے کہو، تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ "ہم مسلم ہوگئے۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اپنے احکام اور میراث کے معاملے میں**) مسلمان گرچہ وہ ظاہری طور پر ہی کیوں نہ ہو اس کے لئے مسلمانوں جیسا ہی حکم ہوگا۔ جب وہ مرجائے گا تو اسے غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے، اس کی نماز جنازہ ادا کریں گے، اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، جب تک وہ زندہ رہے گا اس سے محبت و مودّت کریں گے، اس پر رحم کریں گے اور اس سے بھائی چارہ بنائے رکھیں گے۔ یہی امت محمد ﷺ ہے۔ آپ نے فرمایا: "آپسی مودّت، رحم اور ہمدردی میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے، جب جسم کا ایک عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی سے دوچار ہوجاتا ہے۔" (بخاری: ۵۶۶۵، مسلم: ۱۹۹۹)

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "مومن، مومن کے لئے عمارت کی طرح ہوتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے۔" اور پھر آپ نے اپنی انگلیوں کے درمیان تشبیک دی۔ (بخاری: ۴۶۷) وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں: ﴿**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ**﴾ (سورہ حجرات: 10) ترجمہ: "مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور ان کے ذبیحوں میں**) مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے، یہاں تک کہ فاسق کا بھی، جب تک کہ وہ اسلام سے خروج نہیں کرتا اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور اسی طرح منافق بھی جب جانور ذبح کرے تو ہم اسے کھائیں گے کہ وہ مسلمان ہے۔ جب تک ہمارے سامنے یہ واضح نہیں ہو جاتا کہ وہ منافق ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿**إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ**﴾ (سورہ مائدہ: 3) ترجمہ: ''مگر جسے تم نے ذبح کیا'' یہ مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اور ہمارے لئے اہل کتاب کے ذبیحہ کو بھی حلال کیا گیا ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿**وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ**﴾ (سورہ مائدہ: 5) ترجمہ: ''اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔'' یعنی: ان کا ذبیحہ، اس لئے کہ وہ شرعی طریقے کے مطابق ان کی اپنی کتاب کے بموجب ذبح کرتے ہیں۔

البتہ بُت پرست، کفار، دہریہ اور مرتد لوگوں کے ذبیحہ کو ہم نہیں کھائیں گے۔ اس لئے کہ وہ کافروں کا ذبیحہ ہے اور وہ نجس ہے۔ اس لئے بھی کہ کافروں کا ذبیحہ مُردار ہے اور وہ کفر کی وجہ سے نجس ہے۔ وہ ذبح کرنے والے سے متاثر ہو کر خبیث ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو ذبح کرنے والا ہے تو اس کا اثر ذبیحہ پر ضرور پڑے گا۔ اللہ نے ہمارے لئے خاص کر اہل کتاب کے ذبیحہ کو حلال کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کے علاوہ لوگوں کا ذبیحہ ہمارے لئے حرام ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اُن پر نماز پڑھنا**) ہر مسلمان پر نماز پڑھی جائے گی، یہاں تک کہ وہ فاسق ہو، گناہ گار ہو یا ایسا منافق جس کا نفاق ظاہر نہ ہو۔ جب تک وہ اسلام سے خارج نہ ہو۔ تو اس پر نماز پڑھی جائے گی، اس کے لئے دعا کی جائے گی، استغفار کیا جائے گا، قریبی مسلم اس کا وارث بنے گا اور وہ اپنے قریبی مسلم کا وارث ہو گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ہم کسی کی ایمانی حقیقت کی گواہی نہیں دے سکتے یہاں تک کہ وہ اسلام کے تمام اراکین کی ادائیگی کرنے والا ہی کیوں نہ ہو۔**) یعنی: ہم کسی کی پارسائی نہیں بیان کر سکتے کہ ہم کہیں: فلاں مومن ہے، اس لئے کہ اس بات کی گواہی دینا کہ فلاں مومن ہے وہ اس گواہی کا مستحق

نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ کو کہا: فلاں کو دیکھئے! وہ مومن ہے۔ آپ نے کہا: ''(مومن) یا مسلم؟'' اس نے پھر کہا: فلاں کو دیکھئے! وہ مومن ہے۔ آپ نے کہا: ''(مومن) یا مسلم؟'' (بخاری: ۲۷) اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ کوئی انسان کسی کی پارسائی نہیں بیان کرسکتا۔ اسے عام نام دیا گیا ہے۔ پس اسے یہ کہنا چاہئے: وہ مسلمان ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان اسلام پر مضبوطی سے کاربند ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر فسق ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں معاصی اور دیگر خرابی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ منافق ہو، تو آپ کو اس کے مکمل ہونے کی گواہی نہیں دینی چاہئے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اگر وہ ان میں سے کسی چیز میں کمی کرتا ہے تو وہ ناقص الایمان ہوگا یہاں تک توبہ کرلے۔**) اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ گناہ گار گرچہ اس کا گناہ بڑا ہی کیوں نہ ہو جب تک کہ وہ شرک کے علاوہ ہو تو ایسا مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ یا وہ دائرۂ ایمان کے باہر نہیں ہوگا۔ وہ اپنے ایمان کی وجہ سے مومن ہوگا اور اپنے گناہ کبیرہ کی وجہ سے فاسق ہوگا۔ یا آپ کہہ سکتے ہیں: وہ ناقص الایمان والا مومن ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جان لو کہ! اس کا اللہ پر ایمان: کامل ہوگا یا ناقص ہوگا**) یعنی: ہم اس کے ظاہر کو قبول کریں گے اور اس کے باطن کو اللہ کے حوالے کردیں گے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**الا یہ کہ اسلامی احکام کے ضیاع میں سے جو آپ کے سامنے ظاہر ہوجائے**) یعنی: الا یہ کہ وہ نواقض الاسلام میں سے کسی کا مرتکب ہوجائے۔ اسی میں سے اسلامی احکام کا ترک کرنا ہے تو ایسی صورت میں آپ اس پر مرتد ہونے کا حکم لگاسکتے ہو۔ جیسا کہ اگر وہ جان بوجھ کر نماز چھوڑے یا کوئی کفریہ بات کرے جیسے کہ اللہ کو برا بھلا کہنا یا رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہنا، یا پھر دین اسلام کو برا بھلا کہنا تو آپ اس پر جو کچھ ظاہر ہے اس کی بنیاد پر مرتد ہونے کا حکم لگاسکتے ہو۔ جو نواقض اسلام میں سے کسی ناقض کا عذر یا رکاوٹ کے زائل ہونے کے بعد مرتکب ہو تو کیا اس نے تاویل کیا ہے؟ یا وہ مقلد ہے؟ یا وہ جاہل ہے؟ یا وہ شدید غصہ میں ہے؟ تو اس پر ان رکاوٹوں کی وجہ سے مرتد ہونے کا حکم نہیں

لگے گا۔

{40} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالصَّلَاةُ عَلٰى مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ سُنَّةٌ، وَالْمَرْجُوْمُ، وَالزَّانِيْ، وَالزَّانِيَةُ، وَالَّذِيْ يَقْتُلُ نَفْسَهُ، وَغَيْرُهُمْ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ، وَالسَّكْرَانُ وَغَيْرُهُمْ، اَلصَّلَاةُ عَلَيْهِمْ سُنَّةٌ)

ترجمہ: ''اہل قبلہ میں سے جو بھی وفات پائے اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ جسے رجم کیا گیا ہو، زانی، زانیہ اور خودکشی کرنے والا وغیرہ اہل قبلہ میں سے ہیں۔ اور نشہ خور وغیرہ بھی، ان پر نماز ادا کرنا سنت ہے۔''

الشرح:

یہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ جو بھی اپنے ایمان و اسلام کا اظہار کرے گا ہم اس کی نماز (جنازہ) ادا کریں گے۔ وہ اہل قبلہ میں سے ہے۔ اور (اہل قبلہ وہ لوگ ہیں) جو مسلمانوں کے قبلہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ ہم ان کے ظاہر کی بنیاد پر ان کے ساتھ معاملہ کریں گے۔ پس ہم یہ فیصلہ کریں گے وہ مسلمان ہیں اور ہم ان کے زندہ و مُردہ کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کریں گے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جسے رجم کیا گیا ہو، زانی، زانیہ اور خودکشی کرنے والا وغیرہ اہل قبلہ میں سے ہیں۔**) وہ مومن جس نے فسق کا ارتکاب کیا ہے وہ اپنے کبیرہ گناہ کی وجہ سے اسلام سے خارج نہیں ہوگا اس کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ کیا جائے گا اور اس کے لئے دعا کی جائے گی۔ جیسا کہ خودکشی کرنے والا اور جسے زنا کی وجہ سے سزائے رجم دی گئی ہو۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کئے جانے والوں پر نماز جنازہ ادا کی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ادا کی۔ (بخاری: ۲۵۰۰) حضرت غامدیہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ ادا کی۔ (مسلم: ۱۶۹۵) اور رہا بعض لوگوں کی نماز جنازہ ادا کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو منع کیا ہے جیسا کہ خودکشی کرنے والا اور اللہ کے

راستے میں خیانت کرنے والے کی نماز جنازہ ادا کرنے سے بطور تادیب منع کیا، نہ کہ اس کے کافر ہونے کی وجہ سے منع کیا۔ اسی لئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسے لوگوں کی نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی۔ اور ان پر نماز جنازہ ادا کرنے سے انہیں منع نہیں کیا اس لئے کہ وہ مسلمان ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**نشہ خور وغیرہ پر بھی نماز جنازہ ادا کرنا سنت ہے**) نشہ خور جو کہ شراب پیتا ہے وہ فاسق ہے اس پر حد قائم کی جائے گی۔ لیکن وہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ جب اس کی وفات ہوگی تو اس پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی گرچہ وہ شرابی ہی ہو۔ اس لئے کہ وہ اہل قبلہ میں سے ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**سنت ہے**) یعنی: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں سے ہے جس کی اتباع کرنا واجب ہے۔

{41} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَلَا يَخْرُجُ اَحَدٌ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰى يَرُدَّ اٰيَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ، اَوْ يَرُدَّ شَيْئًا مِنْ اٰثَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، اَوْ يُصَلِّيَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، اَوْ يَذْبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَاِذَا فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ اَنْ تُخْرِجَهُ مِنَ الْاِسْلَامِ، وَاِذَا لَمْ يَفْعَلْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمُسْلِمٌ بِالْاِسْمِ لَا بِالْحَقِيْقَةِ)

ترجمہ: ''اہل قبلہ میں سے کوئی بھی اسلام سے خارج نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ کتاب اللہ کی کسی آیت کی تردید کرے، یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کا انکار کرے، یا غیر اللہ کے لئے نماز ادا کرے، یا غیر اللہ کے لئے (جانور) ذبح کرے۔ جب وہ اِن میں سے کوئی کام کرتا ہے تو آپ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اسے اسلام سے خارج قرار دیں، اور اگر وہ اِن میں سے کوئی کام نہیں کرتا تو حقیقی طور پر تو نہیں لیکن نام کی بنیاد پر وہ مومن اور مسلم ہے۔''

الشرح:

اہل قبلہ میں سے کوئی بھی شخص اسی وقت اسلام سے خارج ہوگا جبکہ اس نے اسلام کے نواقض میں سے کسی کا ارتکاب کیا ہو اور اس کے پاس عذر بھی باقی نہ بچا ہو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یا اس نے رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کا انکار کیا ہو**) جب وہ قرآن کا یا اس کے بعض کا انکار کرے، یا سنت صحیحہ کا یا اس میں سے بعض کا، یا قرآن میں سے کچھ کا انکار کرے، یا سنت صحیحہ میں سے کچھ کا انکار کرے: تو اس پر مرتد کا حکم لگے گا۔ اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا منکر ہے۔ جب تک کہ وہ جاہل نہ ہو یا مقلد نہ ہو یا تاویل کرنے والا نہ ہو تو اس کے سامنے وضاحت پیش کی جائے گی۔ پس جب اس کے سامنے وضاحت کر دی جائے اس کے بعد بھی وہ اصرار کرے تو پھر اس پر مرتد ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔

اور آثار سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث مراد ہیں۔

اور مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: (**یا اس نے رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث کا انکار کیا ہو**) یعنی: ایسی صورت میں اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ یہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک عظیم قاعدہ ہے۔

اس بارے میں دو جماعتوں نے اختلاف کیا ہے:

پہلی جماعت: خوارج اور وہ غالی قسم کے لوگ جو شرک کے علاوہ دیگر کبیرہ گناہوں کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں۔

دوسری جماعت: مُرجِئہ فرقہ جن کا کہنا ہے کہ: ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی گناہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ جب تک کہ انسان دل سے مومن ہو۔ تو کوئی بھی گناہ اسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اگر چہ وہ سارے اعمال کو چھوڑ دے اور کوئی بھی عمل انجام نہ دے۔ تب بھی وہ کامل ایمان والا مومن ہے۔

البتہ اہل سنت والجماعت جیسا کہ مؤلف نے ذکر کیا کہ: وہ دونوں جماعتوں کے درمیان میں ہیں۔ ان کا کہنا کہ: کبیرہ گناہ مختلف ہیں: اگر وہ شرک اکبر یا کفر اکبر سے ہوں تو وہ بالاجماع ملّت سے خارج کر دیں گے۔ اور اگر وہ شرک یا کفر نہ ہوں، ان میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تکذیب نہ پائی جاتی ہو، نہ نماز کا ترک کرنا، نہ غیر اللہ سے دعا کرنا، یا غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا، ان کے علاوہ کبیرہ گناہ ہوں تو برخلاف خوارج اور معتزلہ کے بندہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا لیکن وہ گناہ مومن کو نقصان پہنچائیں گے اور اس کے ایمان کو ناقص اور کمزور کریں گے۔ برخلاف مُرجِئہ کے جن کا کہنا ہے کہ: ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ نقصان دہ نہیں ہیں۔ تو یہ (اہل سنت والجماعت کا) اعتدال والا مذہب ہے جس سے وعید اور وعدے کے نصوص کے درمیان تطبیق ہو جاتی ہے۔

خوارج اور معتزلہ نے صرف وعید کے نصوص کو لیا اور وعدے کے نصوص کو ترک کر دیا۔

اس کے برعکس مُرجِئہ ہیں: انہوں نے وعدے کے نصوص کو لیا اور وعید کے نصوص کو ترک

کر دیا۔ پس دونوں جماعتیں گمراہ ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یا غیر اللہ کے لئے نماز پڑھے یا (جانور) ذبح کرے**) تقرب حاصل کرنے کے لئے کسی قبر (والے) کے لئے نماز پڑھے، یا کسی بُت کو سجدہ کرے، یا غیر اللہ کے لئے سجدہ کرے اور عبادات میں سے کوئی عمل اس کے لئے بجالائے۔ تو ایسا کرنے والا مشرک اور کافر ہے، ملّت سے خارج ہے۔ اور اگر ان کے علاوہ کوئی گناہ ہوں تو اہل سنت مُرجئہ اور خوارج کے درمیان میں ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جب وہ اِن میں سے کوئی کام کرتا ہے تو آپ پر واجب ہوجاتا ہے کہ اسے اسلام سے خارج قرار دیں**) جب وہ ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے: یعنی: غیر اللہ کے لئے نماز ادا کرے، یا غیر اللہ کے لئے (جانور) ذبح کرے، یا عبادت کا کوئی عمل غیر اللہ کے لئے کرے، تو آپ پر واجب ہوجاتا ہے کہ اسے ملّت سے خارج قرار دیں اور آپ پر واجب ہے کہ اس کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھیں، اور یہ نہ کہیں کہ: یہ میرے لئے اہمیت نہیں رکھتا، یا اس بارے میں مجھے پتہ نہیں بلکہ آپ پر واجب ہے کہ کفر اور شرک کرنے والے کو کافر قرار دیں۔ اور شرک کے علاوہ گناہ کے کرنے والے کو فاسق گردانیں۔ اس بارے میں حق کو بیان کرنا واجب ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور اگر وہ اِن میں سے کوئی کام نہیں کرتا تو حقیقی طور پر تو نہیں لیکن نام کی بنیاد پر وہ مومن اور مسلم ہے۔**) یعنی: ہمارے ظاہر میں اور اس کے غیر ظاہر کو اللہ کے حوالے کریں گے۔

{42} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَكُلَّ مَا سَمِعْتَ مِنَ الْآثَارِ شَيْئًا مِمَّا لَمْ يَبْلُغْهُ عَقْلُكَ، نَحْوَ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: "قُلُوْبُ الْعِبَادِ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ" وَقَوْلُهُ: "إِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا"، وَيَنْزِلُ يَوْمَ عَرَفَةَ وَيَنْزِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَا يَزَالُ يُطْرَحُ فِيْهَا حَتّٰى يَضَعَ عَلَيْهَا قَدَمَهُ -جَلَّ ثَنَاؤُهُ-. وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلْعَبْدِ: "إِنْ مَشَيْتَ إِلَيَّ هَرْوَلْتُ إِلَيْكَ" وَقَوْلُهُ: "خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهِ" وَقَوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: "رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ".

وَأَشْبَاهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيْثِ، فَعَلَيْكَ بِالتَّسْلِيْمِ وَالتَّصْدِيْقِ وَالتَّفْوِيْضِ وَالرِّضَا، وَلَا تُفَسِّرْ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ بِهَوَاكَ، فَإِنَّ الْإِيْمَانَ بِهٰذَا وَاجِبٌ، فَمَنْ فَسَّرَ شَيْئًا مِنْ هٰذَا بِهَوَاهُ أَوْ رَدَّهُ فَهُوَ جَهْمِيٌّ)

ترجمہ: "ہر وہ حدیث جو آپ سنتے ہیں جس تک آپ کی عقل کی رسائی نہ ہو، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: "بندوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔" اور یہ قول: "اللہ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔" "وہ عرفہ کے دن نزول فرماتا ہے۔" "وہ قیامت کے دن نزول فرمائے گا۔" "جہنم میں مسلسل لوگوں کو ڈالا جاتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ اس میں اپنا پیر رکھ دے گا۔" اور اللہ کا بندے سے یہ کہنا: "اگر تو میری طرف چلتے ہوئے آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتے ہوئے آؤں گا۔" اور یہ قول: "اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔" اور رسول اللہ ﷺ کا یہ قول: "میں نے اپنے رب کو سب سے حسین صورت میں دیکھا۔"

اور اس کے مشابہ دیگر احادیث بھی ہیں۔ پس انہیں تسلیم کرنا، ان کی تصدیق کرنا، ان کے معنیٰ کو اللہ کے حوالے کرنا اور اس پر راضی رہنا آپ پر واجب ہے۔ ان میں سے کسی کی تفسیر آپ اپنی خواہش سے مت کیجئے۔ اس لئے کہ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اگر کوئی اس کی تفسیر اپنی خواہش سے کرتا ہے یا اس کی تردید کرتا ہے تو وہ جہمی ہے۔"

الشرح:

صفات کے نصوص اللہ کے لئے ثابت شدہ ہیں ۔آپ پر واجب ہے کہ انہیں اسی طرح ثابت مانیں جس طرح کہ وہ اپنی حقیقت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں ۔بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل کو دخل دیتے ہوئے کہو: یہ اللہ کے لائق نہیں ہے ۔اللہ اس سے پاک ہے ۔ یہ تو تشبیہ ہے ۔جیسا کہ مُعطِّلہ (اللہ کو اس کی صفات سے عاری قرار دینے والے) کہتے ہیں ۔ یا یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ اپنی مخلوق کے مشابہ ہے جیسا کہ مُمثِّلہ (اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دینے والے) کہتے ہیں ۔ یہ دونوں جماعتیں گمراہ ہیں ۔

مُعطِّلہ: نے تنزیہ کے معاملے میں غلو سے کام لیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے گمان کے مطابق تشبیہ سے بچنے کی خاطر اسماء وصفات کی نفی کر دی ۔

مُمثِّلہ: نے اثبات میں غلو کیا۔ یہاں تک کہ اللہ کو اس کی مخلوق کے مشابہ قرار دیا۔ یہ دونوں مذہب کے ماننے والے باطل پر ہیں ۔

او ر **اہل سنت کا مذہب:** عدل پر مبنی ہے ۔وہ اللہ کے لئے اسماء وصفات کو بغیر کسی تشبیہ کے ثابت مانتے ہیں ۔اور اس سے بلا تعطیل تنزیہی طور پر مخلوق سے مشابہت کی نفی کرتے ہیں ۔ یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے ۔ اللہ کے اس فرمان کے مطابق ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ ترجمہ: ''اس کی مانند کوئی چیز نہیں ۔'' اس میں مُمثِّلہ کا رد ہے ۔ ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (سورہ شوریٰ: 11) ترجمہ: ''وہ سننے اور دیکھنے والا ہے ۔'' اس میں مُعطِّلہ کا رد ہے ۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسماء وصفات کا اثبات تشبیہ اور تمثیل کا متقاضی نہیں ہے ۔

مثلاً: (**بندوں کے دل رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں**) رحمٰن کے لئے انگلی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ۔لیکن یہ نہ کہیئے کہ: وہ مخلوق کی انگلیوں کی طرح ہے ۔ یہ تو تشبیہ ہے ۔اللہ اس سے پاک ہے ۔بلکہ ہم اسے اللہ کی شایان شان ثابت مانتے ہیں ۔وہ مخلوق کی انگلی کی طرح نہیں ہے ۔

حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ اللہ فرماتا ہے: ''جو میری طرف چلتے ہوئے آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتے ہوئے جاتا ہوں۔'' (بخاری: ۷۴۰۵) معنیٰ یہ ہے کہ: جو میری رضا اور اطاعت کی طرف جلدی کرتا ہے۔ تو میں اس کے گناہوں کی مغفرت اور ضرورتوں کے پورا کرنے میں جلدی کرتا ہوں۔ پس دوڑتے ہوئے آنے کا وہ مطلب نہیں ہے جو ہمارے یہاں معروف ہے۔ اس کی تفسیر دوسری حدیث میں اس قول سے ہے: ''اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور مجھ سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں۔'' تو دوڑتے ہوئے جانے کا مطلب یہاں یہ ہوا کہ: بندے کی ضرورت پوری کرنے میں جلدی کرنا۔ جیسا کہ بندہ اللہ کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے۔ کیا بندہ حقیقت میں دوڑتا ہے یا معنوی اعتبار سے؟ اس میں ان بعض لوگوں کی تردید ہے جو اللہ کے لئے دوڑنا ثابت کرتے ہیں۔ یہ مقابلہ کے باب سے ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ﴾ (سورہ توبہ: 79) ترجمہ: ''اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے۔'' ﴿اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ﴾ (سورہ بقرہ: 14-15) ترجمہ: ''ہم تو بس مذاق کر رہے ہیں۔ اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے۔'' ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ (سورہ آل عمران: 54) ترجمہ: ''وہ خفیہ تدبیریں کرنے لگے تو جواب میں اللہ نے اپنی خفیہ تدبیر کی۔''

پس اس عظیم قاعدے کی معرفت واجب ہے۔ تاکہ انسان بصیرت پر رہے اور اس بارے میں سلف کے مذہب کی معرفت حاصل کر سکے۔ جو اس کے بارے میں سب سے زیادہ ثابت اور علم والے ہیں۔ اور نہ ہی ان کی فہم و سمجھ میں کوئی کمی ہے۔ ظاہر اور متشابہ ہونے کی بنیاد پر اللہ کے لئے وہ چیزیں ثابت نہ کرے جسے وہ جانتا نہیں۔ کچھ دلائل ہیں جو اس کی تبیین اور وضاحت کرتے ہیں۔ پس واجب ہے کہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے۔ اس بات کی ہدایت انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو علم میں پختہ ہوتے ہیں۔

طالب علم اور شروعاتی دور کے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ان امور میں جلد بازی سے کام نہ

لیں۔ بلکہ توقف اختیار کریں۔ اور اس بات کا علم حاصل کریں کہ اسے کس طرح سلف کے منہج کے مطابق سمجھا جائے۔ عدل والا راستہ بالکل واضح ہے۔ اور سلف نے حق کے بیان کرنے میں کوئی قصر نہیں رکھی۔ قواعد اور ضوابط کو وضع کیا لیکن ان سب کو سیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔'' (بخاری: ۱۰۹۴) ''وہ عرفہ کی رات میں نزول فرماتا ہے۔'' (مسلم: ۱۳۴۸) ''وہ قیامت کے دن آئے گا۔'' (اللہ فرماتا ہے: ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِى ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَـٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْأَمْرُ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (سورہ بقرہ: 210) ترجمہ: ''کیا اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں میں آئے اور فرشتے بھی اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟ آخر کار سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہونے والے ہیں۔'') ''وہ قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلوں کے لیئے آئے گا۔'' (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا﴾ (سورہ فجر: 22) ترجمہ: ''اور تمہارا رب آئے گا اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے۔'')

ہم ان ساری باتوں کو کیفیت کی تحدید کئے بغیر اللہ کے لیئے اس کی حقیقت کے ساتھ ثابت مانتے ہیں۔ پس ہم کیسے نازل ہوتا ہے، کیسے آئے گا، کیسے آنے والا ہے کی معرفت کے تکلف میں نہیں پڑتے۔ پس کیفیت کے بارے میں ہم دخل اندازی نہیں کرتے۔ ہاں! معنیٰ تو ہم سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام مالک رحمہ اللہ سے استواء کی کیفیت کے بارے میں پوچھا گیا۔ سائل نے پوچھا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (سورہ طہٰ: 5) ترجمہ: ''رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔'' کیسے مستوی ہے؟ وہ کیفیت کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔ اسے امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''استواء معلوم ہے۔'' یعنی: اس کا معنیٰ معلوم ہے۔ ''کیفیت مجہول ہے، اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا'' یعنی: اس کی کیفیت کے تعلق سے ''بدعت ہے۔'' اس طرح کے امور میں یہی سب سے درست منہج ہے۔

اسی طرح اس قول میں اللہ کے لئے صورت کو ثابت کرنے میں: ''اللہ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔'' (بخاری: ۵۸۷۳)

اور ایک روایت میں ہے: ''رحمٰن کی صورت پر'' (الطبرانی: ۱۲/ ۴۳۰) ہم اللہ کے لئے صورت کو اسی طرح ثابت مانتے ہیں جس طرح کے اس کے رسول نے اپنے قول میں ثابت کیا ہے: ''میں نے اپنے رب کو سب سے حسین صورت میں دیکھا۔'' (مسند احمد: ۵/ ۲۴۳) یہ دنیا کی اور خواب کی حالت کا بیان ہے۔ ''سب سے حسین صورت میں'' اس میں اللہ کے لئے اس کی شایان شان صورت کا اثبات ہے۔ یہ مخلوق کی صورت کی طرح نہیں ہے۔ وہ تو رحمٰن کی صورت ہے۔ پس ان سارے امور کو ہم ثابت مانتے ہیں اور اس بارے میں ہم دخل اندازی نہیں کرتے اور نہ ہی شک میں پڑتے ہیں اور نہ ہی اس میں غور وخوض کرتے ہیں۔

اور (**سونپ دینا**) صحیح یہ ہے کہ اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالے کر دینا، نہ کہ اس کے معنیٰ کو۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ان باتوں کی اپنی خواہش سے کوئی تفسیر نہ بیان کیجئے**) ان کی تفسیر صحیح معنیٰ کے ساتھ بیان کیجئے جو اللہ کے شایان شان ہو۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی تفسیر بیان نہیں کی جا سکتی۔ ان کی تفسیر بیان کی جائے گی اور ان کے معنیٰ کی وضاحت بھی کی جائے گی۔ صرف اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالے کیا جائے گا۔ نزول کو ثابت مانا جائے گا اور کیفیت کی نفی کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلے کے لئے آئے گا، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿**وَجَآءَ رَبُّكَ**﴾ (سورہ فجر: 22) ترجمہ: ''تیرا رب آئے گا۔'' ﴿**هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ**﴾ (سورہ بقرہ: 210) ترجمہ: ''کیا اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ بادلوں میں آئے اور فرشتے بھی اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟ آخر کار سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہونے والے ہیں۔'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ آئے گا اور آ کر اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ لیکن اس کا آنا مخلوق کی طرح نہیں ہوگا۔ اس کا آنا تو اس کی شایان شان ہوگا۔

(اپنی خواہش سے) یعنی: ان کی بغیر علم کے تفسیر نہ کیجئے۔ اگر آپ اس کی تفسیر دلیلوں کے مطابق کرتے ہیں اور متشابہ کو محکم کی طرف پھیرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ (علم کے) شروعاتی دور کا اور جاہل انسان ان عظیم امور اور عظیم مسائل میں دخل اندازی نہ کرے۔ اس لئے کہ یہ غلطی اور بہت بڑا خطرہ ہے۔

میں نے بہت سارے طالب علم نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ عقیدہ کے ان مسائل میں جرأت کرتے ہیں۔ وہ کچھ چیزوں کے بارے میں جرأت کر جاتے ہیں اور اس پر بات کرتے ہیں۔ اور پھر آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی مول لیتے ہیں اور اختلاف ہو جائے تو ایک دوسرے سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔

میرے بھائیو! اللہ نے آپ کو ان سب باتوں کا ذمہ دار نہیں بنایا ہے۔ آپ بس منہج سلف پر چلتے رہئے اور انہی کے قول کو بیان کیجئے۔ الحمدللہ! عقائد کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں، طبع ہو چکی ہیں، ان کی تصحیح کی جا چکی ہے، انہیں پڑھایا جا رہا ہے اور وہ کتابیں منظم ہیں۔ پس اپنی طرف سے اور اپنی سوچ کے مطابق کسی نئی چیز کو ایجاد نہ کرو۔ یہی بات تمہارے لئے بہتر ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(اس پر ایمان لانا واجب ہے)** اللہ کے اسماء، اس کی صفات اور اس کے افعال پر ایمان لانا بندے پر فرض اور واجب ہے۔

اللہ پر ایمان لانے میں سے ہے کہ: اس کے اسماء اور صفات پر اس کی شایان شان ایمان لانا۔ پس جو شخص اسماء وصفات کے معاملے میں دخل اندازی کرتا ہے یا تو تعطیل کے ذریعہ، یا تمثیل کے ذریعہ، یا تفویض کے ذریعہ اور اپنی طرف سے تفسیر کر کے تو یہ ایسا شخص حقیقی طور پر اللہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کا ایمان ناقص ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(پس جس نے بھی اس بارے میں اپنی خواہش سے تفسیر کی اور اس کی تردید کی تو وہ جہمی ہے)** جہمیہ نے اسماء وصفات کی نفی کی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کی تفسیر

ایسے کی جو کہ مخلوق کے لائق ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو چیزیں مخلوق کے لائق ہیں اللہ ان سے بری ہے۔ انہوں نے پہلے پہل مثال دی اور پھر مثال دینے کو بنیاد بنا کر اس کی تعطیل کر دی۔ اس حیثیت سے کہ ان نصوص سے ان کو یہ سمجھ میں آیا کہ ان سے مخلوق سے مشابہت ہوتی ہے تو اسی لئے اس کی نفی کر دی۔

البتہ اگر وہ یہ کہتے: ان نصوص میں اللہ کے حقیقی اسماء وصفات ہیں، لیکن وہ صرف اسی کے لائق ہیں۔ وہ نہ تو مخلوق کے ناموں کی طرح ہیں اور نہ ہی مخلوق کی صفات کی طرح ہیں۔ اگر وہ اس منہج پر چلتے تو سلامتی میں رہتے۔ لیکن وہ تو اپنی سوچ اور خواہش کے مطابق چلے۔ اور **جہمیہ:** یہ جہم بن صفوان ترمذی یا سمرقندی کی طرف منسوب ہے۔ یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ قول پیش کیا کہ قرآن مخلوق ہے۔ اور اسماء وصفات کی نفی کی۔ اور کہا: ایمان صرف دل سے معرفت کا نام ہے۔۔۔ اس طرح اور بہت سی اس کی کفریہ وگمراہ کن باتیں ہیں۔ جو بھی اس طرح کا اعتقاد رکھتا ہے وہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ تو اسے کہا جاتا ہے: یہ جہمی ہے، جہم کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔

{43} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَمَنْ زَعَمَ أَنَّهُ يَرَى رَبَّهُ فِي دَارِ الدُّنْيَا فَهُوَ كَافِرٌ بِاللّٰهِ)

ترجمہ: ''جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے دنیاوی زندگی میں اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔''

الشرح:

جو گمان کرتا ہے کہ کسی نے اللہ کو دنیا میں خواب نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں دیکھا ہے تو وہ کافر ہے۔ اس لیے کہ اللہ کو دنیا میں نہیں دیکھا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا: **﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي﴾** (سورہ اعراف: 143) ترجمہ: ''اس نے التجا کی کہ ''اے ربّ تو مجھے خود کو دکھا! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' فرمایا: ''تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔'' پس کوئی بھی اللہ کو اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس بات پر علماء کے درمیان اجماع ہے۔ اللہ کو آخرت میں ہی دیکھا جائے گا۔ اس لئے کہ لوگ دنیا میں کمزور ہیں اور اسی کمزوری کی وجہ سے وہ اللہ کی رؤیت پر قدرت نہیں رکھتے۔ لہٰذا جب اللہ نے پہاڑ پر تجلّی کی تو وہ چورچور ہوکر مٹی ہوگیا۔ تو ابن آدم جوکہ گوشت اور خون کا ہے وہ کیسے بچ سکتا؟ رہی بات آخرت کی تو اللہ مومن کو ایسی قوت دے گا جس سے وہ اللہ کا دیدار کرسکے گا اور اس کی رؤیت کی لذت اٹھا پائے گا۔ پس آخرت میں مومنوں کے لئے اللہ کی رؤیت تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ اور دنیا میں کوئی بھی اللہ کو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔

اختلاف اس میں ہے کہ: معراج کی رات نبی اکرم ﷺ نے اللہ کو دیکھا یا نہیں؟ صحیح بات

یہی ہے اور اسی پر جمہور رہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ کو نہیں دیکھا بلکہ اپنے دل اور بصیرت سے دیکھا۔ اس لئے کہ کوئی بھی اس دنیا میں اللہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے اللہ عظیم ہے اور اسے دنیا میں نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے معراج کی رات اپنے رب کو دیکھا؟ آپ نے فرمایا: ''**وہ نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟**'' (مسلم:۱۷۸) اور آپ نے فرمایا: ''اس کا حجاب نور ہے، اگر وہ اسے کھول دے جہاں تک نگاہ جائے وہاں تک کی مخلوق کو اس کی چہرے کی روشنی جلا دے۔'' (مسلم:۱۷۹)

{44} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْفِكْرَةُ فِی اللّٰهِ بِدْعَةٌ، لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: "تَفَكَّرُوْا فِی الْخَلْقِ، وَلَا تَفَكَّرُوْا فِی اللّٰهِ" فَإِنَّ الْفِكْرَةَ فِی الرَّبِّ تَقْدَحُ الشَّكَّ فِی الْقَلْبِ)

ترجمہ: ''اللہ کے بارے میں سوچنا بدعت ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مخلوق کے بارے میں غور کرو اور اللہ کے بارے میں غور نہ کرو۔'' اس لئے کہ رب کے بارے میں غور کرنا دل میں شک پیدا کرتا ہے۔''

الشرح:

مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ کی ذات، اُس کے اسماء وصفات اور افعال کی کیفیت کے بارے میں تفکّر سے اجتناب کرے۔ اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے: **﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾** (سورہ طٰہٰ: 110) ترجمہ: ''وہ لوگوں کا اگلا پچھلا سب حال جانتا ہے اور دوسرے اس کا علم سے احاطہ نہیں کر سکتے۔'' آپ پر واجب ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کی کیفیت پر غور کئے بغیر اللہ پر ایمان رکھیں اور اس کی تعظیم کریں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مخلوق کے بارے میں غور کرو اور اللہ کے بارے میں غور نہ کرو۔''** (الطبرانی:۶:۲۵۰) **اس لئے کہ رب کے بارے میں غور کرنا دل میں شک پیدا کرتا ہے۔)** یعنی: اللہ کی مخلوقات کے بارے میں غور کرو اور کائنات کی نشانیوں کے بارے میں تفکّر کرو جو تمہیں اللہ کی قدرت کی جانب رہنمائی کریں گی۔

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْإِلٰهُ ... اَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ

وَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ ... تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ

ترجمہ: ''تعجب ہے کہ اللہ کی کیونکر نافرمانی کی جاتی ہے؟ کیا (اس کا) انکار کرنے والے کیونکر انکار کرتے ہیں؟ (جبکہ) ہر چیز میں اس کی ایک نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ اکیلا ہے۔''

آپ آسمان و زمین، پہاڑ اور پتھر، درخت، سمندر اور مخلوقات جیسی تکوینی نشانیوں پر غور کیجئے تاکہ ان کے ذریعہ آپ کو خالق کی عظمت پر رہنمائی ہو۔ اور قرآنی آیات پر غور کیجئے۔ البتہ اگر آپ اللہ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات پر غور کریں گے تو اس کی ادراک نہیں کرسکیں گے: (**کوئی بھی علم سے اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔**)

❁ ❁ ❁

{45} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ اَنَّ الْهَوَامَّ وَالسِّبَاعَ وَالدَّوَابَّ نَحْوَ الذَّرِّ وَالذُّبَابِ وَالنَّمْلِ كُلَّهَا مَأْمُوْرَةٌ، وَلَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى)

ترجمہ: "جان لو کہ! کیڑے مکوڑے، درندے اور چوپائے جیسے کہ چھوٹی چیونٹی، مکھی اور عام چیونٹی سب کے سب مامور (اللہ کے حکم کے تابع ہیں)، اور وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں جانتے۔"

الشرح:

پوری کائنات تدبیر کے تحت چل رہی ہے اور سارے معاملات اس کے حکم کے تابع ہیں۔ سورج اور چاند گردش کر رہے ہیں۔ ستارے اور افلاک چکر لگا رہے ہیں۔ چوپائے اور پرندے ہر چیز اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے تحت جو اُس نے مقدر کر رکھا ہے چل رہے ہیں: **﴿اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾** (سورہ طہٰ:50) ترجمہ: "جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔" اسی نے پوری دنیا اور جو کچھ اس میں کائنات، مخلوقات، افلاک، آسمان اور زمین میں ان کا نظام بنایا۔ ہر کوئی خالق کی بنائی ہوئی تقدیر اور تدبیر کے مطابق چل رہا ہے۔ وہی اپنے تکوینی معاملے کا فیصلہ کرتا ہے: **﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾** (سورہ یٰس:82) ترجمہ: "وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔"

یہ پوری کائنات اللہ کے حکم، اس کی تدبیر، اس کے پیدا کرنے، اس کے ارادے اور اسی کی مشیئت سے چل رہی ہے۔ سب اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہیں: **﴿كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى﴾** (سورہ رعد:2) ترجمہ: "اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقتِ مقرر تک کے لیے چل رہی ہے۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرتے۔**) یعنی: اللہ کی تکوینی

اجازت سے، اور وہ تکوینی حکم ہے۔ اور اللہ کی مشیئت ہے۔ پس وہ سب اپنی خواہش یا کسی غیر اللہ کی تدبیر سے نہیں چلتے۔ اسی لئے جبار (نمرود) نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ﴿أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ﴾ ترجمہ: "زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ﴿قَالَ إِبْرَٰهِيمُ فَإِنَّ ٱللَّهَ يَأْتِي بِٱلشَّمْسِ مِنَ ٱلْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ ٱلْمَغْرِبِ فَبُهِتَ ٱلَّذِي كَفَرَ﴾ (سورہ بقرہ: 258) ترجمہ: "اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔" یہ سن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا۔"

پس اللہ کے معاملات کو بجالانے کی کسی کے بھی اندر نہ تو استطاعت ہے اور نہ ہی اس پر حکم چلاسکتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو کائنات کی تدبیر کرتا ہے اور اسے بہترین اور باریک بین نظام کے تحت منظم کرتا ہے۔ جسے نہ تو تبدیل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی بدلا جاسکتا ہے۔ ﴿مَّا تَرَىٰ فِي خَلْقِ ٱلرَّحْمَٰنِ مِن تَفَٰوُتٍ﴾ (سورہ ملک: 3) ترجمہ: "تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔"

پس سورج، چاند، ستارے اور آسمان و زمین جب سے انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے اور جب تک اللہ دنیا کی انتہاء تک چاہے گا، یہ سب اللہ کے ٹھہرائے ہوئے نظام کے تحت جو اس نے مقدر کر رکھا ہے چلتے رہیں گے، ان میں کوئی تغیر یا تبدیلی نہیں ہوگی۔

{46} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ عَلِمَ مَا كَانَ مِنْ أَوَّلِ الدَّهْرِ، وَمَا لَمْ يَكُنْ، وَمَا هُوَ كَائِنٌ، أَحْصَاهُ وَعَدَّهُ عَدًّا، وَمَنْ قَالَ: إِنَّهُ لَا يَعْلَمُ إِلَّا مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ فَقَدْ كَفَرَ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ)

ترجمہ: ''اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ زمانے کی ابتداء کا علم رکھتا ہے، جو کچھ نہیں ہوا اُس کا بھی اور جو ہونے والا اُس کا بھی علم رکھتا ہے۔ اللہ نے ان سب کو گن گن کر شمار کر رکھا ہے۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ: وہ تو صرف جو ہو چکا اور جو ہو رہا ہے اُسی کا علم رکھتا ہے تو اُس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا۔''

الشرح:

اللہ کے لئے علم کا اثبات کرنا واجب ہے اور یہ کہ اس کا علم ہر چیز احاطہ کئے ہوئے ہے اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کے علم کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ ہی کوئی انتہاء ہے۔ اس کا علم ساری صفات کی طرح ہے (یعنی جس طرح اس کی صفات ازلی ہیں اسی طرح اس کا علم بھی ازلی ہے)۔ ازل سے یہ ثابت ہے۔ جس طرح اللہ کی کوئی ابتداء نہیں اسی طرح اس کے اسماء وصفات اور افعال کی کوئی ابتداء نہیں۔ جس طرح اللہ کی کوئی انتہاء نہیں اسی طرح اس کے اسماء و صفات اور افعال کی کوئی انتہاء نہیں۔ وہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ بلا کسی شروعات کے اوّل سے ہی ہے۔ اور وہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ بلا انتہاء اخیر تک رہے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''تو ہی اوّل ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، تو ہی آخر ہے پس تیرے بعد کوئی انتہاء نہیں۔ تو ہی ظاہر ہے پس تیرے اوپر کوئی چیز نہیں۔ اور تو ہی باطن ہے تیرے سوا کوئی چیز نہیں۔'' (مسلم: ۲۷۱۳)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ تعالیٰ زمانے کی ابتداء کا علم رکھتا ہے، جو کچھ نہیں ہوا اُس کا بھی اور جو ہونے والا اُس کا بھی علم رکھتا ہے۔ اللہ نے ان سب کو گن گن کر شمار کر**

رکھا ہے۔) اللہ کو اس بات کو بھی علم ہے کہ جو ہو چکا اور جو کچھ پچھلے زمانے میں گزرا، جو مستقبل میں ہونے والا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو نہیں ہوا اُسے بھی جانتا ہے اور یہ بھی کہ ہوتا تو کیسے ہوتا۔ اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم میں گھیر رکھا ہے۔ اسی لئے اس نے کہا: ﴿**وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ**﴾ (سورہ انعام:28) ترجمہ: "اگر انہیں سابق زندگی کی طرف واپس بھیجا جائے تو پھر وہی سب کچھ کریں جس سے انہیں منع کیا گیا ہے۔" اللہ کو اس بات کا علم ہے کہ اگر انہیں دنیا کی طرف لوٹایا گیا تو وہی کام کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ یعنی: اگر انہیں دنیا کی طرف لوٹایا جاتا تو وہ کفر کی طرف ہی لوٹ جاتے۔ حالانکہ ان کا دنیا کی طرف لوٹنا ممکن ہی نہیں تھا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ: (**اور جو یہ کہتا ہے کہ: وہ تو صرف جو ہو چکا اور جو ہو رہا ہے اُسی کا علم رکھتا ہے تو اُس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا۔**) جس نے اللہ کے علم کو صرف ان حوادث تک ہی موقوف مانا جو کہ واقع ہو چکا اور یہ کہ اللہ کسی چیز کے واقع ہونے سے قبل اس کا علم نہیں رکھتا تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔ اس لئے کہ اس نے اللہ کے علم کا انکار کیا اور اس بات کا بھی کہ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور اس نے اللہ کے لئے ناقص علم کو ثابت مانا۔ اس وجہ سے وہ کفر کر رہا ہے۔ پس اللہ کے علم کی کوئی حد نہیں۔ ہاں! مخلوق کا علم جہاں تک اس کی پہنچ ہے وہیں تک محدود ہے: ﴿**وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ**﴾ (سورہ یوسف:76) ترجمہ: "اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔" اور اس نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ یہ دعا کرے: ﴿**رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا**﴾ (سورہ طٰہ: 114) ترجمہ: "اے میرے رب! میرے علم میں زیادتی کر۔"

پس جو اللہ کے علم کو محدود کرتا ہے اور کہتا ہے: ایسا جانتا ہے اور ویسا نہیں جانتا۔ تو یہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے، اس لئے کہ اس نے اللہ کے علم کی تنقیص کی اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز کو عام ہے، اس بات کا اس نے انکار کیا۔

❁ ❁ ❁

{47} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَلَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ، وَصَدَاقٍ، قَلَّ أَوْ كَثُرَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلِيٌّ فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ)

ترجمہ: ''نکاح ولی، دو عادل گواہ اور مہر کم ہو یا زیادہ کے ساتھ ہی ہوگا۔ اور جس کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔''

الشرح:

یہ ایک فقہی مسئلہ ہے۔ اور وہ یہ کہ: جمہور کے نزدیک نکاح کی صحت کی شروط کا بیان: اسی میں سے ولی کا ہونا ہے۔ اور یہ کہ عورت خود کا نکاح نہیں کر سکتی۔ نکاح کی شروط میں سے ہے کہ: نکاح کے لئے گواہ کا ہونا۔ پس خفیہ طور پر نکاح نہیں ہوسکتا جس پر کوئی گواہ نہ ہو۔

مسلمانوں کا مذہب ہے کہ نکاح کا اعلان کیا جائے۔ اور ولی کا مسئلہ اختلافی ہے۔ جمہور کا ماننا ہے کہ: (نکاح کے لئے) ولی کا ہونا ضروری ہے۔ اور احناف کے نزدیک یہ ہے کہ: عورت بغیر ولی کے خود کا نکاح کرلے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ مرجوح مذہب ہے۔ جو کہ دلیل کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''نکاح ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نہیں ہوگا۔'' (احمد (394/4)، وابوداؤد: 2085، والترمذی: 1101)

اور دوسری حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ: ''کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے۔ اور نہ ہی عورت خود کا نکاح کرے۔ اس لئے کہ خود کا نکاح کرنے والی زانیہ ہوتی ہے۔'' (ابن ماجہ: 1882)

اور ''جو کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔'' (احمد (47/6)، وابوداؤد: 2083، والترمذی: 1102) یہاں تک کہ اگر بغیر ولی کے نکاح کے صحیح

ہونے کے بارے میں جو فقہاء نے کہا ہے وہ اجتہاد سے کہا ہے۔ بہر حال اعتبار تو دلیل کا ہوتا ہے۔ اسی لئے مؤلف نے اس مسئلہ پر باوجود اس کے کہ یہ فقہی ہے صراحت کر دی۔ تا کہ واضح ہو جائے کہ یہی صحیح مذہب ہے۔ اور وہ وہی مذہب ہے جس پر جمہور اہل علم ہیں جس پر نبی اکرم ﷺ کی سنت دلالت کرتی ہے۔ اور اس واسطے کہ مسلمانوں کے نکاح کا ضابطہ طے ہو جائے اور اسے خفیہ اور دھوکے سے نہ کیا جائے۔ بلکہ وہ واضح اور علانیہ ہوں۔ اس لئے کہ نکاح اہم امور میں سے ہے۔ اس وجہ سے کہ اسی پر خاندان کی بنیاد ہے۔ اسی پر نسل کی بنیاد ہے۔ اسی پر نسب کی بنیاد ہے۔ اور اسی پر سب سے اہم شرمگاہ کو مباح کرنے کی بنیاد ہے۔ پس لازم ہے کہ عقد نکاح کے لئے شرعی ضابطے ہوں جو کہ آیات قرآنی اور احادیث میں وارد ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور مہر طے ہونی چاہیے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ**) مہر شرط تو نہیں ہے لیکن واجب ہے۔ اسی لئے اگر بغیر مہر کے نکاح ہوا تو وہ صحیح ہوگا لیکن عورت کے لئے اس کے مثل عورتوں کی مہر کے مہر طے کی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ عورت کا حق ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور جس کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی بنے گا جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔**) ولی کا ہونا لازمی ہے۔ اور **ولی:** عورت کے عصبہ میں سے جو قریبی ہو وہی ہوتا ہے۔ قریبی میں عورت کا باپ، پھر اس کا دادا اور جو اُس کے اوپر ہیں۔ پھر اس کا بیٹا، پوتا اور جو اس کے نیچے یعنی پڑپوتے وغیرہ۔ پھر سگا بھائی، پھر جو باپ کی طرف سے بھائی ہو۔ پھر اس کا سگا چچا۔ پھر وہ چچا جو اس کے باپ کی طرف سے ہو۔ پھر اس کے سگے چچا کا لڑکا، پھر اس کے باپ کی طرف کے چچا کا لڑکا۔ یہ عورت کے ولی ہیں۔ جب مشکل یہ پیش آئے کہ عورت کے عصبہ کی طرف سے اس کا کوئی ولی نہ ہو تو سلطان اس کا ولی ہوگا۔ یا جو سلطان کی نیابت کرے وہ ولی ہوگا اور وہ کورٹ کا قاضی ہے۔ پس لازم ہے کہ نکاح کے ضابطے ہوں اور اسے یوں ہی لوگوں کی چاہت اور خواہش پر نہ چھوڑا جائے۔

{48} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَإِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ، وَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ)

ترجمہ: ''جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ اور اپنے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوتی جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کر لے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جب شوہر اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔**) جب شوہر اپنی بیوی کو الگ الگ تین مرتبہ طلاق دے دیتا ہے تو بالا جماع وہ اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ وہ اگر کہے: تجھے طلاق۔ پھر اس کے بعد کہے: تجھے طلاق۔ پھر اس کے بعد کہے: تجھے طلاق۔ یا کہے: تجھے طلاق، پھر تجھے طلاق، یا کہے (**فَطَالِقٌ**) پھر تجھے طلاق ''**ف**'' کے ساتھ۔ اس لئے کہ یہ ترتیب ہے۔ اسے طلاق پڑ جائے گی اور وہ طلاق بائن ہوگی۔ جب طلاق تین مرتبہ ہو جائے تو بیوی اس کے لئے حرام ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے (تب وہ اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگی)۔

اللہ کا فرمان ہے: **﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ**

﴿أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ (سورہ بقرہ: 229-230) ترجمہ: ’’طلاق دو بار ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے، تو اُن دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ حدودِ الٰہی سے تجاوز کریں، وہی ظالم ہیں۔ پھر اگر (دو بار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی، اِلاّ یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص (دوسرا شوہر) سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے۔ تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدودِ الٰہی پر قائم رہیں گے، تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔‘‘ یہ اس وقت ہے جب طلاق الگ الگ دیا گیا ہو گرچہ مجلس ایک ہی ہو۔ البتہ اگر شوہر کہے: تجھے طلاق، طلاق، طلاق۔ بغیر حرف عطف کے یعنی: تجھے طلاق، پھر تجھے طلاق۔۔ تو ہم اس پر غور کریں گے: اگر اس سے شوہر کی مراد تاکید پیدا کرنا ہے تو وہ ایک ہی طلاق مانی جائے گی۔ لیکن اگر اس کی مراد بنیادی ہی ہے یعنی: تین طلاق تو وہ بائن ہوگی جب اس کی تعداد تین طلاق ہو جائے۔

البتہ اگر طلاق ایک ہی لفظ کے ساتھ ہو جیسے کہ: تجھے تین بار طلاق، یا تجھے تین طلاق۔ تو جمہور کا ماننا ہے کہ: تین طلاق واقع ہو جائے گی اور بیوی اپنے شوہر کے لئے بائن ہو جائے گی۔ اور اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ اس سے کوئی دوسرا مرد نکاح کرے۔ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

اور بعض محققین کا قول ہے کہ تین طلاق ایک ہی لفظ میں دینے سے ایک ہی واقع ہوگی۔

یہ بہت طویل اختلافی مسئلہ ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ جاننا کافی ہے کہ تین طلاق کے بعد بیوی اپنے شوہر کے لئے حرام ہو جائے گی۔ لیکن ہمیشہ کے لئے نہیں۔ یہ اس وقت تک حرام رہے گی جب تک

کہ کوئی دوسرا مرد اس سے نکاح نہ کر لے۔ پھر اسے طلاق دے دے۔ رہی بات دخول کی تو اس میں اختلاف ہے۔ فی الحال ہم اس پر توجہ نہیں دے رہے ہیں۔

واللہ اعلم! اس مسئلے کو عقیدے میں داخل کرنے سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ: نکاح ایک اہم معاملہ ہے جس پر شرعی ضابطوں کے مطابق توجہ دینا واجب ہے۔ پس اس کے بارے میں تساہل نہیں برتنا چاہئے۔ چونکہ کتاب کا نام "**شرح السنة**" ہے یعنی: ہر چیز کے بارے میں سنت کا بیان اور اسی میں نکاح کے مسائل بھی ہیں۔

{49} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَلَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ، زِنًا بَعْدَ إِحْصَانٍ، أَوْ مُرْتَدٍّ بَعْدَ إِيمَانٍ، أَوْ قَتْلِ نَفْسًا مُؤْمِنَةً بِغَيْرِ حَقٍّ، فَيُقْتَلُ بِهِ، وَمَا سِوَى ذٰلِكَ فَدَمُ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ أَبَدًا حَتّٰى تَقُومَ السَّاعَةُ)

ترجمہ: ''جو بھی مسلمان اس بات کی گواہی دے کہ ''اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔'' تو سوائے تین صورتوں کے کسی مسلمان کا قتل جائز نہیں: شادی شدہ ہو کر زنا کرے، یا ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائے، یا کسی مومن نفس کو بغیر حق کے قتل کرے۔ اور جو اس کے سوا ہو تو ایک مسلمان کا خون، دوسرے مسلمان پر قیامت تک کے لئے حرام ہے۔''

الشرح:

نکاح کے مسئلہ کے بعد مسلمان کے قتل کا مسئلہ آیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام عزت وجان اور مال کی حفاظت کے لئے آیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''تمھارے خون، مال اور عزت تم پر حرام ہیں۔'' (رواہ البخاری: 67، ومسلم: 1679)

اور آپ کا فرمان ہے: ''ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔'' (رواہ مسلم: 2564) جب عزت سے متعلق سابقہ جملوں میں نکاح اور طلاق سے متعلق کلام کیا تو یہ خون کے مسئلے کی طرف منتقل ہو گیا۔

مسلمان جب گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس کا خون اور مال حُرمت والا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ کہیں: اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جب وہ اس بات کا اقرار کرلیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور مال کو محفوظ کرلیتے ہیں سوائے اسلام کے حق کے۔ اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔" (بخاری: ۲۵)

پس جو اسلام کا اعلان کرتا ہے اور شہادتین کا اقرار کرتا ہے تو ہم اس کی اِس بات کو قبول کریں گے اور اسے مسلمان مانیں گے۔ اور اس پر ہم اسلامی احکامات جاری کریں گے۔ اگر اس کے دل میں نفاق ہے تو وہ اُس کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ اللہ اس کا حساب لینے والا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے تو منافقین کے اسلام کو قبول کیا اور اُن پر ظاہری احکام کو لاگو کیا۔

لیکن اگر کوئی اسلام کے نواقض میں سے کسی کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس پر مرتد کا حکم لگے گا۔ اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ورنہ دین کے تحفظ کی خاطر اسے قتل کردیا جائے گا۔ یہ مسلمان کے خون کے مباح کرنے والی پہلی چیز ہے۔

اور **مسلمان کے خون کو مباح قرار دینے والی دوسری چیز:** قصاص ہے یعنی جان کے بدلے جان۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ**﴾ (سورہ بقرہ: 178-179)

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمہارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو، تو معروف طریقے کے مطابق خون بہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خون بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ اس پر بھی جو

زیادتی کرے،اس کے لیے دردناک سزا ہے۔عقل وخرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔'' قصاص قتل ہونے کے باوجود زندگی کا سبب ہے، اس لئے جب قتل کرنے والے کو معلوم ہوجائے گا کہ قتل کرنے کے بعد مجھے قتل کردیا جائے گا تو ممکن ہے کہ وہ قتل سے باز آجائے۔ اور لوگ جب قاتل کو قتل ہوتا دیکھیں گے تو وہ بھی قتل سے رک جائیں گے۔ تو اس طرح خون محفوظ ہوجائے گا۔

پس قصاص زندگی کی بقاء کا ذریعہ ہے۔ گرچہ کہ اس بارے میں قاتل کو قتل کردیا جاتا ہے۔ یہ ایسا قتل ہے جو سماج کے بقیہ لوگوں کی زندگی کا ذریعہ ہے۔ اور دوسروں تک اس کے اثر کو کم کردیتا ہے۔ البتہ اگر قاتل کو چھوڑ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ: یہ حقوق انسانی کے خلاف ہے۔ اسے چھوڑ دیا جائے اور اسے قتل نہ کیا جائے تو یہ (مزید لوگوں کے) خون بہانے کا ذریعہ بن جائے گا، امن میں خلل واقع ہوگا، امن سے رہنے والے لوگ خوفزدہ ہوجائیں گے، بہت سارے بگاڑ کا سبب بنے گا، قتل کی زیادتی ہوگی اور (کسی کا بھی) خون بہانا آسان ہوجائے گا، یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کہتے تھے: قتل، قتل کو ختم کرتا ہے۔ یعنی مجرم کو قتل کردینا مستقبل میں ہونے والے قتل کو روک دیتا ہے۔ اور اس آیت میں ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (سورہ بقرہ: 179)

ترجمہ: ''عقل وخرد رکھنے والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔''

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ: قصاص حقوق انسانی سے ٹکراتا ہے۔ تو ہم ان سے کہتے ہیں: اور جس پر ظلم کیا گیا کیا وہ انسان نہیں تھا؟ تو پھر قصاص لینے میں اس کے حق کی حمایت ہے۔

اور **مسلمان کے خون کو مباح قرار دینے والی تیسری چیز**: شادی شدہ زنا کار ہے۔ اور شادی شدہ سے مراد: جس نے نکاح صحیح کے ذریعہ کسی عورت سے جماع کیا ہو۔ اگر وہ زنا کرتا ہے تو اسے پتھروں سے مارا جائے گا یہاں تک کہ وہ مرجائے۔ اور اس طرح اُس کا خون حلال ہوجاتا ہے۔

یہ ہیں وہ امور جن سے مسلمان کا خون مباح ہوجاتا ہے: یا تو قصاص کے طور پر، جان کے بدلے جان لے کر۔ یا تو اس نے شادی کے بعد زنا کیا ہو۔ یا تو وہ مرتد ہو جس نے نواقض اسلام میں سے

کسی ناقض کا ارتکاب کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کر دو۔'' (بخاری: ۲۸۵۴)

اور اسی حدیث میں ہے کہ: ''اپنے دین (اسلام) کو چھوڑنے والا جماعت سے علاحدگی اختیار کرنے والا ہے۔'' (بخاری: ۶۴۸۴)

اس میں اُن لوگوں کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہوئے مرتد کی سزا کا انکار کرتے ہیں: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (سورہ بقرہ: 256) ترجمہ: ''دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں۔'' یہ استدلال خطا پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ مرتد کے قتل کی غرض اسے دین پر مجبور نہیں کرنا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دین کو اس شخص سے جو اپنی مرضی سے اس میں داخل ہوا تھا اور پھر اس دین کے برحق ہونے کی گواہی دینے کے بعد اس کو چھوڑ دیا، ایسے شخص کے ہاتھوں کھلونا بننے سے بچانا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جو مسلمان گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو اس کا خون حلال نہیں ہے**) مسلم وہ ہے جو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن ان دونوں گواہیوں کے ساتھ عمل کرنا: نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور اگر سفر حج کی استطاعت ہو تو اللہ کے گھر کا حج کرنا۔ یہ سارے اعمال ضروری ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور جو اس کے سوا ہو تو قیامت تک ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے**) ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ مسلمان کے خون کو مباح قرار دیا جائے۔ الاّ یہ کہ وہ سرکشی کرے یا لوگوں کے گھروں میں ڈکیتی کرے یا رہزنی کرے یا ولی امر کے خلاف بغاوت کرے یا اس کے علاوہ جو کچھ ہو تو ایسی صورت میں اس شر کو ختم کرنے کے لئے اسے قتل کیا جائے گا۔ جبکہ شر کا خاتمہ اس کے قتل کے بغیر ممکن نہ ہو۔

{50} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَكُلُّ شَيْءٍ مِمَّا أَوْجَبَ اللهُ عَلَيْهِ الْفَنَاءَ يَفْنٰى، إِلَّا الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَالْعَرْشَ وَالْكُرْسِيَّ، وَالصُّوْرَ وَالْقَلَمَ وَاللَّوْحَ، لَيْسَ يَفْنٰى شَيْءٌ مِنْ هٰذَا أَبَدًا، ثُمَّ يَبْعَثُ اللهُ الْخَلْقَ عَلٰى مَا أَمَاتَهُمْ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَيُحَاسِبُهُمْ بِمَا شَاءَ، فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ، وَيَقُوْلُ لِسَائِرِ الْخَلْقِ مِمَّنْ لَمْ يَخْلُقْ لِلْبَقَاءِ: كُوْنُوْا تُرَابًا)

ترجمہ: ''ہر وہ چیز جس کا فنا ہونا اللہ نے واجب قرار دیا ہے وہ فنا ہو جائے گی، سوائے جنت و جہنم، عرش اور کرسی، قلم اور لوح یہ سب کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ پھر قیامت کے دن اللہ مخلوق کو اس چیز پر پیدا کرے گا جس پر ان کی موت ہوئی تھی اور ان کا جیسے چاہے گا حساب لے گا۔ ایک جماعت جنت میں جائے گی تو دوسری جماعت جہنم میں۔ اور پھر اس کے بعد ان ساری مخلوق کو جنہیں بقاء کے لئے پیدا نہیں کیا، کہے گا: تم مٹی ہو جاؤ۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**ہر وہ چیز جس کا فنا ہونا اللہ نے واجب قرار دیا ہے وہ فنا ہو جائے گی**)

اللہ کا فرمان ہے: **﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾** (سورہ رحمٰن: 26-27) ترجمہ: ''ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے۔ اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔'' ہر مخلوق فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ ہی باقی رہے گا۔

اللہ کا یہ بھی فرمان ہے کہ: **﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾** (سورہ آل عمران: 185)
ترجمہ: ''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔''

اللہ کا یہ بھی فرمان ہے کہ: **﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾** (سورہ زُمر: 68) ترجمہ: ''اور اُس روز صُور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر

کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اُن کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔" (**سوائے اُن کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے۔**) کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے: فرشتے یا جنت کی حوریں۔ **واللہ اعلم۔**

پس ساری مخلوق کو موت دے دی جائے گی پھر وہ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ **﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾** (سورہ مومنون: 15-16) ترجمہ: "پھر اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے، پھر قیامت کے روز یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے۔" پس مسلمان موت کو یاد کرتا رہتا ہے اور اس کے لئے اعمال صالحہ کر کے تیاری کرتا ہے، اللہ سے حُسن خاتمہ کا سوال کرتا ہے اور گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ یہی موت کا یاد کرنے کا فائدہ ہے۔ جب وہ موت کو یاد کرتا ہے تو اس کے لئے تیاری کرتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لذتوں کو ختم کر دینے والی موت کو یاد کیا کرو، کیونکہ اگر تم اسے کثرت میں یاد کرو گے تو وہ اسے کم کر دے گا اور اگر قلت میں یاد کرو گے تو وہ اسے زیادہ کر دے گا۔" (رواه احمد (292/2)، والترمذی: 2307، وابن ماجة: 4258، والنسائی: 1824) اسلئے کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ موت سے غفلت برتے، بلکہ اسے ہمیشہ یاد کرتا رہے اور اس کیلئے تیاری کرتا رہے۔

اور دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان رکھنا، جس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر رب العٰلمین کے سامنے پیش ہوں گے: **﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾** (سورہ زُمر: 68) ترجمہ: "پھر ایک دُوسرا صُور پھونکا جائے گا اور یکا یک سب کے سب اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔" اُن کے جسموں کو قبروں سے نکالنے کے بعد اُن کی روحوں کو لوٹایا جائے گا۔ پھر انہیں محشر کے میدان کی طرف لایا جائے گا۔ آخر کار وہ آخرت کے ان خطرات سے نبرد آزما ہوں گے یہاں تک کہ وہ جنت میں قرار پائیں گے یا جہنم میں۔ اس لئے کہ جنت و جہنم ہی ہمیشگی کا ٹھکانہ ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**سوائے جنت و جہنم اور عرش و کرسی کے**) اس لئے کہ یہ دونوں کبھی فنا

نہیں ہوں گے اور نہ ختم ہوں گے۔ اللہ نے انہیں بقاء کے لئے پیدا کیا ہے۔ البتہ آسمان و زمین کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ آسمان پھٹ پڑیں گے، زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور عالم تبدیل ہو جائے گا: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (سورہ ابراہیم: 48) ترجمہ: "اس دن زمین اور آسمان بدل دیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔" البتہ عرش تبدیل نہیں کیا جائے گا۔ اور جنت وجہنم نہ تو فنا ہوں گی اور نہ ہی بدلی جائیں گی۔

(اور کرسی) یہ عرش سے الگ ہے۔ عرش تو اس سے بہت بڑا ہے۔ کرسی آسمان و زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور عرش کرسی سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(اور صُور)** صور وہ قرن ہے جو اسرافیل فرشتے کے پاس ہے، اس میں سے ارواح کو پھونکا جائے گا تو وہ روحیں اُڑتی ہوئیں اپنے جسموں میں آجائیں گی اور اللہ کی اجازت سے وہ جسم زندہ ہو جائیں گے: ﴿ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ (سورہ زُمر: 68) ترجمہ: "پھر ایک دُوسرا صُور پھونکا جائے گا اور یکا یک سب کے سب اُٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(قلم اور لوح)** لوح محفوظ، اور قلم: وہ ہے جس سے اللہ نے تقدیر کو لکھا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(ان میں سے کوئی چیز کبھی فنا نہیں ہوں گی)** ان چیزوں کو اللہ نے بقاء کے لئے پیدا کیا ہے: عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، جہنم اور ارواح پیدا ہونے کے بعد فنا نہیں ہوں گی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ **(پھر قیامت کے دن اللہ مخلوق کو اس چیز پر پیدا کرے گا جس پر ان کی موت ہوئی تھی)** یعنی: کفر یا ایمان جس پر بھی ان کی موت ہوئی تھی۔ ہر کوئی اپنے عمل پر اٹھایا جائے گا۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھنا یہ ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک رکن

ہے۔ بہت ساری آیات میں آخرت پر ایمان کو اللہ پر ایمان کے ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

بعث یہ ہے کہ: لوگوں کو مرنے کے بعد آخرت میں دوبارہ زندہ کرنا۔ انہیں دنیا میں عمل کی خاطر زندگی دی گئی تھی۔ پھر مرنے کے بعد انہیں زمین میں دفن کیا گیا۔ اور وہ زمین میں جب تک اللہ چاہے گا انتظار کرتے ہوئے باقی رہیں گے اور یہ برزخی ٹھکانہ ہے جو دنیا و آخرت کے درمیان حد فاصل ہے۔ پھر وہ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ وہ زندہ ہو کر اسی طرح کھڑے ہوں گے جیسے کہ وہ پہلے تھے۔ ان کی خلقت کی کوئی ضائع نہیں ہوگی۔ پھر ان کے جسموں میں روح کو لوٹایا جائے گا۔ اور اس کے بعد دنیا میں جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل کیا تھا ان کے بدلے کے لئے محشر میں جمع ہوں گے۔ ﴿وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (سورہ یٰس: 54) ترجمہ: ''اور تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا جیسے تم عمل کرتے رہے تھے۔''

کسی کو بھی کسی دوسرے کے عمل کا بہتر بدلہ نہیں دیا جائے گا یا دوسرے کے عمل کی سزا انہیں ملے گی: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ (سورہ انعام: 164) ترجمہ: ''کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔'' ہر کسی کو اسی کی اچھائی یا برائی کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ اللہ کا عدل ہے۔ انہیں بغیر بدلہ دئے چھوڑا بھی نہیں جائے گا۔ اگر وہ نیک ہیں تو انہوں نے اس دنیا میں اعمال اور عبادت کر کے اپنے نفس کو تھکایا ہے۔ -اللہ کی پناہ- یا تو پھر اگر وہ کافروں میں سے ہیں تو اپنے نفس کو کفر، شرک، فسق اور زمین میں فساد بپا کرنے میں تھکایا۔ انہیں بھی بدلہ دئے بغیر چھوڑا نہیں جائے گا۔ یہ اللہ کا عدل ہے۔ تو یہاں اس قول کا مطلب ہوا: ہر کسی کو اس کا عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ جب ایسا ہی ہونے والا ہے تو بندے پر واجب ہوتا ہے کہ اپنے عمل پر غور کرے جب تک کہ وہ زندہ ہے: جو اچھائی ہے تو وہ اس کے لئے زادِ راہ ہے۔ اور جو برائی ہے تو اس کے بارے میں جس قدر ممکن ہو سکے اللہ سے توبہ کرے اور اس سے چھٹکارہ پالے۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ

لِغَدٍ﴾ (سورہ حشر: 18) ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے (اچھی طرح جائزہ لے) کہ اُس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے۔" اس دنیا میں اپنے نفس کا محاسبہ کر لیجئے اس سے پہلے کہ آپ کا حساب لیا جائے۔ اپنے نفس کا اعمال سے متعلق محاسبہ کر لیں اور اس پر غور کریں جو بھی بگاڑ ہو اس کی اصلاح کر لیں۔ اور جتنا ممکن ہو سکے خیر کے کام کریں۔ غفلت سے باز آجاؤ۔ یہی ایک سمجھدار سے مطلوب ہے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**اَلْكَيِّسُ**) یعنی: سمجھدار (**مَنْ دَانَ نَفْسَهُ**) یعنی: اپنے نفس کا محاسبہ کرے (**وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ**) اور مرنے کے بعد کام آنے والے اعمال کی تیاری کرے۔" یہ سمجھدار آدمی ہے۔ (**وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا**) اور عاجز (نکما، بے وقوف) وہ ہے جس نے (اس دنیا میں ہی) اپنی خواہشات (کی تکمیل) میں نفس کو تھکا دیا۔" (**وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ**) اور اللہ سے خوب امیدیں وابستہ کر لیں۔" (رواہ احمد (124/4)، والترمذی: 2459، وابن ماجۃ: 4260) بنا کسی عمل کئے جنت اور نجات کا خواہش مند ہے۔ اللہ کی پناہ! یہ عاجز ہے۔ یہ قابل مذمت عاجزی ہے۔ یہاں عاجزی سے مراد حسّی عاجزی نہیں ہے جس پر بندہ قدرت نہ رکھے یا اس عمل کے کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو۔ یہ تو قابل مؤاخذہ نہیں ہے: **﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾** (سورہ بقرہ: 286) ترجمہ: "اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔" لیکن یہ شخص تو قدرت رکھتا ہے اور مستطیع بھی ہے۔ اس کے باوجود سستی والی عاجزی اختیار کی اور کوئی پرواہ نہ کی۔ یہی ہے وہ عاجز۔ اس کے باوجود وہ خواہش مند ہے کہ آخرت میں وہ بغیر عمل کئے جنتیوں میں شامل ہو گا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ بغیر عمل کے اہل جنت میں شامل ہو جائے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**جس سے چاہے گا حساب لے گا، ایک جماعت جنت میں جائے گی تو دوسری جہنم میں**) ان کے اعمال کے مطابق حساب لے گا اور حساب: اعمال کے بارے میں پوچھ تاچھ کو کہتے ہیں۔

لوگوں کی کئی اقسام ہوں گی:

مومنوں میں کچھ ایسے ہوں گے جن کا حساب نہیں ہوگا، وہ جنت میں بغیر حساب و عذاب کے داخل ہوں گے۔

اور اُن میں کچھ ایسے ہوں گے: جن کا آسان سا حساب ہوگا اور وہ ہے صرف (نامۂ اعمال کا) پیش کیا جانا۔

اور اُن میں کچھ ایسے ہوں گے جن کا حساب سختی سے ہوگا: اور "جس کا حساب سختی سے ہوگا تو اسے عذاب دیا جائے گا۔" (بخاری:۱۰۳) اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

اور کافر کا حساب وزن سے نہیں کیا جائے گا۔ اس کا حساب صرف ثابت کرنے کے لئے ہوگا کہ اسے اس کے کفریہ اور شرکیہ اعمال پر مطلع کر دیا جائے گا تاکہ وہ اس کا اقرار کرے اور اسے کبھی بھی انکار کی جرأت نہ ہو سکے۔ پھر اسے دھکے دے کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(**ایک جماعت جنت میں جائے گی تو دوسری جماعت جہنم میں**) یہ اس آیت سے ماخوذ ہے: **﴿وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ﴾** (سورہ شوریٰ: 7) ترجمہ: "جمع ہونے کے دن سے ڈرا دو جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں۔" (**ایک گروہ کو جنت میں جانا ہے**) اور یہ اہل ایمان کا گروہ ہوگا۔ (**اور دوسرے گروہ کو دوزخ میں**) اور یہ اہل کفر اور سرکشوں کا گروہ ہوگا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اور ان ساری مخلوق کو جنہیں بقاء کے لئے پیدا نہیں کیا، کہے گا کہ: تم سب مٹی ہو جاؤ**) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدمیوں، جانوروں اور پرندوں کو جمع کرے گا: **﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾** (سورہ انعام: 38) ترجمہ: "زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اُڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو، یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں، ہم نے

ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، پھر یہ سب اپنے رب کے پاس اکٹھا کئے جائیں گے۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ (سورہ تکویر:5) ترجمہ: "جب جنگلی (وحشی) جانور سمیٹ کر اکٹھے کر دیے جائیں گے۔" قیامت کے دن مخلوق کو اُن کے درمیان عدل کرنے کے لئے جمع کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ بعض سے بعض کا قصاص لیا جائے گا۔ بعض جانور دوسرے جانور سے قصاص لیں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ بغیر سینگ والی بکری کو سینگ والی بکری نے مارا ہوگا اس سے بھی قصاص لیا جائے گا۔ (مسلم:۲۵۸۲) پھر جب بعض بعض سے قصاص لے لیں گے تو اللہ کہے گا: تم مٹی ہو جاؤ، اس لئے کہ تمہیں آخرت میں باقی رکھنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا تھا۔ تمہیں تو صرف بدلے کے لئے دوبارہ پیدا کیا گیا تھا۔ یہ اللہ کا عدل ہوگا، اس کو دیکھ کر کافر کہے گا: ﴿يَٰلَيْتَنِي كُنتُ تُرَٰبًا﴾ (سورہ نبا:40) ترجمہ: "کاش! میں خاک ہوتا!" جب حیوانات سے کہا جائے گا کہ: تم مٹی ہو جاؤ تو کافر بھی تمنا کرے گا کہ کاش میں بھی انہی کی طرح ہو جاتا۔

۞۞۞

{51} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِالْقِصَاصِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْنَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ، بَنِيْ آدَمَ وَالسِّبَاعِ وَالْهَوَامِّ، حَتَّى لِلذَّرَّةِ مِنَ الذَّرَّةِ، حَتَّى يَأْخُذَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ، لِأَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَأَهْلِ النَّارِ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، وَلِأَهْلِ الْجَنَّةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ، وَلِأَهْلِ النَّارِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ)

ترجمہ: ''قیامت کے دن تمام مخلوق کے درمیان قصاص پر ایمان رکھنا۔ بنی آدم، درندے اور کیڑے مکوڑے یہاں تک چیونٹی کا چیونٹی سے قصاص لیا جائے گا۔ اللہ عزوجل بعض سے بعض کا انتقام لے گا۔ اہل جنت کا قصاص اہل جہنم سے لیا جائے گا۔ اہل جہنم کا قصاص اہل جنت سے لیا جائے گا۔ بعض اہل جنت کا انہی میں سے بعض سے قصاص لیا جائے گا اور اہل جہنم میں سے بعض سے بعض کا قصاص لیا جائے گا۔''

الشرح:

یہ بات پہلے ہی گزر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بنی آدم کو نیکیوں اور گناہوں کے بدلے کی خاطر پیدا کرے گا۔ اور یہ پیدا کرنا بنی آدم اور جانوروں کے درمیان قصاص کی نسبت سے بھی ہوگی۔ البتہ جانوروں کو صرف قصاص کے لئے پیدا کیا جائے گا۔ اور بنی آدم کو ان کے آپس کے بدلے اور قصاص کے لئے پیدا کیا جائے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**قیامت کے دن تمام مخلوق کے درمیان قصاص پر ایمان رکھنا۔ بنی آدم، درندے اور کیڑے مکوڑوں سے بھی قصاص لیا جائے گا۔**) ہر کسی کو قصاص کے لئے پیدا کیا جائے گا۔ البتہ جب جانوروں کا آپسی قصاص ہو جائے گا تو اخیر میں کہا جائے گا کہ اب تم مٹی ہو جاؤ۔ اور بنی آدم کی دو جماعتیں ہوں گی: ایک جنتی اور دوسری جہنمی۔ اور اس کے بعد انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہمیشہ

ہمیش کے لئے یا تو جنت میں رہیں گے یا پھر جہنم میں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**یہاں تک چیونٹی کا چیونٹی سے انتقام لیا جائے گا**) **ذَرَّۃٌ**: چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں۔ان کا بھی بعض کا بعض سے انتقام لیا جائے گا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ظلم کو ہمیشہ کے لئے قرار نہیں دیتا۔وہ تو سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔وہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے تو ظلم کو کیونکر باقی رکھے گا۔ یہاں تک کہ وہ قیامت کے دن جانوروں اور چیونٹی کو پیدا کرے گا پھر بعض کا بعض سے انتقام لے گا۔

مومنوں کے درمیان قیامت کے دن لوگوں کے حقوق کے تعلق سے سب سے پہلے خون کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔جب وہ پُل صراط پار کرلیں گے تو جنت میں داخل ہونے سے قبل بعض کا بعض سے قصاص لیا جائے گا۔انہیں وہاں روک لیا جائے گا اور بعض کا بعض سے بدلہ لیا جائے گا۔جب وہ ان سب معاملات سے پاک وصاف ہوجائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔اس لئے کہ جنت میں ایسا کوئی بھی شخص داخل نہیں ہوگا جس پر ہمیشہ کے لئے ظلم (کا داغ) لگا ہوا ہو۔اس لئے کہ جنت پاکیزہ لوگوں کا ٹھکانہ ہے۔اس میں صرف پاکیزہ لوگ ہی داخل ہوں گے جن پر کوئی حساب باقی نہیں ہوگا اور نہ کسی کا کچھ لین دین اور نہ ہی کوئی اور گناہ۔ یہاں تک گناہ گار مومن کو جہنم میں اس کے گناہ کے برابر عذاب دیا جائے گا یا اللہ اس کو اپنی مشیئت سے معاف کردے: ﴿**اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ**﴾ (سورہ نساء: 48) ترجمہ: ''اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے، ہاں! اس کے سوا جو گناہ ہیں اگر وہ چاہے تو معاف کردے۔'' اگر وہ چاہے تو بخش دے اور اگر چاہے تو اس کے گناہ کی بقدر عذاب دے یہاں کہ اسے گناہوں سے پاک وصاف کردے اور پھر جنت میں داخل کرے۔پس جنت میں یا تو قصاص کے ذریعہ یا تو عذاب کے ذریعہ پاک وصاف ہونے والا شخص ہی داخل ہوگا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ (**اللہ عزوجل بعض سے بعض کا انتقام لے گا۔اہل جنت کا قصاص اہل**

جہنم سے لیا جائے گا۔ اہل جہنم کا قصاص اہل جہنم سے لیا جائے گا۔) اگر کسی مومن نے کافر پر ظلم کیا ہے تو قیامت کے دن اس سے کافر کے لئے بدلہ لیا جائے گا۔ اور اس کے برعکس بھی یعنی: اگر کسی کافر نے مومن پر ظلم کیا ہے تو قیامت کے دن مومن کے لئے اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ کسی بھی شخص کو اس حال میں نہیں چھوڑا جائے گا اس پر ظلم کا بدلہ لینا باقی رہ گیا ہو۔ یہاں تک کہ مومن سے مومن کے لئے بدلہ لیا جائے گا۔

{52} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ)

ترجمہ: ''عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا''

الشرح:

عمل کو خالص اللہ کے لئے کرنا، وہ اس طرح کے اس میں شرک نہ پایا جائے۔ اللہ صرف اسی عمل کو قبول کرتا ہے جو صرف اس کی خوشنودی کی خاطر کیا گیا ہو، اس میں شرک نہ ہو۔ یہ عمل کے قبول ہونے کی دو شرطوں میں سے ایک ہے۔

دوسری شرط: تابعداری اور سنت کے مطابق عمل کرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے عین مطابق ہو۔ اس میں بدعت نہ ہو، اس لئے کہ اللہ بدعت کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے کرنے پر سزا دیتا ہے۔ اگر انسان اپنے آپ کو ایسے عمل میں تھکا بھی دے جس میں وہ اللہ کے لئے مخلص نہیں تھا تو وہ عمل بکھرے ہوئے ذرات کی (مانند) ہے۔ اور اگر انسان خود کو ایسے عمل میں تھکا دے جو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی) سنت کے موافق نہیں ہو تو وہ مردود ہے۔ عمل انہی دونوں شرطوں کے ساتھ قبول ہوگا (جب کہ وہ): خالص اللہ کے لئے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے موافق ہو۔

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ: 111-112) ترجمہ: ''ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو۔ یہ اُن کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو، اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے

ہو۔ دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی۔ کیوں نہیں، ("**بلیٰ**: کیوں نہیں: یہ ان کی تردید کے لئے ہے، یعنی: وہ شخص اللہ کی جنت میں داخل ہوگا۔) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے، اس کے لیے اس کے رب کے پاس اُس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔"

﴿**مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ**﴾ یعنی: جس نے اپنے عمل کو خالص اللہ کے لئے کیا۔ ﴿**وَهُوَ مُحْسِنٌ**﴾ یعنی: یہود، نصاریٰ اور تمام عالم میں سے ہر کوئی جو رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرنے والا ہو۔ (ہر کسی کے عمل کی قبولیت کی) یہی دونوں شرطیں ہیں: (عمل کو) خالص (اللہ کے لئے کرنا) اور (رسول اللہ ﷺ کی سنت کی) تابعداری کرنا۔

{53} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالرِّضَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ)

ترجمہ: "اور اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا۔"

الشرح:

(اللہ کے فیصلے پر راضی ہونا) قضاء وقدر پر ایمان رکھنا ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک رکن ہے، "کہ تم ایمان رکھو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی نازل کردہ کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر۔" (مسلم:۸)

اور وہ یہ ہے کہ: تم اعتقاد رکھو کہ اللہ نے اشیاء کا اندازہ لگایا، ازل میں اس کا فیصلہ کیا، اسے لوح محفوظ میں لکھا، اس کی تخلیق کی اور اپنی مشیئت سے اس کو وجود بخشا۔

قضاء اور تقدیر پر ایمان رکھنا چار مراتب پر مشتمل ہے:

پہلا مرتبہ: علم کا مرتبہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ازلی علم کے ذریعہ چیزوں کو اس کے وجود سے قبل ہی جانتا ہے۔

دوسرا مرتبہ: اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ نے اشیاء کے وجود سے قبل ہی انہیں لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (سورہ حدید: 22) ترجمہ: "کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اُس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتۂ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔"

تیسرا مرتبہ: یہ ایمان رکھنا کہ اللہ نے ارادہ کیا اور یہ حوادث اس کی مشیئت کے مطابق ہیں: کفر، ایمان، اطاعت و معصیت، نیکی اور گناہ، خیر و شر، ہر چیز اللہ کی مشیئت سے ہے اور اس نے ارادہ کونیہ سے ایسا کیا۔ جو وہ نہ چاہے وہ اس کی ملکیت میں ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اس کی چاہت بھلائی اور ایمان ہے۔ اور اس نے حکمت کے تحت اور آزمائش و امتحان کے لئے شر کا ارادہ کیا۔ پس اللہ خیر کو چاہتا ہے اور اسے ہی محبوب و پسندیدہ رکھتا ہے۔ اگر صرف خیر ہی ہوتا تو کسی کی تمییز نہیں ہو سکتی تھی اور نہ آزمائش و امتحان ہوتا۔ سارے لوگ نیک ہوتے۔ اور اگر صرف شر ہی ہوتا تو عمل صالح کے ذریعے کسی کی تمییز نہ ہوتی۔ یہ اللہ نے اس لئے عطا کیا کہ وہ اپنے بندوں کو آزمائے تاکہ خبیث میں سے پاک الگ ہو جائے اور مومن کافر سے الگ ہو جائے۔ یہی تو آزمائش اور امتحان ہے جس سے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں۔ اللہ نے یہ سب بیکار پیدا نہیں کیا ہے۔

چوتھا مرتبہ: تخلیق اور وجود بخشنا اور ہر چیز کو اللہ نئے سرے سے وجود میں لاتا ہے اور وہی اس کا خالق ہے۔ بندوں کے افعال اللہ کی مخلوق ہیں اور وہ بندے کے کام ہیں۔ یہ اللہ کی تخلیق ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ﴾** (سورہ زُمر: 62) ترجمہ: ''اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' نیز اس کا فرمان ہے: **﴿وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ﴾** (سورہ یٰس: 81) ترجمہ: ''اور وہ ماہر خلّاق، ہر چیز کو جاننے والا ہے۔'' **﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾** (سورہ صٰفّٰت: 96) ترجمہ: ''اللہ نے تمہیں اور تمہارے کاموں کو پیدا کیا۔'' تو یہ اللہ کی مخلوق ہے اور وہ اپنے اختیار اور ارادوں سے بندوں کے افعال اور ان کی کاوش ہے۔

پس مومن ان چار مراتب پر ایمان رکھتا ہے: علم، کتابت (یہ کہ تقدیر پہلے سے ہی لکھی ہوئی ہے)، مشیئت و ارادہ، تخلیق و ایجاد (وجود بخشنا)۔

پھر مومن مصیبت کے وقت قضاء و قدر پر راضی ہوتا ہے۔ نہ تو وہ جزع کرتا ہے اور نہ ہی ناراض ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو جزع فزع سے روک لیتا ہے۔ اور غیر اللہ کے سامنے اپنے زبان کو شکوہ کرنے

سے باز رکھتا ہے اور اپنے ہاتھ کو گال پیٹنے اور گریبان چاک کرنے سے روک لیتا ہے۔ یہی سب تو قضاء وقدر پر راضی ہونے (کی دلیل) ہے۔ جان لو کہ: ''جو تمہیں مل گیا وہ تم سے خطا کرنے والا نہیں تھا اور جو خطا کر گیا وہ تم تک پہنچنے والا نہیں تھا۔'' (ابن ماجہ:۷۷) جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اور اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

{54} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالصَّبْرُ عَلَى حُكْمِ اللّٰهِ)

(٥٥)(وَالْإِيْمَانُ بِأَقْدَارِ اللّٰهِ كُلِّهَا، خَيْرِهَا وَشَرِّهَا، حُلْوِهَا وَمُرِّهَا)

(٥٦)(وَالْإِيْمَانُ بِمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ، قَدْ عَلِمَ اللّٰهُ مَا الْعِبَادُ عَامِلُوْنَ، وَإِلَى مَا هُمْ صَائِرُوْنَ، لَا يَخْرُجُوْنَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ، وَلَا يَكُوْنُ فِي الْأَرْضِيْنَ وَلَا فِي السَّمَاوَاتِ إِلَّا مَا عَلِمَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ)

ترجمہ: ''اللہ کے حکم پر صبر کرنا (قائم رہنا)۔''

''اور اللہ کی تمام تقدیر اچھی اور بری، میٹھی اور کڑوی پر ایمان رکھنا۔''

''اور اللہ نے جو کچھ فرمایا اس پر ایمان رکھنا۔ یقیناً اللہ جانتا ہے کہ بندے کیا کرنے والے ہیں اور کدھر جانے والے ہیں۔ وہ اللہ کے علم کے باہر نہیں ہیں اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ کے علم میں ہے۔''

الشرح:

اس کا تذکرہ قضاء وقدر پر ایمان کے پہلے درجے میں گزر چکا ہے۔

قضاء و قدر کے ذریعہ مصیبت میں حجت پکڑنا جس میں انسان کو اختیار نہیں ہوتا، یہ محمود (پسندیدہ) ہے، اس لئے کہ (ایسی صورت میں) رضا اور تسلیم پر دلیل پکڑی جارہی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝ الَّذِيْنَ إِذَآ أَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (سورہ بقرہ: 155-156) ترجمہ: ''اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے جنہیں جب کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' البتہ قضاء وقدر کے ذریعہ ان گناہوں پر دلیل پکڑنا جو بندوں کے اختیار میں ہوتے ہیں

اور انہی کے کام ہوتے ہیں، ان معاملات میں ان کے لئے تقدیر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ انہیں ان کے گناہوں اور کوتاہیوں کی سزا دی جائے گی اور توبہ کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے۔ باوجود اس کے کہ اللہ سے جھگڑتے ہوئے کہو: اللہ تو نے تقدیر میرے خلاف کیوں بنائی؟ اور توبہ کرنا چھوڑ دو، یہ تو قابل مذمت لاپرواہی ہے۔ توبہ واستغفار میں جلدی کرو اور اپنے نفس کو ملامت کرو۔ یہی تو بندے سے مطلوب ہے کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لے: ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (سورہ حشر: 18) ترجمہ: "اور ہر شخص یہ دیکھے (اچھی طرح جائزہ لے) کہ اُس نے کل کے لیے کیا سامان کیا ہے؟" اپنے اعمال پر نظر دوڑاؤ، تمہارے لئے ممکن ہے کہ اسے بدل سکو اور اس سے توبہ واستغفار کرسکو۔ رہی بات قضاء وقدر کی تو وہ اللہ کا معاملہ ہے آپ کا نہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**اللہ کے علم سے باہر نہیں نکل سکتے**) اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ کافر کے کفر کو، فاسق کے فسق کو اور ظالم کے ظلم کو جانتا ہے، (کوئی چیز) اس سے مخفی نہیں۔ وہ اطاعت کرنے والے کی فرمانبرادری اور اس کے عمل کو جانتا ہے۔ وہ سب چیز کو جاننے والا ہے۔ (سب کچھ جاننے کے باجود) وہ انہیں ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرسکیں، شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔ اگر وہ توبہ کرلیں (تو ٹھیک ہے) ورنہ ان کے سامنے حساب (کا مرحلہ) ہے۔ پس اللہ انہیں کبھی مہلت نہیں دے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**اللہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے**) اس کے بارے میں پہلے ہی بات گزر چکی ہے۔ اللہ کو ہر چیز کا علم ہے، جو ماضی میں تھی اور جو مستقبل میں ہونے والی ہے، اللہ نے ہر چیز کا احاطہ اپنے علم کے ذریعہ کر رکھا ہے، اس سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ اس کو جانتا ہے، قدرت رکھتا ہے، اس کو لکھ رکھا ہے، اس کی مشیئت ہے، اس کا ارادہ ہے اور اسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔

{57} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَتَعْلَمْ اَنَّ مَا اَصَابَکَ لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَکَ، وَمَا اَخْطَاَکَ لَمْ یَکُنْ لِیُصِیْبَکَ)

(۵۸)(وَلَا خَالِقَ مَعَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ)

ترجمہ: ''اور جان لو کہ جو تمہیں مل گیا وہ تم سے خطا کرنے والا نہیں تھا اور جو تم سے خطا کر گیا وہ تمہیں ملنے والا نہیں تھا۔''

''اور اللہ کے ساتھ کوئی بھی خالق نہیں۔''

الشرح:

یہ حدیث کا نص ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''جان لو کہ جو تم سے خطا کر گیا وہ تمہیں ملنے والا نہیں تھا اور جو تمہیں مل گیا وہ تم سے خطا کرنے والا نہیں تھا۔'' (کتاب القدر للفریابی: حدیث نمبر ۱۵۷)

''**جو تم سے خطا کر گیا وہ تمہیں ملنے والا نہیں تھا**'' گرچہ تم اس کے حریص تھے اور اس چیز کی تمہیں چاہت بھی تھی، اس کے باوجود وہ تم سے خطا کر گیا تو جان لو کہ اللہ نے اسے تمہارے مقدر میں نہیں رکھا تھا۔''**اور جو تمہیں مل گیا وہ تم سے خطا کرنے والا نہیں تھا۔**'' پس ایسا نہ کہو: اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو اس طرح مجھے مل جاتا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**اور اللہ کے ساتھ کوئی خالق نہیں**) یہ قضاء و قدر کے مراتب کے تابع ہے۔ اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ: بندہ اپنے کام کا خالق ہے، پس اللہ تخلیق میں تنہا ہے۔ کوئی بھی اس کے ساتھ تخلیق نہیں کرتا۔ پس اللہ اکیلے تخلیق کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿**قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ**

لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۖ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ (سورہ احقاف: 4) ترجمہ: ''اے نبی ﷺ، اِن سے کہو، '' کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق و تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اِس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ (ان عقائد کے ثبوت میں) تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ اگر تم سچے ہو۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ (سورہ حج: 73) ترجمہ: ''اللہ کے سوا جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے ہیں، چاہے اس کے لئے سبھی اکٹھے ہو جائیں۔''

﴿اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (سورہ رعد: 16) ترجمہ: ''کیا ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب۔''

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اپنے فرمان میں مصوروں کے بارے میں فرمایا: **''پس اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو میری مخلوق کی طرح تخلیق کی کوشش کرے۔''** اس معنیٰ میں کہ: وہ اس شکل کے ایجاد کرنے کی کوشش کرے جسے اللہ نے پیدا کیا ہے: **''پس انہیں چاہئے کہ وہ کوئی دانہ یا جو پیدا کر دکھائیں۔''** اور ایک روایت میں ہے: **''یا ایک چیونٹی پیدا کر دکھائیں۔''** (بخاری: ۵۹۵۳) کوئی بھی اس کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اور اگر ان کی تصویر کی استطاعت نہیں رکھتے تو اس میں زندگی کے وجود بخشنے کی بھی طاقت نہیں۔

پس زندگی یہ اللہ کی تخلیق ہے، کوئی بھی اس کی استطاعت نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر وہ ایک باریک شکل بھی بنائیں تو اس میں روح پھونکنے کی ان میں طاقت نہیں اور نہ ہی اس میں زندگی کو وجود

بخش سکتے ہیں۔ یہ اللہ کی تخلیق ہے۔اسی لئے مصوروں کو قیامت کے دن کہا جائے گا: ''**جس کو تم نے تخلیق کیا ہے اسے زندہ کرو۔**'' (بخاری:۲۱۱۲) یہ ان کی عاجزی کے باب سے ہے اور ان کو تکلیف دینے کے لئے ہے۔

{172} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالتَّكْبِيرُ عَلَى الْجَنَائِزِ أَرْبَعٌ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالْحَسَنِ بْنِ صَالِحٍ وَأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَالْفُقَهَاءِ، وَهٰكَذَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ)

ترجمہ: ''جنازہ پر چار تکبیرات پڑھی جائیں گی۔ یہی مالک بن انس، سفیان ثوری، حسن بن صالح، احمد بن حنبل اور فقہاء کا قول ہے۔ اور ایسا ہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان بھی ہے۔''

الشرح:

یہ ایک فروعی مسئلہ ہے لیکن اسے یہاں اس بارے میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے ذکر کیا ہے۔ اور تاکہ اس بارے میں سنت کی وضاحت ہو جائے۔ اس لئے کہ اس کتاب کا نام ''**شرح السنة**'' ہے، اور اہل سنت والجماعت اور ائمہ کے نزدیک مشہور ہے کہ: جنازہ پر چار تکبرات پڑھی جائیں گی، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: ''کہ نبی اکرم ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی تو اس میں چار تکبیرات پڑھیں۔'' (بخاری:۱۱۸۸)

اکثر احادیث چار تکبیرات سے متعلق ہی ہیں۔ بعض میں پانچ یا اس سے زیادہ کی زیادتی ہے۔ لیکن جس پر مسلمانوں کا اجماع ہے وہ چار ہیں۔ اور اس سے جو زائد ہیں تو اس پر اختلاف ہے۔ مسلمان وہ نہیں ہے جو اختلاف میں پڑے اور جس پر اجماع ہو چکا ہو اور جس پر اتفاق ہو چکا ہو اسے چھوڑ دے۔ اور نہ ہی لوگوں کو تشویش میں مبتلا کرتا ہے۔ خاص طور پر مساجد کے ائمہ لوگوں کو تشویش میں مبتلا نہ کریں۔ اس لئے کہ لوگ چار سے زائد تکبیرات کے عادی نہیں ہیں۔ اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو خود کے لئے کرو، شاذ اقوال اور اختلافی روایات پیش کر کے لوگوں میں تشویش پیدا نہ کرو۔ یہ طالب علموں کی شان نہیں ہے۔ طالب علم لوگوں کے درمیان الفت پیدا کرتے ہیں، انہیں تشویش میں مبتلا نہیں کرتے اور

اسی پر عمل کرتے ہیں جس پر اجماع ہے۔ اسی بات کا سختی سے التزام کرتے ہیں اس لئے کہ یہی مطلوب ہے۔ اور چار تکبیرات کے لانے کی مؤلف کی غرض ہی یہی ہے اس لئے کہ اسی پر اتفاق ہے۔ اس پر زیادتی کر کے لوگوں کو تشویش میں مبتلا نہ کیا جائے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**یہی مالک بن انس، سفیان ثوری، حسن بن صالح اور احمد بن حنبل کا قول ہے۔**)

مالک بن انس: امام دار الہجرت اور ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔

سفیان ثوری: سفیان بن سعید الثوری، ائمہ فقہ کے مشہور امام ہیں۔

حسن بن صالح بن حی: یہ کبار ائمہ میں سے ہیں۔

احمد بن حنبل: یہ ائمہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**اور فقہاء کا اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔**) یعنی: اور یہی سنت رسول اللہ ﷺ کی تابعداری میں اکثر فقہاء کا قول ہے۔ پس طالب علم کے لئے مناسب نہیں کہ کسی دلیل کو پیش کر کے لوگوں کو تشویش میں مبتلا کرے کہ وہ (چار سے) زائد (تکبیرات) کے کسی قول یا حدیث کو جانتا ہے۔ علماء مسائل میں اختلاف کی معرفت رکھتے تھے اور کوئی ایسی بات نہیں پیش کرتے جس سے لوگ تشویش میں مبتلا ہو جائیں اور جاری اور رائج عمل کے خلاف نہیں جاتے۔

{60} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ مَعَ كُلِّ قَطْرَةٍ مَلَكًا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ حَتّٰى يَضَعَهَا حَيْثُ أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ)

ترجمہ: ''اس بات پر ایمان رکھنا کہ ہر قطرہ کے ساتھ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوتا ہے یہاں تک کہ (اس قطرہ) کو اس جگہ رکھتا ہے جہاں اللہ نے رکھنے کا حکم دیا ہے۔''

الشرح:

اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان سے بارش کو ٹھیک حساب کے مطابق نازل کرتا ہے۔اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنّٰهُ فِي الْأَرْضِ﴾** (سورہ مومنون:18) ترجمہ: ''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اُتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرادیا۔''

اللہ ہی نے بارشوں کے نزول کا اندازہ ٹھہرایا ہے اور اس کی مقدار اور وزن کا اندازہ ٹھہرایا اور زمین کا بھی جہاں وہ بارش نازل ہوتی ہے۔وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرّف کرتا ہے۔پس اسے چلاتا ہے اور حکم دیتا ہے تو وہ برستا ہے اور حکم دیتا ہے تو رک جاتا ہے اور اس (بارش کے) ساتھ فرشتے ہوتے ہیں اور حضرت میکائیل کے وصف میں آیا ہے کہ وہ بارش اور نباتات پر تعینات ہیں۔پس فرشتے ان اعمال کو بجالاتے ہیں جن کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے اور اسی میں سے بارش بھی ہے۔

{61} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ كَلَّمَ أَهْلَ الْقَلِيْبِ يَوْمَ بَدْرٍ- أَيِ- الْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا يَسْمَعُوْنَ كَلَامَهُ)

ترجمہ: ''اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قلیب بدر والوں -یعنی- مشرکین سے بدر والے دن بات کی تو وہ آپ کی بات سن رہے تھے۔''

الشرح:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کی زندگی میں کئی) معجزات پیش آئے۔ اور معجزہ: خلاف عادت امر کو کہتے ہیں اور اس میں انسان کا کوئی عمل نہیں ہوتا، وہ تو صرف اللہ کی مخلوق ہے: **﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾** (سورہ عنکبوت: 50) ترجمہ: ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ''کیوں نہ اُتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں (معجزات) اس کے ربّ کی طرف سے؟'' کہو: ''نشانیاں (معجزات) تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔'' وہ (مشرکین) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی ایسا معجزہ پیش کریں جو اُن کی رسالت کی دلیل ہو جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے: جبکہ معجزات صرف اللہ کے پاس ہیں، رسول، اللہ کے بغیر اس کو پیش نہیں کرسکتا: **﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾** (سورہ عنکبوت: 50) ترجمہ: ''کہو: ''نشانیاں (معجزات) تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔'' وہی معجزات کا ظہور کرتا ہے اور اپنے رسولوں کے ہاتھ پر اُن کی تصدیق کے لئے جاری کرتا ہے۔ اور اسی میں سے (ایک معجزہ یہ ہے کہ): اگر تم میت سے بات کروگے تو وہ تمہاری بات نہیں سنے گا اور نہ ہی یہ جان سکے گا کہ تم نے کیا کہا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں قتل ہونے والے اُن مشرکین سے بات کی جنھوں نے آپ کو اور مسلمانوں کو مکّہ میں تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ ایمان کے مقابلہ میں تکبّر کیا اور

نافرمانی کی۔ رسول اللہ ﷺ پر جبر کیا اور انہیں (مکّہ) سے نکال دیا۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں پہنچائیں اور انہیں بھی مکّہ سے نکال دیا۔ اللہ نے اُن میں سے کچھ پر بدر (کے میدان میں) غلبہ عطا کیا تو اُنہیں قتل کیا گیا۔ ان کے سرداران اور سر برآوردہ لوگوں کو قتل کیا گیا۔ شیبہ بن ربیعہ، عُتبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام اور قریش کی ایک بڑی تعداد کو بدر میں قتل کیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر انہیں بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر ان سے خطاب کیا: ''اے فلاں بن فلاں، اے ابو جہل بن ہشام، اے عتبہ، اے شیبہ، اے اُمیہ، انہیں ایک ایک کر کے خطاب کیا۔ کیا تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اسے تم نے پالیا؟ میں نے اس چیز کو حقیقت میں پالیا جو میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ اُن سے کیسے بات کر رہے ہیں جبکہ وہ مردہ لاش ہیں جو سُن نہیں سکتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کچھ میں نے اُن سے کہا ہے اسے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں، لیکن وہ بول نہیں سکتے یا بات نہیں کر سکتے۔'' (بخاری: ۳۷۵۷) یہ ان معجزات میں سے ایک ہے جو اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں پر جاری کیا۔

❁ ❁ ❁

{62} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَرِضَ أَجَرَهُ اللّٰهُ عَلٰى مَرَضِهِ)
(۶۳) (وَالشَّهِيْدُ يَأْجُرُهُ اللّٰهُ عَلٰى شَهَادَتِهِ)

ترجمہ: ''اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ بندہ اگر بیمار ہوتا ہے تو اللہ اس کے بیماری پر اجر دیتا ہے۔''

''اور اللہ شہید کو اس کی شہادت کا اجر دیتا ہے۔''

الشرح:

اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اور اللہ مومنوں کو آزمانے یا اجر میں اضافہ کرنے کے لئے انہیں مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ کبھی مومن کی خطاؤں کے کفارہ کے لئے اور گناہوں سے پاک کرنے کے لئے مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کوئی خطا نہیں ہوتی تو اسے مصیبت میں مبتلا کر کے اس کے درجات کو بلند کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کے لئے جنت میں ایک درجہ طے کر دیا ہوتا ہے جہاں تک وہ بندہ مومن اپنے عمل کی بنیاد پر نہیں پہنچ سکتا تو اللہ اسے مصائب سے آزماتا ہے یہاں تک کہ اسے بڑھا چڑھا کر اجر دیتا ہے تو وہ اس منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ پس مومن خیر میں ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملے میں اس کے لئے خیر ہوتا ہے۔ جب اسے خوشی ملتی ہے تو وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے خیر ہے۔ اور اگر اسے پریشانی لاحق ہوتی ہے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے خیر ہی ہے۔ ایسا صرف ایک بندہ مومن کے لئے ہے۔'' (مسلم: ۲۹۹۹)

پس مومن کو مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں تو یہ اس کی بھلائی کے لئے ہے۔ یا تو ان (مصیبتوں)

کے ذریعے اللہ اس کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے یا تو پھر ان کے ذریعے اس کے درجات کو بلند کرتا ہے۔

شہید: وہ ہے جسے کفار کے ساتھ کسی معرکہ میں قتل کیا گیا ہو۔ وہ (کفار) سے اس لئے لڑتا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ ہی بلند رہے۔ اللہ قرض کے علاوہ اس کی ہر چیز کو بخش دیتا ہے۔ اس لیے کہ قرض آدمی کا حق ہے۔ اور آدمی کا حق اسی کو ادا کئے بغیر یا اس کی طرف سے معاف کئے بغیر ساقط نہیں ہوگا۔ البتہ وہ گناہ جو بندے اور اللہ کے درمیان ہیں تو اللہ کی راہ میں شہادت کی وجہ سے اللہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اور بھی کئی لوگوں کو شہید کہا گیا ہے لیکن وہ معرکۂ جنگ کے شہداء نہیں ہیں۔ جیسا کہ طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے، جو اپنے مال یا عزت یا گھر والوں (کی حفاظت کرتے ہوئے) قتل ہو جائے وہ شہید ہے، حادثاتی موت سے دوچار ہونے والا جیسے جل کر مرنے والا اور ڈوب کر مر جانے والا بھی اللہ کے نزدیک شہید ہے۔ (بخاری: ۶۲۴) یعنی اس کو شہید کا اجر ملتا ہے لیکن وہ حکم میں معرکہ میں شہید ہونے والے کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا اور اس پر نماز (جنازہ) ادا کی جائے گی۔ رہی بات معرکہ میں شہید ہونے والی کی تو اسے نہ غسل دیا جائے گا اور اسے اس کپڑے کا ہی کفن دیا جائے گا جس میں اس نے شہادت پائی ہے۔ اور اس پر نماز (جنازہ) بھی نہیں پڑھی جائے گی۔ اور اسے اس کے خون سمیت دفن کر دیا جائے گا۔

{64} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ الْأَطْفَالَ إِذَا أَصَابَهُمْ شَيْئٌ فِي دَارِ الدُّنْيَا يَأْلَمُوْنَ، وَذٰلِكَ أَنَّ بَكْرًا ابْنَ أُخْتِ الْوَاحِدِ (1) قَالَ: لَا يَأْلَمُوْنَ، وَكَذَبَ)

ترجمہ: ''اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ دنیاوی زندگی میں بچوں کو جو مصیبت لاحق ہوتی ہے تو اس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اور یہ بات اس وجہ سے کہی جا رہی ہے کہ بکر بن اخت عبدالواحد کہتا ہے کہ: ''انہیں تکلیف نہیں ہوتی۔'' اور اس نے یہ جھوٹ کہا ہے۔''

الشرح:

اس مسئلہ کا ذکر اس وجہ سے کیا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ: بچوں کو تکلیف نہیں ہوتی۔ یہ مسئلہ اس شخص کی تردید کرنے کے لئے ذکر کیا ہے۔ اس شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: یہ بھی خوارج میں سے ہے۔ اور خوارج کے نزدیک اُن کی جہالت اور نادانی کے سبب اس طرح کے فضول اقوال سے بھی زیادہ تعجب خیز چیزیں ہیں۔

بات تو بالکل واضح ہے کہ جب بچوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے وہ چیختے ہیں، روتے ہیں اور مدد کے لئے پکارتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں درد ہوتا ہے۔ یہ بات مشاہدے اور محسوسات میں سے ہے۔ لیکن اس آدمی کے الگ ہی خیالات ہیں اور انہی میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔

(حافظ ابن حجر عسقلانی ''**لسان المیزان**'' (2/60) میں فرماتے ہیں: ''بکر بن اخت عبدالواحد بن زید البصری الزاہد: علامہ ابن حزم اس کا ذکر خوارج کی جماعت میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اِس کا ماننا ہے کہ ہر گناہ چاہے وہ چھوٹا ہی ہو یہاں تک کہ معمولی جھوٹ جو مذاق کے طور پر بولا جاتا ہے، اس کا مرتکب کافر اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا ہے اور وہ اہل جہنم میں سے ہے۔ مگر یہ کہ وہ اہل بدر میں سے ہو تو وہ کافر و مشرک ہے اور اہل جنت میں سے ہے۔ اس کا شاگرد عبداللہ بن عیسیٰ کا کہنا ہے کہ: بلاشبہ پاگل، بچے اور جانوروں کو تکلیف نہیں پہنچتی اس لئے کہ اللہ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اور ابن قتیبہ نے بذات خود بکر سے ایلام کا مسئلہ (یعنی بچوں کو تکلیف نہ پہنچنے والا مسئلہ) نقل کیا ہے۔ اور اس کی برائیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے ایک رائی کے دانے کے برابر بھی چوری کی تو وہ کفار کے ساتھ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اور ابن قتیبہ نے اس کے اس قول کی تردید میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔''

(مستفاد من طبعة الشیخ الحصین)

{65} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ أَحَدٌ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ، وَلَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ أَحَدًا إِلَّا بِقَدْرِ ذُنُوبِهِ وَلَوْ عَذَّبَ أَهْلَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَرَّهُمْ وَفَاجِرَهُمْ: عَذَّبَهُمْ غَيْرَ ظَالِمٍ لَهُمْ، لَا يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّهُ ظَالِمٌ، وَإِنَّمَا يَظْلِمُ مَنْ يَأْخُذُ مَا لَيْسَ لَهُ، وَاللّٰهُ لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ، وَالْخَلْقُ خَلْقُهُ، وَالدَّارُ دَارُهُ، ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ (سورۃ الانبیاء:23) **وَلَا يُقَالُ: لِمَ؟ وَكَيْفَ؟ وَلَا يَدْخُلُ أَحَدٌ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ خَلْقِهِ)**

ترجمہ: ''اور یہ جان لو کہ کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور اللہ کسی کو بھی صرف اتنا ہی عذاب دے گا جتنا کہ اس کے گناہ کی مقدار ہوگی اور اگر آسمانوں اور زمین کے نیک و بد کو عذاب دے تو وہ اُن کو عذاب دینے میں ظالم نہیں ہوگا۔ ایسا کہنا جائز نہیں کہ اللہ ظالم ہے۔ ظالم تو وہ ہے جو ایسی چیز کو لے لے جو اس کا نہیں ہے، جبکہ مخلوق اور حکم سب اللہ کا ہے اور مخلوق کو اسی نے پیدا کیا ہے۔ اور گھر بھی اسی کا ہے۔ (جو وہ کرتا ہے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جاسکتا جبکہ پوچھ تاچھ تو لوگوں سے ہوگی۔) اور نہ ہی یہ کہا جائے گا: کیوں؟ اور کیسے؟ اور اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی دخل اندازی نہیں کرسکتا۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اور یہ جان لو کہ کوئی بھی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔**) جنت بہت ہی قیمتی اور بلند مقام ہے اسے صرف عمل کی بنیاد پر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کتنا بھی عمل کرلے گرچہ ہر اطاعت گزاری کو بجالائے۔ اگر وہ ایسا کر بھی لیتا ہے تو وہ جنت کی نعمت کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پس اگر اس کو عطا کی گئی نعمتوں کا حساب لیا جائے گا تو اس کے پاس کوئی عمل باقی نہیں بچے گا۔ یہ ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جنت بہت ہی قیمتی ہے۔ اور اس کی قیمت اعمال یا مال یا کسی اور چیز سے طے نہیں کی جا سکتی۔ اس کی عظمت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ لیکن اللہ اس میں مومنین کو ان کے اعمال کے سبب اپنی رحمت کے ذریعہ داخلہ دے گا۔ پس اعمال جنت میں داخلہ کا سبب بنیں گے۔ اور وہ جنت میں داخلہ کو واجب قرار دینے کا سبب نہیں ہوں گے اور نہ ہی جنت کی قیمت ہوں گے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' یہ اس وجہ سے ہے کہ انسان اپنے عمل کی وجہ سے عُجب کا شکار نہ ہو اور نہ ہی اس کی وجہ سے اپنے عمل کو ترک کرے۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾** (سورہ نحل: 32) ترجمہ: ''جنت میں اپنے اعمال کے بدلے داخل ہو جاؤ۔'' آیت میں ''**بِمَا**'' میں جو (**ب**) ہے وہ عوض یا قیمت کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ وہ تو صرف سبب کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی: تمہارے اپنے اعمال کے سبب۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: ''تم میں سے کوئی بھی صرف اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ بھی؟ فرمایا: ''میں بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنے رحمت میں ڈھانپ لے۔'' (بخاری: ۵۳۴۹) پس انسان اپنے عمل کی وجہ سے عُجب کا شکار نہ ہو۔ اور رہاں یہ بھی یاد رہے کہ جنت میں داخلے کا سبب اعمال ہی ہیں۔ پس اگر عمل نہیں کیا تو جنت میں داخلہ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس نے سبب کو اختیار نہیں کیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اور اللہ کسی کو بھی صرف اتنا ہی عذاب دے گا جتنا کہ اس کے گناہوں کی مقدار ہوگی**) جنت اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ اور اعمال اس میں داخلے کا ذریعہ ہیں۔ اور اہل جہنم کو صرف ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا۔ انہیں کسی اور کے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی بغیر کسی گناہ کے ان کو عذاب ہوگا۔ یہ عدل کے باب سے ہے۔ پس جنت فضل کے باب سے ہے اور جہنم عدل کے باب سے ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**اور اگر آسمانوں اور زمین کے نیک و بد کو عذاب دے تو وہ اُن کو**

عذاب دینے میں ظالم نہیں ہوگا۔) یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ گزر چکا کہ انسان کتنا بھی عمل کرلے لیکن وہ اعمال اللہ کی بعض نعمتوں کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتے۔ پس اگر اللہ اسے عذاب دے تو وہ اس بارے میں عدل کرنے والا ہوگا۔ اس لیئے کہ بندے نے اللہ کی نعمتوں کے شکریے میں کوتاہی کی ہے۔ یہ کلام جسے ہم نے ذکر کیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا نص ہے: ''اگر اللہ آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان پر (ایسا کرنے کی وجہ سے) ظلم کرنے والا نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے لیئے ان کے اعمال سے بہتر ہے۔'' (ابن ماجہ: ۷۷)

اس لیئے کہ فاجر کو اس کے فجور کی وجہ سے عذاب دے گا اور نیک شخص کو اس لیئے عذاب دے گا کہ اس نے جو اعمال کیئے وہ جنت میں داخلے کی اہلیت نہیں رکھتے اس لیئے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: (**اللہ کے لیئے ایسا کہنا جائز نہیں کہ: وہ ظالم ہے**) اللہ عزوجل نے اپنے نفس کو ظلم سے منزہ قرار دیا ہے۔ ﴿**وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ**﴾ (سورہ حٰم السجدہ: 46) ترجمہ: ''اور تیرا رب اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔'' ﴿**لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ**﴾ (سورہ مومن: 17) ترجمہ: ''آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا۔ اور اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے۔'' ﴿**وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا**﴾ (سورہ کہف: 49) ترجمہ: ''اور تیرا رب کسی پر ذرا بھی ظلم نہ کرے گا۔'' ﴿**وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ**﴾ (سورہ زُخرُف: 76) ترجمہ: ''ان پر ہم نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔'' ﴿**وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ**﴾ (سورہ نحل: 118) ترجمہ: ''اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے نفس پر ظلم کیا۔'' حدیث قدسی میں اللہ کا ارشاد ہے: ''اے میرے بندو! بلاشبہ میں نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اسے حرام ٹھہرادیا ہے پس آپس میں ایکدوسرے پر ظلم نہ کرنا۔'' (مسلم: ۲۵۷۷) پس اللہ عدل کرنے والا حاکم ہے، ظلم اس کی شان کے لائق نہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ: (**ظلم تو وہ کرتا ہے جو ایسی چیز لیتا ہے جو اس کی نہیں ہے، اور مخلوق اور حکم تو اللہ ہی کا ہے۔**) ظلم کہتے ہیں: **لوگوں کا حق چھیننا**۔ اور کیا اللہ پر لوگوں کا کوئی حق ہے؟ اللہ پر تو لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ اور کوئی ایسا نہیں کہ اللہ پر اُس کی کوئی واجب کرنے والی چیز ہو۔ اللہ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ جس نے اُس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کیا ہو تو اسے عذاب نہ دے۔ یہ حق تو اللہ کا فضل ہے۔

ظلم کہتے ہیں: "**چیز کو (اس کی صحیح جگہ کی بجائے) کسی غلط جگہ پر رکھنا**۔" پس اللہ تو کسی ایسے شخص کو عذاب کی جگہ پر نہیں رکھے گا جو کہ نعمت کا مستحق ہو۔ اور نہ ہی عذاب کے مستحق کو نعمت کی جگہ پر رکھے گا۔ بلکہ نعمت کے مستحق کو اس کا حق دے گا اور جو عذاب کا مستحق ہوگا اسے عذاب کی جگہ رکھے گا۔ یہی تو عدل ہے۔ رہا وہ جو اس کے برعکس ہے تو وہ ظلم ہے۔ اگر وہ اہل ایمان کو عذاب دے اور اہل کفر کا اکرام کرے تو یہ ظلم ہوگا۔ اور اللہ تو ان چیزوں سے پاک وصاف ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ اہل ایمان کو عذاب دے اور اہل کفر کی تکریم کرے۔ کفار کو جنت میں داخلہ دے اور مومنوں کو جہنم میں داخل کرے۔ ایسا اللہ کی شایان شان نہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اور مخلوق اور حکم تو اللہ ہی کا ہے، مخلوق اسی کی اور ٹھکانہ بھی اسی کا**)

اللہ کا فرمان ہے: ﴿**أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ**﴾ (سورہ اعراف: 54)

ترجمہ: "خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت ہے اللہ، سارے جہانوں کا مالک و پروردگار۔" (**خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے**) **خَلْق** کہتے ہیں: کسی چیز کو عدم سے وجود بخشنا۔ پس ہر مخلوق کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ کسی نے اللہ کے ساتھ تخلیق نہیں کی، اللہ کا فرمان ہے: ﴿**اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ**﴾ (سورہ زُمر: 62) ترجمہ: "ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے۔"

نیز اللہ کا فرمان ہے: ﴿**أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ**﴾ (سورہ رعد: 16) ترجمہ: "تو کیا ان

کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اللہ کی طرح کچھ پیدا کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا؟ ۔کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب!'' اس حیثیت سے کہ بندے کی تخلیق ، اللہ کی تخلیق کے مشابہ ہو۔ یہ تو ممکن نہیں۔ اور محال ہے: (**کہو، ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے، سب پر غالب!**) **﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾** (سورہ احقاف: 4) ترجمہ: ''اے نبی ﷺ، اِن سے کہو، '' کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے؟''

(**اور اَمر**) اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور امر کہتے ہیں: شریعت اور نازل شدہ وحی کو۔ پس خالق ہی ہے جو (کسی بات کے کرنے کا) حکم دے گا، (کسی چیز کے کرنے سے) منع کرے گا اور اپنے بندوں کے لئے ایسی احکامات صادر فرمائے گا جو اُن کے لئے مناسب ہوں اور جو اُن کے لئے نقصان دہ ہیں اُن سے منع کرے گا۔ کسی اور کے لئے جائز نہیں کہ وہ بغیر کسی دلیل کے (کسی بات کے کرنے کا) حکم دے یا (کسی چیز کے کرنے سے) روکے یا کسی عبادت کو واجب قرار دے یا کسی بات سے منع کرے: **﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾** (سورہ شوریٰ: 21) ترجمہ: ''کیا ان مشرکوں سے کچھ ایسے خود ساختہ شرکاء ہیں جنہوں نے اُن کے لئے دین کا کوئی ایسا طریقہ مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟''

پس امر کونی قدری اور امر شرعی سب اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں۔ وہی حکم دے گا اور وہی منع بھی کرے گا: **﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾** (سورہ اعراف: 54) ترجمہ: ''خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے۔'' خلق اور امر کے درمیان فرق کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ امر مخلوق نہیں ہے۔ اس میں جہمیہ پر رد ہے جن کا ماننا ہے کہ: قرآن مخلوق ہے اور اللہ کا کلام مخلوق ہے۔ اللہ نے تو خلق اور امر کے درمیان فرق کیا ہے۔ امر کا تعلق کلام اور شریعت سے ہے۔ اور اللہ نے خلق اور امر کے

درمیان فرق کیا ہے۔جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔

(اور ٹھکانہ تو اسی کا ٹھکانہ ہے۔) ٹھکانہ تین طرح کے ہیں:

- دنیا کا ٹھکانہ۔
- برزخی ٹھکانہ۔
- دارالقرار جو کہ آخرت ہے۔

یہ سب اللہ ہی کے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ: **(جو وہ کرتا ہے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا جا سکتا جبکہ پوچھ تاچھ تو لوگوں سے ہوگی۔)** اللہ جو کچھ بھی کرے اس بارے میں کسی کو سوال کی اجازت نہیں۔اس لئے کہ اس کے کاموں میں کوئی نقص نہیں ہوتا اور نہ کوئی خلل ہوتا ہے، وہ تو ٹھوس اور مضبوط ہوتے ہیں۔اور نہ ہی ان میں کبھی بھی کوئی نقص یا خلل واقع ہوسکتا ہے۔سوال تو اس سے کیا جائے گا جس کے کام میں کوئی نقص یا خلل واقع ہوتا ہو۔پس اللہ جو کچھ بھی کرے اس بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ اس کے افعال اتمام اور کمال کے درجے کے ہوتے ہیں۔محض اس کے قہر اور ربوبیت کی بنیاد پر سوال کرنا منع نہیں ہے جیسا کہ کہنے والے کہتے ہیں۔اس سے اُس کی عظمت اور جلال کی باعث سوال نہیں کیا جا سکتا۔لیکن صرف یہی ایک وجہ نہیں ہے، بلکہ اس سے اس لئے بھی سوال نہیں کیا جائے گا کہ اس کے کام ایسے مضبوط و پائیدار ہوتے ہیں کہ ان میں کبھی بھی کوئی نقص یا کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ برخلاف مخلوق کے، اس سے اس کے کاموں کی پوچھ تاچھ ہوگی، اس لئے کہ وہ خطا کرتی ہے اور اس کے عمل میں نقص ہوتا ہے۔اس کے کاموں میں کچھ ملاحظات بھی ہوتے ہیں، تو اس سے پوچھ تاچھ ہوگی اس لئے وہ ہر اعتبار سے ناقص ہیں۔مگر یہ کہ اللہ جسے مکمل کر دے، اس کی مدد کرے اور اسے درست کر دے۔اسی لئے اللہ نے فرمایا: (بندوں سے پوچھ تاچھ کی جائے گی)۔یہ خالق اور مخلوق کے درمیان فرق ہے: کہ اللہ سے سوال نہیں ہوگا اور مخلوق سے پوچھ تاچھ کی جائے گی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اور نہ ہی یہ کہا جائے گا: کیوں اور کیسے؟ اور اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی دخیل نہیں ہوگا۔**) اور نہ ہی اللہ پر کوئی اعتراض کیا جائے گا۔ یہ کہا جائے کہ: اللہ نے اس طرح کیوں پیدا کیا؟ ان چیزوں کو اللہ نے کس طرح پیدا کیا؟ یہ اللہ کے حق میں جائز نہیں۔ بلکہ ہم پر ان باتوں کو تسلیم کرنا اور مان لینا فرض ہے۔ اور یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ کے افعال کامل ہیں ان میں کوئی نقص یا خلل واقع نہیں ہوتا۔ اگر ہم سے بعض حکمتیں یا بعض علّتیں پوشیدہ رہ جائیں تب بھی ہم اس بارے میں سوال نہیں کریں گے۔ بلکہ اسے تسلیم کریں گے۔ اگر ہم اس کی حکمت یا علّت کا ادراک کرلیں تو بہت اچھی بات ہے اور اگر ادراک نہ کرسکیں تو بہرحال اسے تسلیم کریں گے۔ اور اللہ پر کوئی اعتراض نہیں کریں گے یا عمل سے توقف اختیار نہیں کریں گے جب تک ہم حکمت یا علّت کو نہ جان لیں۔

{66} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَإِذَا سَمِعْتَ الرَّجُلَ يَطْعُنُ عَلَى الْآثَارِ وَلَا يَقْبَلُهَا، أَوْ يُنْكِرُ شَيْئًا مِنْ أَخْبَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاتَّهِمْهُ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنَّهُ رَجُلٌ رَدِيءُ الْمَذْهَبِ وَالْقَوْلِ، وَلَا يَطْعَنُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا عَلَى أَصْحَابِهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، لِأَنَّا إِنَّمَا عَرَفْنَا اللّٰهَ وَعَرَفْنَا رَسُولَهُ، وَعَرَفْنَا الْقُرْآنَ، وَعَرَفْنَا الْخَيْرَ وَالشَّرَّ وَالدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ بِالْآثَارِ فَإِنَّ الْقُرْآنَ إِلَى السُّنَّةِ أَحْوَجُ مِنَ السُّنَّةِ إِلَى الْقُرْآنِ)

ترجمہ: ''اور جب تم کسی آدمی کو آثار پر طعن کرتے اور اسے قبول نہ کرتے ہوئے سنو، یا وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی خبر کا انکار کرے تو اس کے اسلام کو متہم کرو، اس لئے کہ وہ فاسد مذہب اور قول والا آدمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر، اس لئے کہ ہم نے اللہ کو، اس کے رسول کو، قرآن کو، خیر و شر کو اور دنیا و آخرت کو صرف آثار کے ذریعہ ہی جانا ہے۔ بلاشبہ جس قدر سنت قرآن کا محتاج ہے اس سے کہیں زیادہ قرآن سنت کا محتاج ہے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: **(اور جب تم کسی آدمی کو آثار پر طعن کرتے اور اسے قبول نہ کرتے ہوئے سنو، یا وہ رسول اللہ ﷺ کی کسی خبر کا انکار کرے تو اس کے اسلام کو تہمت زدہ کردو)** اس لئے کہ محمد ﷺ کے اللہ کا رسول ہونے کی گواہی دینے کا معنیٰ یہ ہے کہ: آپ جو حکم دیں اس کی اطاعت کی جائے، جو خبر دیں اس کی تصدیق کی جائے، جس چیز سے روکیں یا ڈانٹیں اس سے اجتناب کیا جائے اور یہ کہ اللہ کی عبادت آپ ہی کی شریعت کے مطابق کی جائے۔ محمد ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی دینے کا یہی معنیٰ ہے۔ اللہ عزّ وجلّ ارشاد فرماتا ہے: **﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾** (سورہ حشر: 7) ترجمہ: ''جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک

دے اس سے رُک جاؤ۔" ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (سورہ نساء:59) ترجمہ: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی۔"

پس مسلمان پر واجب ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں احادیث میں آیا ہے اسے بجالائے، اس لیے کہ وہ قرآن کے بعد دوسری وحی ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں دلائل کے اصول جن پر اجماع ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی اصل: قرآن

دوسری اصل: سنت نبوی ﷺ

تیسری اصل: اجماع

یہ دلائل ہیں، کسی انسان کے لئے ایسا کہنا جائز نہیں کہ: میں تو صرف قرآن سے دلیل پکڑوں گا اور سنت سے نہیں۔ جیسا کہ خوارج کا قول ہے اور جو اُن کے راستے پر چلے۔ اور اُن کا کہنا ہے کہ: قرآن متواتر ہے اور خلل سے پاک ہے۔ اور رہی بات سنت کی کہ وہ تو راویوں کی روایت کردہ ہے جس میں خلل واقع ہوا ہے۔ یہ تو امت پر، اس کے علماء پر، صحابہ کرام اور تابعین عظام پر جنہوں نے خبروں کو نقل کیا ہے، ثقہ (قابل اعتماد) نہ ہونے اور امانت دار نہ ہونے پر بہتان ہے۔ انہی لوگوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے کہ: "قریب ہے کہ ایک آسودہ حال شخص اپنے گاؤ تکیہ پر (بیٹھے ہوئے) کہے گا: ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب موجود ہے، پس اس میں ہم جو بھی حلال پائیں گے اسے حلال مانیں گے اور جسے حرام پائیں گے اسے حرام مانیں گے۔" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سنو! مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کا مثل دیا گیا ہے۔" (رواہ احمد (132/4)، وابوداؤد (4604)، والترمذی (2664)، وابن ماجہ (12)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "اللہ اس بندے کو شاداب رکھے جس نے میری بات سنی، پس اس کی حفاظت کی اور جس طرح سنا اسی طرح پہنچایا۔ بسا اوقات جن تک (حدیث) پہنچائی جاتی ہے

وہ (حدیث کے) سننے والے سے زیادہ اچھی طرح یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔" (رواہ احمد (183/5)، وابن ماجہ (230)

رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "جو تم میں یہاں موجود ہے وہ یہاں موجود نہ رہنے والے تک (میری باتیں) پہنچا دے۔" (بخاری:٦٧)

پس جس نے سنا وہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے پہنچا دے۔ یہ ایک امانت ہے جسے (پہنچانے کی ذمہ داری) راویان حدیث اور رجال حدیث نے اٹھائی -**جزاھم اللہ خیرا**- اور (خارجی باتوں کی) دخل اندازی اور جھوٹ سے سنت نبویہ کی حفاظت کی۔ اور امانت داری کے ساتھ بالکل اسی طرح صاف شفاف انداز میں (امت تک) پہنچایا جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے وارد ہوئی تھیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

سنت توقف یا اتہام کی جگہ نہیں ہے بلکہ اس کی تصدیق کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے جیسا کہ قرآن (کے احکامات) پر عمل کرنا واجب ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے حق میں بیان فرمایا: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (سورہ نجم: 3-4) ترجمہ: "وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔"

پس احادیث اللہ کی طرف سے وحی ہیں۔ گرچہ اس کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہیں۔ رہی بات قرآن کی تو اس کے الفاظ اور معنیٰ دونوں ہی من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اور سنت و احادیث نبویہ کے معنیٰ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہوتے ہیں جو اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتے۔ پس آپ ﷺ کے الفاظ معصوم ہیں اور سچے ہیں۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ پس جو بھی سنت کا انکار کرے گا وہ کافر ہے، اس لئے کہ اس نے (شریعت کی) دوسری بنیاد کو معطل قرار دیا۔ قرآن کے لئے سنت کا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ وہ قرآن کی تبیین اور وضاحت کرتی ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ

﴿إِلَيْهِمْ﴾ (سورہ نحل:44) ترجمہ: ''یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔''

پس سنت قرآن کی توضیح اور تشریح کرتی ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں کچھ چیزیں مجملاً آئی ہیں مثلاً: نماز، زکوٰۃ، حج اور روزہ۔ سنت نے اس کی تبیین اور وضاحت کی ہے۔ زکوٰۃ اور اس کی مقدار کو، روزے کب سے شروع ہوں گے اور کب ختم ہوں گے اور مناسک حج کہ انسان کیسے حج ادا کرے، ان سب کو سنت نے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم مجھ سے حج کے طور طریقے سیکھ لو۔'' (مسلم: ۱۲۹۷)

اور آپ کا فرمان ہے: ''نماز ٹھیک اسی طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔'' (بخاری: ۶۰۰۵، مسلم: ۶۷۴)

اللہ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ﴾ (سورہ احزاب: 21) ترجمہ: ''بے شک تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) میں ہی نمونہ ہے۔'' پس سنت، قرآن کی تفسیر کرتی ہے، اس کی وضاحت کرتی ہے اور اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ: میں قرآن پر عمل کروں گا، سنت پر نہیں، تو وہ جھوٹا ہے۔ وہ تو قرآن پر بھی عمل نہیں کرتا، اس لئے کہ قرآن میں ہے کہ: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورہ حشر: 7) ترجمہ: ''جو کچھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔''

اور اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (سورہ نجم: 3-4) ترجمہ: ''وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔''

اور اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (سورہ نحل: 44) ترجمہ: ''یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو

نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔" جب وہ سنت پر عمل ترک کر دے گا تو وہ جس قرآن پر عمل کا دعویٰ کر رہا ہے اس پر بھی عمل نہیں کر پائے گا۔

لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو احادیث کے درمیان فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں: حدیث متواتر علم کا فائدہ دیتی ہے اور حدیث آحاد ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ یہ باطل ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ بھی صحیح طور پر ثابت ہو تو وہ علم کا ہی فائدہ دیتا ہے۔ چاہے وہ متواتر ہو یا آحاد۔ حدیث صحیح کی دلالت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہر ایک کو قبول کرنا اور بلاتفریق عمل کرنا واجب ہے۔

صوفیہ بھی نہ سنت پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی قرآن پر۔ وہ تو اپنے طور پر ایجاد کردہ طریقوں اور ذوق کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں: ہم تو بلا واسطہ اللہ سے (علم) حاصل کرتے ہیں، نہ کہ رسول کے واسطے سے، اس لیے کہ جب ہم اللہ تک رسائی رکھتے ہیں تو پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حاجت نہیں۔ رسول تو عوام کے لیے ہیں جن کی رسائی اللہ تک نہیں ہوتی۔ یہ بہت بڑا باطل ہے اور بہت سنگین کفر ہے۔ اللہ کی پناہ۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ (**یا کسی چیز کا انکار کرے**) جو عمومی طور پر سنت کا انکار کرے۔ اور کہے: کہ وہ سنت پر عمل نہیں کرے گا، وہ تو قرآن پر عمل کرے گا، یا صحیح احادیث سے ثابت بعض سنت کا انکار کرے، اور کہے: کہ وہ اس پر عمل نہیں کرے گا۔ ان میں بعض کا کہنا ہے: حدیث پر اس شرط کے ساتھ عمل ہوگا کہ: وہ قرآن کے موافق ہو، یہ باطل ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ پر اتہام ہے کہ وہ کچھ ایسی باتیں پیش کرتے ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں۔ پس ایسا کہنا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بہت ساری ایسی باتوں کا حکم دیا ہے جو قرآن میں نہیں ہے، جیسے: بیک وقت عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں رکھنے کی اور عورت اور اس کی خالہ کو رکھنے کی حرمت، یہ قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن میں صرف دو سگی بہنوں کو نکاح میں رکھنے کی ممانعت ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(ایک ہی مرد کے نکاح میں بیک وقت) عورت اور اس کی پھوپھی، اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔" (بخاری: ۴۸۲۰)

پس جو بات رسول اللہ ﷺ نے کہی ہے اس پر عمل واجب ہو جاتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ (**اسکے اسلام کو متہم کرو؛ کیونکہ وہ ایسا آدمی ہے جس کا مذہب اور رائے سب گھٹیا ہے۔**) ایسی بات کہنے والا یا تو خوارج میں سے ہے، یا جھمیہ اور معتزلہ میں سے ہے، یا اُن صوفیہ میں سے ہے جن کا گمان ہے کہ انہیں احادیث کی کوئی حاجت نہیں، اس لئے کہ وہ اللہ تک رسائی رکھتے ہیں، اور اللہ سے بلا واسطہ (احکامات) لیتے ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ: تم اپنا دین میت سے لیتے ہو اور ہم (اپنا دین) اس زندہ وجاوید ذات سے لیتے ہیں جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ (**اور نہ رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا جائے گا اور نہ ہی اصحاب کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر**) رسول اللہ ﷺ پر طعن نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف سے معصوم ہیں۔ پس جو شخص رسول اللہ ﷺ پر بہتان تراشی کرتا ہے یا آپ کے بارے میں طعن کرتا ہے، اور یہ کہ آپ کی اپنی خواہش ہے، آپ ظلم وستم کرتے ہیں وغیرہ، تو ایسا کہنا والا اللہ سے کفر کرتا ہے۔

اسی طرح جو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے بارے میں طعن کرتا ہے (وہ بھی کافر ہے) اس لئے کہ اللہ ان سے راضی ہے اور ان کی تعریف بیان کی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ بھی ان سے راضی ہیں، ان کی تعریف وثناء بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان کا زمانہ سب سے بہترین زمانہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں۔۔۔'' (بخاری:۲۵۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے صحابہ کو گالی نہ دینا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں کا کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو اُن کے ایک مُد یا آدھے مُد کی برابری نہیں کر سکتا۔'' (بخاری:۳۶۷۰)

اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (سورہ توبہ:100) ترجمہ: ''وہ مہاجر وانصار

جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو احسان کے ساتھ ان کی پیروی کریں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔"

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (سورہ فتح: 18) ترجمہ: "اللہ مومنوں سے خوش (راضی) ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے (حدیبیہ میں) بیعت کر رہے تھے اُن کے دلوں کا حال اُس کو معلوم تھا، اُس لیے اس نے ان پر سکینت (طمانیت) نازل فرمائی ان کو انعام میں قریبی فتح بخشی۔"

اور سورہ فتح کے اخیر میں فرمایا: **﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾** (سورہ فتح: 29) ترجمہ: "محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے اُن کی صفت (تمثیل) توراۃ میں اور انجیل میں (جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی) اُن کی مثال یُوں دی گئی ہے، کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل (سوئی) نکالی پھر اس کو تقویت دی، (سہارا دیا) پھر وہ گدرائی، (سخت ہوئی) پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار

ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں (یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو صحابہ کرام کو دیکھ کر غیظ میں آتا ہے یا اُن پر غصہ ہوتا ہے وہ کافر ہے)۔"

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اس لئے کہ ہم نے اللہ، اس کے رسول، قرآن، خیر وشر اور دنیا و آخرت کی معرفت آثار کے ذریعہ ہی حاصل کی ہے۔**) یعنی اُن روایات کے ذریعہ جن کو صحابہ کرام نے بیان کیا، اور وہ احادیث ہیں جن کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے، پس جو صحابہ کرام پر طعن کرتا ہے (درحقیقت) وہ شریعت پر طعن کرتا ہے، اس لئے کہ (صحابہ کرام کے خلاف جو) روایات ہیں وہ جھوٹے اور غیر معتبر لوگوں کی ہیں، یہ یہود اور مجوس کی سازش ہے کہ وہ مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت کو داخل کر دیتے ہیں جو صحابہ کرام کو گالی دیتی ہے۔ اور (ایسا کرنے سے) ان کا مقصود شریعت کو باطل قرار دینا ہے۔ اس لئے کہ جب وہ حاملین شریعت اور راوی اور اس کے رُواۃ کو باطل قرار دیں گے اور اس امت کے سب سے افضل جماعت کو مطعون کر دیں گے تو صحابہ کرام کے علاوہ پر طعن کرنا اور آسان ہو جائے گا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**سنت، قرآن کی اتنی محتاج نہیں جتنا کہ قرآن، سنت کا محتاج ہے۔**) قرآن، سنت کا زیادہ محتاج ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، اس لئے کہ سنت، قرآن کی وضاحت اور تفسیر کرتی ہے، قرآن میں کچھ چیزیں مجمل ہیں جن کی وضاحت سنت نے کی۔ اللہ نے نماز کا حکم دیا لیکن اس کی رکعتوں کی تعداد نہیں بیان کی اور نہ ہی نماز کی صفات کو بیان کیا۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا اور فرمایا: "نماز بالکل اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا۔"

قرآن میں حج مجمل بیان کیا گیا ہے اور اس کے (تفصیلی) بیان کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کو سونپ دی گئی۔ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا اور فرمایا: "تمہیں چاہئے کہ مجھ سے حج کے طور طریقے سیکھ لو۔" (مسلم: ۱۲۹۷) یعنی میرے افعال اور اقوال کے ذریعہ حج کے طور طریقے سیکھ لو تا کہ تم اسے ادا کر سکو۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (سورہ احزاب: 21) ترجمہ: "درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول ﷺ بہترین نمونہ ہیں، ہر اُس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔"

پس قرآن اپنی وضاحت میں سنت کا محتاج ہے، پس جو شخص صرف قرآن کو لیتا ہے، تو وہ قرآن کو اس کی تبیین اور وضاحت (یعنی سنت) سے کاٹ دیتا ہے۔ اور یہی گمراہ اور جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے ان لوگوں کا نشانہ ہے، اس لئے کہ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ دلیل کے ایک حصہ کو لیتے ہیں اور دوسرے مضبوط حصہ کو ترک کر دیتے ہیں جو اس کی تبیین اور وضاحت کرتا ہے۔ یہی گمراہ لوگوں کا طریقہ ہے۔ اور ان لوگوں کا بھی جو کم پڑھے لکھے اور جاہل ہوتے ہیں جو علم کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن استدلال کے طریقے اور اس کے قواعد کو نہیں جانتے۔ پس بغیر بصیرت کے (کسی بھی چیز کو) حلال اور حرام قرار دیتے ہیں۔ اللہ کی پناہ۔ اس لئے کہ وہ علمی نہج پر نہیں چلتے۔ وہ تو صرف خود سے علم حاصل کرتے ہیں یا کتابوں سے۔ یا اپنے جیسے جاہلوں سے۔

{67} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْكَلَامُ وَالْجِدَالُ وَالْخُصُوْمَةُ فِي الْقَدْرِ خَاصَّةً مَنْهِيٌّ عَنْهُ عِنْدَ جَمِيْعِ الْفِرَقِ، لِأَنَّ الْقَدْرَ سِرُّ اللّٰهِ وَنَهَى الرَّبُّ-جَلَّ تَعَالٰى- الْأَنْبِيَاءَ عَنِ الْكَلَامِ فِي الْقَدْرِ وَنَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْخُصُوْمَةِ فِي الْقَدْرِ، وَكَرِهَهُ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَكَرِهَهُ التَّابِعُوْنَ وَكَرِهَهُ الْعُلَمَاءُ، وَأَهْلُ الْوَرَعِ، وَنَهَوْا عَنِ الْجِدَالِ فِي الْقَدْرِ فَعَلَيْكَ بِالتَّسْلِيْمِ وَالْإِقْرَارِ وَالْإِيْمَانِ، وَاعْتِقَادِ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي جُمْلَةِ الْأَشْيَاءِ وَاسْكُتْ عَمَّا سِوَى ذٰلِكَ)

مؤلف رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ: ''خاص طور پر تقدیر کے بارے میں تمام فرقوں کے نزدیک کلام کرنا، جھگڑنا اور تنازعہ کرنا منع ہے، اس لئے کہ تقدیر اللہ کا راز ہے اور رب نے انبیاء علیہم السلام کو اس بارے میں کلام کرنے سے روک دیا ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے بھی تقدیر کے بارے میں جھگڑنے سے منع کیا ہے۔ اصحاب رسول ﷺ جن سے اللہ راضی ہوا، وہ بھی اس بات کو ناپسند کرتے ہیں۔ تابعین عظام، علمائے کرام اور اہل تقویٰ نے بھی اس چیز کو ناپسند کیا ہے۔ اور تقدیر کے بارے میں جدال سے روکا ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ (تقدیر کو) تسلیم کرو، (اس کا) اقرار کرو اور (اس پر) ایمان لاؤ۔ اور جملہ اشیاء کے بارے میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے کہا اسی کا اعتقاد رکھو اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس بارے میں خاموش رہو۔''

الشرح:

ایمان کے اصول اور ارکان میں سے ہے: قضاء وقدر پر ایمان لانا۔ اور قضاء وقدر یہ ہے کہ: اللہ نے ازل میں واقع ہونے والے حادثات کے بارے میں جو کچھ فیصلہ کیا اور تقدیر لکھی ہے، اور جو کچھ بھی واقعات پیش آئیں گے تو وہ اچانک نہیں ہوں گے، یا اللہ کی تقدیر کے بغیر نہیں ہوں گے، بلکہ اللہ کو اس بات کا بھی علم ہے کہ کیا ہو چکا اور کیا ہوگا۔ جو کچھ ماضی میں ہوا اور جو کچھ مستقبل میں ہوگا۔ پھر اس نے

ان سب کو لوح محفوظ میں لکھ دیا۔ پس "اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا، اس سے کہا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا سب لکھ دے، پس قلم نے قیامت تک کے احوال کو لکھ دیا۔" (سنن ابی داود: ۴۷۰۰)

اللہ نے قلم کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل پیدا کیا تھا۔ اور اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ (مسلم: ۲۶۵۳) یہاں علماء پر اشکال ہوا کہ: کیا عرش کو قلم سے پہلے پیدا کیا گیا، یا قلم کی پیدائش عرش سے پہلے ہو چکی تھی؟ صحیح بات یہ ہے کہ: عرش کی تخلیق قلم سے پہلے ہوئی ہے۔ اس لئے کہ جب اللہ نے قلم کی تخلیق کی اور اسے لکھنے کا حکم دیا تو اس سے پہلے عرش پانی پر تھا۔ اسی لئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس قلم کے ذریعہ خیر و شر کے فیصلوں کو لکھا گیا ہے، لوگ اس بارے میں اختلاف کرتے ہیں کہ کیا وہ قلم عرش کے پہلے سے ہے یا اس کے بعد؟ ابو العلا الہمدانی کے نزدیک اس بارے میں دو قول ہیں اور حق یہی ہے کہ عرش (قلم کے) پہلے سے ہے۔ اس لئے کہ لکھاوٹ سے قبل وہ اپنے پائے سمیت موجود تھا۔ اور قلم کی لکھاوٹ کا وجود زمانے کے فرق کے بغیر (عرش کے) بعد کا ہے۔"

اور تقدیر کے بارے میں کلام گزر چکا ہے۔ مگر اس وقت مراد اس کے بارے میں زیادہ گہرائی میں جانے سے منع کرنا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**خاص طور پر تقدیر کے بارے میں کلام، جدال اور جھگڑنا منع ہے۔**) ہم نے جان لیا کہ قضاء و قدر پر اس کے درجات کے ساتھ ایمان لانا کہ وہ اللہ پر ایمان لانے کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ پس جو بھی قضاء و قدر پر ایمان نہیں لائے گا وہ مومن نہیں۔ اس لئے کہ اس نے ایمان کے ایک رکن کا انکار کر دیا۔

اسی طرح قضاء و قدر کے بارے میں جدال کرنا بھی منع ہے۔ اللہ کس طرح عذاب دے گا؟ اللہ اس طرح کیسے کرے گا؟ جیسا کہ پہلے گزرا کہ ایسا نہ کہا جائے: کیوں؟ اور کیسے؟ پس اللہ پر اعتراض نہ کیا جائے۔ جدال کے ذریعہ قضاء و قدر کے معاملے میں دخل اندازی نہ کی جائے، اس لئے تم ہرگز کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ تم پر لازم ہے کہ تسلیم کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ کے کسی معاملے میں دخل اندازی نہ

کرو۔ یہ سب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور تم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے: ''**تقدیر اللہ کا راز ہے۔**''

پس اللہ کے راز کا نہ تو کبھی ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ پس اس بارے میں دخل اندازی نہ کیجئے۔ تم پر لازم ہے کہ قرآن وسنت کے جو بھی نصوص آئے ہیں اُن پر ایمان لے آؤ اور اسی پر ٹھہر جاؤ۔ عمل صالح کے بجالانے اور گناہ ومعاصی کو ترک کر دینے کی طرف توجہ دو۔ اور یہ نہ کہو: کہ اگر اللہ میری تقدیر میں لکھا ہے کہ میں اہل جنت میں سے ہوں تو میں اہل جنت میں سے ہی رہوں گا گرچہ کچھ بھی عمل نہ کروں۔ اگر اللہ نے میری تقدیر میں لکھا ہے کہ میں اہل جہنم میں سے ہوں تو میں انہیں لوگوں میں سے ہوں گا، یہ باطل کلام ہے۔

پس ان معاملات میں دخل اندازی جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بندوں کا کام نہیں۔ یہ صرف اللہ کا معاملہ ہے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو، یہی تم سے مطلوب ہے۔ رہا معاملہ قضاء وقدر میں دخل اندازی کا تو یہ ایسی لامحدود جگہ ہے جس سے بندہ کبھی نہیں نکل سکتا۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**تمام فرقوں کے نزدیک منع ہے، اس لیے کہ تقدیر اللہ کا راز ہے۔**) تمام امتوں کے نزدیک، اس لئے کہ تقدیر اللہ کا راز ہے، اور راز کا احاطہ ممکن نہیں۔ اللہ کا ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (سورہ بقرہ: 255) ترجمہ: ''اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفتِ ادراک میں نہیں آسکتی اِلاّ یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی اُن کو دینا چاہے۔'' ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ (سورہ طہٰ: 110) ترجمہ: ''اور وہ علم کے ذریعہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔'' اللہ کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرو، تم پر صرف اپنے آپ کے امور کی ذمہ داری ہے۔ تم پر ضروری ہے کہ عمل صالح کرو اور گناہوں کو چھوڑ دو، اور اس سے توبہ کرو۔ جب تک زندہ ہو اپنے حساب کو صاف رکھنے کی کوشش کرو۔ اپنے آپ میں مشغول رہو۔ رہا مسئلہ کہ خود کو قضاء وقدر میں مشغول رکھنے کا کہ یہ کیا تھا؟ اور کیا ہوگا؟ اور جب کہ اللہ نے تقدیر کو لکھ دیا ہے تو مجھے عمل کرنے کی کوئی

ضرورت نہیں۔ یہ سب باطل کلام ہے، اور اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ نہ کرلیں، جو ہمارے مقدر میں لکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: "عمل کرتے رہو، پس ہر کسی کو وہی میسر ہوگا جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔" تو اللہ نے ان آیتوں کو نازل فرمایا: ﴿إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ (سورہ لیل: 4-10) ترجمہ: "درحقیقت! تم لوگوں کی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ تو جس نے (اللہ کی راہ میں) مال دیا اور (اللہ کی نافرمانی سے) پرہیز کیا اور بھلائی کو سچ مانا، (اور اچھے انجام کو مانا) اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (اس کو ہم راحت کی منزل کا اہل بنائیں گے) اور جس نے بُخل کیا اور (اپنے اللہ سے) بے نیازی برتی (بے پرواہ ہوا) اور بھلائی کو جھٹلایا اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔" (بخاری: ۴۹۴۹)

پس تم سبب کو اختیار کرتے ہو یا تو اپنے نفس کی نجات کے لئے یا اسے ہلاک کرنے کے لئے، اپنے ان کاموں کے ذریعہ جسے تم اپنے اختیار اور ارادے سے کرتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمام لوگ صبح کرتے ہیں، تو کچھ اپنے نفس کو آزاد کرواتے ہیں یا کچھ اُس کو ہلاک کرواتے ہیں۔" (مسلم: ۲۲۳)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اور رب نے انبیاء علیہم السلام کو تقدیر کے بارے میں کلام کرنے سے منع کردیا ہے۔**) اللہ نے مخلوق - انبیاء وغیرہ - کو تقدیر کے بارے میں کلام کرنے سے منع کردیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جیسا کہ ذکر ہوا کہ انہوں نے ہمیشہ تقدیر کے بارے میں گریز کیا ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی عظمت اور اس کی حکمت کو جانتے ہیں۔ وہ سر تسلیم کرتے ہیں اور اللہ کا ادب کرتے ہیں، اور کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے جس میں مصلحت اور منفعت نہ ہو۔ پس انبیاء علیہم السلام نے اس کے بارے میں سوال نہیں کیا اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے متبعین

نے بھی اس کے بارے میں سوال نہیں کیا۔

انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین عمل کی طرف توجہ اور دھیان دیتے تھے، اور وہ قضاء وقدر کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے مگر اس پر اعتقاد اور ایمان کے باب سے۔

قضاء و قدر پر ایمان تمہیں شکوک، اوہام اور غموں سے راحت دے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جان لے کہ جو تجھے مل گیا وہ تم سے خطا کرنے والا نہیں تھا اور جو خطا کر گیا وہ تمہیں ملنے والا نہیں تھا۔'' پس ایسا نہ کہو کہ: میں اگر ایسا کر لیتا تو ایسا ایسا ہو جاتا، بلکہ کہو: اللہ نے تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا اور جو اس نے چاہا ہوا۔'' (مسلم: ۲۶۶۴)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**نبی اکرم ﷺ نے تقدیر کے بارے میں جھگڑنے سے منع کیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسے ناپسند کیا ہے۔ اور تابعین عظام، علماء کرام اور اہل تقویٰ نے بھی ناپسند کیا ہے۔**) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر زمانے میں جب قدریہ (فرقہ) ظاہر ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غایت درجہ ان پر نکیر کی، اُن سے (لوگوں کو) خبردار کیا اور وضاحت کی کہ بندہ اس بات پر ایمان لائے کہ جو اُسے مل گیا وہ اس سے خطا نہیں کرنے والا تھا اور جو خطا کر گیا وہ ملنے والا نہیں تھا۔ اور جو اس بات کا عقیدہ نہیں رکھے گا تو اللہ اسے آگ میں جلائے گا۔ (مسند احمد: ۵/ ۱۸۵) اس طرح ان کے وقت میں جب قدریہ فرقہ کا ظہور ہوا تو اُن کی باتیں متفق ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**پس تم پر تسلیم کرنا، اقرار کرنا اور ایمان لانا لازم ہے۔**) یہی تم پر قضاء وقدر کے بارے میں ماننا واجب ہے کہ: اللہ کی قضاء وقدر کو تسلیم کرنا، اس پر اعتراض نہ کرنا، یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ ہر کام حکمت کے تحت کرتا ہے اور وہ کسی کو صرف اس کے عمل کی وجہ سے عذاب دیتا ہے، پس جو خلل ہے وہ صرف تمہاری اپنی طرف سے ہے، تقدیر پر ملامت کرنے کی بجائے اپنے آپ کو ملامت کرو اور اللہ سے توبہ کرو۔ کوئی بھی تمہیں توبہ سے نہیں روک سکتا، اور اللہ ہر توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول کرتا ہے۔ پس تم اس بارے میں اپنے آپ کو کیوں الجھاتے ہو جس میں تمہاری کوئی مصلحت

نہیں؟

پس تم پر تسلیم کرنا اور مان لینا لازم ہے، اور جو تمہارے لیے لایعنی چیز ہے اس میں دلچسپی نہ لینا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بندے کے اسلام کی اچھائی یہ ہے کہ اس چیز کو ترک کر دے جو لایعنی ہے۔'' (سنن ترمذی: ۲۳۱۷)

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**تمام باتوں میں جو رسول اللہ ﷺ نے کہا اسی کا اعتقاد رکھنا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا۔**) یعنی: جو رسول اللہ ﷺ نے کہا اسی کا اعتقاد رکھنا، اس لئے کہ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، اور احادیث میں وہم نہ کرو، اور نہ شک کرو جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں، تو ایسی صورت میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں: ﴿**فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا**﴾ (سورہ نساء: 65) ترجمہ: ''نہیں، اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا (Judge) نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ (رسول کے فیصلے کو) سر بسر تسلیم کر لیں۔'' ﴿**وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا**﴾ (سورہ احزاب: 36) ترجمہ: ''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔'' اور بھی اس طرح کی آیات ہیں۔ پس تم پر واجب ہے کہ: (حکم) بجا لانا، تسلیم کرنا اور مان لینا۔

(**تمام اشیاء میں**) یعنی: تمام اشیاء میں، رسول نے اللہ کی طرف سے جو کچھ پہنچایا اور اس کی وضاحت کی ہے جس کے لوگ اپنے دین کے امور میں محتاج ہیں، اور اللہ نے اس کے ذریعہ سے دین

کو مکمل کیا، اور خیر صرف اسی میں ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کی رہنمائی کی ہے، اور شر وہی ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو خبردار کیا ہے، اور اپنی امت کو ایسی روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں اور اس سے وہی شخص کنارہ کشی کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔

(**اور اس کے سوا جو ہے اس سے خاموشی اختیار کی جائے۔**) یہ ویسے ہی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ''اللہ نے فرائض کو فرض کیا ہے تو اسے ضائع نہ کرو، اور کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے انہیں پامال نہ کرو، اور کچھ چیزوں کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے تم پر رحمت کی بنیاد پر، نہ کہ بھول کی وجہ سے، پس ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔'' (الطبرانی، حدیث: ۵۸۹) تم صرف اسی چیز کے بارے میں سوال کرو جس کے تم اپنے دین یا دنیا کے معاملے میں محتاج ہو، اور ''بندے کے اسلام کی اچھائی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کر دے۔'' رہا مسئلہ ان چیزوں کا جس کا محتاج بندہ نہیں ہے تو اس بارے میں سوال کرنا فضول ہے، اور نبی اکرم ﷺ نے فضول باتوں، کثرت سے سوال کرنے اور مال کو ضائع کرنے سے منع کیا ہے (بخاری: ۱۴۰۷)، پس تمہارے سوال تمہاری ضرورت کے تحت ہونے چاہئے اور جس کی تمہیں ضرورت نہ ہو اس بارے میں سوال نہ کرو۔

{68} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أُسْرِيَ بِهٖ إِلَى السَّمَاءِ، وَصَارَ إِلَى الْعَرْشِ، وَكَلَّمَ اللّٰهُ، وَدَخَلَ الْجَنَّةَ، وَاطَّلَعَ فِي النَّارِ، وَرَأَى الْمَلَائِكَةَ، وَسَمِعَ كَلَامَ اللّٰهِ وَنُشِرَتْ لَهُ الْأَنْبِيَاءُ، وَ رَأَى سُرَادِقَاتِ الْعَرْشِ وَالْكُرْسِيِّ، وَجَمِيْعَ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرَضِيْنَ فِي الْيَقْظَةِ، حَمَلَهُ جِبْرِيْلُ عَلَى الْبُرَاقِ حَتّٰى أَدَارَهُ فِي السَّمَاوَاتِ، وَفُرِضَتْ عَلَيْهِ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ، وَرَجَعَ إِلَى مَكَّةَ لَيْلَتَهُ، وَذٰلِكَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ)

ترجمہ: ”اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی سیر کرائی گئی، اور آپ عرش تک گئے، اللہ سے کلام کیا، جنت میں داخل ہوئے، جہنم میں جھانکا، فرشتوں کو دیکھا، اللہ کے کلام کو سنا اور آپ کے سامنے انبیاء علیہم السلام کو پیش کیا گیا، اور آپ نے عرش و کرسی کے خیموں کا مشاہدہ کیا، اور ان تمام چیزوں کا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ یہ سب بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو بُراق پر سوار کر کے آسمانوں کا چکر لگایا، اور اسی رات آپ پر پانچ وقت کی نمازیں فرض ہوئیں، اسی رات آپ مکہ لوٹ آئے، اور یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے۔“

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان کہ: (**اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ کو رات میں آسمان کی سیر کرائی گئی۔**) یہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے، پس رسول اللہ ﷺ پر ایمان میں سے ہے کہ: معجزات پر ایمان لانا جو رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی صداقت کی دلیل ہیں۔ اور آپ کا سب سے عظیم معجزہ: قرآن وسنت ہیں، یہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے عظیم معجزات ہیں اور یہ ایسے ہیں جو قیامت تک باقی رہیں گے۔

اسی طرح آپ کے معجزات میں سے: اسراء و معراج ہیں۔ **اسراء:** رات میں سیر کرنے کو

کہتے ہیں۔ اور **معراج:** چڑھنے کو کہتے ہیں۔

آپ ﷺ کو رات کے وقت مکہ میں مسجد حرام سے، مسجد اقصیٰ جو کہ فلسطین میں ہے وہاں تک کی سیر ایک ہی رات میں حضرت جبریل علیہ السلام کی صحبت میں کرائی گئی۔ پھر حضرت جبریل آپ کو بیت المقدس سے لے کر آسمان کی طرف چڑھے۔ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی رات میں مکہ سے بیت المقدس تک چلے گئے پھر آسمان پر چڑھے، پھر آسمان سے نیچے اترے اور پھر ایک ہی رات میں مکہ واپس آگئے؟ یہ تو اللہ کی قدرت ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی قدرت سے نہیں بلکہ اللہ سے کی قدرت سے ہوا جس کی قدرت کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی۔ بُراق لایا گیا جو ایک تیز رفتار جانور ہے، جہاں تک نظر جائے وہاں اس کے ایک قدم پڑتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ بیت المقدس کا سفر کیا، یہی اسراء ہے۔

معراج: پس آپ کو بیت المقدس سے آسمان کی طرف چڑھایا گیا۔ آپ ساتوں آسمانوں سے ہوتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے، اور اللہ کے کلام کو سنا، اللہ نے آپ کو نماز کا حکم دیا۔

اسی رات آپ نے جنت اور جہنم کو دیکھا۔ اور اسی رات آپ نے آسمانوں میں انبیاء و رُسل عظام علیہم السلام کو دیکھا، اللہ نے تمام کو آپ ﷺ کے لئے جمع کیا اور آپ نے ان کو نماز پڑھائی، یہ تمام انبیاء پر آپ کی فضیلت کے طور پر تھا۔ جب آپ آسمان میں تھے تبھی آپ پر اللہ نے پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں۔ پھر آپ بیت المقدس کی طرف اتر آئے۔ پھر ایک ہی رات میں بیت المقدس سے مکہ آگئے اور صبح مکہ میں کی۔

اسراء اور معراج کا واقعہ آپ ﷺ کے جسم اور روح کے ساتھ پیش آیا۔ یہ صرف آپ کی روح کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جیسا کہ بعض منکرین اور مغرب زدہ لوگ اس بارے میں کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ: آپ کو اسراء صرف روح کے ساتھ کرائی گئی، جسم کے ساتھ نہیں۔ اور اسراء سوتے ہوئے یعنی خواب کی حالت میں نہیں ہوئی بلکہ یہ حالت بیداری میں پیش آئی۔ آپ ﷺ کو حالت بیداری میں اسراء

کرائی گئی نہ کہ نیند کی حالت میں، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ﴾** (سورہ بنی اسرائیل: 1) ترجمہ: ''پاک ہے وہ جو لے گیا ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے دور کی اُس مسجد تک جس کے ماحول کو اُس نے برکت دی ہے، (کس لئے) تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔'' اس رات آپ نے عجائبات کا مشاہدہ کیا، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: **﴿لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِ الۡکُبۡرٰی﴾** (سورہ نجم: 18) ترجمہ: ''اور اُس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' اور سورہ بنی اسرائیل میں اللہ کا فرمان ہے: **﴿لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا﴾** (سورہ بنی اسرائیل: 1) ترجمہ: ''تاکہ اسے اپنی کچھ نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔'' پس آپ ﷺ نے اس مبارک سفر میں اللہ نے جو کچھ دکھانا چاہا وہ سب دیکھا۔ پس ایک مومن پر واجب ہے کہ اس پر ایمان لے آئے اور اس کی تصدیق کرے، اور اس بارے میں معمولی سا بھی شک نہ کرے، اور جو اس کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کرنے والا ہے۔ اور تکذیب کرنے والا مسلمانوں کے اجماع کی رو سے کافر ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اور آپ ﷺ جنت میں داخل ہوئے اور جہنم کی طرف جھانکا**) آپ جنت میں داخل ہوئے اور اس کی نعمتوں کا مشاہدہ کیا۔ اور جہنم کی طرف جھانکا اور اس میں جو عذاب ہے اس کو دیکھا۔ اس لئے کہ اللہ چاہتا تھا کہ آپ ان نشانیوں کو دیکھیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اور فرشتوں کو دیکھا**) حضرت جبریل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا، ان کو چھ سو پَر تھے، ہر پَر اُفق پر چھایا ہوا تھا۔ فرشتوں کی تخلیق بہت عظیم ہے، اور حضرت جبریل تو فرشتوں میں سب سے عظیم ہیں اور ان کے سردار ہیں۔ پس آپ ﷺ نے فرشتوں کو دیکھا، اور رسولوں کو دیکھا جبکہ ان کی موت واقع ہو چکی تھی، اللہ نے انہیں آپ ﷺ کی خاطر جمع کیا، اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت

رکھنے والا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اور آپ نے عرش وکرسی کے خیموں کا مشاہدہ کیا**) اور آپ نے عرش کے اردگرد کو دیکھا اور جو کچھ کرسی کے آس پاس ہے اسے بھی دیکھا۔ (عرش اور کرسی) اور جو کچھ ان کے آس پاس ہے وہ بہت عظیم مخلوقات ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اور بیداری کی حالت میں وہ سب کچھ دیکھا جو آسمانوں میں ہے**) یہ ان لوگوں کے رد میں ہے جو کہتے ہیں کہ یہ سب نیند کی حالت میں ہوا۔ اگر ایسا نیند کی حالت میں ہوتا تو کفار اس کا انکار نہیں کرتے، اس لئے کہ خواب کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بیداری کی حالت کی وجہ سے انکار کیا۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾** (سورہ بنی اسرائیل: 1) ترجمہ: ''ایک رات اپنے بندے کو لے گیا۔'' اور عبد کا اطلاق: ایک ساتھ جسم اور روح دونوں پر ہوتا ہے۔ پس صرف روح کے لئے **عبد** نہیں بولا جاتا ہے، اور روح کے بغیر صرف جسم پر بھی **عبد** نہیں بولا جاتا ہے۔ پس **عبد** ایک ساتھ جسم اور روح دونوں پر بولا جاتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**آپ کو جبریل نے بُراق پر سوار کیا**) بُراق ایک جانور ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اسی رات پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئیں**) یہ نماز پنج وقتہ کی عظمت کی دلیل ہے کہ انہیں آسمان میں اللہ اور اس کے رسول کے درمیان بلا کسی واسطہ کے رسول اللہ ﷺ پر فرض کیا گیا۔ برخلاف بقیہ احکامات کے کہ وہ حضرت جبریل کے واسطہ سے زمین پر نازل ہوتے تھے۔ پس یہ اللہ کے نزدیک نمازوں کی عظمت کی دلیل ہے۔

اسراء کا زمانہ مدینہ ہجرت کرنے سے قبل کا ہے اور آپ نے مکہ میں ہی پانچ وقت کی نمازیں ادا کی تھیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اسی رات آپ مکہ لوٹ آئے اور یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے**) اسی رات آپ مکہ لوٹے، اسی لئے کفار تعجب میں پڑ گئے، اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کے لئے اس واقعہ

کا خوش ہو کر ذکر کرنے لگے، اس واقعہ کے ذریعہ آپ کی بے عزتی کی اور مذاق اڑایا۔ پس اللہ نے ان کے مکر کو پھیر دیا اور اپنے رسول کو سچا ثابت کر دکھایا اور اس بارے میں قرآن (کی آیات) نازل کیں۔

{172} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ اَنَّ اَرْوَاحَ الشُّهَدَاءِ فِی حَوَاصِلِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَسْرَحُ فِی الْجَنَّةِ وَتَأْوِی اِلٰی قَنَادِيْلَ تَحْتَ الْعَرْشِ، وَاَرْوَاحُ الْفُجَّارِ وَالْكُفَّارِ فِی بِئْرِ بَرَهُوْتَ، وَهُوَ فِی سِجِّيْنٍ)

ترجمہ: ''جان لو کہ! شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں، جنت میں سیر کرتی ہیں اور عرش کے نیچے کی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ اور فاجروں و کفار کی روحیں برہوت کنویں میں ہیں، اور وہ قید خانہ ہے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**جان لو کہ! شہیدوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جوف میں ہوتی ہیں، جنت میں سیر کرتی ہیں**) روحیں جن کے ذریعہ انسان زندہ رہتا ہے، حرکت کرتا ہے اور ادراک کرتا ہے، یہ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یعنی: اس کی حقیقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: **﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا﴾** (سورہ بنی اسرائیل: 85) ترجمہ: ''یہ لوگ تم سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو ''یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، مگر تم لوگوں نے علم سے کم ہی بہرہ پایا ہے۔'' (تمہیں تو تھوڑا ہی سا علم عطا ہوا ہے)'' روح سے مراد وہ مادہ ہے جس سے انسان، حیوان اور سارے ذی روح زندہ رہتے ہیں۔ اور کہا جاتا ہے کہ: روح سے مراد: فرشتوں کی ایک قسم ہے۔ **واللہ اعلم**

اور روح (کا معنیٰ) لغت میں: جس سے ذی ارواح کو زندگی ملتی ہے اس کے لئے بولا اور مراد لیا جاتا ہے، اس لئے کہ زندگی کی دو اقسام ہیں:

حرکت والی زندگی : یہ ذی ارواح میں ہوتی ہے۔

نمو والی زندگی: یہ درختوں اور نباتات میں ہوتی ہے۔ اور اسی میں سے: جنین کی اپنی ماں کے پیٹ میں روح پھونکے جانے سے قبل کی زندگی، پس جب اس میں روح پھونک دی جاتی ہے تو اس میں حرکت والی روح ہوتی ہے، اور جو اس سے قبل ہوتی ہے وہ نمو والی روح ہوتی ہے۔

متکلمین اور فلاسفہ روح کی حقیقت کے بارے میں مضطرب ہیں اور اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اس بارے میں انہوں نے فضول قیاس آرائیوں کی کوشش کی مگر اس کے ادراک سے عاجز رہے۔

{70} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيْمَانُ بِأَنَّ الْمَيِّتَ يُقْعَدُ فِيْ قَبْرِهِ وَتُرْسَلُ فِيْهِ الرُّوْحُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ مُنْكَرٌ وَنَكِيْرٌ عَنِ الْإِيْمَانِ وَشَرَائِعِهِ، ثُمَّ تُسَلُّ رُوْحُهُ بِلَا أَلَمٍ)

(۷۱) (وَيَعْرِفُ الْمَيِّتُ الزَّائِرَ إِذَا زَارَهُ، وَيَتَنَعَّمُ الْمُؤْمِنُ فِى الْقَبْرِ، وَيُعَذَّبُ الْفَاجِرُ كَيْفَ شَاءَ اللّٰهُ)

ترجمہ: ''اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ میت کو قبر میں بٹھایا جاتا ہے اور اس کی روح لوٹائی جاتی ہے یہاں تک منکر نکیر اس سے ایمان اور اس کے شرائع کے بارے میں سوال کرتے ہیں، پھر بلا تکلیف اس کی روح نکل جاتی ہے۔''

''اور جب زیارت کرنے والا زیارت کرتا ہے تو میت اسے پہچان لیتا ہے۔ مومن اپنی قبر میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور فاجر کو اللہ جیسے چاہے عذاب دیتا ہے۔''

الشرح:

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے **(اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ میت کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے)** اس بات پر ایمان رکھنا واجب ہے کہ میت کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے، اور اس کے جسم میں اس کی روح کو لوٹایا جاتا ہے، اور پھر دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں: اس میں ایک منکر اور دوسرا نکیر ہوتا ہے، پس وہ اس سے سوال کرتے ہیں اور یہی قبر کی آزمائش ہے، یہ میت پر سب سے سخت چیز ہوتی ہے۔ اگر وہ اس آزمائش سے نجات پا جاتا ہے تو اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس سے نجات میں رہے گا، اور اگر اس آزمائش سے نجات نہیں پاتا تو وہ ہلاک ہونے والا ہے اس کے لئے کوئی نجات نہیں۔ دونوں فرشتے اس سے تین سوالات کرتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ پس مومن جواب دیتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔ منافق کہتا ہے: ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ دونوں فرشتے اس سے کہتے ہیں: تیرا دین کیا

ہے؟ مومن کہتا ہے: میرا دین اسلام ہے۔ منافق اور شک میں رہنے والا کہتا ہے: ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ دونوں فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں: تیرا نبی کون ہے؟ مومن جواب دیتا ہے: میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ منافق کہتا ہے: ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔

پس مومن کے لئے اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے، اور اس کے لئے جنت کا بستر لگا دیا جاتا ہے، اور اس تک جنت کی نعمت اور خوشبو آتے رہتی ہے، اور وہ اپنی قبر میں نعمت کا مزہ لیتا ہے۔

اور کافر و منافق: اس پر اس کی قبر کو تنگ کر دیا جاتا ہے، اور آگ کا بستر لگا دیا جاتا ہے، اور اس کے لئے جہنم کی طرف سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس سے جہنم کی گرمی اور تپش آتے رہتی ہے۔

یہی معنیٰ اس قول کا ہے کہ (**اور اس کی روح لوٹائی جاتی ہے یہاں تک منکر نکیر اس سے ایمان اور اس کے شرائع کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔**)

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ (**زیارت کرنے والا جب زیارت کرتا ہے تو میت اسے پہچان لیتا ہے**) اسی خاطر قبر کی زیارت کو مشروع قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ میت کو زیارت کرنے والے سے اُنسیت ہوتی ہے، اور یہ برزخی امور میں سے ہے، ہم آخرت اور برزخ کے امور سے متعلق صرف اتنا ہی کہتے ہیں جو دلیل سے ثابت ہو، اس لئے کہ وہ علم غیب سے ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے، اور اس سے یہ نہیں اخذ کیا جاسکتا کہ میت سے کچھ مطالبہ کیا جاسکتا ہے، سو یہ کہا جائے کہ: جب وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس کون آتا ہے تو ہم کیوں نہ اس سے ہماری ضروریات کا مطالبہ کریں؟ ہم کہیں گے: اللہ نے اسے مشروع نہیں قرار دیا ہے، میت سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، باوجود اس کے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں حیات برزخی کے ساتھ زندہ ہیں وہ دنیاوی زندگی نہیں ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**مومن اپنی قبر میں نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے، اور فاجر کو اللہ**

جیسے چاہے عذاب دیتا ہے) ایمان کے اصول میں سے ہے کہ: عذاب قبر اور اس کی نعمت پر ایمان رکھنا، برخلاف معتزلہ کے جو اس کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ: میت قبر میں بالکل اسی طرح ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے اس کو رکھا ہے نہ تو اسے عذاب ہوتا ہے اور نہ ہی نعمت ملتی ہے، انہیں اپنی عقل، سوچ اور خیالات پر اعتماد ہے، وہ غیب پر ایمان نہیں رکھتے، نہ آخرت کے ذریعہ دنیا کو قیاس کرتے ہیں اور نہ ہی دنیا کے ذریعہ آخرت کو قیاس کرتے ہیں، پس تم پر لازم ہے کہ غیب پر ایمان رکھو۔

عذاب قبر اور اس کی نعمت ثابت شدہ ہیں، بلکہ احادیث میں تواتر کے ساتھ آیا ہے، کہ میت کو اس کی قبر میں یا تو عذاب دیا جاتا ہے اور اسے نعمت میں رکھا جاتا ہے، پس جو بھی نصوص اور دلائل کا علم رکھتے ہوئے عذاب قبر کا انکار کرے گا تو وہ کافر ہے، البتہ اگر تاویل یا تقلید یا جہالت کی وجہ سے انکار کرے گا تو اس پر حق بات کی وضاحت کی جائے گی، پس اگر وضاحت کے بعد بھی اصرار کرے تو اس پر کفر کا حکم لگے گا۔

{72} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْإِيمَانُ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِيْ كَلَّمَ مُوْسٰى بْنَ عِمْرَانَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ يَوْمَ الطُّوْرِ وَمُوْسٰى يَسْمَعُ مِنَ اللّٰهِ الْكَلَامَ بِصَوْتٍ وَقَعَ فِيْ مَسَامِعِهِ مِنْهُ، لَا مِنْ غَيْرِهِ، فَمَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا فَقَدْ كَفَرَ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ)

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ”اور اس بات پر ایمان رکھنا کہ اللہ نے طور والے دن حضرت موسیٰ بن عمران علیہ الصلاۃ والسلام سے کلام کیا اور موسیٰ اللہ سے کلام کو سن رہے تھے ایسی آواز میں جو اُن کے کانوں میں آرہی تھی، (اللہ) کے علاوہ سے نہیں، جس نے اس کے علاوہ کوئی اور بات کہی تو اس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا۔“

الشرح:

اللہ کے لئے کلام کو ثابت ماننا اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے اصول میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی طور پر کلام کرتا ہے، اسے حضرت جبریل نے سنا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس وقت سنا جب وہ آگ کی طرف گئے کہ اس میں سے کچھ انگارے لے لیں تو اللہ نے درخت کے ذریعہ کلام کیا، جیسا کہ اس بات کا ذکر قرآن میں ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے کلام کو سنا، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ (سورہ نساء: 164) ترجمہ: ”اور اللہ نے موسیٰ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔“ ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ (سورہ اعراف: 143) ترجمہ: ”جب وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا۔“

یہ دوسری مرتبہ ہے جب اللہ نے وعدہ کیا کہ وہ انہیں توراۃ عطا فرمائے گا تو وعدے کے وقت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا اور انہیں تورات کی لکھی ہوئی تختیاں

عطا فرمائیں، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے کلام کو سنا۔

اور معراج کی رات ہمارے نبی محمد ﷺ سے کلام کیا، اور آپ پر پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں، پس اللہ نے ایسا کلام کیا جسے آپ نے سنا، حرف اور آواز کے ساتھ۔

رہے جہمیہ اور معتزلہ تو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ کلام نہیں کرتا، اس لئے کہ اگر ہم اللہ کے لئے کلام کو ثابت مانتے ہیں تو ہم اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ مخلوق بھی کلام کرتی ہے! اور کیا اللہ کے کلام کو مخلوق کے کلام پر قیاس کیا جاسکتا ہے؟ اللہ اور مخلوق کے کلام کے درمیان تو فرق ہے، پس وہ -اللہ کی پناہ- اللہ اور مخلوق کے درمیان فرق نہیں کرتے، یہ ان کی عقل اور فہم کی کمی کا نتیجہ ہے، پس اللہ تعالیٰ حقیقت میں ایسا کلام کرتا ہے جسے سنا جاسکے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، جس کے ذریعہ اللہ نے کلام کیا، اور تورات وانجیل کے ذریعہ بھی کلام کیا، اور جب اور جیسے چاہتا ہے کلام کرتا ہے، پس کلام کرنا اس کا فعل ہے اور اس کی فعل کی نہ کوئی انتہاء ہے اور نہ ہی کوئی شروعات ہے، جب چاہے جیسے چاہے اور جو چاہے اللہ اس طرح سے کلام کرتا ہے، پس کلام کرنا اس کی صفات فعلیہ میں سے ایک صفت ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے، نہ کہ کسی غیر سے**) نہ کہ درخت سے، نہ لوح محفوظ سے، نہ جبریل سے، نہ محمد ﷺ سے، پس وہ کلام حقیقی طور پر اللہ سے شروع ہوا، اور جبریل ومحمد ﷺ اللہ سے نقل کرنے والے اور اللہ کی طرف سے پہنچانے والے ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے (**پس جس نے اس کے علاوہ کوئی بات کی تو اس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا۔**) جس نے کہا کہ: بے شک اللہ کا کلام مخلوق ہے، اور اللہ کلام نہیں کرتا، اور اس نے اللہ کو کلام سے معطل قرار دیا تو وہ کافر ہے، اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول، اور مسلمانوں کے اجماع کی تکذیب کرتا ہے۔ ہاں اگر وہ (اس مسئلہ کے بارے میں) نہ جانتا ہو یا اس کی تاویل کرتا ہو یا مقلد ہو، جن کے بارے میں ہمارا حُسن ظن ہو تو اس کے سامنے (مسئلہ کی) وضاحت کی جائے گی، پھر بھی اگر وہ اصرار کرے تو اس پر کفر کا حکم لگے گا، اس لئے کہ اللہ نے مشرکین کا عیب بتایا کہ وہ ایسے مجسموں کی

عبادت کرتے ہیں جو کلام نہیں کر سکتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿يَٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِى عَنكَ شَيْـًٔا﴾ (سورہ مریم: 42) ترجمہ: "ابا جان! آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟"

اور ان کفار کے بارے میں فرمایا جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں: ﴿فَسْـَٔلُوهُمْ إِن كَانُوا۟ يَنطِقُونَ﴾ (سورہ انبیاء: 63) ترجمہ: "ان ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔" اور اللہ عزوجل بنی اسرائیل کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿وَٱتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنۢ بَعْدِهِۦ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُۥ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا۟ أَنَّهُۥ لَا يُكَلِّمُهُمْ﴾ (سورہ اعراف: 148) ترجمہ: "موسیٰ کے پیچھے اس کی قوم کے لوگوں نے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑے کا پتلا بنایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ کیا انہیں نظر نہ آتا تھا کہ وہ ان سے بولتا نہیں۔"

پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رب کلام کرتا ہے اور جو کلام نہیں کرتا وہ رب نہیں ہوسکتا، وہ کیسے حکم دے گا؟ اور کیسے منع کرے گا اور کیسے تدبیر کرے گا جبکہ وہ کلام ہی نہیں کرسکتا؟ اللہ ان تمام باتوں سے بلند و بالا ہے، اور سورہ طٰہٰ میں ہے: ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ (سورہ طٰہٰ: 79) ترجمہ: "کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے نفع ونقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے؟" یعنی جب وہ اس سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ اُن کو جواب نہیں دیتے۔

{73} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَاعْلَمْ اَنَّ الشَّرَّ وَالْخَيْرَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَقَدَرِهِ)

ترجمہ: ''جان لو کہ شر اور خیر اللہ کی قضاء اور قدر سے ہیں۔''

الشرح:

قضاء وقدر پر ایمان رکھنا واجب ہے، اور یہ کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی واقع ہوتا ہے وہ بلا وجہ نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو لوح محفوظ میں مقدر اور لکھا ہوتا ہے، اور اللہ اس کو جانتا ہے اور اسے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے، پھر اس کا اندازہ لگایا، پھر اس کی تخلیق کی اور اسے ایجاد کیا اور اس کو چاہا، اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں پائی جاتی جو اللہ کی قضاء وقدر پر سبقت لے جائے، ہر چیز مقدر کی جا چکی ہے، اور اسی میں سے: خیر وشر ہیں، خیر جو لوگوں کو اللہ کی قضاء وقدر کے ذریعہ لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اور شر بھی انہیں اللہ کی قضاء وقدر کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اور کفر وایمان اور مرض وصحت، اور بھوک وآسودگی، اور امیری وغریبی، یہ سب اللہ کی قضاء وقدر کے ذریعہ ہے۔

{74} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

(وَالْعَقْلُ مَوْلُوْدٌ، اَعْطٰی کُلَّ اِنْسَانٍ مِنَ الْعَقْلِ مَا اَرَادَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، یَتَفَاوَتُوْنَ فِی الْعُقُوْلِ مِثْلَ الذَّرَّةِ فِی السَّمٰوَاتِ، وَیَطْلُبُ مِنْ کُلِّ اِنْسَانٍ مِنَ الْعَمَلِ عَلٰی قَدْرِ مَا اَعْطَاهُ مِنَ الْعَقْلِ، وَلَیْسَ الْعَقْلُ بِاکْتِسَابٍ، اِنَّمَا هُوَ فَضْلٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ)

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان ہے: ''اور عقل کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ عزوجل نے جیسا ارادہ کیا اس کے مطابق ہر انسان کو عقل عطا کی، لوگ عقل کے بارے میں آسمان میں پائے جانے والے ذرّات کی طرح ہیں، اور رہر انسان سے اتنا ہی عمل مطلوب ہے جتنا کہ اس کو عقل دی گئی ہے، اور عقل اکتساب سے حاصل نہیں ہوتی، وہ تو اللہ کا فضل ہے۔''

الشرح:

عقل: یہ ایسی قوت ہے جسے اللہ نے انسان میں رکھا ہے جس سے وہ چیزوں کا ادراک کرتا ہے، اس کے ذریعہ سے نافع اور نقصان دہ کی معرفت کرتا ہے، اور خیر وشر کی، کوئی نہیں جانتا کہ عقل کی کیفیت کیا ہے، لوگوں نے اس بارے میں بہت سر کھپایا لیکن کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے، اس لئے کہ یہ اللہ کے رازوں میں سے ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

اور **عقل:** کو عقل اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کو اس کے ذریعہ سے جو اُسے نقصان دینے والی (چیز) ہے روکتا ہے، جیسا کہ چوپایہ کو رسی آزاد ہونے سے روکتا ہے۔

اور عقل کو **حِجر** بھی کہا جاتا ہے: **﴿هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ﴾** (سورہ فجر:5) ترجمہ: ''کیا اس میں کسی صاحب عقل کے لیے کوئی قسم ہے؟'' **حِجر** یعنی عقل، اسے **حِجر** اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ انسان کو نقصان دہ چیزوں سے روکتی ہے۔

اسے **نُہٰی** بھی کہا جاتا ہے: **﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾** (سورہ طٰہٰ: 54) ترجمہ: ''یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں عقل رکھنے والوں کے لیے۔'' یعنی: عقل والوں کے لئے۔

اسے **لُبّ** بھی کہا جاتا ہے: **﴿لِاُولِي الْاَلْبَابِ﴾** (سورہ آل عمران: 190) یعنی: عقل والوں کے لئے۔

پس (معلوم یہ ہوا کہ) عقل اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ **(وہ پیدا کی گئی ہے)** ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ مخلوق ہے، اور قدیم نہیں ہے، یا یہ کہ اسے انسان کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، اور یہ عقل جیسا کہ ہم نے پہلے ہی ذکر کیا کہ اس کی حقیقت کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا، اسی وجہ سے علمائے کلام اور فلاسفہ اس بارے میں مضطرب ہیں، اور عقل کے بارے میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے، اس لئے کہ یہ ان کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔

عقل جدا جدا ہے:

لوگوں میں کچھ ایسے ہیں: جن کی عقل کامل ہے جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام۔

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں: جن کو بنیادی طور پر عقل ہی نہیں جیسا کہ پاگل، دیوانہ اور بچے۔

اور لوگوں میں کچھ: درمیانی ہیں: عقل کے کمال اور عقل کے نہ ہونے کے درمیان ہیں، یعنی: ان کے پاس عقل ہے لیکن مکمل نہیں، اور نقص میں بھی جدا جدا ہیں، کچھ لوگوں کی عقل میں نقص زیادہ ہے، اور کچھ لوگوں کی عقل میں تھوڑی کمی ہے، یہ سب اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ نے بنایا ہے۔

فہم (سمجھ) پر بھی عقل کا استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے: قرآنی آیات کو سمجھنا، **﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾** (سورہ نحل: 12) ترجمہ: ''سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔'' یعنی: جو لوگ کائنات کی نشانیوں کو اور آیات قرآنی کو سمجھتے ہیں، **﴿وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾** (سورہ عنکبوت: 43) ترجمہ: ''یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں، مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔''

پس عقل کا اطلاق فہم اور ادراک پر ہوتا ہے، اور اللہ کے دین کی سمجھ میں، ﴿اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ (سورہ قصص:60) ترجمہ: ''کیا تم سمجھتے نہیں؟''

اور لوگوں میں کچھ ایسے ہیں: جن کی عقل پر ان کے کفر اور غفلت کی وجہ سے پردہ پڑا ہوا ہے، پس وہ نقصان دہ اور نفع بخش کے درمیان تمیز ہی نہیں کر پاتے، وہ عقل مند ہونے کے باوجود اپنی عقل سے فائدہ نہیں اٹھاتے، اللہ کی پناہ، وہ اپنے کفر کے سبب اپنی عقل سے محروم ہو گئے ہیں پس وہ سمجھتے نہیں: ﴿اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَهُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ؕ اِنۡ هُمۡ اِلَّا کَالۡاَنۡعَامِ﴾ (سورہ فرقان:44) ترجمہ: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے اور سمجھتے ہیں؟ یہ تو جانوروں کی طرح ہیں۔'' پس اللہ نے اسے عقل کو فائدہ مند کاموں میں استعمال نہ کرنے کی وجہ سے بطور سزا عقل سے محروم کر دیا ہے، وہ تو اسے ان کاموں میں استعمال کرتا ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں، یا جس میں اسے نقصان ہو، پس عقل اللہ کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ (**اور ہر انسان سے اتنا ہی عمل مطلوب ہے جتنا کہ اسے عقل عطا کی گئی ہے**) مکلف بنانا، احکامات، منہیات، ثواب اور سزا، سب کچھ عقل پر منحصر ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا فرمان کہ (**عقل محنت سے حاصل نہیں ہوتی، وہ تو اللہ کا فضل ہے**) عقل اللہ کی جانب سے ہوتی ہے جسے وہ انسان میں مرکوز کرتا ہے، اور وہ مخلوق سے متعلق اللہ کے راز میں سے ہے، انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ عقل کو محنت سے حاصل کر سکے، جی ہاں، انسان اپنی عقل کو اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کر کے اور قرآن پر تدبر کر کے تقویت دے سکتا ہے، مگر یہ کہ وہ محنت سے عقل کو پا لے ایسا ممکن نہیں، اللہ نے انسان میں عقل کا وجود رکھا ایسا ممکن نہیں کہ انسان اپنی طرف سے عقل کو وجود بخشے اور اس کو حاصل کر سکے۔ البتہ اسے تقویت دینا ممکن ہے: ﴿اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَلٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ﴾ (سورہ حج:46) ترجمہ: ''کیا یہ لوگ زمین میں چلے

پھرے نہیں ہیں کہ ان کے دل سمجھنے والے یا اِن کے کان سننے والے ہوتے؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔" پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں غور وفکر کرنے اور سابقہ امتوں کے ساتھ جو ہلاکت ان کے کفر اور گناہوں کے سبب آئی ان پر غور کرنا انسان کو فائدہ دیتا ہے اور اس کی عقل کو تقویت عطا کرتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کیلئے عقل پیدا کرتا ہے جو پہلے معدوم تھی۔

اتحاف القاری

شرح

شرح السنہ للامام البربہاری

تالیف

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

{75} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن الله فضل العباد بعضهم على بعض في الدين والدنيا عدلا منه، لا يقال: جار ولا حابى، فمن قال: إن فضل الله على المؤمن والكافر سواء فهو صاحب بدعة، بل فضل الله المؤمن على الكافر. والطائع على العاصي، والمعصوم على المخذول، عدلا منه، هو فضله يعطيه من يشاء ويمنعه من يشاء.

ترجمہ: اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دین و دنیا کے تعلق سے ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے، اور یہ اسکا عدل ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے ظلم کیا اور جانبداری سے کام لیا، اور جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل مومن اور کافر پر برابر ہے تو ایسا شخص بدعتی ہے، بلکہ صحیح یہ ہیکہ اللہ نے مومن کو کافر پر، فرمانبردار بندے کو گنہگار بندے پر اور ایک بے قصور کو قصوروار پر فضیلت دے رکھی ہے، اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا: (اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دین و دنیا کے تعلق سے ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے، ایک مومن کو اسکے ایمان کے سبب کافر پر فضیلت دے رکھی ہے، اور کافر کو اسکے کفر کے باعث اس فضیلت سے محروم رکھا ہے، اسی طرح مومنوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے، اور اسی طرح رسولوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ**

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ) ترجمہ: یہ رسول، ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور ان کے بعض کو اس نے درجوں میں بلند کیا۔ (البقرہ: ۲۵۳)۔

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے نوازتا ہے اس پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے، کیوں کہ بادشاہت اسی کی ہے وہ جسے چاہے دے سکتا ہے۔

ساری بادشاہت اور سارا فضل اسی کا ہے وہ جسے چاہے دے، اللہ پر اعتراض کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے، لیکن معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ پر یہ واجب ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل کرے اور سب کو برابر نوازے، حالانکہ ایسا کہنا اللہ کی شان میں بے ادبی اور اس پر اعتراض ہے، اللہ ایسے اعتراضات سے بلند اور بالاتر ہے۔ چنانچہ اللہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے جو چاہے عطا کرے اسکی بادشاہت پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے، ہاں وہ کسی کو بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا؛ کیونکہ یہ عدل کے منافی ہے اور اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اسلئے وہ کسی کو بلا جرم کئے یا دوسرے پر زیادتی کئے بغیر سزا نہیں دیتا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ) ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ سے لدی ہوئی (جان) اپنے بوجھ کی طرف بلائے گی تو اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا، خواہ وہ قرابت دار ہو۔ (فاطر: ۱۸)۔

سو جہاں تک جزا اور بدلے کا تعلق ہے تو اس ناحیے سے اللہ تعالی سب کے ساتھ عدل سے کام لیتا ہے اور جہاں تک عطا اور نوازش کا تعلق ہے تو یہاں پر اللہ تعالی اپنے فضل و کرم کی بنیاد پر جسے چاہتا ہے نوازتا رہتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

آگے مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا: (اور جو یہ کہے کہ اللہ تعالی کا فضل مومن اور کافر پر برابر ہے تو ایسا شخص بدعتی ہے)۔

یہ معتزلہ کا قول ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب ہے کہ وہ سب کو صاحب ایمان بنائے، ایسا نہ کرے کہ کسی کو مومن اور کسی کو کافر بنا دے، اسی طرح سب کو مالدار بنائے، سب کو صاحب علم بنائے حالانکہ یہ اللہ کی ذات پر اعتراض ہے، اسلئے کہ اللہ تعالی حکمت والا ہے اسکی یہ حکمت نہیں ہے کہ علم، دولت اور ثواب وعقاب میں سب کو ایک ہی درجے میں رکھ دے۔

اسلئے حکمت نہیں ہے کہ سب کو مالدار بنا دے، اگر سب مالدار ہو جائیں تو کائنات تباہ ہو جائے، کیونکہ اس وقت کوئی کو کام کرنے والا نہیں پائے گا، اس طرح پروڈکشن اور ترقی رک جائے گی، اسی لئے اللہ نے ایک کو دوسرے پر رزق میں فضیلت دے رکھی ہے؛ کوئی مالدار ہے تو کوئی تنگ دست، تاکہ تعمیر کائنات جاری رہے۔

اور اللہ تعالی نے اسی لئے لوگوں کے درجات میں فرق کیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: **(أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ)** ترجمہ: کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے خود ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں تقسیم کی اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا، تاکہ ان کا بعض، بعض کو تابع بنا لے اور تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (الزخرف: ۳۲)۔

یعنی اجرت اور مزدوری پر کام کرنے کیلئے لوگ ایک دوسرے کو استعمال کرتے ہیں تاکہ آپس میں مشغول رہیں اور کائنات کی تعمیر وترقی جاری رہے اور لوگوں کی مصلحتیں بھی پوری ہوتی رہیں۔

آگے مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا: (بلکہ صحیح یہ ہیکہ اللہ نے مومن کو کافر پر، فرمانبردار بندے کو گنہگار بندے پر اور ایک معصوم کو گنہگار پر فضیلت دے رکھی ہے)۔

یہ سب اللہ کا عدل اور اسکا فضل ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا۔

{76} مولف رحمہ اللہ نے کہا:

ولا يحل أن تكتم النصيحة أحدا من المسلمين، برهم وفاجرهم في أمر من أمور الدين، فمن كتم فقد غش المسلمين، ومن غش المسلمين فقد غش الدين، ومن غش الدين فقد خان الله ورسوله والمؤمنين.

ترجمہ: اور یہ جائز نہیں ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی کیلئے دین کے معاملے میں خیرخواہی کو چھپایا جائے، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اگر کسی نے چھپایا تو اس نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا، اور جس نے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ کیا تو اس نے دین کے ساتھ دھوکہ کیا، اور جس نے دین کے ساتھ دھوکہ کیا تو اس نے اللہ، اسکے رسول اور مومنوں کے ساتھ خیانت کی۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ جائز نہیں ہے کہ مسلمانوں میں سے کسی کیلئے دین کے معاملے میں خیرخواہی کو چھپایا جائے، خواہ وہ نیک ہو یا بد)۔

نصیحت اس اس خیرخواہی اور خلوص کو کہتے ہیں جو دھوکے سے پاک ہو، اسی لئے شیء ناصح کو ملاوٹ اور فریب سے پاک چیز کو کہتے ہیں۔

اسلئے مومن پر واجب ہے کہ وہ ناصح بن کر رہے یعنی وہ نفاق سے پاک ہو، فریب سے پاک ہو، دھوکہ دینے سے پاک ہو، وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے خالص سچا ہو۔

اور نصیحت اور خیرخواہی ہی دین ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ ".

ترجمہ: سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے۔" ہم نے کہا: کس کی خیر خواہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور سب مسلمانوں کی۔" (صحیح مسلم: ۵۵)۔

یہاں نصیحت سے مراد یہ ہیکہ آدمی ہر برے اخلاق سے پاک ہو اور تمام اخلاق فاضلہ کا خوگر ہو۔

ناصح انسان اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کو دھوکہ نہ دے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ، فَلَيْسَ مِنَّا، وَمَنْ غَشَّنَا، فَلَيْسَ مِنَّا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو شخص ہم کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۰۱)۔

آپ غور کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کے لفظ کو بطور تاکید کے تین بار بیان کیا ہے بلکہ دین کو اسی کے اندر منحصر کر دیا ہے تاکہ لوگ اسکا خاص دھیان دیں۔

اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ نصیحت کا مسئلہ عقدی ہے، چنانچہ کوئی بھی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا عقیدہ خالص نہ ہو، یعنی شرک اور بدعات سے پاک ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہو، یہی شخص اللہ اور اسکے رسول کا خیر خواہ ہے کہ جس کا عمل شرک اور بدعت سے خالی ہو۔

*** رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی:**

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا، آپ سے محبت کرنا، آپ کی توقیر اور احترام کرنا،

آپ کی اتباع کرنا، آپ کی بات کو ہر انسان کی بات پر مقدم کرنا، ان تمام بدعات سے دور رہنا جن سے آپ نے ڈرایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی بھی ماضی اور مستقبل کے بارے میں خبریں دی ہیں سب کی تصدیق کرنا، جن چیزوں کا حکم دیا ہے انہیں بجالانا اور جن چیزوں سے روکا ہے ان سے اجتناب کرنا، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

***کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی:**

اس بات پر ایمان لانا کہ قرآن اللہ کا منزل کلام ہے، غیر مخلوق ہے، اسے سیکھیں اور سکھائیں، اس پر عمل کریں، اس کے معانی پر غور وفکر کریں اور سمجھیں، اس کی تلاوت کریں اور اس سے پہلوتہی نہ برتیں، یہی کتاب اللہ کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

***حکام کے ساتھ خیر خواہی:**

جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دیں انکی اطاعت کریں، انکی مخالفت اور نافرمانی نہ کریں، انکے خلاف خروج و بغاوت نہ کریں، انکی غلطیوں کو تلاش کرسر عام بیان نہ کریں۔

انکے ساتھ خیر خواہی یہ بھی ہے کہ اگر آپ کے پاس علم اور استطاعت ہے تو انہیں راز داری کے ساتھ نصیحت کریں یا انکی غلطیوں کو لیکر اپنی نصیحت ان تک پہونچادیں، ان غلطیوں کی تشہیر نہ کریں، کیوں کہ یہ خیانت ہے اور خیر خواہی اور بھلائی یہی ہے کہ آپ خلوص سے اپنی نصیحت ان تک پہنچائیں خواہ خود انکے پاس جا کر یا کسی واسطے سے۔

اسی طرح انکے ساتھ خیر خواہی یہ بھی ہے کہ وہ آپ کو دینی یا دنیاوی جو بھی ذمہ داری دین اسے پوری امانت داری کے ساتھ نبھائیں، اس میں کوتاہی نہ کریں، اور اگر کہیں کوئی خلل یا کوتاہی پائیں تو اسے ان تک پہنچائیں تاکہ اس کمی کو دور کیا جائے، یہی ان کے ساتھ خیر خواہی ہے۔

اسی طرح ان کے ساتھ خیر خواہی یہ بھی ہے کہ انکے حق میں اصلاح کی دعا کی جائے، اسلئے کہ جب وہ صالح رہیں گے تو رعایا بھی اسی طرح صالح ہوگی، اور انکے لئے دعائے خیر کی جائے، چنانچہ اگر آپ کسی ایسے شخص کو دیکھیں جو انکے لئے دعا کی کرے یا انکے حق میں دعا کرنے کو ناپسند کرے تو سمجھ لیں کہ وہ دھوکے باز ہے، حکام کے ساتھ خیر خواہ نہیں ہے۔

*** عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی:**

آپ انہیں صحیح راستے ہی کی طرف رہنمائی کریں، غلطیوں سے آگاہ کریں، انہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، جو جاہل ہوں انہیں تعلیم دیں اور جو غافل ہوں انہیں متنبہ کریں، اور جو خیر اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی انکے لئے بھی پسند کریں، محتاجوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور ان پر صدقہ کریں۔

اسی طرح ایک مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی یہ بھی ہے کہ اگر وہ مشورہ طلب کرے تو اسے اچھا مشورہ دیں، اور اگر آپ کو رازوں کا امین بنائے تو ان رازوں کی حفاظت کریں، امانت میں خیانت نہ کریں، انکے ساتھ خرید و فروخت اور دیگر معاملات زندگی میں فریب دہی سے پیش نہ آئیں۔

بالاختصار یہی نصیحت اور خیر خواہی ہے، چنانچہ جو ایسا نہ ہو وہ دھوکے باز ہے، حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ، فَلَيْسَ مِنَّا، وَمَنْ غَشَّنَا، فَلَيْسَ مِنَّا ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو شخص ہم کو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۰۱)۔

{77} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والله تبارك وتعالى سميع بصير عليم، يداه مبسوطتان، قد علم الله أن الخلق يعصونه قبل أن يخلقهم، علمه نافذ فيهم، فلم يمنعه علمه فيهم أن هداهم للإسلام، ومن به عليهم كرما وجودا وتفضلا، فله الحمد.

ترجمہ: اور اللہ تبارک وتعالی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اسکے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، یقینا اللہ کو بندوں کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ اسکی نافرمانی کریں گے، اسکا علم انکے اندر نافذ ہے، پھر بھی اسکا علم اس بات سے مانع نہیں ہے کہ انہیں اسلام کی طرف ہدایت دے، اور اپنے کرم وفضل اور جود وسخا سے ان پر احسان کرے، تمام تعریف اسی کیلئے ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے فرمایا: (اور اللہ تبارک وتعالی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے)۔

توحید کی یہ تیسری قسم توحید اسماء وصفات ہے، یعنی اللہ کے اسماء وصفات کو اسی طرح ثابت ماننا جس طرح وہ کتاب وسنت میں وارد ہوئے ہیں، ساتھ ہی ان کے معنی ومفہوم کا اعتقاد رکھا جائے اور انکی کیفیت سے تعرض نہ کیا جائے، کیوں کہ انکی کیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جہاں تک معنی کا تعلق ہے تو یہ معلوم ہے، اسے ثابت کرنا اور اسکا اعتقاد رکھنا واجب ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا تھا کہ استواء معلوم ہے، یعنی اسکا مفہوم معلوم ہے، اور اسکی کیفیت مجہول ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یقینا اللہ کو بندوں کی پیدائش سے پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ اسکی نافرمانی کریں گے)۔

اللہ کے پاس ہر چیز کا علم ہے، ایمان وکفر اور اطاعت ومعصیت کوئی بھی چیز اس سے مخفی نہیں ہے، تمام چیزوں کو وہ آسمان وزمین کی تخلیق سے قبل ہی جانتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسکا علم اس بات سے مانع نہیں ہے کہ انہیں اسلام کی طرف ہدایت دے)۔

یعنی اللہ تعالی بندوں کے کفر وایمان کو جانتا ہے پھر بھی انہیں اسلام اور ایمان کا راستہ دکھاتا ہے، اسکے لئے اس نے کتابیں نازل کیں، رسولوں کو مبعوث کیا، اللہ کو سب معلوم ہے، مگر اللہ تعالی نے یہ سب حجت قائم کرنے کیلئے کیا ہے، اور انہیں اختیار اور ارادہ بھی دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں، نیکی بدی سب انکا ہوگا، اسی لئے اللہ تعالی سب کو رہنمائی کرتا ہے یعنی انکے سامنے ہدایت واضح کردیتا ہے، جیسا کہ فرمایا: (**وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ**) ترجمہ: اور جو ثمود تھے تو ہم نے انھیں سیدھا راستہ دکھایا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھا رہنے کو پسند کیا تو انھیں ذلیل کرنے والے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا، اس کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔ (فصلت: ۱۷)۔

پتہ چلا کہ ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

* ارشاد ورہنمائی کی ہدایت: اور یہ مومن اور کافر سب کیلئے عام ہے۔
* توفیق والہام کی ہدایت: یہ ان مومنوں کیلئے خاص ہے جنہوں نے رہنمائی کو قبول کیا اور ایمان لاکر اس پر جم گئے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اپنے کرم وفضل اور جود وسخا سے ان پر احسان کرے، تمام تعریف اسی کیلئے ہے)۔

یعنی یہ اللہ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے بندوں کو صحیح راستے کی رہنمائی کی، اور دنیاوی زندگی کیلئے جو چیزیں ضروری تھیں انہیں انکے لئے مہیا کیا، ورنہ اللہ تعالی ان سے بے نیاز ہے، وہ ایمان لائیں

یا کفر کریں اطاعت کریں یا نافرمانی کریں، اللہ کو اس سے نہ کوئی نقصان ہے اور نہ ہی کوئی فائدہ، کیونکہ وہ بے نیاز ہے، اس سے نفع اور نقصان خود بندوں کا ہے، چنانچہ اللہ کی ان پر یہ رحمت ہے کہ اس نے انہیں خیر اور شر دونوں راستے واضح کر دیا، پھر انہیں طاقت اور اختیار بھی دیا، ساتھ ہی عقل وفہم سے بھی نوازا تاکہ وہ خود ہی اپنے لیے نفع ونقصان کی تمیز کر سکیں۔

{78} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن البشارة عند الموت ثلاث بشارات، يقال: أبشر يا حبيب الله برضى الله والجنة. ويقال: أبشر يا عبد الله بالجنة بعد الاسلام. ويقال: أبشر يا عدو الله بغضب الله والنار. هذا قول ابن عباس.

ترجمہ: اور جان لو! موت کے وقت تین بشارتیں ہوتی ہیں: کہا جاتا ہے: اے اللہ کے محبوب بندے! خوش ہو جا اللہ کی رضا اور جنت کے ساتھ، اور کہا جاتا ہے: اے اللہ کے بندے! خوش ہو جا اسلام کے بعد جنت کے ساتھ، اور کہا جاتا ہے: اے اللہ کے دشمن! تو بھی خوش ہو جا اللہ کے غضب اور اسکے دوزخ کے ساتھ، یہ ابن عباس کا قول ہے۔

الشرح:

موت کے وقت انسان مومن ہو یا کافر اسے بشارت دی جاتی ہے، اگر مومن ہے تو اللہ کی رحمت اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے، اور اگر کافر ہے تو اللہ کے غضب اور دوزخ کی وعید سنائی جاتی ہے، اس طرح وہ مرتے وقت پتہ پا جاتا ہے کہ اس کا کیا ٹھکانہ ہوگا، مگر اس وقت اسے توبہ اور عمل کی فرصت نہیں ملتی ہے، حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ كَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ ". فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ فَكُلُّنَا نَكْرَهُ الْمَوْتَ. فَقَالَ: " لَيْسَ كَذَلِكِ، وَلَكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللَّهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ، فَأَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ، وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللَّهِ وَسَخَطِهِ كَرِهَ لِقَاءَ اللَّهِ وَكَرِهَ اللَّهُ لِقَاءَهُ ".

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ سے ملنا نہیں چاہتا اللہ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! موت کو تو ہم میں سے سب ناپسند کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا یہ مطلب نہیں بلکہ مومن جب (اس کا آخر وقت آجاتا ہے) خوشخبری دیا جاتا ہے اللہ کی رحمت اور رضامندی کی اور جنت تو وہ اللہ سے ملنا چاہتا ہے (اور بیماری اور دنیا کے مکروہات سے جلد خلاصی پانا) اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور کافر جب (آخیر وقت آتا ہے) اس کو خبر دی جاتی ہے اللہ کے عذاب اور غصہ کی تو وہ اللہ تعالیٰ سے ملنا پسند نہیں کرتا اللہ عزوجل بھی اس سے ملنا پسند نہیں کرتا" (صحیح مسلم: ۲۶۸۴)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ**) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر خوب قائم رہے، تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (الاحقاف: ۱۳)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ**) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر خوب قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کے ساتھ خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔ (فصلت: ۳۰)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ**) ترجمہ: اور کاش! تو دیکھے جب فرشتے ان لوگوں کی جان قبض کرتے ہیں جنھوں نے کفر کیا، ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں۔ اور جلنے کا عذاب چکھو۔ (الانفال: ۵۰)۔

۞۞۞

{79} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن أول من ينظر إلى الله في الجنة الأضراء، ثم الرجال، ثم النساء، بأعين رؤوسهم، كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنكم سترون ربكم كما ترون القمر ليلة البدر، لا تضامون في رؤيته، والإيمان بهذا واجب وإنكاره كفر.

ترجمہ: اور جان لو! بیشک جنت میں سب سے پہلے اللہ کو نابینا لوگ دیکھیں گے، پھر مرد، پھر عورتیں، اپنی کھلی آنکھوں سے سب دیکھیں گے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: عنقریب تم لوگ اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح اس چودہویں رات کے چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اس کے دیکھنے میں تمہیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہو رہی ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اسکا انکار کفر ہے۔

الشرح:

رویت باری تعالی پر گفتگو گزر چکی ہے، اسی کی یہ مزید تاکید ہے، ہاں یہاں پر مولف رحمہ اللہ نے جو ترتیب بیان کی ہے وہ محتاج دلیل ہے۔

{80} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله- أنه ما كانت زندقة قط، ولا كفر ولا شك ولا بدعة ولا ضلالة ولا حيرة في الدين إلا من الكلام وأصحاب الكلام والجدل والمراء والخصومة، والعجب وكيف يجترء الرجل على المراء والخصومة والجدال، والله تعالى يقول: {مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا} فعليك بالتسليم والرضى بالآثار، والكف والسكوت.

ترجمہ: اور جان لو! - اللہ آپ پر رحم فرمائے - کہ دین اسلام کے اندر کوئی زندقہ، کوئی کفر، کوئی شک، کوئی بدعت، کوئی گمراہی اور کوئی حیرت وتردد نہیں آیا مگر کلام، اہل کلام، بحث ومباحثہ، جھگڑا اور تعجب کے ذریعے، اور ایک آدمی جھگڑا، جدال اور علمی مناظرے کی جرات کیسے کرسکتا ہے جبکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: اللہ کی آیتوں میں جھگڑا وہی کرسکتا ہے جنہوں نے کفر کیا۔ پھر تمہارے اوپر اس سلسلے میں وارد احادیث کو تسلیم کرنا اور ان سے راضی ہونا، نیز زبان کو روک کر خاموش رہنا واجب ہے۔

الشرح:

اس تعلق سے تفصیلی گفتگو گزر چکی ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پھر تمہارے اوپر اس سلسلے میں وارد احادیث کو تسلیم کرنا اور ان سے راضی ہونا، نیز زبان کو روک کر خاموش رہنا واجب ہے)۔

یعنی اللہ اور اسکے رسول کے کلام کو تسلیم کرنا واجب ہے، اس بارے میں شک کرنے اور جھگڑا کرنے سے باز رہیں، کیونکہ اسے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، بس اللہ اور اسکے رسول کا کلام آئے تو اسے لے لیں، اور اسی پر قانع ہوجائیں کیوں کہ اسی میں ہدایت اور قناعت ہے، قناعت ہے بعد ہی آپ تمام شکوک واوہام اور وسوسوں سے نجات پاسکتے ہیں، اور علم وبصیرت کی بنیاد پر زندگی گزار سکتے ہیں، اللہ بے

اس قرآن میں ہر چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔

{81} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والإيمان بأن الله - تبارك وتعالى - يعذب الخلق في النار، في الأغلال والأنكال والسلاسل، والنار في أجوافهم وفوقهم وتحتهم، وذلك أن الجهمية - منهم هشام الفوطي - قال: إنما يعذب الله عند النار، رد على الله وعلى رسوله.

ترجمہ: اور اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب دیتا ہے دوزخ میں، بیڑیوں میں، ہتھکڑیوں اور زنجیروں میں، اور آگ ان کے پیٹ میں، ان کے اوپر اور انکے نیچے ہوگی، اور یہ بات اسلئے کہہ رہے ہیں کیونکہ جہمیہ - انہیں میں ہشام فوطی بھی ہے - کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ کے پاس عذاب دے گا، جو کہ اللہ اور اسکے رسول پر رد ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو عذاب دیتا ہے دوزخ میں، بیڑیوں میں، ہتھکڑیوں اور زنجیروں میں، اور آگ ان کے پیٹ میں، ان کے اوپر اور انکے نیچے ہوگی)۔

اللہ تعالیٰ کافروں کے جسموں سے آگ کو دہکائے گا اس طرح وہ آگ کا ایندھن ہوں گے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ**) ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد انھیں اللہ (کی پکڑ) سے ہرگز کچھ کام نہ آئیں گے اور وہی آگ کا ایندھن ہیں۔ (آل عمران: ۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ [19] يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ [20] وَلَهُم**

مَقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ) ترجمہ: جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ [19] اس کے ساتھ پگھلا دیا جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور چمڑے بھی۔ [20] اور انھی کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔ (الحج:۲۱)۔

اللہ تعالی یہاں پر واضح طور پر فرمارہا ہے کہ عذاب کافروں کے بدن پر واقع ہوگا، اور آگ ان پر بھڑکے گی اور انہیں جلائے گی، مگر بعض معتزلی کہتے ہیں کہ انہیں آگ سے عذاب نہیں دیا جائے اور نہ ہی آگ ان پر بھڑکے گی بلکہ انہیں آگ کے پاس عذاب دیا جائے گا، انکے جسموں کو آگ نہیں چھوئے گی! جبکہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ آگ کے ایندھن ہوں گے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ پہلے تین انسان جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی ان میں ایک عالم ہوگا، جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے، دوسرا مالدار جو دکھاوے اور جھوٹی عزت کمانے کے لئے بہت صدقے خیرات اور صلہ رحمی کرتا ہو، اور تیسرا مجاہد جو اس لئے میدان جنگ میں لڑے کہ لوگ اس کو بہادر کہیں اور اس کی واہ واہی ہو۔

اغلال بیڑی کو کہتے ہیں جس سے ہاتھوں کو گردنوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔

اور انکال آلات تعذیب کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک جگہ وارد ہوا ہے: (إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا) ترجمہ: یقینا ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے۔ (الانسان:۴)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ لَدَيْنَا أَنكَالًا وَجَحِيمًا) ترجمہ: بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور سخت بھڑکتی ہوئی آگ۔ (المزمل:۱۲)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور آگ ان کے پیٹ میں، ان کے اوپر اور انکے نیچے ہوگی)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴾ ترجمہ: ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا اور ان کے اوپر کے لحاف ہوں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (الاعراف: ۴۱)۔

{82} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن صلاة الفريضة خمس صلوات، لا يزاد فيهن ولا ينقص في مواقيتها، وفي السفر ركعتان إلا المغرب، فمن قال: أكثر من خمس، فقد ابتدع، ومن قال: أقل من خمس فقد ابتدع، لا يقبل الله شيئا منها إلا لوقتها، إلا أن يكون نسيانا فإنه معذور، يأتي بها إذا ذكرها، أو يكون مسافرا فيجمع بين الصلاتين إن شاء.

ترجمہ: اور جان لو! فرض نمازوں کی تعداد پانچ ہے، ان کے اندر اب کوئی زیادتی نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی انکے اوقات میں کچھ کمی ہوگی، سفر میں دو رکعات ہے سوائے مغرب کے، اب اگر کوئی پانچ سے زیادہ کہتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور جو پانچ سے کم کہتا ہے وہ بھی بدعتی ہے، اللہ ان میں سے کسی کو بھی ان کے وقت سے پہلے قبول نہیں کرے گا، الا یہ کہ آدمی بھول جائے تو وہ معذور ہے، اسے پڑھ لے گا جب یاد آئے گا، یا وہ مسافر ہو تو اسکے لئے جائز ہے کہ دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ لے اگر وہ چاہے۔

الشرح:

پانچوں وقت کی نمازوں کی شان بہت عظیم ہے، شہادتین کے بعد اسلام کا یہ دوسرا رکن ہے، جس نماز کے وجوب کا انکار کر کے اسے ترک کر دیا وہ بالاتفاق کافر ہوگا اور جو وجوب کو اقرار کر کے سستی کی وجہ سے ترک کرے گا وہ بھی علماء کے ایک راجح قول کے مطابق کافر ہوگا، اسکی دلیل یہ حدیث ہے:

عَنْ جَابِرٍ ، يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ، وَبَيْنَ الشِّرْكِ وَالْكُفْرِ، تَرْكَ الصَّلَاةِ ".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "آدمی اور شرک اور کفر کے بیچ میں نماز کا ترک ہے۔" (صحیح مسلم: ۸۲)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ بُرَيْدَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ".

ترجمہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہمارے اور منافقین کے درمیان نماز کا معاہدہ ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۲۱)۔

یہ بالکل واضح ہے، یہاں انکار غیر انکار کا فرق نہیں ہے بلکہ حکم عام ہے، اس کے علاوہ دیگر کئی روایتیں ہیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

دن اور رات میں کل پانچ نمازیں فرض ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ مُعَاذًا، قَالَ: بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذَلِكَ، فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ.......).

ترجمہ: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یمن کی طرف حاکم کر کے) بھیجا تو فرمایا: "تم ملو گے کچھ لوگوں سے اہل کتاب کے تو بلانا ان کو اس بات کی گواہی کی طرف کہ کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر وہ اس کو مان لیں تو بتلانا ان کو یہ بات کہ اللہ نے ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۹)۔

اور یہ نماز ساتوں آسمان کے اوپر معراج کی رات فرض ہوئی ہے جس سے اسکی اہمیت کا

اندازہ لگا سکتے ہیں، پہلے پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی پھر تخفیف کے بعد پانچ وقت ہوئی جس کا ثواب پچاس کے برابر ہے۔ اس طرح فرض نماز پانچ ہی ہیں، جو اس سے زائد کہے گا وہ بدعتی ہے، اسلئے کہ وہ دین کے اندر اضافہ کر رہا ہے، اور جو اس سے کم کہے وہ بھی بدعتی ہے جیسا کہ بعض بدعتی گروہ کے لوگ کہتے ہیں کہ نماز صرف تین وقت ہی فرض ہے۔

پانچ وقت کی نماز فرض ہے اس پر کتاب وسنت اور اجماع سے دلیل موجود ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا**) ترجمہ: نماز قائم کرسورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کا قرآن (پڑھ)۔ بے شک فجر کا قرآن ہمیشہ سے حاضر ہونے کا وقت رہا ہے۔ (الاسراء: ۷۸)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل کے ذریعے اسے واضح بھی کر دیا ہے۔

نماز وقت متعین پر فرض ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا**) ترجمہ: بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ (النساء: ۱۰۳)۔

ان محدد اوقات کی صراحت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل کے ذریعے کر دیا ہے، ان کے اوقات سے نکالنا صحیح نہیں ہے سوائے اس کے جس کے پاس عذر ہو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ نَسِيَ صَلَاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ ". قَالَ قَتَادَةُ: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي.

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ جو نماز کو بھول جائے تو جب یاد آئے ادا کر لے یہی اس کا کفارہ ہے۔" سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے: "اور قائم کر تو نماز میرے یاد کرنے کو۔" (صحیح مسلم: ۶۸۴)۔

اب اگر کوئی جان بوجھ کر نماز کو وقت سے نکالتا ہے تو اسکی نماز صحیح نہیں ہوگی گرچہ اسے پڑھ لے، اس لئے کہ اس نے اس نماز کو نہیں پڑھی ہے جس کا اللہ نے اسے حکم دیا ہے، بلکہ اس نے اپنی خواہش اور مرضی کی نماز پڑھی ہے، اس پر توبہ واجب ہے اور وہ آئندہ نماز کی پابندی کرے گا۔

* رکعات کی تعداد:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یک واضح کر دیا ہے کہ فجر کی فرض نماز دو رکعات ہے، مغرب کی تین، ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعات ہے۔

*سفر کی نماز:

رباعی نمازوں کو دو دو کر کے پڑھیں گے، کیونکہ سنت سے یہی ثابت ہے، اور قرآن میں بھی اسی کا حکم ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا**) ترجمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کچھ کم کرلو، اگر ڈر و کہ تمھیں وہ لوگ فتنے میں ڈال دیں گے جنھوں نے کفر کیا۔ بے شک کافر لوگ ہمیشہ سے تمھارے کھلے دشمن ہیں۔ (النساء: ۱۰۱)۔

فجر اور مغرب میں قصر نہیں ہے۔ مقیم اور مسافر کی یہ نمازیں ہیں، ان میں کوئی اپنی طرف سے کمی بیشی نہیں کرسکتا ہے۔ اور یہ ہی انہیں وقت سے ادھر ادھر نکال سکتا ہے۔

{83} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والزكاة من الذهب والفضة والتمر والحبوب والدواب، على ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فإن قسمها فجائز، وإن أعطاها الإمام فجائز.

ترجمہ: اورزکاۃ واجب ہے سونے، چاندی، کھجور، غلہ جات اور چوپایوں میں، اسی طرح سے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، پس اگر اسے خود سے تقسیم کردیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر حاکم وقت کو دیدیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

الشرح:

زکاۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے، قرآن کے اندر بہت ساری آیتوں میں اسے نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

زکاۃ امیروں کے مال میں محتاجوں کیلئے ایک متعین معلوم حق کا نام ہے۔

*** وہ اموال جن میں زکاۃ واجب ہے انکی چار قسمیں ہیں:**

پہلی قسم: سونا چاندی، اور انکے قائم مقام روپیہ پیسہ۔

دوسری قسم: چوپائے: اونٹ، گائے اور بکری۔

تیسری قسم: زمین سے ملنے والی اشیاء جیسے پھل اور دانے۔

چوتھی قسم: سامان تجارت: وہ سامان جسے خرید وفروخت کیلئے رکھا جائے۔

مذکورہ ان اموال میں زکاۃ واجب ہے، ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں انسان صدقہ کرسکتا ہے، صدقے کا باب بہت وسیع ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر اسے خود سے تقسیم کردیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر حاکم وقت کو دیدیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے)۔

یعنی جس پر زکاۃ واجب ہے اسے زکاۃ دینا واجب ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (**وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ**) ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (البقرہ: ۴۳)۔

یعنی جس کے پاس واجب مال ہو اس پر زکاۃ دینا واجب ہے، اور وہی اصل میں زکاۃ نکالنے کا ذمیدار ہے، لیکن اگر مستحقین تک پہونچانے کی ذمہ داری حاکم وقت لے اور وہ طلب بھی کرے تو اسی کو دے دینا چاہئے، اسلئے کہ اسکی اطاعت واجب ہے، اسی کو دے کر ذمہ داری ادا ہو جائے گی؛ جس طرح کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تحصیلداروں کو زکاۃ وصول کرنے کیلئے بھیجتے تھے پھر وہی لاکر مستحقین میں تقسیم بھی کرتے تھے، اب اسی جگہ پر وہی کام حکام کر رہے ہیں، ہاں اگر حاکم وقت کا مطالبہ نہ ہو تو ایسی صورت میں صاحب مال ہی پر زکاۃ کا نکالنا اور اسے تقسیم کرنا واجب ہوگا۔

{84} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن أول الإسلام شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله.

{85} وأن ما قال الله كما قال، ولا خلف لما قال، وهو عند ما قال.

{86} والإيمان بالشرائع كلها.

ترجمہ: اور جان لو! کہ اسلام میں سب سے پہلے اس بات کی گواہی دی جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں۔

اور یہ کہ اللہ نے جو کہا ہے وہی ہے جیسا کہا ہے، اور اسکے خلاف نہیں ہوتا ہے جو اس نے کہا ہے، اور وہی ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے۔

اور تمام شرائع پر ایمان لانا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا کہ جان لو! کہ اسلام میں سب سے پہلے اس بات کی گواہی دی جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں۔

اور یہ دونوں اسلام کا پہلا رکن ہیں، جیسا کہ حدیث جبریل میں وارد ہوا ہے: (وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَخْبِرْنِي عَنِ الإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ") ترجمہ: پھر بولا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بتائیے مجھ کو اسلام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے (یعنی زبان سے کہے اور دل سے یقین کرے) اس بات

کی کہ کوئی معبود سچا نہیں سوا اللہ کے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بھیجے ہوئے ہیں اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو اور روزے رکھے رمضان کے اور حج کرے خانہ کعبہ کا اگر تجھ سے ہو سکے۔" (یعنی راہ خرچ ہو اور راستے میں خوف نہ ہو)۔ (صحیح مسلم: ۸)۔

چنانچہ سب سے پہلے شہادتین ہی کی طرف دعوت دی جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ، حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا، عَصَمُوا مِنِّي، دِمَاءَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ".

ترجمہ: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے حکم ہوا ہے لوگوں سے لڑنے کا یہاں تک کہ گواہی دیں اس بات کی کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے اور بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں اور قائم کریں نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو۔ پھر جب یہ کریں تو بچا لیا انہوں نے مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو مگر حق کے بدلے اور حساب ان کا اللہ پر ہے۔" (صحیح مسلم: ۲۲)۔

اور معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا تھا: (**قَالَ: " إِنَّكَ تَأْتِي قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ**) ترجمہ: "تم ملو گے کچھ لوگوں سے اہل کتاب کے تو بلانا ان کو اس بات کی گواہی کی طرف کہ کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے اور میں اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم)۔ (صحیح مسلم: ۱۹)۔

چنانچہ سب پہلے لوگوں کو اسی کی دعوت دی جائے گی، دین اسلام میں اسی کلمے کے اقرار سے داخل ہوا جاتا ہے۔ لہذا جو اس منہج کی مخالفت کرتے ہیں اور توحید کی دعوت نہیں دیتے ہیں وہ اس عظیم

اصل کی مخالفت ہے۔

شہادتین کی گواہی دے مراد صرف زبان سے اقرار کرنا نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اسکا مطلب بھی جانیں اور اسکے تقاضوں پر عمل بھی کریں۔اسی لئے اگر کوئی اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے مگر اسکے تقاضوں کے خلاف کرتا ہے تو وہ مرتد ہو جائے گا۔

٭ لا الہ الا اللہ کا مطلب:

لا الہ الا اللہ کی گواہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ دل سے اس کا اعتقاد رکھیں، اپنی زبان سے اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں ہے، اور اللہ کے سوا جتنے بھی معبود ہیں سب باطل ہیں، اور ان کی عبادت بھی باطل ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ**) ترجمہ: یہ اس لیے کہ اللہ ہی ہے جو حق ہے اور (اس لیے) کہ اس کے سوا وہ جسے بھی پکارتے ہیں وہی باطل ہے اور (اس لیے) کہ اللہ ہی بے حد بلند ہے، بہت بڑا ہے۔ (الحج: ٦٢)۔

٭ محمد رسول اللہ کا مطلب:

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے یہ اقرار کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، چنانچہ جو زبان سے تو اقرار کرے مگر دل سے اعتراف نہ کرے تو وہ منافق ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ**) ترجمہ: جب منافق تیرے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو یقیناً اللہ کا رسول ہے اور اللہ جانتا ہے کہ تو یقیناً اس کا رسول ہے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں۔ (المنافقون: ١)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ) ترجمہ: اور تا کہ وہ ان لوگوں کو جان لے جنھوں نے منافقت کی اور جن سے کہا گیا آؤ اللہ کے راستے میں لڑو، یا مدافعت کرو تو انھوں نے کہا اگر ہم کوئی لڑائی معلوم کرتے تو ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ وہ اس دن اپنے ایمان (کے قریب ہونے) کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ (آل عمران: ۱۶۷)۔

اس طرح محمد رسول اللہ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی ان تمام چیزوں میں اتباع کی جائے جن کا آپ نے حکم دیا ہے اور ان چیزوں کی تصدیق کی جائے جن کے بارے میں آپ نے خبر دی ہے، اور ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے جن سے آپ سے روکا ہے اور اللہ کی عبادت اسی طریقے پر کی جائے جسے آپ نے مشروع کیا ہے۔

* آپ کی ان تمام چیزوں میں اتباع کی جائے جن کا آپ نے حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا) ترجمہ: اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔ (الاحزاب: ۳۶)۔

* ان چیزوں کی تصدیق کی جائے جن کے بارے میں آپ نے خبر دی ہے خواہ وہ ماضی کی خبریں ہوں یا مستقبل کی کیونکہ آپ اپنی طرف سے نہیں کہتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ[3] إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ) ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ [3] وہ

تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔(النجم:۴)۔

چنانچہ ہر وہ خبر جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہو وہ سچ اور یقینی ہے اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

* ان چیزوں سے اجتناب کیا جائے جن سے آپ سے روکا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**) ترجمہ: اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقینا اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔(الحشر:۷)۔

* اور اللہ کی عبادت اسی طریقے پر کی جائے جسے آپ نے مشروع کیا ہے، یعنی بدعات وخرافات سے دور رہیں جن کا حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔"

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔"

(صحیح مسلم:۱۷۱۸)

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: **(فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)** ترجمہ: تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کارکو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور ہر وہ عبادت جسے اللہ کے رسول نے مشروع قرار نہ دیا ہو وہ باطل ہے، اس میں کوئی ثواب نہیں ہے بلکہ الٹا گناہ ہے، اسلئے کہ وہ بدعت ہے، اور بدعت اللہ سے دور کرتی ہے نہ کہ قریب۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جان لو! کہ اسلام میں سب سے پہلے اس بات کی گواہی دی جاتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور یہ کہ محمد ﷺ اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں)۔

یہی اسلام کا پہلا رکن ہے، اسی کے ذریعے ایک انسان دین اسلام کے اندر داخل ہوتا ہے، اس کے بعد نماز، پھر زکاۃ پھر روزہ پھر حج کا ذکر آتا ہے اور انکے علاوہ دیگر احکامات دین جو کہ سب شہادتین کے تابع ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ کہ اللہ نے جو کہا ہے وہی ہے جیسا کہا ہے، اور اسکے خلاف نہیں ہوتا ہے جو اس نے کہا ہے، اور وہی ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے)۔

یعنی اسکی بات میں کوئی شک نہیں ہوتا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: **(وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا)** ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے؟ (النساء: ۸۷)۔

اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے، اور جب وہ کوئی وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: **(وَعْدَ اللَّهِ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ)** ترجمہ: اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(الروم:٦)۔

یعنی جب اللہ وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے اور جب دھمکی دیتا ہے تو ممکن ہے معاف کر دے، یہ ہے وعدہ اور وعید میں فرق کہ وعدہ کو پورا کر کے چھوڑتا ہے اور عذاب کی وعید سنا کر معاف کر دیتا ہے، یہ اللہ کی طرف سے فضل و کرم اور اسکی رحمت ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور تمام شرائع پر ایمان لانا)۔

چنانچہ ان تمام شرائع پر ایمان لانا واجب ہے جنہیں اللہ نے رسولوں پر نازل کیا ہے، جہاں اجمال مطلوب ہے وہاں اجمالی طور پر اور جہاں تفصیل مراد ہے وہاں تفصیلی طور پر، ارشاد باری تعالی ہے: (**قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ**) ترجمہ: کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ (البقرہ:١٣٦)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ**) ترجمہ: کہہ دیجئے! ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔ (آل عمران: ٨٤)۔

چنانچہ ہم تمام احکامات الہیہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ تعالی نے وقت کہ مناسبت سے احکامات نازل کئے ہیں پھر انہیں دوسری شریعت سے منسوخ کر دیا ہے، یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت لیکر آئے جو قیامت تک باقی رہنے والی ہے یہ کبھی منسوخ نہیں ہوگی اور نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی ہوگی، یہ ہر زمان و مکان کیلئے مناسب اور کافی ہے۔

{87} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن الشراء والبيع -ما بيع في أسواق المسلمين- حلال، ما بيع على حكم الكتاب والسنة، من غير أن يدخله تغرير أو ظلم أو جور أو غدر، أو خلاف للقرآن أو خلاف للعلم.

ترجمہ: اور جان لو! خرید وفروخت -جسے مسلمانوں کے بازار میں فروخت کیا گیا ہو- حلال ہے، اگر وہ کتاب وسنت کے فیصلے کے مطابق فروخت کیا گیا ہو، اسکے اندر کوئی غرر، کوئی ظلم وجور، کوئی خیانت نہ ہو، اور اس میں قرآن کی مخالفت یا علم کی مخالفت نہ ہو۔

الشرح:

ہم اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ خرید وفروخت حلال ہے ارشاد باری تعالی ہے: **(وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا)** ترجمہ: اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ (البقرہ: ۲۷۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: **(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ)** ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو۔ (النساء: ۲۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: **(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ[9] فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ)** ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم

جانتے ہو۔ [9] پھر جب نماز پوری کر لی جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل سے (حصہ) تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (الجمعہ: ۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ[36] رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ) ترجمہ: ان عظیم گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ وہ بلند کیے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے، اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان میں صبح و شام۔ [36] وہ بڑی شان والے مرد جنھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ کوئی تجارت غافل کرتی ہے اور نہ کوئی خرید و فروخت، وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔ (النور: ۳۷)۔

یہ نہیں کہا کہ وہ خرید و فروخت نہیں کرتے بلکہ یہ کہا کہ وہ اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے، بلکہ مساجد میں جا کر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں پھر تجارت کیلئے واپس آتے ہیں۔

اور بیع و شراء سب سے اچھی کمائی ہے اگر دھوکے سے اور حرام چیزوں سے نیز سود اور حرام تعامل سے پاک ہو۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (خرید و فروخت - جسے مسلمانوں کے بازار میں فروخت کیا گیا ہو- حلال ہے)۔

یعنی جو چیزیں مسلمانوں کے بازاروں میں پائی جائیں انکے بارے میں سوال یہ کرو، اسلئے کہ اس میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حرام ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر وہ کتاب و سنت کے فیصلے کے مطابق فروخت کیا گیا ہو)۔

یعنی اسکے اندر بیع کی معروف سات شرطیں پائی جائیں، تو ایسی صورت میں وہ بیع صحیح ہوگی اور اسکی خرید و فروخت حلال ہوگی، اور مسلمانوں کا بازار اسی اصول پر قائم ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسکے اندر کوئی غرر، کوئی ظلم و جور، کوئی خیانت نہ ہو)۔

چنانچہ بیع کے اندر اگر غرر اور جہالت موجود ہو تو وہ حرام ہوگی، کیونکہ اس وقت وہ جوئے کی شکل اختیار کر لیتی ہے، یا اس میں دھوکہ پایا جاتا ہے بایں طور کہ اس میں جس چیز کا اظہار کیا جاتا ہے وہ حقیقی نہیں ہوتا، اسی کو تدلیس کہتے ہیں یعنی سامان کو اس شکل میں ظاہر کرنا جسے دیکھ کر خریدار پسند کرے جبکہ باطن میں وہ ظاہر کے خلاف ہو۔

اور ظلم اس طرح ہوگا کہ کسی سے جبرا کوئی چیز فروخت کی جائے، وہ بندہ خریدنے پر راضی نہ ہو جبکہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

عن أَبَي سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّمَا الْبَيْعُ عَنْ تَرَاضٍ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیع بیچنے والے اور خریدنے والے کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتی ہے"۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۱۸۵)۔

اور ارشاد باری تعالی ہے: **(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ)** ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو۔ (النساء: ۲۹)۔

اس طرح بیع کی صحت کیلئے خریدار کا راضی ہونا شرط ہے، یعنی وہ اپنے اختیار سے خریدے اسے مجبور نہ کیا گیا ہو، کیونکہ خریدنے پر کسی کو مجبور کرنا ظلم ہے، الا یہ کہ مجبور کرنا برحق ہو بایں طور کہ وہ مقروض ہو اور قرضہ دینے سے انکاری ہو، تو ایسی صورت میں حاکم بیچ میں مداخلت کر کے اسے مجبور کر کے اس کے مال کو فروخت کروا سکتا ہے تا کہ وہ قرضہ ادا کر دے، گرچہ وہ اس فروخت پر راضی نہ ہو، اسی لئے کہتے ہیں کہ مجبور کا بیع جائز نہیں ہے مگر حق کے ساتھ۔

{88} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - أنه ينبغي للعبد أن تصحبه الشفقة أبدا ما صحب الدنيا؛ لأنه لا يدري على ما يموت، وبما يختم له، وعلى ما يلقى الله، وإن عمل كل عمل من الخير.

وينبغي للرجل المسرف على نفسه أن لا يقطع رجاءه من الله تعالى عند الموت، ويحسن ظنه بالله تبارك وتعالى ويخاف ذنوبه، فإن رحمه الله فبفضل، وإن عذبه فبذنب.

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم کرے- بندے کیلئے مناسب یہی ہے کہ وہ دنیا میں جب تک رہے شفقت اور نرمی کرے؛ کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ کس چیز پر اس کی موت ہو، اور اسکا خاتمہ کیسا ہو، اور وہ کس چیز پر اللہ سے ملاقات کرے، گرچہ وہ خیر کے سارے کام کرلے۔

اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کیلئے بہتر یہی ہے کہ وہ بھی موت کے وقت اللہ سے امید نہ توڑے، بلکہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے، اور اپنے گناہوں سے ڈرے، اگر اللہ نے اس پر رحم کردیا تو یہ اسکا فضل ہوگا اور اگر عذاب دیا تو یہ گناہ کی وجہ سے ہوگا۔

الشرح:

یہ بہت ہی عظیم اصول ہے کہ ایک مومن خوف اور رجاء کے درمیان ہوتا ہے، وہ صرف خوف اور مایوسی میں نہیں ہوتا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ) ترجمہ: بے شک حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔ (یوسف: ۸۷)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا

تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ) ترجمہ: (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش بڑی رحمت والا ہے۔(الزمر:۵۳)۔

یعنی وہ اس قدر خوف میں بھی نہیں رہتا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے، یہ مذموم خوف ہے، اسی طرح وہ اس قدر پر امید بھی نہیں ہوتا کہ اللہ کے مکر سے بالکل مطمئن ہو جائے بلکہ اسکے مکر سے خوف بھی کھاتا ہے اور اسکی رحمت سے امید بھی رکھتا ہے۔

اور اللہ کا یہ مکر اسی طرح ہے جیسا اسکی ذات کے لائق اور زیبا ہے، یہ انسانوں کے مکر جیسا نہیں ہے، کیونکہ مکر کہتے ہیں کہ دوسرے تک تکلیف اس طرح رازداری سے پہونچایا جائے کہ اسے اسکا شعور نہ ہو، اگر یہ حق ہے تو اسے عدل کہیں گے اور یہی اللہ کا مکر ہے، کیونکہ یہ صرف ظالموں اور فاسقوں کے ساتھ ہوتا ہے بایں طور کہ انہیں من جانب اللہ سزا مل بھی جاتی اور انہیں شعور بھی نہیں ہوتا، اور یہ اللہ کی طرف سے عدل ہے۔

لیکن اگر یہی تکلیف ناحق ہو تو یہ ظلم و زیادتی ہوگی، اور یہ مخلوقین کا مکر ہے جو کہ مذموم ہے ج کہ خالق کا مکر محمود ہے، اسلئے کہ وہ عدل پر مبنی ہے، یہی دونوں مکر میں فرق ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ) ترجمہ: اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔(آل عمران:۵۴)۔

یعنی اللہ کی طرف سے یہ بطور سزا اور بدلہ کے ہوتا ہے نہ کہ ظلم ہوتا ہے، یک دراصل انکے مکر کی سزا ہے، اور یہ اللہ کا عدل ہے، حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:(إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ

وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا)
ترجمہ: بے شک تم لوگوں میں سے کوئی بہشتیوں کے کام کیا کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور بہشت میں ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے (یعنی بہت قریب ہو جاتا ہے)، پھر تقدیر کا لکھا اس پر غالب ہو جاتا ہے سو وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتا ہے، پھر دوزخ میں جاتا ہے اور مقرر کوئی آدمی عمر بھر دوزخیوں کے کام کیا کرتا ہے یہاں تک کہ دوزخ میں اور اس میں سوائے ایک ہاتھ بھر کے کچھ فرق نہیں رہتا ہے، پھر تقدیر کا لکھا اس پر غالب ہوتا ہے سو بہشتیوں کے کام کرنے لگتا ہے، پھر بہشت میں جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۴۳)۔

پتہ چلا کہ ایک انسان کو اپنے تقوی اور نیکی پر غرور نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی گمراہی سے بے خوف رہنا چاہئے، کتنے ایسے لوگ ہیں جو ایمان کے بعد بھی منحرف اور گمراہ ہو جاتے ہیں، کیونکہ بندوں کے دل اللہ کے ہاتھ میں ہیں جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے۔

آپ غور کریں ابراہیم علیہ السلام یہ دعا کر رہے ہیں: (وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ [35] رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔ [35] اے میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پھر جو میرے پیچھے چلا تو یقیناً وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً تو بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔ (ابراہیم: ۳۶)۔

پتہ چلا کہ انسان فتنوں اور سوء خاتمہ سے مامون نہیں ہو سکتا گرچہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ صالح ہو، ہاں اللہ جسے توبہ کی توفیق دیدے تو اسکا خاتمہ اسلام پر ہو جائے اور وہ جنت میں داخل ہو جائے۔ کیونکہ انسان جب تک زندہ ہے اس پر دونوں کا اندیشہ ہوتا ہے، اسلئے کہ اعمال کا دارومدار خاتمے

پر ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے، اور اپنے گناہوں سے ڈرے)۔

اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے یعنی اسکی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

اور اپنے گناہوں سے ڈرے یعنی ایسی امید نہ ہو کہ جس کے ساتھ کوئی خوف نہ ہو، بلکہ خوف و امید دونوں ساتھ میں ہو، ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ) ترجمہ: بے شک وہ نیکیوں میں بہت جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔(الانبیاء:۹۰)۔

یہ حال انبیاء ورسل کا ہے کہ جو خوف اور امید دونوں کا پتلا تھے، ایسا نہیں کہ صرف امید پر جیتے تھے اور انہیں کوئی خوف نہیں تھا اور ایسا بھی نہیں تھا کہ صرف خوف کھاتے تھے امید کا دامن چھوڑ بیٹھے تھے۔

اسی لئے بہتر یہی ہے کہ بندہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے بطور خاص موت کے وقت، علماء نے کہا ہے: صحت وتندرستی کی حالت میں احتیاط کے طور پر خوف کے پہلو کو غالب رکھنا چاہئے اور موت کے وقت امید کے پہلو کو؛ اسلئے کہ زندگی کی حالت میں عمل، توبہ اور استغفار پر بندہ قادر رہوتا ہے اور موت کے وقت کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا ہے۔اسی لئے حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ وَفَاتِهِ بِثَلَاثٍ، يَقُولُ: "لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللَّهِ الظَّنَّ".

ترجمہ: سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین روز پہلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:"کوئی تم میں سے نہ مرے مگر اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھ کر" (یعنی خاتمہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بلکہ

امید رکھے اپنے مالک کے فضل و کرم پر اور گمان رکھے اپنی نجات اور مغفرت کا)۔ (صحیح مسلم: ۲۸۷۷)۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر اللہ نے اس پر رحم کر دیا تو یہ اسکا فضل ہوگا اور اگر عذاب دیا تو یہ گناہ کی وجہ سے ہوگا)۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ اللہ تعالی بندوں کو ثواب اور عقاب انکے اعمال کی بنیاد پر دیتا ہے۔ اور کسی پر ظلم نہیں کرتا، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا**) ترجمہ: اور کتاب رکھی جائے گی، پس تو مجرموں کو دیکھے گا کہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے ہائے ہماری بربادی! اس کتاب کو کیا ہے، نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے اور نہ بڑی مگر اس نے اسے ضبط کر رکھا ہے، اور انھوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ (الکھف: ۴۹)۔

۞۞۞

{89} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والإيمان بأن الله تبارك وتعالى أطلع نبيه على ما يكون في أمته إلى يوم القيامة.

ترجمہ: اور اس بات پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو انکی امت کے تعلق سے قیامت تک ساری چیزوں کی اطلاع دے دی ہے۔

الشرح:

پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں تھا اور مخلوقات میں سے دوسرے کو بھی غیب کا علم نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ**) ترجمہ: کہہ دیجئے کہ آسمانوں والوں میں سے زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا، انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ (النمل:٦٥)۔

غیب کہتے ہیں کہ جو ہم سے اوجھل ہو خواہ اسکا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے، ہم اسکے بارے میں نہیں جانتے، ہاں انبیاء ورسل کو اللہ تعالیٰ غیب کی کچھ چیزوں سے مطلع کر دیتا ہے جس میں دعوت دین کی مصلحت ہوتی ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ اللہ نے امت کی مصلحت میں آپ کو غیب کی کچھ چیزوں سے مطلع کر دیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا [26] إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا**) ترجمہ: (وہ) غیب کو جاننے والا ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ [26] مگر کوئی رسول، جسے وہ پسند کرلے تو بے شک وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرا لگا دیتا ہے۔ (الجن:٢٧)۔

اس کی مثال دونوں قبر والا وہ واقعہ ہے جسکے عذاب کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ، فَقَالَ: " أَمَا إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ "، قَالَ: فَدَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ، فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ، ثُمَّ غَرَسَ عَلَى هَذَا وَاحِدًا، وَعَلَى هَذَا وَاحِدًا، ثُمَّ قَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر سے گزرے تو فرمایا: "ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کچھ بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو ان میں چغل خوری کرتا (یعنی ایک کی بات دوسرے سے لگانا لڑائی کے لئے) اور دوسرا اپنے پیشاب سے بچنے میں احتیاط نہ کرتا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہری ٹہنی منگوائی اور چیر کر اس کو دو کیا اور ہر ایک قبر پر ایک ایک گاڑ دی اور فرمایا: "شاید جب تک یہ ٹہنیاں نہ سوکھیں اس وقت تک ان کا عذاب ہلکا ہو جائے۔" (صحیح مسلم: ۲۹۲)۔

اور یہ رسولوں کی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالی انہیں وحی کے ذریعے ماضی اور مستقبل کی خبروں سے مطلع کرتا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قیامت کی بہت ساری نشانیاں بتلائی ہیں، فتنوں کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے، تاکہ ہم ان سے آگاہ رہیں اور ان میں واقع ہونے سے دور رہیں، جیسے کہ یہ مشہور حدیث افتراق:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى

ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي "، قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مُفَسَّرٌ، لَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هَذَا إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آ چکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیشین گوئی ہے کہ اس امت کے اندر اختلاف ہوگا اور فرقے بنیں گے چنانچہ اسی طرح ہوا بھی جیسا کہ آپ نے خبر دی تھی تا کہ ہم حق پر قائم رہیں اور حق کے مخالفین کے ساتھ نہ بھاگیں۔

{90} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (ستفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة كلها في النار إلا واحدة، وهي الجماعة. قيل: من هم يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه اليوم وأصحابي).

ترجمہ: اور جان لو! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب کے سب دوزخ میں ہوں گے سوائے ایک فرقے کے، اور وہ الجماعہ ہے، پوچھا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جس منہج پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب کے سب دوزخ میں ہوں گے سوائے ایک فرقے کے، اور وہ الجماعہ ہے)۔

اللہ تعالی نے ہمیں اجتماعیت اور حق پر اکٹھا ہونے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**) ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ (آل عمران: ۱۰۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ**) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر لیا اور کئی گروہ بن گئے، تو کسی چیز میں بھی ان سے نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ انھیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔ (الانعام: ۱۵۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا**

جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ) ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام آچکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ (آل عمران: ۱۰۵)۔

چنانچہ اللہ نے ہمیں اختلاف سے روکا اور اجتماعیت اور کتاب وسنت کے تھامنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ) ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

لہذا خواہشات نفس اور آباء واجداد کی پیروی اور یہود کی تقلید کرتے ہوئے اختلاف وانتشار کرنا جائز نہیں ہے، یہ اختلاف عقیدہ اور اصول دین کے امور میں بالکل جائز نہیں ہے بلکہ ان امور میں اتفاق واجب ہے۔

ہاں فقہی مسائل میں اختلاف ممکن ہے مگر اختلاف کے صورت میں دلیل کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا) ترجمہ: پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔ (النساء: ۵۹)۔

عقائد میں اختلاف جائز نہیں ہے اسلئے کہ عقیدہ توقیفی ہے۔

اور فقہی مسائل میں اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف ہو سکتا ہے، مگر اتباع دلیل کی بنیاد پر ہوگی، یہی اہل سنت والجماعہ کا منہج ہے، کہ وہ اختلاف کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں، یعنی اپنی رائے کو ترک کر کے دلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں

سکھایا بھی ہے۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اختلاف رحمت ہے یہ بالکل غلط ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ[118] إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ**)

ترجمہ: اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ [118] مگر جس پر تیرا رب رحم کرے۔ (ھود:۱۱۹)۔

یعنی رحمت اس بات میں ہے کہ بندے اختلاف نہ کریں، اختلاف میں رحمت نہیں ہے بلکہ اس میں زحمت اور عذاب ہے، رحمت ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں، دلیل کی اتباع کرتے ہیں اور اپنی رائے کو اور غلطی کو ترک کر دیتے ہیں، یہی اہل سنت والجماعہ کا منہج اور طریقہ ہے، لیکن جو خواہشات نفس اور شہوات کے بندے ہوتے ہیں وہ اپنی رائے ترک نہیں کرتے، بلکہ اسی پر عمل کرتے ہیں جو انکی رائے اور خواہش کے موافق ہو۔ اور آج کل میڈیا کے ذریعے اسی منہج کی تشہیر کی جارہی ہے کہ جو دل میں آئے اور جو مرضی کے موافق ہو اسی پر عمل کرو، کتاب وسنت، دلیل اور حق انکے یہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

* آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سب کے سب دوزخ میں ہوں گے سوائے ایک فرقے کے)۔

اس روایت کے اندر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اس امت میں فرقے ہوں گے اور جتنے فرقوں کی پیشین گوئی فرمائی ہے وہ فرقوں کے اصول ہیں ورنہ فرقے اس سے کہیں زیادہ ہیں، ان میں بہتر فرقے دوزخی ہیں اور جو آخری فرقہ ہے وہی جنتی ہے، اور یہ وہ فرقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے منہج پر قائم ہے، اسی لئے اس فرقے کا نام فرقہ ناجیہ اور اہل سنت والجماعہ ہے۔

اور اسی فرقے کو جماعت کہا گیا ہے، یعنی جو حق پر قائم ہو خواہ ایک ہی فرد کیوں نہ ہو اسے جماعت کہیں گے، کیونکہ کثرت حق کی دلیل نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ**) ترجمہ: اور اگر تو ان لوگوں میں سے اکثر کا کہنا ماننے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ (الانعام:۱۱۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ**) ترجمہ: اور اکثر لوگ، خواہ تو حرص کرے، ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (یوسف:۱۰۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ**) ترجمہ: اور ہم نے ان میں سے اکثر کا کوئی بھی عہد نہیں پایا اور بے شک ہم نے ان کے اکثر کو فاسق ہی پایا۔ (الاعراف:۱۰۲)۔

اسلئے اعتبار کثرت کی نہیں اعتبار اسکا ہوگا جو حق پر ہو گرچہ انکی تعداد کم ہو، بلکہ گرچہ وہ ایک ہی فرد ہو وہی الجماعہ ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پوچھا گیا: اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: جس منہج پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں)۔

یہی صحیح طریقہ ہے، یعنی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، اسی کو الجماعہ کہتے ہیں۔

{91} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

هكذا كان الدين إلى خلافة عمر بن الخطاب الجماعة كلها، وهكذا كان في زمن عثمان، فلما قتل عثمان جاء الاختلاف والبدع، وصار الناس أحزابا وصاروا فرقا، فمن الناس من ثبت على الحق عند أول التغيير، وقال به، وعمل به، ودعا الناس إليه۔

ترجمہ: اسی طرح دین اسلام باقی رہا خلافتِ عمر بن خطاب تک جس پر مسلمانوں کی پوری جماعت قائم تھی، اور یہی حال خلافت عثمان میں بھی رہا، لیکن جب سیدنا عثمان شہید کردیئے اس وقت اختلافات و بدعات نے جنم لیا، اور لوگ پارٹیوں اور فرقوں میں بٹنے لگے، مگر کچھ لوگ تبدیلی کے وقت ہی سے حق پر باقی رہے، اسی کو کہا اور اسی پر عمل کیا اور لوگوں کو اسی کیطرف بلایا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسی طرح دین اسلام باقی رہا خلافتِ عمر بن خطاب تک جس پر مسلمانوں کی پوری جماعت قائم تھی، اور یہی حال خلافت عثمان میں بھی رہا)۔

صحابہ اور تابعین کے دور میں جو مخالفین تھے وہ لوگوں کے اندر چھپ کر رہتے تھے جیسے قدریہ وغیرہ، کیونکہ اس وقت اسلام طاقتور تھا، یہاں تک کہ یہودیوں نے یمن کے عبد اللہ بن سبا نامی ایک یہودی کو مسلمانوں کے بیچ میں گھسا دیا، جس نے مدینہ آ کر خلافت عثمانی میں اسلام کا اظہار کیا اور سرعام سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگا، کیونکہ اس نے اسلام دھوکہ دینے کیلئے قبول کیا تھا، چونکہ لوگوں کی اکثریت قیل وقال اور بکواس چیزیں زیادہ پسند کرتی ہے، اسی لئے جتنے فالتو اور جاہل قسم کے لوگ تھے سب اس شر پسند کے پیچھے ہو گئے، لیکن جب اس کی شر پسندی کو بھانپ لیا گیا تو اسے مدینہ سے نکال دیا گیا، چنانچہ وہاں سے وہ مصر چلا گیا، وہاں ایک بستی جو بد بخت لوگوں کیلئے مشہور تھی وہیں جا کر ٹھہر

گیا اور اپنی شر پسندوں کو پھیلانا شروع کر دیا، وہیں سے ایک شر پسند گروہ تیار کر کے مدینہ آیا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے لگا، آپ نے ان اعتراضات کا بھرپور جواب بھی دیا اور انکے شبہات کو دور بھی کیا اور وہ واپس بھی چلے گئے لیکن راستے میں وہ آپس میں ملامت کرنے لگے کہ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا، لہذا وہ دوبارہ مدینہ واپس آگئے اور آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، صحابہ نے آپ کا دفاع کرنا چاہا مگر آپ نے فتنوں کے ڈر سے منع کر دیا اس امید میں کہ معاملہ بات چیت سے حل ہو جائے گا، اور جب انہیں لگا کہ وہ بات چیت میں ناکام ہو چکے ہیں ان پر حجت قائم ہو چکی ہے تو انہوں نے رات کے اندر اچانک گھر پر حملہ بول دیا، اس وقت لوگ سو رہے تھے، اور اسی وقت آپ کو ان بلوائیوں اور شر پسند خارجیوں نے شہید کر دیا۔

اس وقت اکثر لوگ حج پر گئے ہوئے تھے، اور باقی لوگ آرام سے سو رہے تھے، اسی غفلت کا فائدہ اٹھا کر ان بلوائیوں نے اچانک حملہ کر کے شہید کر دیا، اس وقت آپ قرآن کی تلاوت کر رہے تھے، یہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ تھا۔

ابن سبا نامی یہودی خبیث کا دعوی تھا کہ خلافت کے مستحق علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، ابو بکر و عمر اور عثمان کوئی بھی اسکا مستحق نہیں ہے، کیونکہ علی ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں، اور ان لوگوں نے آپ پر ظلم کیا اور خلافت کو غصب کیا۔

تعجب تو اس بات پر ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی نہ تو خلافت کا دعوی کیا اور نہ ہی اسکا کبھی مطالبہ کیا اور نہ ہی یہ کبھی کہا کہ خلافت کا زیادہ مستحق میں ہوں، بلکہ آپ نے ہمیشہ بیعت کیا اور فرمانبرداری کی، مگر اس خبیث یہودی کی وجہ سے مسلمانوں میں پہلا فتنہ پیدا ہوا لیکن اللہ تعالی نے اس کے مکر اور سازش کو پورا نہیں ہونے دیا، اور اسے ناکامی ملی، ہاں یہ ضرور ہوا کہ مسلمان اس وقت آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور بہت سے لوگوں کی جانیں گئیں، مگر اسلام کا کچھ بھی نہیں بگڑا، اسلام اسی طرح غالب اور محفوظ رہا۔

اس فتنے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ حکام کے خلاف خروج و بغاوت نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس سے امت میں فتنہ وفساد اور قتل وخونریزی عام ہوتی ہے، اور یہ فتنہ اسی وقت سے آج تک باقی ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ گاہے بگاہے معتزلہ اور خوارج انکار منکر کے نام پر اسی کو دلیل بنا کر حکام کے خلاف خروج و بغاوت کرتے رہے ہیں۔ اور آج تک ان کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (لیکن جب سیدنا عثمان شہید کر دیئے اس وقت اختلافات و بدعات نے جنم لیا)۔

اسلئے ضروری ہے کہ گمراہ داعیوں کے معاملے میں ذرا بھی تساہل اور کوتاہی نہیں برتنا چاہئے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع وطاعت کا حکم دیا ہے اور خروج و بغاوت سے منع کیا ہے گرچہ حکام ظلم و زیادتی کریں، معصیت اور فسق کا ارتکاب کریں، ہاں کفر صریح کا ارتکاب نہ کریں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اسی کی وصیت کی ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے آگے کہا: (اور لوگ پارٹیوں اور فرقوں میں بٹنے لگے، مگر کچھ لوگ تبدیلی کے وقت ہی سے حق پر باقی رہے، اسی کو کہا اور اسی پر عمل کیا اور لوگوں کو اسی کیطرف بلایا)۔

چنانچہ جب اختلافات پیدا ہوئے اور فرقے بن گئے اس وقت اللہ نے اہل حق کو حق یعنی کتاب وسنت پر باقی رکھا، اور یہ اسی منہج اور طریقے پر چلتے رہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ جبکہ دوسرے فرقوں نے اس منہج کی مخالفت کی چنانچہ وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے وعید نار کے مستحق ہوئے۔

❁ ❁ ❁

{92} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فكان الأمر مستقيما حتى كانت الطبقة الرابعة في خلافة بني فلان، انقلب الزمان وتغير الناس جدا، وفشت البدع، وكثر الدعاة إلى غير سبيل الحق والجماعة، ووقعت المحن في كل شيء لم يتكلم به رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا أصحابه۔

ترجمہ: معاملہ اسی طرح ٹھیک ٹھاک رہا یہاں تک کہ خلافت بنی فلان میں چوتھا طبقہ آیا، تو زمانہ بدل گیا اور لوگ بھی بہت بدل گئے، بدعات عام ہو گئیں، غلط راہوں کی طرف دعوت دینے والے بہت ہو گئے، ایسی ایسی چیزوں میں آزمائش ہونے لگی کہ جس کے بارے میں نہ تو رسول اللہ ﷺ نے بات کی تھی اور نہ ہی صحابہ نے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (معاملہ اسی طرح ٹھیک ٹھاک رہا یہاں تک کہ خلافت بنی فلان میں چوتھا طبقہ آیا، تو زمانہ بدل گیا اور لوگ بھی بہت بدل گئے، بدعات عام ہو گئیں)۔

یعنی قرون مفضلہ کے بعد عباسی دور میں فتنے عام ہو گئے چنانچہ اسی دور میں مامون، معتصم اور واثق جیسے عباسی خلفاء نے جہمیہ کے عقیدہ کو اپنا لیا اور اہل سنت والجماعہ کو خلق قرآن کے عقیدہ پر مجبور کرنے لگے، چنانچہ اسی کو بنیاد بنا کر بعض ائمہ اہل سنت کو قتل کیا اور بعض کو ستایا مگر حق متزلزل نہیں ہوا حق اپنی جگہ باقی رہا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (غلط راہوں کی طرف دعوت دینے والے بہت ہو گئے)۔

چنانچہ اس وقت بھی دعوت دین کے نام پر بہت سے لوگ اپنی اپنی جماعت اور اپنے اپنے عقیدے اور فکر کی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ یہی گمراہی ہے، سوائے اس کے جو کتاب وسنت اور

منہج حق پر قائم ہے،اور یہی دعوت حق ہے،اور یہی معیار حق ہے، چنانچہ جو منہج سلف کی روشنی میں لوگوں کو کتاب وسنت کی طرف بلائے گا وہی داعی حق ہوگا اور جو اس منہج کے مخالف ہوگا وہی داعی باطل ہوگا۔

چنانچہ جب کسی کے بارے میں کہا جائے کہ وہ داعی ہے تو اس لفظ کو سن کر دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، کیوں کہ بہت سے داعی لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، جیسا کہ حدیث کے اندر صراحت آئی ہے۔ اور اسی لئے مولف رحمہ اللہ نے یہاں پر کہا ہے کہ غلط راہوں کی طرف دعوت دینے والے بہت ہو گئے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایسی ایسی چیزوں میں آزمائش ہونے لگی کہ جس کے بارے میں نہ تو رسول اللہ ﷺ نے بات کی تھی اور نہ ہی صحابہ نے)۔

یعنی لوگ دین کے نام پر کلام بہت کرنے لگے، قیل وقال اور اختلاف کی بھر مار ہے، ہر کوئی علم کا دعویدار ہے، مگر یہ سارے لوگ مضمحل ہو جائیں گے اور صرف وہی منہج باقی رہے گا جو کتاب وسنت کی روشنی میں سچا منہج ہے، اسی کو صراط مستقیم کہتے ہیں، مگر اسکے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے:

پہلی چیز: علم نافع، اور علم نافع اس طریقے اور منہج سے پہچانا جائے گا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔

دوسری چیز: صبر اور ثابت قدمی، چنانچہ فتنوں کے وقت گمراہ داعیوں کے ساتھ آدمی نہیں بھٹکتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے سنگین موقعوں پر ثابت قدم رہتا ہے۔ اور یہی حق کی علامت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ**) ترجمہ: اور اس (مصیبت) پر صبر کر جو تجھے پہنچے، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔ (لقمان:۱۷)۔

❁❁❁

{93} مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ودعوا إلى الفرقة، ونهى رسول الله عن الفرقة، وكفر بعضهم بعضا، وكل داع إلى رأيه، وإلى تكفير من خالفه، فضل الجهال والرعاع ومن لا علم له، وأطمعوا الناس في شيء من أمر الدنيا وخوفوهم عقاب الدنيا، فاتبعهم الخلق على خوف في دنياهم ورغبة في دنياهم۔

ترجمہ: اور یہ لوگ اختلاف کی طرف بلانے لگے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اختلاف اور فرقہ بندی سے منع کیا تھا، ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے، ہر کوئی اپنی رائے کی طرف بلانے لگا، اور ہر اس شخص کی تکفیر کرنے لگا جو اسکی مخالفت کرے، اسطرح جاہل اور ایسے لوگ جو علم سے ناواقف تھے وہ گمراہ ہونے لگے، لوگوں کو ہر دنیاوی چیز میں آرزو اور رغبت دلانے لگے، دنیا کے عذاب سے خوف دلانے لگے، دینی معاملات میں خوف اور دنیوی امور میں رغبت کی خاطر بہت سے لوگ انکے پیچھے ہو گئے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ لوگ اختلاف کی طرف بلانے لگے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اختلاف اور فرقہ بندی سے منع کیا تھا)۔

تفرقہ اور اختلاف سے روکتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: (**وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ**)

ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو الگ الگ ہو گئے اور ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام آچکے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ (آل عمران: ۱۰۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا**

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ) ترجمہ: اور وہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی، جدا جدا نہیں ہوئے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آ گئی۔(البینہ: ۴)۔

پتہ چلا کہ ان لوگوں نے اختلاف جان بوجھ کر کیا ہے نہ کہ جہالت کی بنیاد پر۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے)۔

باطل فرقوں کی یہی پہچان ہے، کیونکہ جو اہل حق ہوتے ہیں تکفیر ان کی صفت نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی وہ آپس میں ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ متعاون اور خیر خواہ ہوتے ہیں، اور دوسرے فرقوں کی تکفیر اسی صورت میں کرتے ہیں جب کسی کیلئے ان کے پاس کتاب وسنت سے دلیل موجود ہو ورنہ یہ تکفیر کے مسئلے میں معتدل ہوتے ہیں جب تک کسی کی تکفیر پر دلیل اور حجت قائم نہ ہو اس وقت تک یہ کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ اور نہ ہی تکفیر کے مسئلے میں عجلت سے کام لیتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ہر کوئی اپنی رائے کی طرف بلانے لگا، اور ہر اس شخص کی تکفیر کرنے لگا جو اسکی مخالفت کرے)۔

اور یہی گمراہ لوگوں کی نشانی ہے ارشاد باری تعالی ہے: (**فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ**) ترجمہ: پھر وہ اپنے معاملے میں آپس میں کئی گروہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ہر گروہ کے لوگ اسی پر بہت خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔(المومنون: ۵۳)۔

(زبر) سے مراد کتاب ہے، یعنی وہ کتابیں تالیف کریں گے، اور یہی حقیقت ہے چنانچہ اہل باطل اپنے مذہب کو ثابت کرنے کیلئے کتابیں تالیف کرتے ہیں اور اسی میں خوش رہتے ہیں، اگر یہ جہالت اور نادانی کی بنیاد پر یہ سب کچھ کر رہے ہوتے تو امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنی گمراہی سے نکل سکتے ہیں مگر ان کا حال یہ ہیکہ یہ سب کچھ جان بوجھ کر کرتے ہیں اور اسی پر خوش ہیں اور یہ دراصل اللہ کی طرف سے بہت بڑی سزا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسطرح جاہل اور ایسے لوگ جو علم سے ناواقف تھے وہ گمراہ ہونے لگے)۔

چنانچہ جو اہل حق اور اہل علم ہیں وہ ان فرقوں اور انکی گمراہیوں سے متاثر نہیں ہوتے ہیں کیونکہ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ باطل پر ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (لوگوں کو ہر دنیاوی چیز میں آرزو اور رغبت دلانے لگے، اور دنیا کے عذاب سے خوف دلانے لگے)۔

فتنوں کے یہی بنیادی اسباب ہیں کہ لوگوں کو پہلے لالچ اور رغبت دلائی جاتی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (دینی معاملات میں خوف اور دنیوی امور میں رغبت کی خاطر بہت سے لوگ انکے پیچھے ہو گئے)۔

لوگوں کی اکثریت دنیادار ہوتی ہے، چنانچہ جو خرچ کرتا ہے لوگ اسی کے پیچھے دوڑتے ہیں گرچہ وہ باطل پر ہو۔

۞۞۞

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فصارت السنة وأهلها مكتومين، وظهرت البدعة وفشت، وكفروا من حيث لا يعلمون من وجوه شتى، ووضعوا القياس، وحملوا قدرة الرب في آياته وأحكامه وأمره ونهيه على عقولهم وآرائهم، فما وافق عقولهم قبلوه وما لم يوافق عقولهم ردوه، فصار الإسلام غريبا، والسنة غريبة، وأهل السنة غرباء في جوف ديارهم.

ترجمہ: اس وقت سنت اور اہل سنت چھپ کر رہنے لگے، بدعتوں کا ظہور ہوا اور عام ہونے لگی، اور لوگ تکفیر کرنے لگے اس طرح کہ انہیں اسکا شعور ہی نہیں تھا، انہوں نے قیاس گڑھا، اور اللہ کی قدرت، اسکی آیات، اسکے احکام، اسکے امر و نہی کو اپنی عقلوں اور اپنی آراء پر محمول کرنے لگے، چنانچہ انکی عقلوں نے جس چیز کی موافقت کی اسے انہوں نے قبول کیا اور انکی عقلوں نے جس کی موافقت نہیں کی اسے رد کر دیا، اس طرح اسلام پھر اجنبی ہو گیا، سنت بھی اجنبی ہو گئی، اور اہل سنت بھی اجنبی ہو گئے خود اپنے ہی دیار کے اندر۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس وقت سنت اور اہل سنت چھپ کر رہنے لگے، بدعتوں کا ظہور ہوا اور عام ہونے لگی)۔

قرون مفضلہ میں اہل سنت والجماعہ ظاہر ہو کر رہتے تھے اور اہل باطل چھپ کر رہتے تھے مگر معاملہ اب الٹ چکا تھا، چنانچہ اب اہل سنت والجماعہ چھپ کر رہنے لگے اور اہل باطل ظاہر ہو کر، لیکن یہ حال زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہا بلکہ چند سالوں کے بعد ہی یہ مضمحل ہو گئے اور اہل سنت والجماعہ دوبارہ میدان میں واپس آ گئے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہوں نے قیاس گڑھا)۔

یعنی عقیدے میں قیاس گڑھا جبکہ عقیدے میں قیاس نہیں چلتا ہے، اسلئے کہ عقیدہ توقیفی ہے اس میں قیاس نہیں کتاب وسنت سے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، قیاس فقہی اجتہادی مسائل میں چلتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اللہ کی قدرت، اسکی آیات، اسکے احکام، اسکے امر و نہی کو اپنی عقلوں اور اپنی آراء پر محمول کرنے لگے)۔

یہی قیاس باطل ہے کہ اللہ کے حق میں اپنی عقلوں اور آراء کے ذریعے قیاس کر کے اللہ اور اسکے رسول کے کلام کو رد کرنے لگے، جبکہ اللہ کے بارے میں انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (چنانچہ انکی عقلوں نے جس چیز کی موافقت کی اسے انہوں نے قبول کیا اور انکی عقلوں نے جس کی موافقت نہیں کی اسے رد کر دیا)۔

اس طرح انہوں نے اپنی عقلوں کو فیصل بنالیا، جو انکی عقل کے مخالف ہوا اسے رد کر دیا یا اسکی تاویل کر دی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح اسلام پھر اجنبی ہوگیا، سنت بھی اجنبی ہوگئی، اور اہل سنت بھی اجنبی ہو گئے خود اپنے ہی دیار کے اندر)۔

جس طرح کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" بَدَأَ الإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام شروع ہوا غربت سے (اجنبی کی حیثیت سے مدینے میں) اور پھر ایسے ہی لوٹ آئے گا، جیسے شروع ہوا تھا (مدینہ میں) تو خوشی ہو غریبوں (اجنبیوں) کے لئے۔" (صحیح مسلم: ۱۴۵)۔

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عن عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي ".

ترجمہ: سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(ایک وقت آئے گا کہ) دین اسلام حجاز میں سمٹ کر رہ جائے گا جس طرح کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور یقیناً دین حجاز میں آ کر ایسے ہی محفوظ ہو جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتی ہے، دین اجنبی حالت میں آیا اور وہ پھر اجنبی حالت میں جائے گا، خوشخبری اور مبارک بادی ہے ایسے گمنام مصلحین کے لیے جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں اور برائیوں کی اصلاح کرتے ہیں"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۳۰)۔

یہی اجنبی اور غرباء ہیں، انہیں اجنبی اسلئے کہا گیا کیوں کہ انکی مخالفت کرنے والے اور ان پر نکیر کرنے والے بہت ہوں گے، اس طرح یہ اپنے ہی وطن اور ہم عصر لوگوں کے بیچ میں رہ کر بھی اجنبی ہوں گے۔

❁❁❁

{96} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن المتعة - متعة النساء - والاستحلال حرام إلى يوم القيامة.

ترجمہ: اور جان لو! متعہ یعنی عورتوں کا متعہ اور استحلا ل (حلالہ) قیامت تک حرام ہے۔

الشرح:

یہ دراصل فقہی مسئلہ ہے، مگر مولف رحمہ اللہ نے اسے یہاں اسلئے ذکر کیا ہے کیونکہ اسکا عقیدہ سے بھی تعلق ہے، کیونکہ متعہ کے اندر ایسی چیز کو حلال کیا جاتا ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے، کیوں کہ مروی کہتے ہیں کہ کسی عورت سے ایک محدود وقت تک کیلئے شادی کی جائے وہ وقت خواہ چھوٹا ہے یا بڑا، چنانچہ اس متعین وقت کے ختم ہونے کے بعد ہی آٹومیٹک یہ شادی بھی ختم ہو جائے گی اس میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہ آغاز اسلام میں جائز تھا، مگر خیبر کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام کر دیا تھا، پھر فتح مکہ کے وقت صرف ایک دن کیلئے حلال کیا تھا پھر ہمیشہ کیلئے اسے حرام کر دیا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: أَذِنَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُتْعَةِ، فَانْطَلَقْتُ أَنَا، وَرَجُلٌ إِلَى امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي عَامِرٍ، كَأَنَّهَا بَكْرَةٌ عَيْطَاءُ، فَعَرَضْنَا عَلَيْهَا أَنْفُسَنَا. فقَالَت: مَا تُعْطِي؟ فَقُلْتُ رِدَائِي، وَقَالَ صَاحِبِي: رِدَائِي، وَكَانَ رِدَاءُ صَاحِبِي أَجْوَدَ مِنْ رِدَائِي، وَ كُنْتُ أَشَبَّ مِنْهُ، فَإِذَا نَظَرَتْ إِلَى رِدَاءِ صَاحِبِي أَعْجَبَهَا، وَإِذَا نَظَرَتْ إِلَيَّ أَعْجَبْتُهَا، ثُمَّ قَالَت: أَنْتَ وَرِدَاؤُكَ يَكْفِينِي، فَمَكَثْتُ مَعَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، قَالَ: " مَنْ كَانَ

عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ النِّسَاءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ، فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا ".

ترجمہ: سیدنا سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی تو میں اور ایک شخص دونوں نکلے اور قبیلہ بنی عامر کی ایک عورت کو دیکھا کہ گویا ایک جوان اونٹنی تھی دراز گردن صراحی نما۔ سو ہم نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا۔ وہ بولی: مجھے کیا دو گے؟ میں نے کہا: میری چادر حاضر ہے اور میرے رفیق نے کہا: میری چادر حاضر ہے اور میرے رفیق کی چادر میری چادر سے اچھی تھی مگر میں اس کی نسبت جوان تھا۔ جب وہ میرے رفیق کی چادر دیکھتی تو اس کو پسند آتی اور جب مجھے دیکھتی تو میں اس کو پسند آتا، پھر اس نے کہا کہ تو اور تیری چادر مجھے کافی ہے۔ اور میں اس کے پاس تین روز رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس کے پاس ایسی عورت ہو کہ اس سے متعہ کیا ہو تو اسے چھوڑ دے۔" (صحیح مسلم: ۱۴۰۶)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: " أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُتْعَةِ عَامَ الْفَتْحِ حِينَ دَخَلْنَا مَكَّةَ، ثُمَّ لَمْ نَخْرُجْ مِنْهَا حَتَّى نَهَانَا عَنْهَا ".

ترجمہ: عبدالملک بن ربیع بن سبرہ جہنی نے اپنے باپ سے، انہوں نے ان کے دادا سبرہ سے روایت کی کہ سیدنا سبرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حکم دیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کا فتح مکہ کے سال میں جب ہم مکہ میں داخل ہوئے پھر نہ نکلے ہم وہاں سے یہاں تک کہ منع کر دیا ہم کو متعہ سے۔

اس طرح متعہ پہلے حلال تھا، پھر اسے حرام کیا گیا، پھر ایک دن کیلئے حلال کر کے ہمیشہ کیلئے اسے حرام کر دیا گیا، اسی پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور یہ کہ یہ نکاح باطل ہے، اسکی حرمت پر امت کا اجماع ہے، روافض کے علاوہ اس حرکت میں کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے، اور انکے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ قیاس اور نصوص دونوں سے متعہ کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، لہذا یہ زنا کے حکم میں ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (متعہ یعنی عورتوں کا متعہ)۔

اس سے حج کا متعہ نکل جائے گا، جس سے حج تمتع مراد ہوتا ہے جس میں ایک ساتھ عمرہ اور حج دونوں کیلئے نیت کرتے ہیں، اور اس تمتع میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے مگر متعہ کے اندر اجماع ہے، اہل سنت والجماعہ میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا ہے۔

معلوم رہے کہ حج کا متعہ صرف فقہی مسئلہ ہے جبکہ نکاح متعہ عقدی مسئلہ بھی ہے، اسلئے کہ اس میں اللہ کی حرام کردہ چیز کو حلال کیا جاتا ہے۔

{97} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعرف لبني هاشم فضلهم؛ لقرابتهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم وتعرف فضل قريش والعرب وجميع الأفخاذ، فاعرف قدرهم وحقوقهم في الإسلام، ومولى القوم منهم، وتعرف لسائر الناس فضلهم.

ترجمہ: بنو ہاسم کی فضیلت کو جانیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار ہیں، اور قریش، عرب اور تمام قبائل عرب کی فضیلت اور انکے قدر و مرتبت اور اسلام میں انکے حقوق کو بھی جانیں، اور قوم کا مولی انہیں میں سے ہوتا ہے، اور تمام لوگوں کے فضل کو جانیں۔

الشرح:

بنو ہاشم سے مراد بنو ہاشم بن عبد مناف ہے، اسلئے عبد مناف کے کئی لڑکے تھے ان میں ایک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پر دادا ہاشم بھی تھے، اور ایک عبد شمس ہیں جو سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پر دادا تھے، اور ایک نوفل بن عبد مناف ہیں جو سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے پر دادا تھے، اور ایک مطلب بن عبد مناف ہیں جو بنو مطلب کے پر دادا تھے، یہی سب عبد مناف کی اولاد ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہاشم بن عبد مناف کے اندر مبعوث کئے گئے، اس طرح آپ ہاشمی اور قرشی ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي عَمَّارٍ شَدَّادٍ، أَنَّهُ سَمِعَ وَاثِلَةَ بْنَ الْأَسْقَعِ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ ".

ترجمہ: سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے، آپ فرماتے تھے: "اللہ جل جلالہ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چنا اور قریش کو کنانہ میں سے اور بنی ہاشم کو قریش میں سے اور مجھ کو بنی ہاشم میں سے چنا" (صحیح مسلم: ۲۲۷۶)۔

بنو ہاشم میں سے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مومن رشتے دار ہیں، اور مسلمانوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری کا حق انہیں کا ہے، چنانچہ ان پر صدقہ حرام اور ہدیہ جائز ہے، اور ان میں جو مومن نہیں ہیں انکی کوئی قیمت نہیں ہے گرچہ وہ بنی ہاشم ہی میں سے کیوں نہ ہوں، یہ قرابتداری ایمان کے ساتھ جڑتی ہے اور اس طرح یہ دوسروں سے ممتاز ہو جاتے ہیں، پھر انکا احترام اور توقیر واجب ہو جاتا ہے۔

اور بنی ہاشم میں جو کفار تھے انکا کوئی احترام نہیں ہے، اسی طرح ہر وہ شخص جو اپنی نسبت بنی ہاشم کی طرف کرے اور وہ اہل سنت والجماعہ نیز صراط مستقیم پر نہ ہو تو اسکی بھی کوئی قیمت نہیں ہوگی، یعنی صرف قرابت داری سے ک ح نہیں ہوتا اس کے ساتھ ایمان ضروری ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ**) ترجمہ: کہہ دیجئے! کہ میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر محبت رشتہ داری کی۔ (الشوری: ۲۳)۔

مفسرین کے ایک قول کے مطابق یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری مراد ہے، اور اللہ تعالی نے انکے لئے مال غنیمت کے خمس یعنی اسکے پانچویں حصے میں شامل کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ**) ترجمہ: اور جان لو کہ تم جو کچھ بھی غنیمت حاصل کرو تو بے شک اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار۔ (الانفال: ۴۱)۔

یہاں بھی قرابتدار سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور قریش اور عرب کی فضیلت کو جانیں)۔

یعنی قریش میں بنی ہاشم کے بعد دیگر مسلمان قریشیوں کی دوسرے عربوں پر فضیلت ہے،

پھر عربوں کی عجمیوں پر فضیلت ہے، اسلئے کہ اللہ نے انکی زبان میں قرآن کو نازل کیا ہے، اور انہیں میں سے آخری پیغمبر کو مبعوث کیا ہے، اور انہیں اپنے آخری پیغام کیلئے منتخب کیا ہے، اسی لئے اللہ نے قرآن پاک کے اندر فرمایا: (**فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** [43] **وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ**) ترجمہ: پس جو وحی آپ کی طرف کی گئی ہے اسے مضبوط تھامے رہیں بیشک آپ راہ راست پر ہیں [43] اور یقیناً یہ (خود) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگ پوچھے جاؤ گے۔ (الزخرف: ۴۴)۔

یعنی یہ قرآن آپ کیلئے اور آپ کی قوم عربوں کیلئے باعث شرف ہے۔ اسکی تبلیغ کے تئیں سب سے پہلے آپ لوگوں سے سوال کیا جائے گا، کیونکہ دوسروں کو چھوڑ کر آپ ہی لوگوں کو اسکے لئے منتخب کیا گیا ہے، اور یہی وجہ فضیلت ہے، وہ عرب ہونے کی وجہ سے افضل نہیں ہیں بلکہ ان خصوصیات اور ترجیحات کی وجہ سے افضل ہیں کہ قرآن اور سنت انکی زبان میں نازل ہوئے ہیں، رسول کو انہیں میں منتخب کیا گیا، اور اس دین کی تبلیغ کی ذمہ داری سب سے پہلے انہیں پر ڈالی گئی، ارشاد باری تعالی ہے: (**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ**) ترجمہ: تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران: ۱۱۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**) ترجمہ: اور لازم ہے کہ تمھاری صورت میں ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (آل عمران: ۱۰۴)۔

عربوں کی افضلیت کی دراصل یہی وجہ ہے، کہ انہوں نے سب سے پہلے اس دین کو قبول کیا اور اس کی خاطر تکلیفوں کو برداشت کیا اور اسکی تبلیغ پوری دنیا میں کی، اسی لئے وہ دوسروں سے افضل ہوئے، چنانچہ

انہیں میں جس نے اس دین کو قبول نہیں کیا اسکے لئے کوئی خصوصیت نہیں ہے خواہ وہ بنی ہاشم ہی میں کیوں نہ ہو، اسلئے کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ**) ترجمہ: اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوی والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔ (الحجرات: ۱۳)۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (**لا فضلَ لعَرَبيٍّ على عَجَميٍّ، ولا لعَجَميٍّ على عَرَبيٍّ، ولا لأبيضَ على أسودَ، ولا لأسودَ على أبيضَ إلّا بالتَّقوى، الناسُ من آدمَ، وآدمُ من تُرابٍ**) ترجمہ: کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقوی کے، تمام لوگ آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے ہیں۔

چنانچہ عربوں کی فضیلت حسب نسب اور قومیت کی بنیاد پر نہیں بلکہ دین، رسول اور قرآن کی وجہ سے ہے جو انہیں ملا اور جس کی انہوں نے تبلیغ کی، اور اسے پوری دنیا میں پہونچایا اور اسی وجہ سے وہ دوسروں سے افضل ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور قوم کا مولی انہیں میں سے ہوتا ہے)۔

یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَوْلَى الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ " أَوْ كَمَا قَالَ.

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کسی گھرانے کا غلام اسی کا ایک فرد ہوتا ہے" (صحیح بخاری: ۶۷۶۱)۔

اور یہاں مولی سے آزاد غلام ہے یعنی جو بنی ہاشم سے منسوب ہوگا اس کا حکم بنی ہاشم کی طرح ہوگا اور جو دوسرے قبائل سے منسوب ہوگا اس کا حکم اسی کی طرح ہوگا۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعرف فضل الأنصار، ووصية رسول الله صلى الله عليه وسلم فيهم، وآل الرسول فلا تسبهم، تعرف فضلهم وكراماتهم، وجيرانه من أهل المدينة، فاعرف فضلهم.

ترجمہ: انصار کی فضیلت کو جانیں، اور رسول اللہ ﷺ نے جو انکے تعلق سے وصیت کی ہے، آل رسول کو کبھی برا بھلا نہ کہیں، انکی فضیلت اور انکے کرامات کو جانیں، اور اہل مدینہ میں سے جو آپ کے پڑوسی ہیں انکی فضیلت کو بھی جانیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انصار کی فضیلت کو جانیں)۔

اس سے مراد اوس وخزرج کے لوگ ہیں، اور صحابہ کرام سب سے افضل ہیں جیسا کہ ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِينَ بُعِثْتُ فِيهِمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ أَذَكَرَ الثَّالِثَ أَمْ لَا، قَالَ: ثُمَّ يَخْلُفُ قَوْمٌ يُحِبُّونَ السَّمَانَةَ يَشْهَدُونَ قَبْلَ أَنْ يُسْتَشْهَدُوا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہتر میری امت میں وہ قرن ہے جس میں میں بھیجا گیا، پھر وہ قرن ہے جو اس کے بعد ہے۔" معلوم نہیں تیسرے کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کیا یا نہیں۔ پھر فرمایا: "وہ لوگ پیدا ہوں گے جو فربہی اور مٹاپے پر مریں گے گواہی دیں گے گواہی چاہے جانے سے پہلے۔" (صحیح مسلم: ۲۵۳۴)۔

اور چونکہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کی صحبت کیلئے انہیں چن لیا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم سے بیعت کی، آپ کے ساتھ جہاد کیا اور دین کو سیکھ کر دوسروں تک پہونچایا، اسی لئے وہ اس امت میں سب سے افضل ٹھہرے، ان کی فضیلت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَبَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ شَيْءٌ، فَسَبَّهُ خَالِدٌ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم میں کچھ جھگڑا ہوا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو برا کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مت برا کہو میرے اصحاب میں سے کسی کو اس لیے کہ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا صرف کرے تو ان کے مد یا آدھے مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔" (صحیح مسلم: ۲۵۴۱)۔

اس سے صحابہ کرام کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ**) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**لَّقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا**) ترجمہ:

بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔(الفتح:١٨)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(**مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا**)

ترجمہ: محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جولوگ ان کے ساتھ کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اسی کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے۔(الفتح:٢٩)۔

ان آیتوں سے صحابہ کرام کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے، اسی طرح ان میں خود ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، چنانچہ خلفائے اربعہ سب سے افضل ہیں، پھر باقی عشرہ ہیں، پھر مہاجرین پھر انصار ہیں، اسلئے کہ اللہ نے انہیں انصار سے پہلے ذکر کیا ہے، اور چونکہ انہوں نے دین کی خاطر اپنے گھر بار کو ترک کر دیا تھا، اور دین کی خاطر اللہ کی راہ میں جہاد کیا، انکے بعد انصار صحابہ افضل ہیں کیونکہ انہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جگہ دی، آپ کی حفاظت اور مدد کا وعدہ کیا، اسی طرح بدری صحابہ اور جولوگ حدیبیہ میں شریک تھے ان کی بھی خصوصی فضیلت ہے، اور جن لوگوں نے بیعت رضوان کیا

تھا ان کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(**لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا**) ترجمہ: بلاشبہ یقینا اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کررہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کردی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔(الفتح:۱۸)۔

پھر وہ لوگ افضل ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے پھر وہ جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے، منجملہ سارے صحابہ ان تمام لوگوں سے افضل ہیں جو قیامت تک آنے والے ہیں، کوئی بھی انکا مقابلہ نہیں کرسکتا خواہ وہ کتنا ہی بڑا کوئی ولی اور بزرگ ہو۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے تئیں وصیت کی ہے)۔

چنانچہ انصار کے تعلق سے یہ حدیث معروف ہے:

عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ يُحَدِّثُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: "فِي الْأَنْصَارِ، لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُهُمْ إِلَّا مُنَافِقٌ، مَنْ أَحَبَّهُمْ أَحَبَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ أَبْغَضَهُ اللَّهُ". قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِعَدِيٍّ: سَمِعْتَهُ مِنَ الْبَرَاءِ، قَالَ: إِيَّايَ حَدَّثَ.

ترجمہ: عدی بن ثابت سے روایت ہے، میں نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ حدیث بیان کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے، انصار کے متعلق کہ "ان کا دوست مومن ہے اور ان کا دشمن منافق ہے اور جس نے ان سے محبت کی اللہ اس سے محبت کرے گا اور جس نے ان سے دشمنی کی اللہ اس سے دشمنی کرے گا۔" میں نے عدی سے پوچھا: تم نے یہ حدیث براء رضی اللہ عنہ سے سنی؟ انہوں نے کہا: سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ہی یہ حدیث بیان کی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اہل مدینہ میں سے جو آپ کے پڑوسی ہیں انکی فضیلت کو بھی

جانیں)۔

یعنی جو مدینہ میں رہتے ہیں اور وہاں کی سختیوں پر صبر کرتے ہیں اجر وثواب کی نیت سے اور مسجد نبوی میں پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں۔

وہ لوگ مراد نہیں ہیں جو مدینہ کے اندر رہ کر فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں اور شرک و بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، انکا عذاب دوسروں کے مقابلے زیادہ ہوگا، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:(**الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ، وَالْمَلَائِكَةِ، وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا**) ترجمہ: مدینہ حرم ہے عیر سے لے کر ثور تک۔ (ثور تو مکہ میں ہے یہ غلطی ہے راوی کی ثور کے بدلے شاید احد صحیح ہو) جو شخص اس میں نئی بات نکالے یا کسی بدعتی کو ٹھکانا دے تو اس پر لعنت ہے اللہ کی لعنت ہے اللہ کی فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا فرض قبول نہ کرے گا، نہ نفل۔ (صحیح مسلم: ۱۳۷۰)۔

❁❁❁

{98} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - أن أهل العلم لم يزالوا يردون قول الجهمية حتى كان في خلافة بني عباس تكلم الرويبضة في أمر العامة، وطعنوا على آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأخذوا بالقياس والرأي، وكفروا من خالفهم۔

ترجمہ: اور جان لو - اللہ آپ پر رحم فرمائے - اہل علم برابر جہمیہ کے قول کی تردید کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ بنو عباس کی خلافت میں معمولی لوگ سنگین مسائل میں کلام کرنے لگے، احادیث رسول پر طعن کرنے لگے، قیاس اور رائے کو پکڑنے لگے، اور اپنے مخالفین کی تکفیر کرنے لگے۔

الشرح:

دوسرا حصہ

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو - اللہ آپ پر رحم فرمائے - اہل علم برابر جہمیہ کے قول کی تردید کرتے رہے ہیں)۔

جہمیہ کے بارے میں یہ گزر چکا ہے کہ یہ اسی جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں جس نے خلق قرآن کا بدترین عقیدہ پھیلایا تھا، اور علی الاعلان اللہ کے اسماء وصفات کا انکار کرتا تھا، اور ارجاء کا بھی قائل تھا۔

جہمیہ اسماء وصفات کے انکار کے ساتھ کتاب وسنت میں تحریف بھی کرتے ہیں، اس طرح یہ بہت ہی بدترین اور خطرناک فرقہ ہے، اسی لئے اہل علم نے اس فرقے پت برابر رد کیا ہے، انکے شبہات واعتراضات کو توڑ کر رکھ دیا ہے، یہ سب اہل سنت والجماعہ کے ائمہ کہ کتابوں میں موجود ہے، چنانچہ امام احمد نے جہمیہ پر رد کیا ہے، عثمان بن سعید الدارمی نے ہٹ دھرم بشر مریسی پر رد کیا ہے، اور یہ ساری

کتابیں مطبوع ہیں۔ انہیں کتابوں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ایک مشہور کتاب "بیان تلبیس الجھمیہ" ہے اور اسی طرح ابن القیم رحمہ اللہ کی "اجتماع الجیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلہ والجھمیہ" بھی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یہاں تک کہ بنو عباس کی خلافت میں)۔

بالخصوص یہ فتنہ مامون الرشید کے زمانے میں پھیلا ہے، اس وقت ایسے ایسے لوگ کلام کرتے تھے جو اس سنگین مسئلے میں بولنے کے اہل نہیں تھے، اور انسان جب اپنے میدان سے ہٹ کر بات کرتا ہے تو پھر فتنہ وفساد پھیلتا ہے، اسی لئے خاص کر امور دین کے معاملے میں انہیں کو بات کرنی چاہئے جو اس میں ماہر ہوں، جنہیں حقیقی معنوں میں اہل علم کہا جاتا ہے، اگر ہر کوئی ہر معاملے میں بولنا شروع کر دے گا تو اس سے انارکی اور فساد کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جس طرح کہ اس وقت کم علم متعالم قسم کے لوگ عقیدے کے مسائل میں بات کرتے ہیں، ایمان اور حقیقت ایمان پر کلام کرتے ہیں، اور ایسے ایسے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں جن پر انہیں خاموش رہنا چاہئے اور جن مسائل کے بارے میں وہ کچھ جانتے بھی نہیں، اور نہ ہی انہوں نے علماء سے سیکھا بلکہ خود ہی مطالعہ کیا اور اپنے فہم پر اعتماد کر لیا اور اسی کج فہمی کی بنیاد پر قواعد وضوابط بیان کرنا شروع کر دیا۔ یقیناً یہ بہت ہی سنگین معاملہ ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (معمولی لوگ سنگین مسائل میں کلام کرنے لگے)۔

یہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور اسے قیامت کی نشانی بتائی گئی ہے کہ سنگین مسائل میں ایسے لوگ باتیں کرنے لگیں گے جو علم میں معروف نہیں ہوں گے، جبکہ ایسے مسائل میں صرف علمائے راسخین باتیں کرتے ہیں، ایسے مسائل میں ہر کوئی مداخلت نہیں کرتا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا) ترجمہ: اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی

معاملہ آتا ہے اسے مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول کی طرف اور اپنے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ اسے ضرور جان لیتے جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ (النساء: ۸۳)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (احادیث رسول پر طعن کرنے لگے)۔

یعنی یہ لوگ حدیثوں پر بھی جرح کرنے لگے، کتابیں لکھ کر حدیثوں کی تصحیح وتضعیف کرنے لگے، جبکہ وہ اس علم میں معروف نہیں ہیں اور نہ ہی حدیث کے راوی ہیں، اور نہ ہی اس میں امام اور عالم ہیں، یہ کم علم لوگ ہیں جو علوم حدیث اور علم روایہ جیسے اہم علوم پر باتیں کرنے لگے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (قیاس اور رائے کو پکڑنے لگے، اور اپنے مخالفین کی تکفیر کرنے لگے)۔

یہاں قیاس سے مراد قیاس باطل ہے، کیونکہ قیاس صحیح اہل علم کے نزدیک اصول ادلہ میں شمار ہوتا ہے، اور انکے باطل قیاس کی مثال یہ ہے کہ یہ لوگ خالق کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں یا پھر کسی مسئلے میں یہ بغیر علت جامعہ کے قیاس کرنے لگتے ہیں جبکہ قیاس کے اندر علت جامعہ کا ہونا ضروری ہے۔

۞۞۞

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فدخل في قولهم الجاهل والمغفل والذي لا علم له، حتى كفروا من حيث لا يعلمون، فهلكت الأمة من وجوه، و كفرت من وجوه، وتزندقت من وجوه، وضلت من وجوه، وتفرقت وابتدعت من وجوه، إلا من ثبت على قول رسول الله صلى الله عليه وسلم وأمره وأمر أصحابه، ولم يخطئ أحدا منهم، ولم يجاوز أمرهم، ووسعه ما وسعهم، ولم يرغب عن طريقتهم ومذهبهم، وعلم أنهم كانوا على الإسلام الصحيح والإيمان الصحيح، فقلدهم دينه واستراح، وعلم أن الدين إنما هو بالتقليد، والتقليد لأصحاب محمد صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اس طرح انکے اس قول میں ہر جاہل، مغفل اور بے علم سب داخل ہو گئے، یہاں تک کہ انہوں نے تکفیر کر دی اور انہیں اسکا احساس بھی نہیں ہوا، اس طرح یہ امت بوجوہ برباد ہوگئی، اور بوجوہ کفر میں پڑگئی، اور بوجوہ زندقہ میں پڑگئی، اور بوجوہ گمراہ ہوگئی، اور بوجوہ تفرقہ میں پڑگئی، اور بوجوہ بدعت میں پڑگئی، سوائے اس کے جو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حکم اور صحابہ کے حکم پر ثابت قدم رہا، صحابہ میں سے کسی کو خطا کار نہیں بنایا، نہ ہی انکے حدود کو پار کیا، اور انہوں نے بھی اسے تسلیم کیا جسے صحابہ نے تسلیم کیا، انکے طریقے اور مذہب سے بے رغبت نہیں ہوا، اور اسے معلوم رہا کہ وہ صحیح اسلام اور صحیح ایمان پر تھے، چنانچہ اس سے اپنے دین میں انکی تقلید کی اور اطمینان سے رہا، اور یہ علم رکھا کہ دین کا نام تقلید ہے اور یہ تقلید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح انکے اس قول میں ہر جاہل، مغفل اور بے علم سب داخل

ہو گئے)۔

یعنی سنگین مسائل میں ہر کوئی بولنے لگا ہے،اور دور حاضر میں ٹی وی، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا پر عوام الناس تک دین کے سنگین مسائل پر باتیں کرنے لگے ہیں اور لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے ہیں، احکام شرعیہ اور دینی فتوؤں میں تشکیک پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ گزرا ہے کہ یہ لوگ اپنے مخالفین کی تکفیر کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکتے ہیں، حتی کہ انہوں نے بڑے بڑے ائمہ دین کی تکفیر کر ڈالی ہے، یہاں تک کہ ایک متعالم قسم کا شخص کہتا ہے کہ ہماری طرح احمد بن حنبل بھی ایک انسان تھے، مالک بھی ایک انسان تھے۔اس طرح اس جاہل کے نزدیک ائمہ دین کی کوئی فضیلت اور احترام نہیں رہ گیا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یہاں تک کہ انہوں نے تکفیر کر دی اور انہیں اسکا احساس بھی نہیں ہوا)۔

اور ایسا ہوتا ہے کہ انسان بسا اوقات جہالت اور نادانی کی بنیاد پر ایسی بات کہہ دیتا ہے جو کفریہ ہوتا ہے مگر اسے اسکا احساس نہیں ہوتا، اس طرح وہ کفریہ بات کہتا ہے اور اسکی ترویج بھی کرتا ہے مگر اسے اسکا شعور تک نہیں ہوتا، وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس نے ایسے میدان میں قدم رکھ دیا ہے جس کے بارے میں وہ خود انجان ہے، اس طرح وہ خود اپنے لئے اور پوری امت کیلئے خطرہ بن جاتا ہے۔اگر یک صرف اپنی ذات کیلئے خطرہ رہتا تو معاملہ کچھ ہلکا ہوتا مگر مشکل یہ ہیکہ اسے وہ پھیلا کر دوسروں کیلئے بھی خطرہ بن جاتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح یہ امت بوجوہ برباد ہوگئی، اور بوجوہ کفر میں پڑ گئی)۔

یعنی ان لوگوں نے امت کو دھوکہ دیا اور انہیں ملتبس کیا چنانچہ بدعتیوں کے کفریہ کلام کو رائج کر کے کہتے ہیں کہ یہ علمائے اسلام کا کلام ہے، چنانچہ اخبارات میں علمائے امت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ تم لوگوں نے حق کو اپنے تک محدود سمجھ رکھا ہے اور دوسرے بڑے علماء کو مکمل سمجھ رکھا ہے، جیسے کہ ابن سینا، ابن عربی، جہم بن صفوان اور دوسرے معتزلہ، یک سب انکے یہاں علماء شمار ہوتے

ہیں !!

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور بوجوہ زندقہ میں پڑگئی، اور بوجوہ گمراہ ہوگئی، اور بوجوہ تفرقہ میں پڑگئی، اور بوجوہ بدعت میں پڑگئی)۔

ان ساری مصیبتوں کا واحد سبب ان جہال کا دینی مسائل میں مداخلت کرنا اور اللہ کا خوف نہ کرنا ہے، چنانچہ جب ان کے دلوں سے خوف الہی کم ہوگیا تو ان مسائل میں مداخلت کرنے لگے، اسی لئے بعض سلف کہتے ہیں کہ انکا تقوی کم ہوگیا اسی لئے یہ بولنے لگے۔ مگر جو تقوی شعار ہوتا ہے، اس کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ اسی مسئلے میں مداخلت کرتا ہے جس میں اسے جانکاری ہوتی ہے، وہ ایسے مسائل میں ٹانگ نہیں اڑاتا جن میں اسے جانکاری نہ ہو بالخصوص دینی مسائل میں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (سوائے اس کے جو قول رسول ﷺ اور آپ کے حکم اور صحابہ کے حکم پر ثابت قدم رہا صحابہ میں سے کسی کو خطا کار نہیں بنایا)۔

یعنی مذکورہ آفات یعنی کفر، زیغ وضلالت، انحراف، دینی دشمنی اور اختلاف سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جو منہج سلف پر قائم ہوگا جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (**وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي**) ترجمہ: اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور انہوں نے بھی اسے تسلیم کیا جسے صحابہ نے تسلیم کیا، انکے طریقے اور مذہب سے بے رغبت نہیں ہوا)۔

یعنی کتاب وسنت اور منہج سلف سے بے رغبت نہیں ہوا، اس نے بھی اسی کو کافی سمجھا جس پر

صحابہ، تابعین اور دیگر سلف صالحین قائم تھے، لیکن مسئلہ اس شخص کا ہے جو انہیں کہتا ہے کہ وہ بھی ہماری طرح تھے، انکے کلام کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اسے معلوم رہا کہ وہ صحیح اسلام اور صحیح ایمان پر تھے)۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ**) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور روہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔

چنانچہ جو شخص نجات چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اسی راہ کو اپنائے، کیونکہ اس سے بھٹکنے کی صورت میں گمراہی طے ہے اور اپنے ساتھ یہ دوسروں کے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ**) ترجمہ: تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے بھی جنھیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔ سن لو! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔ (النحل: ۲۵)۔

بلا شبہ صحابہ کرام اور قرون مفضلہ کے لوگ دین صحیح پر قائم تھے، پھر آخر ان کے منہج کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کے پاس کیوں جاتے ہو جن کے بارے میں کوئی گارنٹی نہیں کہ وہ صحیح دین اور صحیح منہج پر ہیں یا نہیں؟!

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (چنانچہ اس سے اپنے دین میں انکی تقلید کی اور اطمینان سے رہا)۔

یہاں تقلید سے مراد اتباع ہے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے: (اور جن لوگوں نے معروف طریقے سے انکی اتباع کی)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ علم رکھا کہ دین کا نام تقلید ہے اور یہ تقلید محمد ﷺ کے صحابہ کی ہے)۔

جیسا کہ اوپر بتلایا گیا کہ یہاں تقلید سے مراد اتباع ہے، جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کہا ہے: (**إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ** [37] **وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ**) ترجمہ: بے شک میں نے اس قوم کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے ساتھ بھی کفر کرنے والے ہیں۔ [37] اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ (یوسف: ۳۸)۔

چنانچہ سلف صالح کے منہج کی اتباع کرنا ہی حق ہے، اس میں کوئی ملامت نہیں ہے، ملامت ان لوگوں پر ہے جو ایسے لوگوں کی اتباع کرتے ہیں جو لائق اتباع نہیں۔

❁❁❁

{99} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن من قال: لفظي بالقرآن مخلوق، فهو جهمي، ومن سكت فلم يقل: مخلوق ولا غير مخلوق، فهو جهمي. هكذا قال أحمد بن حنبل، وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فإياكم ومحدثات الأمور، فإنها ضلالة، وعليكم بسنتي، وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ).

ترجمہ: اور جان لو! جس نے کہا کہ قرآن کا میرا پڑھنا (میرا بولنا) مخلوق ہے، تو وہ جہمی ہے، اور جو خاموش رہا نہ ہی مخلوق کہا اور نہ ہی غیر مخلوق، تو وہ جہمی ہے، اسی طرح کہا ہے امام احمد نے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم نئی نئی چیزوں سے بچ کر رہنا، کیونکہ یہ وہ گمراہی ہے، تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا۔

الشرح:

اللہ تعالی نے اپنے لئے کلام کو بہت ساری آیتوں میں بیان کیا ہے انہیں میں یہ آیت بھی ہے: **(قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا)** ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائے تو وہ بھی میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گا، گو ہم اسی جیسا اور بھی اس کی مدد میں لے آئیں۔ (الکھف: ۱۰۹)۔

اور اہل سنت والجماعہ کے بقول اللہ کا کلام قدیم النوع اور حادث الآحاد ہے، چنانچہ قرآن اللہ کے کلام میں سے ہے، جو کتاب وسنت سے ثابت ہے، اور بلاشبہ وہ لوگ جو عقل سلیم کے مالک ہیں اللہ

کیلئے کلام کو ثابت مانتے ہیں، اسلئے کہ اللہ کیلئے صفت کمال ہے، اور اس کا نہ پایا جانا نقص ہے، مگر جہمیہ کا امام جہم بن صفوان جس نے یک خبیث عقیدہ ظاہر کیا اور لوگوں میں شک پھیلایا یہ لوگوں کو کفر والحاد کا حکم دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اللہ کا کلام مخلوق ہے، کہتا تھا کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ نے بعض مخلوق کی طرف اپنی نسبت کی ہے جیسے بیت اللہ، ناقۃ اللہ وغیرہ اسی طرح کلام اللہ بھی ہے۔

اسی طرح یہ جبر کا بھی قائل تھا، اسماء وصفات کی نفی بھی کرتا تھا، سنت کا منکر بھی تھا، قرآن کی تکذیب بھی اسکے اندر پائی جاتی تھی، اس طرح یہ بہت بڑا خبیث ملحد تھا جس نے یہ خبیث عقیدہ ایجاد کیا تھا، اور یہ عقیدہ اس نے یہودیوں سے کیا تھا جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے الحمویہ کے مقدمے میں بیان کیا ہے۔

چنانچہ جہم نے سب سے پہلے اس عقیدہ کو نہیں پھیلایا تھا بلکہ اس سے پہلے جعد بن درہم نے اس خبیث عقیدے کو عام کیا تھا جس نے طالوت نامی ایک یہودی سے اس عقیدے کو اخذ کیا تھا، اور طالوت نے از عقیدے کو لبید بن اعصم نامی یہودی سے لیا تھا، اور یہ وہی یہودی ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا، اس طرح یہ عقیدہ یہودیوں سے ماخوذ ہے، جو کلام اللہ میں تحریف کرنے میں معروف ہیں، اسلئے اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اسکا مصدر اور مرجع یہود ہیں، جعد بن درہم کے واسطے انہوں نے اس خبیث عقیدے کو مسلمانوں میں گھسایا تھا، اور یہ وہی خبیث انسان ہے جسے خالد بن عبد اللہ قسری نے عید الاضحی کے دن قربان کر دیا تھا۔

پھر اسی سے جہم بن صفوان نے اس عقیدے کو لیا اور اسی سے معروف ہوگیا، کیونکہ اس عقیدے کو اسی نے عام کیا ہے، نہ کہ اس نے ایجاد کیا ہے۔

اہل سنت والجماعہ نے اس پر سخت نکیر کی اور اس پر رد بھی کیا جس کی تفصیل اگلے نکتے میں بیان کی جائے گی۔ البتہ یہاں پر اسی خبیث مسئلے کے ایک جزئیہ کو بیان کریں گے، اور وہ یہ ہیکہ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (قرآن کا میرا پڑھنا مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟)

اس جزئیہ کو بھی مسلمانوں میں گھسایا ہے، یعنی مذکورہ جزئیہ میں قرآن کو مخلوق مانو گے یا غیر مخلوق یا توقف اختیار کرو گے؟ چنانچہ اس مسئلے میں اگر مراد ملفوظ بہ ہے تو وہ کلام اللہ غیر مخلوق ہوگا اور اگر تلاوت، صوت اور پڑھنا مراد ہے تو مخلوق ہوگا، یہی تفصیل کی بات امام احمد اور امام بخاری اور دیگر محققین علمائے دین نے کہی ہے، اسلئے مطلق طور پر اسے نہ مخلوق کہیں گے اور نہ غیر مخلوق اور نہ ہی توقف اختیار کریں گے، بلکہ علمائے سلف کی طرح تفصیلی بات کہیں گے۔

{100} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أنه إنما جاء هلاك الجهمية أنهم فكروا في الرب، فأدخلوا لم وكيف، وتركوا الأثر، ووضعوا القياس، وقاسوا الدين على رأيهم فجاءوا بالكفر عيانا لا يخفى أنه كفر، فكفروا وكفروا الخلق واضطرهم الأمر إلى أن قالوا بالتعطيل.

ترجمہ: اور جان لو! یقینا جہمیہ کی بربادی بایں طور ہوئی کہ انہوں نے رب کے بارے میں غور کیا، پھر کیوں اور کیسے کہا، اور اثر کو چھوڑ دیا، اسکے لئے قیاس گڑھا، اور دین کو اپنی رائے اور عقل پر قیاس کر ڈالا، پھر اس طرح کفریہ کلام لائے جس کے کفر میں کوئی شبہ نہ رہا، پہلے خود کفر کیا پھر لوگوں کی تکفیر کر ڈالی، اور یہاں تک مجبور ہوئے کہ تعطیل کا عقیدہ رکھ لیا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! یقینا جہمیہ کی بربادی بایں طور ہوئی کہ انہوں نے رب کے بارے میں غور کیا)۔

یعنی جہمیہ کی گمراہی کا سبب یہ بنا کہ انہوں نے رب ذو الجلال کی شان میں مداخلت کرنے لگے، اور اس کی حقیقت کے تعلق سے بحث کرنے لگے، جبکہ ایک مسلمان کیلئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ رب العالمین کے تعلق سے بحث کرے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات پر اور اس کے اسماء و صفات پر ایمان لائے اور انکی کیفیت پر بحث نہ کرے، کیوں کہ ذات باری تعالی کی حقیقت اور اسکے اسماء وصفات کی کیفیت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ارشاد باری تعالی ہے: (**يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا**) ترجمہ: وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ (طہ: ۱۱۰)۔

اسلئے ہم اللہ کے بارے میں اپنی طرف سے بحث نہیں کرتے بلکہ صرف انہیں اسماء وصفات پر گفتگو کرتے ہیں جن کا ذکر کتاب وسنت میں وارد ہوا ہے اور جن کا ذکر نہیں آیا ہے ان پر توقف اختیار کرتے ہیں، جبکہ جہمیہ نے کتاب وسنت کا انکار کر دیا، اور اللہ کے تعلق سے اپنی عقل ورائے کو دخل دیا، اور یہاں تک کہہ گئے کہ اللہ نہ تو عالم کے اندر ہے نہ باہر، نہ اوپر ہے نہ نیچے، نہ دائیں ہے نہ بائیں۔

مطلب انکے نزدیک اللہ ہے ہی نہیں، اللہ ان کے بکواس سے بلند اور بالاتر ہے، اسی طرح انہوں نے کہا کہ وہ نہ تو سنتا ہے کہ دیکھتا ہے نہ اسکے پاس علم ہے نہ ارادہ۔ مطلب وہ جمادات میں سے ہے نعوذ باللہ، کیونکہ ان صفات سے جمادات ہی کو متصف کیا جاتا ہے، جس طرح کہ آپ بتوں کے بارے میں اس طرح کہہ سکتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور دین کو اپنی رائے اور عقل پر قیاس کر ڈالا)۔

یعنی انہوں نے قیاس باطل کی پیروی کی، اللہ کو اسکے مخلوق پر قیاس کیا، اور پھر اسکے اسماء و صفات کا انکار کر دیا، کیوں کہ ان کے نزدیک تشبیہ لازم آتی ہے، وہ دراصل سمجھ ہی نہ سکے کہ اللہ کے اسماء و صفات اللہ ہی کے ساتھ خاص ہیں جس طرح کہ مخلوقات کے اسماء وصفات مخلوقات کے ساتھ خاص ہیں، دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے، چنانچہ جس طرح اللہ تعالی کی ذات مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں ہے، اسی طرح اسکے اسماء وصفات مخلوقات کے اسماء وصفات کے مشابہ نہیں ہیں، چنانچہ جس نے اس منہج پر عمل کیا وہ صحیح راہ پر گامزن رہا اور مطمئن رہا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پھر اس طرح کفریہ کلام لائے جس کے کفر میں کوئی شبہ نہ رہا)۔

یعنی مذکورہ بدعقیدگیوں کی بنیاد پر انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پہلے خود کفر کیا پھر لوگوں کی تکفیر کر ڈالی)۔

انہوں نے ان لوگوں کی تکفیر کر ڈالی جو اللہ کے اسماء پر ایمان لاتے ہیں، انکے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مشبہ ہیں، اور تشبیہ کفر ہے، جبکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ تشبیہ نہیں ہے، ہم اللہ کے اس قول پر ایمان

لاتے ہیں: (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ) ترجمہ: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (الشوری:۱۱)۔

یہاں پر دیکھیں اللہ نے اپنی ذات کی تشبیہ کی نفی کی ہے، اور خود اپنے لئے سمع و بصر کو ثابت کیا ہے، جبکہ سمع و بصر کی صفت مخلوق میں بھی موجود ہے، پتہ چلا کہ دونوں میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہاں تک مجبور ہوئے کہ تعطیل کا عقیدہ رکھ لیا)۔

تعطیل کہتے ہیں خالق کے انکار کو، کیونکہ جس کے بارے میں آپ یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ نہ تو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ وہ کلام کرتا ہے اور نہ اس کے پاس ارادہ ہے نہ مشیئت، اور اسی طرح نہ وہ عالم کے اندر ہے نہ باہر اور نہ ہی وہ اوپر ہے نہ نیچے، اس طرح وہ کوئی معبود ہی نہیں ہے، اسی عقیدہ نے انہیں تعطیل اور الحاد تک پہونچایا ہے۔

۞۞۞

{101} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقال بعض العلماء - منهم أحمد بن حنبل رضي الله عنه -: الجهمي كافر، ليس من أهل القبلة، حلال الدم، لا يرث ولا يورث؛ لأنه قال: لا جمعة ولا جماعة، ولا عيدين ولا صدقة، وقالوا: إن من لم يقل: القرآن مخلوق فهو كافر.

ترجمہ: بعض اہل علم نے کہا جن میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں: جہمی کافر ہے، اہل قبلہ میں سے نہیں ہے، اسکا خون حلال ہے، نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اسکا کوئی وارث ہوگا، اسلئے کہ اس نے کہا: نہ جمعہ ہے نہ جماعت، نہ عیدین ہے نہ صدقہ، اور ان لوگوں نے کہا: جس نے یہ نہیں کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جہمی کافر ہے، اہل قبلہ میں سے نہیں ہے)۔

یعنی وہ اپنی تمام کفریہ باتوں کی وجہ سے کافر ہوا ہے، اسلئے کہ اس نے اللہ کی ذات کو معطل کردیا ہے، اور بلاشبہ یہ شدید ترین کفر ہے۔

انکے کفریہ کلام ہی نے انہیں تعطیل تک پہونچایا ہے، جیسا کہ شیخ نے کہا، یعنی وجود باری تعالی کا انکار، (الرد علی الجھمیہ) نامی کتاب میں امام احمد نے ان پر رد کیا ہے، یہ کتاب مطبوع اور محقق ہے، ان پر بہت سارے لوگوں نے رد کیا ہے، انہیں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی جنہوں نے انکی تردید میں (بیان تلبیس الجھمیہ) نامی ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسکا خون حلال ہے، نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اسکا کوئی وارث ہوگا)۔

کیونکہ وہ مرتد حلال الدم ہے، اسلئے کہ خون اسلام سے محفوظ ہوتا ہے اور کفر سے حلال۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے کہ اس نے کہا: نہ جمعہ ہے نہ جماعت)۔

یعنی جہم بن صفوان جمعہ اور جماعت کا منکر تھا، اسکے پاس صرف اللہ کی معرفت کافی تھی بایں طورکہ اگر انسان اپنے رب کو دل سے پہچان لے تو وہ کامل مومن ہو جائے گا، گرچہ وہ عمل نہ کرے روزہ نماز ادانہ کرے، اور کوئی بھی عبادت نہ کرے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (نہ عیدین ہے نہ صدقہ)۔

اسلئے کہ اسکا عقیدہ تھا کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے، اور نہ ہی دل اور زبان سے اقرار کرنے کی ضرورت ہے، صرف معرفت کافی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور ان لوگوں نے کہا: جس نے یہ نہیں کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے)۔

اسلئے کہ جہمیہ کے نزدیک قرآن کو کلام کہنے سے مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے، اور تشبیہ کفر ہے، اسلئے ان کے نزدیک قرآن کو کلام اللہ کہنے والا کافر ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واستحلوا السيف على أمة محمد صلى الله عليه وسلم، وخالفوا من كان قبلهم، وامتحنوا الناس بشيء لم يتكلم فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا أحد من أصحابه، وأرادوا تعطيل المساجد والجوامع۔

ترجمہ: انہوں نے امت محمدیہ پر تلوار اٹھانے کو حلال کیا، اور اپنے سے پہلوں کی مخالفت کی، اور لوگوں کو آزمائش میں ڈالا ایک ایسے معاملے میں جس کے بارے میں کبھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کہا اور نہ ہی آپ کے صحابہ میں سے کسی نے کچھ کہا، انہوں نے مساجد کو معطل کرنا چاہا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہوں نے امت محمدیہ پر تلوار اٹھانے کو حلال کیا)۔

یعنی ان مسلمانوں کے قتل کو حلال سمجھا جو عقیدے میں انکے مخالف ہیں، اسی لئے جب یہ مامون کے دور میں غالب ہوئے تو علمائے اہل سنت والجماعہ کو قتل کرنے لگے، انہیں عذاب تھا تاکہ جہمیہ کے مذہب کو اختیار کر لیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اپنے سے پہلوں کی مخالفت کی)۔

یعنی ان سے پہلے کے مسلمانوں میں سے کسی نے یہ عقیدہ نہیں رکھا تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور لوگوں کو آزمائش میں ڈالا ایک ایسے معاملے میں جس کے بارے میں کبھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کہا اور نہ ہی آپ کے صحابہ میں سے کسی نے کچھ کہا)۔

جیسا کہ مامون کے دور میں اور اسکے بعد کے ادوار میں پیش آیا جس وقت لوگوں کو خلق قرآن کے عقیدہ پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہوں نے مساجد کو معطل کرنا چاہا)۔

کیونکہ انکا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان مجرد معرفت کا نام ہے، عمل داخل نہیں ہے، یعنی نہ عمل کی ضرورت ہے اور نہ ہی زبان اور دل سے اقرار اور تسلیم کرنے کی ضرورت ہے۔ اب ایسی صورت میں انہیں مساجد کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اوپر نماز کو واجب ہی نہیں سمجھتے تھے۔

❁❁❁

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأوهنوا الإسلام، وعطلوا الجهاد، وعملوا في الفرقة، وخالفوا الآثار، وتكلموا بالمنسوخ، واحتجوا بالمتشابه، فشككوا الناس في آرائهم وأديانهم، واختصموا في ربهم، وقالوا: ليس عذاب قبر، ولا حوض ولا شفاعة، والجنة والنار لم يخلقا، وأنكروا كثيرا مما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاستحل من استحل تكفيرهم ودماءهم من هذا الوجه؛ لأن من رد آية من كتاب الله فقد رد الكتاب كله، ومن رد أثرا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فقد رد الأثر كله، وهو كافر بالله العظيم۔

ترجمہ: انہوں نے اسلام کو کمزور کیا، جہاد کو معطل کیا، امت کے اندر تفرقہ ڈالا، آثار کی مخالفت کی، منسوخ سے کلام کیا، متشابہ کو حجت بنایا، لوگوں کے دین وفکر میں شک پیدا کیا، انکے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، اور کہا: کوئی عذاب قبر نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی حوض ہے، نہ شفاعت ہے، جنت اور دوزخ ابھی پیدا شدہ نہیں ہیں، بہت سارے اقوال رسول کا انہوں نے انکار کیا، اور اسی وجہ سے کچھ لوگوں نے ان کی تکفیر کی اور انکے خون کو حلال کیا، اس لئے کہ جس نے کسی ایک آیت کا انکار کیا تو اس نے پوری کتاب کا انکار کیا، اور جس نے ایک حدیث کا انکار کیا تو اس نے پوری حدیثوں کا انکار کیا، ایسی صورت میں وہ کافر ہوا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہوں نے اسلام کو کمزور کیا)۔

یعنی جہمیہ نے دین اسلام کو کمزور کیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جہاد کو معطل کیا)۔

کیونکہ وہ کفار کی تکفیر کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے، اسلئے کہ انہیں بھی اللہ کی معرفت ہوتی ہے، اس عقیدے کی بنیاد پر فرعون بھی مسلم تھا اسلئے کہ اسے بھی اللہ کی معرفت تھی، ارشاد باری تعالی ہے: (**قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا**) ترجمہ: اس نے کہا بلا شبہ یقینا تو جان چکا ہے کہ انھیں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، اس حال میں کہ واضح دلائل ہیں اور یقینا میں تو اے فرعون! تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔ (الاسراء: ۱۰۲)۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مشرکین بھی اللہ کی معرفت رکھتے تھے بلکہ وہ مختلف طریقوں سے اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے، چنانچہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہی رب ہے اور وہ عبادت کا مستحق ہے، مگر وہ اللہ کے ساتھ عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے تھے، اس گمان میں کہ یہ سب انہیں اللہ سے قریب کریں گے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (آثار کی مخالفت کی)۔

یعنی انہوں نے حدیثوں اور دلیلوں کی مخالفت کی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (منسوخ سے کلام کیا)۔

یعنی انہوں نے منسوخ دلیلوں سے استدلال کیا کیونکہ انکی گمراہی کی وجہ سے انہیں ناسخ کا علم ہی نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ**) ترجمہ: پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں۔ (آل عمران: ۷)۔

اسی متشابہ میں سے منسوخ بھی ہے، اسلئے کہ تفسیر قرآن کیلئے ناسخ منسوخ، مطلق مقید اور خاص و عام کی جانکاری ضروری ہے، مگر جو گمراہ ہوتے ہیں وہ ان اصولوں کی طرف نہیں دیکھتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ ہم سیدھا قرآن سے استدلال کرتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کے بعد حصے سے استدلال

کرتے ہیں اور بعض کو ترک کر دیتے ہیں، اور ایسا شخص کافر ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ) ترجمہ: پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تو اس شخص کی جزا جو تم میں سے یہ کرے اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔ (البقرہ:۸۵)۔

اسی لئے ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا ہے: (وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا) ترجمہ: اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ (آل عمران:۷)۔

یعنی یہ لوگ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جو اسکی تفسیر اور توضیح کرتا ہے، مگر اسکے لئے وسلم کی ضرورت ہے، اس میں کسی متعالم کے آنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ کسی گمراہ کی ضرورت ہے جو آکر صرف دوسروں کو گمراہ کریں گے، چنانچہ متشابہ کو صرف دو ہی قسم کے لوگ پکڑتے ہیں:

* ایک وہ جو گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا چاہتا ہے، جیسے جہمیہ جنکے بارے میں امام احمد نے کہا ہے کہ یہ لوگ قرآن کی متشابہ آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ (الرد علی الزنادقۃ والجھمیہ :ص ۶)۔

* یا کم علم متعالم شخص جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں بولتا رہتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (متشابہ کو حجت بنایا)۔

اسی لئے امام احمد نے ان پر رد کیا ہے، اور ان نصوص کو نقل کیا ہے جن سے یہ استدلال کرتے ہیں پھر انکھا استدلال کو باطل کیا ہے، اور اس مسئلے میں جو صحیح ہے اسے واضح کیا ہے، اور آیات واحادیث

کے درمیان تطبیق دی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (لوگوں کے دین وفکر میں شک پیدا کیا)۔

اسی لئے علم کے مسائل بطور خاص عقیدے کے مسائل میں وہی کلام کرنے کا مجاز ہے جو علمائے راسخین میں سے ہو،کم علم، ناتجربہ کاراور ناداں کو اس پر بولنے کی ضرورت نہیں ہے چہ جائیکہ ایسے سنگین مسائل میں گمراہ لوگ بات کریں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انکے رب کے بارے میں جھگڑا کیا)۔

یعنی جدال اور مناظرہ کی روش اختیار کی، ارشاد باری تعالی ہے: (**مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ**) ترجمہ: اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (غافر: ۴)۔

ایک مومن اپنے رب کی آیتوں میں جھگڑا نہیں کرتا ہے، بلکہ اسے اللہ کا کلام اور خیر و ہدایت سمجھ کر اسے قبول کرتا ہے، مگر جو توقف اختیار کرتا ہے اور شک کرتا ہے وہی دراصل اللہ کے کلام میں جھگڑا کرتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور کہا: کوئی عذاب قبر نہیں ہے)۔

یہ انکے مذہب اور عقیدے کے مطابق ہے اس لئے کہ ان کے یہاں جسے اللہ کی معرفت ہو وہ مومن ہے، اسے نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج وعمرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی دیگر اعمال کی ضرورت ہے، اس بنیاد پر عذاب قبر کا کوئی مطلب بھی نہیں ہے، کیونکہ انہیں اللہ کی معرفت ہے، اس طرح نہ کوئی معصیت ہے اور نہ کوئی اطاعت، چنانچہ انکے یہاں جو قبر میں ہے اسے بھی اللہ کی معرفت ہے اس طرح انہیں عذاب بھی نہیں ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور نہ ہی کوئی حوض ہے، نہ شفاعت ہے)۔

بلکہ تمام امور غیب کا انہوں نے انکار کیا ہے، اسلئے کہ وہ صرف عقل پر اعتماد کرتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جنت اور دوزخ ابھی پیدا شدہ نہیں ہیں)۔

یہ جہمیہ کا عقیدہ ہے جبکہ اللہ نے خبر دی ہے کہ دونوں پیدا شدہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ جنت کو متقیوں کیلئے تیار شدہ ہے۔ (آل عمران: ۱۳۳)۔ اسی طرح دوزخ کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ یہ کافروں کیلئے تیار شدہ ہے۔ (آل عمران: ۱۳۱)۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دوزخ دو بار سانس لیتی ہے اور یہ گرمی اور سردی اسی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ ، عن النبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الْحُمَّى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرُدُوهَا بِالْمَاءِ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بخار دوزخ کی سخت گرمی سے ہے تو اس کو ٹھنڈا کرو پانی سے۔" (صحیح مسلم: ۶۱۰)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (بہت سارے اقوال رسول کا انہوں نے انکار کیا)۔

یعنی کتاب وسنت کی دلیلوں کا انکار کیا؛ کیونکہ یہ دلیلوں انکی عقل اور انکے عقیدے کے خلاف ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اسی وجہ سے کچھ لوگوں نے ان کی تکفیر کی اور انکے خون کو حلال کیا)۔

یعنی انہوں نے اپنے خبیث عقیدے کی وجہ سے بہت سارے اہل سنت والجماعہ کی تکفیر کی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس لئے کہ جس نے کسی ایک آیت کا انکار کیا تو اس نے پوری کتاب کا انکار کیا)۔

جیسا کہ او پر گزرا کہ جس نے بعض قرآن سے استدلال کیا اور بعض کو ترک کر دیا تو گویا وہ قرآن کے بعض حصے پر ایمان لاتا ہے اور بعض کا منکر ہے، چنانچہ جو متشابہ سے استدلال کرے اور محکم کو ترک کر دے یہ بھی انہیں لوگوں میں سے ہے جو بعض قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جس نے ایک حدیث کا انکار کیا تو اس نے پوری حدیثوں کا انکار کیا)۔

یہی معاملہ سنت کا بھی ہے کہ اس میں بھی محکم اور متشابہ ہے چنانچہ جس نے متشابہ کو لیا اور محکم کو ترک کیا اس نے گویا پوری سنت کو ترک کیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایسی صورت میں وہ کافر ہوا)۔

یہ نتیجہ ہے، والعیاذ باللہ، کیونکہ جو اللہ پر ایمان لاتا ہے وہ کہتا ہے کہ ہم اپنے رب کی ساری باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن جس کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ متشابہ پر عمل کرتا ہے کیونکہ وہی اسکے موافق ہوتا ہے اور محکم چونکہ اس کی خواہش کے موافق نہیں ہوتا اسلئے اسے رد کر دیتا ہے، یہی نفس پرستوں کا طریقہ رہا ہے، یہ صرف جہمیہ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جہمیہ تو اس طریقے اور روش کی اصل ہیں۔ نفس پرست ہمیشہ یہی کرتے آئے ہیں کہ جو چیزیں انکی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں اسے لے لیتے ہیں اور جو مخالف ہوتی ہیں اسے ترک کر دیتے ہیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فدامت لهم المدة، ووجدوا من السلطان معونة على ذلك، ووضعوا السيف والسوط دون ذلك، فدرس علم السنة والجماعة وأوهنوهما وصارتا مكتومتين؛ لإظهار البدع والكلام فيها ولكثرتهم، واتخذوا المجالس، وأظهروا رأيهم، ووضعوا فيها الكتب، وأطمعوا الناس، وطلبوا لهم الرياسة، فكانت فتنة عظيمة لم ينج منها إلا من عصم الله، فأدنى ما كان يصيب الرجل من مجالستهم أن يشك في دينه، أو يتابعهم أو يزعم أنهم على الحق، ولا يدري أنه على الحق أو على الباطل، فصار شاكا، فهلك الخلق، حتى كان أيام جعفر - الذي يقال له المتوكل - فأطفأ الله به البدع، وأظهر به الحق، وأظهر به أهل السنة، وطالت ألسنتهم، مع قلتهم و كثرة أهل البدع إلى يومنا هذا۔

ترجمہ: یہ اسی پر قائم رہے، ایک مدت تک، اور بادشاہ سے انہیں تعاون بھی ملا، انہوں نے اسکی مدد سے تلوار اور کوڑے کا استعمال کیا، اس طرح سنت اور جماعت کا علم مٹتا گیا، اور انہوں نے دونوں کو کمزور کر دیا، اور چھپ کر رہنے لگے، کیونکہ ان لوگوں کی کثرت تھی، بدعات کا ظہور ہوگیا، انہوں نے اپنی مجلسیں قائم کرلیں، اپنی رائے ظاہر کرنے لگے، اپنی کتابیں لکھنے لگے، لوگوں کو لالچ دلایا، حکومت واقتدار کی رغبت دلائی، اس طرح ایک عظیم فتنہ برپا ہوا، جس سے وہی شخص محفوظ رہ سکا جسے اللہ نے محفوظ رکھا، لوگ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے، اور اپنے دین میں شک کرنے لگتے، یا انکی متابعت کرنے لگتے، یا کم از کم انہیں حق پر سمجھتے، جبکہ اسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر، اس طرح خود شک میں پڑ جاتا، اس طرح ایک بڑی مخلوق برباد ہوگئی، یہاں تک کہ جعفر کا دور آیا جسے متوکل کہا جاتا ہے، تو اللہ نے اس کے ذریعے ان بدعات کا خاتمہ کیا، اور حق کو ظاہر کیا، اہل سنت کو غلبہ ملا، اپنی قلت کے باوجود اور اہل بدعت کی کثرت کے باوجود انہوں نے بولنا شروع کیا، اور انکی نشانیاں آج بھی باقی ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یہ اسی پر قائم رہے ایک مدت تک، اور بادشاہ سے انہیں تعاون بھی ملا)۔

اس سے اشارہ مامون الرشید اور اس کی ذریت کی طرف ہے، اللہ اسے معاف فرمائے کہ گمراہ لوگوں نے اسے دھوکہ دیکر بھٹکا دیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہوں نے اسکی مدد سے تلوار اور کوڑے کا استعمال کیا)۔

یعنی مامون کے دور میں وہ اہل سنت والجماعہ پر غالب آگئے، اور بڑے وزراء کا یہی نتیجہ ہوتا ہے، اسلئے مسلمانوں کو چاہیئے خواہ وہ حکام ہوں یا محکومین اپنا وزیر اور مشیر نیک اور صالح رکھیں، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے سوا کسی کو دلی دوست نہ بناؤ، وہ تمھیں کسی طرح نقصان پہنچانے میں کمی نہیں کرتے۔ (آل عمران: ۱۱۸)۔

اسلئے برے وزراء سے بچنا چاہیئے، دیکھیں مامون کو جوکہ بنی ہاشم سے تھا مگر برے وزراء اور مشیروں نے اسے بھٹکا دیا، اسی طرح عباسی دور کے آخر میں نظر دوڑائیں ابن علقمی اور طوسی جیسے خائنوں نے تاتاریوں کے ملکر پوری سلطنت کو ختم کروا دیا، اور بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح سنت اور جماعت کا علم مٹتا گیا، اور انہوں نے دونوں کو کمزور کر دیا)۔

یعنی کتاب وسنت کے علم کو کمزور کر دیا، انکے یہاں علم جدل، علم کلام اور علم منطق ہی اصل علم ہوگیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور چھپ کر رہنے لگے، کیونکہ ان لوگوں کی کثرت تھی، بدعات کا

ظہور ہو گیا)۔

یعنی انہوں نے سنت کو ترک کر کے بدعتوں کو عام کیا اس وقت اہل سنت والجماعہ چھپ کر رہنے لگے تھے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہوں نے اپنی مجلسیں قائم کرلیں، اپنی رائے ظاہر کرنے لگے)۔

یعنی مدارس، مجالس اور ہر جگہ اسی میں مشغول تھے، اپنی رائے کا اظہار کرتے اور اپنے عقائد کو عام کرتے، اور اہل شر کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب بھی انہیں کسی جگہ غلبہ ہوا تو انہوں نے اسلام کو دبانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اپنی کتابیں لکھنے لگے)۔

یعنی جہمیہ اور معتزلہ کے عقیدے پر۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (لوگوں کو لالچ دلایا، حکومت واقتدار کی رغبت دلائی)۔

یعنی جن کے پاس کم علم تھا انہیں مختلف طریقوں سے راغب کرلیا، اسلئے کہ جب فتنے آتے ہیں تو بہت کم لوگ بچ پاتے ہیں، اکثر متاثر ہوجاتے ہیں، کچھ کم تو کچھ زیادہ، محفوظ بہت کم ہو پاتے ہیں، مگر اس فتنے میں تو انہوں نے قتل اور قید کی دھمکی دی تھی، لوگوں کو سزائیں دی تھیں، مال وعہدے کی رغبت بھی دی گئی تھی بہت سے نادان لوگوں نے دنیا کی خاطر اپنا دین بیچ دیا۔ والعیاذ باللہ۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح ایک عظیم فتنہ برپا ہوا، جس سے وہی شخص محفوظ رہ سکا جسے اللہ نے محفوظ رکھا)۔

اس وقت وہی محفوظ رہا جس نے کتاب وسنت کو تھام کر رکھا، اور پریشانیوں پر صبر کیا جیسے کہ امام احمد، بعض کو تو قتل کر دیا گیا، مگر جس نے انکی بات مان لی اور ان کے طریقے کو اختیار کرلیا وہ انہیں کی طرح برباد ہوا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (لوگ ان کی مجلسوں میں بیٹھتے ،اور اپنے دین میں شک کرنے لگتے)۔

یعنی کچھ تو دین سے منحرف ہو گئے اور کچھ منحرف نہیں ہوئے مگر انکی مجلسوں میں بیٹھنے کی وجہ سے بہت سارے دینی امور میں شک کرنے لگے اسلئے کہ ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی خیر نہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا انکی متابعت کرنے لگتے)۔

یعنی انکے ساتھ بیٹھنے کی وجہ سے انکے اندر انحراف پیدا ہو جاتا پس کم سے کم وہ شک میں مبتلا ہو جاتے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا کم از کم انہیں حق پر سمجھتے، جبکہ اسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر، اس طرح خود شک میں پڑ جاتا)۔

کیونکہ ان کے پاس علم کلام اور علم منطق سے دلیلوں ہوتی تھیں اور فصاحت و بلاغت سے انکی باتیں پر ہوتی تھیں، ان پر رد وہی کرسکتا تھا جسکے پاس قوی علم ہو جیسے امام احمد اور امام ابن تیمیہ وغیرہ چنانچہ ایسے ہی ائمہ دین نے ان کا مقابلہ کیا اور انہیں زیر کیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح ایک بڑی مخلوق برباد ہوگئی، یہاں تک کہ جعفر کا دور آیا جسے متوکل کہا جاتا ہے)۔

یعنی یہ آزمائش کا دور مامون، معتصم اور واثق کے ادوار تک رہی، مگر متوکل نے اہل سنت والجماعہ سے آزمائش کو ختم کر دیا اور سنت کی تائید کی، اللہ اسے بہتر بدلہ دے۔ اس نے امام احمد کی بڑی عزت کی۔ متوکل علی اللہ لقب ہے اور نام جعفر بن واثق ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (تو اللہ نے اس کے ذریعے ان بدعات کا خاتمہ کیا، اور حق کو ظاہر کیا، اہل سنت کو غلبہ ملا، اپنی قلت کے باوجود اور اہل بدعت کی کثرت کے باوجود انہوں نے بولنا شروع کیا، اور انکی نشانیاں آج بھی باقی ہیں)۔

اور یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ باطل ہمیشہ باقی نہیں رہتا اور نہ ہی وہ حق کا مقابلہ کرسکتا ہے، گرچہ اسکے ماننے والوں کی کثرت ہو، ارشاد باری تعالی ہے: **(كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ)** ترجمہ: کتنی ہی تھوڑی جماعتیں زیادہ جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ:۲۴۹)۔

دیکھیں امام احمد صرف فرد واحد تھے مگر تمام اہل بدعت کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے، اسی لئے انہیں امام اہل سنت کا لقب ملا۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والرسم وأعلام الضلالة قد بقي قوم يعملون بها، ويدعون إليها، لا مانع يمنعهم، ولا حاجز يحجزهم عما يقولون ويعملون.

ترجمہ: بلکہ کچھ لوگ اس پر عمل پیرا بھی ہیں، اوران بدعات کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں، انہیں کوئی روکنے والا نہیں اور وہ جو چاہ رہے ہیں بول رہے اور کر رہے ہیں۔

الشرح:

شر کبھی ختم نہیں ہوگا، بلکہ بطور آزمائش کے شر اور خیر دونوں ہمیشہ باقی رہیں گے، ہاں یہ ہوتو رہے گا کہ کبھی شر کا غلبہ ہو اور کبھی حق کا، مگر شر اور باطل ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتے، مگر جہاں تک حق کا تعلق ہے تو اسے گرچہ وقتی طور پر غلبہ نہ ہو کمزوری کا شکار رہے مگر انجام کار اسی کے ساتھ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ انجام کار متقیوں کیلئے ہے۔(القصص: ۸۳)۔اور امام ابن القیم نے کہا:

والحق منصور وممتحن فلا تعجب فهذه سنة الرحمن

ترجمہ: حق کے ساتھ آزمائش آئے گی مگر غلبہ اسی کو ہوگا، اس لئے تعجب نہ کریں یہ اللہ کی سنت ہے۔(الکافیہ الشافیہ: ۱/ ۱۲۴)۔

❁❁❁

{102} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أنه لم تجيء بدعة قط إلا من الهمج الرعاع أتباع كل ناعق يميلون مع كل ريح، فمن كان هكذا فلا دين له. قال الله تبارك وتعالى: {فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ}، وقال: {وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ} وهم علماء السوء، أصحاب الطمع والبدع.

ترجمہ: اور جان لو! بدعت نہیں آئی ہے مگر اندھے عوام الناس کی طرف سے جو ہر آواز کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، ہر ہوا کے ساتھ چل پڑتے ہیں، سو جس کا یہ حال ہو اسکا کوئی دین نہیں، اللہ تعالی نے فرمایا: (پھر انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا، آپس میں ضد کی وجہ سے)، یہ علمائے سوء ہیں، حرص وطمع اور بدعت کے دلدادے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! بدعت نہیں آئی ہے مگر اندھے عوام الناس کی طرف سے جو ہر آواز کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں، ہر ہوا کے ساتھ چل پڑتے ہیں)۔

زندقہ نفاق کو کہتے ہیں، جس میں ایمان کو ظاہر اور کفر کو چھپایا جاتا ہے، انہیں زنادقہ کو شروع اسلام میں منافقین کہتے تھے، جو مسلمانوں ہی کے بیچ رہتے ہیں مگر جیسے ہی انہیں موقع ملتا ہے حق اور اہل حق کے خلاف اپنا شر ظاہر کر دیتے ہیں جیسا کہ آج بھی اس طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کی پیروی اندھے لوگ ہی کرتے ہیں، جنہیں نہیں پتہ ہوتا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں، مگر جہاں تک اہل علم اور عقل والوں کا تعلق ہے تو وہ حق کی پیروی کرتے ہیں وہ کثرت سے دھوکہ نہیں کھاتے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ) ترجمہ: اور اگر تو ان لوگوں میں سے اکثر کا کہنا مانے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے

بھٹکا دیں گے۔(الانعام:۱۱۶)۔

چنانچہ اعتبار اسی کا ہوگا جوحق پر ہوں گر چہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں، ارشاد باری تعالی ہے:(**كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ**) ترجمہ: کتنی ہی تھوڑی جماعتیں زیادہ جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ:۲۴۹)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا:(سوجس کا یہ حال ہو اسکا کوئی دین نہیں)۔

چنانچہ جوتذبذب کا شکار رہو اسے منافق کہتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:(**مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا**) ترجمہ:اس کے درمیان متردد ہیں، نہ ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف اور جسے اللہ گمراہ کر دے پھر تو اس کے لیے ہرگز کوئی راستہ نہ پائے گا۔(النساء:۱۴۳)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا:(اللہ تعالی نے فرمایا:(پھر انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپس میں ضد کی وجہ سے)۔

یعنی اگر انکے اندر اختلاف نادانی کی وجہ سے ہوتا تو معاملہ ہلکا ہوتا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف جان بوجھ کر ہوا ہے، کیوں کہ وہ خواہشات نفس کے پیروکار ہیں، اسلئے کہ اگر وہ حق کے پیروکار ہوتے تو اتفاق اور اجتماعیت سے رہتے، ارشاد باری تعالی ہے:(**وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**) ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔(آل عمران: ۱۰۳)۔

یہ بنو اسرائیل ہیں جنہوں نے خواہشات نفس کی بنا پر اختلاف کیا ہے، جہالت کی بنیاد پر نہیں، چنانچہ یہی حال ہر اس شخص کا ہوگا جو ایسا کرے گا کہ اس سے بڑا گمراہ کوئی نہیں ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(پھر انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا، آپس میں ضد کی

وجہ سے)۔(الجاثیہ:۱۹)۔

{103} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أنه لا يزال الناس في عصابة من أهل الحق والسنة، يهديهم الله ويهدي بهم غيرهم، ويحيي بهم السنن، وهم الذين وصفهم الله مع قلتهم عند الاختلاف، فقال: {وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ} فاستثناهم فقال: {فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ} .وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تزال عصابة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم ظاهرون.

ترجمہ: اور جان لو! اہل حق واہل سنت کی ایک جماعت ہمیشہ باقی رہے گی، اللہ انہیں راہ راست پر رکھے گا، اور ان کے ذریعے دوسروں کو بھی راہ راست پر لائے گا، اور انہیں کے ذریعے سنتوں کو زندہ کرے گا، اور اختلاف کے وقت قلت کے باوجود اللہ تعالی نے ان کا وصف بتاتے ہوئے کہا ہے: (اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے کیا جنھیں وہ دی گئی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آ چکیں، آپس کی ضد کی وجہ سے)، پھر ان میں سے مستثنی کرتے ہوئے فرمایا: (پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے)، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (میری امت میں ایک جماعت حق پر غالب رہے گی، رسوا کرنے والے ان کا کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا اور وہ غالب رہیں گے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا کہ اللہ کی توفیق سے حق باقی رہے گا خواہ فتنے کتنے ہی کیوں نہ آئیں اور

اختلاف کرنے والوں کی خواہ کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہو، اور اہل حق کو مٹانے کیلئے دشمن کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرلیں، اسلئے کہ حق اور اہل حق کا محافظ اللہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ) ترجمہ: بے شک ہم نے ہی یہ نصیحت نازل کی ہے اور بے شک ہم اس کی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں۔ (الحجر: ۹)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ) ترجمہ: بے شک ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے ضرور مدد کرتے ہیں دنیا کی زندگی میں اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ (غافر: ۵۱)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْمُغِيرَةِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: "لَنْ يَزَالَ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى النَّاسِ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ".

ترجمہ: سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "میری امت میں سے ایک قوم ہمیشہ لوگوں پر غالب رہے گی یہاں تک کہ قیامت آ جائے اور وہ غالب ہی ہوں گے۔" (صحیح مسلم: ۱۹۲۱)۔

اس طرح حق اور اہل حق باقی رہیں گے گرچہ کچھ سالوں اور کچھ وقت کیلئے کم ہو جائیں مگر اللہ تعالی حق کو کبھی ضائع نہیں کرے گا، بس اہل حق کو صبر سے کام لینا پڑے گا، اور اس راہ میں آنے والی تکلیفوں پر صبر کرنا پڑے گا، کیونکہ اللہ تعالی حق کو کبھی ضائع نہیں کرے گا بلکہ اسکے لئے مددگار اور پیروکار بنائے گا، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے اور اللہ دوسروں سے یہ کام لے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم) ترجمہ: اور اگر تم پھر جاؤ گے تو وہ تمھاری جگہ تمھارے سوا اور لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمھاری طرح نہیں ہوں گے۔ (محمد: ۳۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے، مومنوں پر بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بہت سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ اسے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (المائدہ: ۵۴)۔

یہاں پر اللہ نے حق کے بقا کی گارنٹی لی ہے کہ اسکے لئے وہ ضرور ایسے لوگوں کو تیار رکھے گا جو اسکا ساتھ دیں گے اور اسکی حفاظت کریں گے، اسلئے خطرہ دین پر نہیں ہے کہ وہ ضائع ہو جائے گا بلکہ خطرہ ہم پر ہے کہ ہم اسے کہیں چھوڑ نہ بیٹھیں، پھر ہم سے چھین کر دوسروں کو دے دیا جائے اور ہم برباد ہو جائیں۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اہل حق واہل سنت کی ایک جماعت ہمیشہ باقی رہے گی)۔

یہاں جماعت سے مراد وہی گروہ جس کا ذکر حدیث کے اندر وارد ہوا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اللہ انہیں راہ راست پر رکھے گا، اور ان کے ذریعے دوسروں کو بھی راہ راست پر لائے گا)۔

یہ علمائے ربانیین کی صفت ہے کہ وہ ہدایت اور حق کو صرف اپنے تک محدود نہیں رکھتے بلکہ وہ دوسروں کی طرف بھی دعوت دیتے ہیں اور سیدھے راہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور انہیں کے ذریعے سنتوں کو زندہ کرے گا)۔

یعنی یہ سنتوں کا احیاء کریں گے اور بدعات کو مٹائیں گے، اس دین کی تجدید کریں گے یہاں

تک کہ یہ دین اسی طرح تازہ ہو جائے گا جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، اور یہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ وقفے وقفے سے ایسے لوگوں کو پیدا کرتا ہے جو دین کی تجدید کرتے ہیں، اس سے تحریف اور باطل کو ختم کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے ذریعے اپنے دین کی حفاظت کرتا رہے گا اور یہ لوگ اسکے اندر تحریف اور ردو بدل کرنے والوں کا جواب دیتے رہیں گے، تا کہ اس دین کے اندر یہود و نصاری کے دین کی طرح محرف نہ ہو جائے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اختلاف کے وقت قلت کے باوجود اللہ تعالی نے ان کا وصف بتاتے ہوئے کہا ہے: (اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے کیا جنھیں وہ دی گئی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آچکیں، آپس کی ضد کی وجہ سے)۔

یعنی انہوں نے اختلاف جہالت اور نادانی کی بنیاد پر نہیں کی بلکہ جان بوجھ کر، خواہشات نفس اور ظلم وزیادتی کی بنیاد پر کی ہے، چنانچہ اس کے اندر ان پر حجت قائم کیا گیا ہے کہ انکے پاس حق آیا مگر انہیں نے اسکی پرواہ نہیں کی، بلکہ خواہشات نفس کی پیروی کی۔

اس آیت کے اندر اختلاف اور خواہشات نفس کی مذمت ہے، اسلئے ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ حق کی پیروی کرے گر چہ وہ اسکی خواہش نفس کے خلاف ہو، کیونکہ ہلاک ہونے والوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ**) ترجمہ: جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (المائدہ: ۷۰)۔

اسلئے ہم پر واجب ہے کہ ہم کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف پر قائم رہیں، گر چہ ہماری خواہشات نفس اور مصلحتیں اسکے مخالف ہوں، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ**) ترجمہ: اور اگر حق ان کی خواہشوں کے پیچھے چلے تو

یقیناً سب آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، بگڑ جائیں۔ (المومنون: ۷۱)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پھر ان میں سے مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا: (پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے)۔

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (**كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ**) ترجمہ: سب لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے، اور ان کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب اتاری، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے کیا جنھیں وہ دی گئی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آچکیں، آپس کی ضد کی وجہ سے۔

پھر اسکے بعد مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا: (**فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ**) ترجمہ: پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۳)۔

یہی لوگ انبیاء کے پیروکار ہیں جنہیں اہل سنت والجماعہ اور اہل حق کہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ہدایت کے مستحق ہیں جو ایمان والے ہیں اور جو حق سے محبت کرتے ہیں کیونکہ ایمان اور حق سے محبت ہی کی وجہ سے اللہ انہیں ہدایت پر قائم رکھتا ہے، لہذا ہدایت کا سبب ایمان اور حق سے محبت اور اس کی تلاش ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (میری امت میں ایک

جماعت حق پر غالب رہے گی، رسوا کرنے والے ان کا کوئی نقصان نہیں پہونچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا اور وہ غالب رہیں گے)۔

یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے، کسی میں طائفہ تو کسی میں عصابہ کس لفظ وارد ہوا ہے جس کا مطلب جماعت ہے، اور یہ گروہ قیامت تک باقی رہے گا، قرب قیامت میں انکی روح نکال لی جائے گی چنانچہ اس وقت کوئی مومن باقی نہیں رہے گا، صرف کافر او رمشرک ہوں گے انہیں قیامت قائم ہوگی، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْأَشْعَرِيِّ، أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ: تَعْلَمُ الْأَيَّامَ الَّتِي ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامَ الْهَرْجِ نَحْوَهُ قَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ.

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ وہ حدیث جانتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (**هرج**) کے دنوں وغیرہ کے متعلق بیان کی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ وہ بدبخت ترین لوگوں میں سے ہوں گے جن کی زندگی میں قیامت آئے گی۔ (صحیح بخاری: ۷۰۶۷)۔

❁❁❁

{104} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - أن العلم ليس بكثرة الرواية والكتب ، إنما العالم من اتبع العلم والسنن، وإن كان قليل العلم والكتب ومن خالف الكتاب والسنة فهو صاحب بدعة، وإن كان كثير العلم والكتب.

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- علم کثرت روایت اور کثرت کتب کو نہیں کہتے ہیں، عالم وہی ہے جو علم اور سنتوں کی پیروی کرے، گرچہ وہ کم علم والا اور کم کتابوں والا ہو، اور جو کتاب وسنت کی مخالفت کرے وہ بدعتی ہے، گرچہ وہ بہت زیادہ علم والا اور کتابوں والا ہو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- علم کثرت روایت اور کثرت کتب کو نہیں کہتے ہیں)۔

یعنی علم سمجھ بوجھ رکھنے، اور اتباع اور عمل کو کہتے ہیں، گرچہ علم کم ہی کیوں نہ ہو، کم علم عمل صالح اور فقہ دین کے ساتھ بہت ہے، جبکہ زیادہ علم بغیر عمل اور بغیر اتباع کے بے سود ہے، چنانچہ یہودیوں کے اندر بڑے بڑے علماء تھے مگر انکے علم نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہونچایا بلکہ وہ غضب الٰہی کا شکار ہوئے اسلئے کہ انہوں نے علم وبصیرت کے باوجود اللہ کی نافرمانی کی، اسلئے کثرت علم مقصد نہیں ہے بلکہ علم کے ساتھ بھی عمل مقصود ہے، اور یہی انعام یافتہ لوگوں کا طریقہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ) ترجمہ: ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا، جن پر نہ غصہ کیا گیا اور نہ وہ گمراہ ہیں۔ (الفاتحہ: ۷)۔

چنانچہ علم بغیر عمل کے بے سود ہے، علم کے ساتھ عمل ضروری ہے، اور یہی انعام یافتہ لوگوں کا طریقہ ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (عالم وہی ہے جوعلم اور سنتوں کی پیروی کرے، گرچہ وہ کم علم والا اور کم کتابوں والا ہو)۔

برخلاف اس شخص کے جس کے پاس علم بہت زیادہ ہو اس کے پاس کتابوں کا انبار ہو مگر وہ بے عمل ہو تو یہ بے سود ہے۔

عمل صالح کے ساتھ علم میں اضافہ ہوتا ہے، جبکہ بغیر عمل کے اس سے برکت چھین لی جاتی ہے، اسی لئے علماء کی دو قسمیں بتائی جاتی ہیں:

پہلی قسم: علماء صرف زبان کے۔

دوسری قسم: علماء زبان اور دل دونوں کے، اور یہی اہل خشیت ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ) ترجمہ: اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔ (فاطر:۲۸)۔

چنانچہ جو علم خشیت الہی کے ساتھ ہوگا وہی صحیح ہوگا بغیر خشیت الہی کے صرف زبان والا علم منافقوں کا علم ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو کتاب وسنت کی مخالفت کرے وہ بدعتی ہے)۔

کیوں کہ بدعت کے ذریعے بندہ جو بھی عمل نیکی سمجھ کر کرتا ہے وہ کتاب وسنت پر مبنی نہیں ہوتا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔"

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)۔

کیونکہ ایک بدعتی اللہ اور اسکے رسول کے ذریعے مشروع کیے گئے امر پر عمل نہیں کرتا اسی لئے اللہ اسکے عمل کو قبول بھی نہیں کرتا اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ کوئی بھی عمل نہیں قبول ہوگا مگر دو شرط کے ساتھ:

* پہلی شرط: اخلاص یعنی وہ عمل شرک سے پاک ہو۔
* دوسری شرط: اسکے اندر سنت رسول کی متابعت ہو۔

چنانچہ جس بھی عمل میں شرک ہوگا وہ عمل باطل ہوگا اور جس بھی عمل کی بنیاد بدعت ہوگی وہ بھی باطل ہوگا، اسلئے کسی بھی عمل کے صحیح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ خالص اور سنت رسول کے موافق ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (گرچہ وہ بہت زیادہ علم والا اور کتابوں والا ہو)۔

چنانچہ اگر وہ بدعتی ہے تو اسکا علم اسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہونچائے گا خواہ وہ علم کا دریا ہی کیوں نہ ہو، اسلئے کہ وہ سنت رسول کا متبع نہیں بلکہ فلاں فلاں کے قول پر عمل کرتا ہے، اسلئے اسکے علم اور اس کی کتابوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے یہود کے بارے میں فرمایا ہے: (**مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا**) ترجمہ: ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا، پھر انھوں نے اسے نہیں اٹھایا، گدھے کی مثال کی سی ہے جو کئی کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ (الجمعہ: ۵)۔

چنانچہ جس کے پاس کتابوں کی پوری لائبریری ہو مگر وہ بے عمل یا بدعتی ہو تو اسکا یہی حال

ہو گا۔

{105} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - أن من قال في دين الله برأيه وقياسه وتأويله من غير حجة من السنة والجماعة فقد قال على الله ما لا يعلم، ومن قال على الله ما لا يعلم، فهو من المتكلفين

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- یقینا جو اللہ کے دین میں اپنی رائے، قیاس اور تاویل سے کوئی بات کہے اور اس پر اسکے پاس سنت اور جماعت سے کوئی حجت اور دلیل نہ ہو، تو اس نے اللہ پر ایسی بات کہا جو وہ جانتا نہیں، اور جو اللہ پر ایسی بات کہے جو وہ جانتا نہیں تو وہ تکلف والوں میں سے ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے-)۔

جو بھی جملہ ان الفاظ سے شروع ہو تو جان لیں کہ وہ بہت اہم ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یقینا جو اللہ کے دین میں اپنی رائے، قیاس اور تاویل سے کوئی بات کہے اور اس پر اسکے پاس سنت اور جماعت سے کوئی حجت اور دلیل نہ ہو، تو اس نے اللہ پر ایسی بات کہا جو وہ جانتا نہیں)۔

چنانچہ دین کسی کی رائے اور قیاس نہیں بلکہ اتباع پر مبنی ہے، اور یہاں قیاس سے مراد قیاس فاسد ہے، چنانچہ دین کے اندر فاسد قیاس اور رائے وفکر نہیں چلتا بلکہ دین وحی پر چلتا ہے۔

اور یہاں قیاس سے مراد قیاس باطل ہے، اور جہاں تک قیاس صحیح یا تعلق ہے جو کہ علت پر مبنی ہوتا ہے تو یہ اصول ادلہ میں شمار ہوتا ہے، یعنی کتاب وسنت اور اجماع کے ساتھ وہ قیاس صحیح بھی شرعی دلیل ہے جو علت صحیحہ پر مبنی ہوتا ہے، کیونکہ علت کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: علت منصوصہ۔

دوسری قسم: علت مستنبطہ۔

اور یہاں تاویل سے مراد یہ ہیکہ بغیر دلیل کے لفظ کو اسکے ظاہری معنی سے کسی دوسرے معنی کی طرف پھیر دیا جائے اور یہی مذموم تاویل ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو اللہ پر ایسی بات کہے جو وہ جانتا نہیں تو وہ تکلف والوں میں سے ہے)۔

تکلف کہتے ہیں کہ دین کے اندر بغیر دلیل کے کوئی بات کہنا۔

❁❁❁

{106} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والحق ما جاء من عند الله، والسنة ما سنه رسول الله صلى الله عليه وسلم، والجماعة ما اجتمع عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في خلافة أبي بكر وعمر وعثمان.

ترجمہ: اور حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو، اور سنت وہی ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے عمل کیا ہو، اور جماعت وہی ہے جس پر ابو بکر، عمر اور عثمان کے دور خلافت میں صحابہ کرام اکٹھا ہوئے ہوں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو، اور سنت وہی ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے عمل کیا ہو)۔

یعنی حق وہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول میں ہے کیونکہ یہ دونوں وحی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ**[3] **إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ**) ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ [3] وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ (النجم: ۴)۔

چنانچہ قرآن وحی اول اور سنت وحی ثانی ہے کیونکہ یہ قرآن کی شارح اور بیان ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ**) ترجمہ: یہ ذکر (کتاب) ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں، شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔ (النحل: ۴۴)۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی شرح اور وضاحت اپنے قول و عمل اور سنت سے کرتے تھے۔

اور سنت لغت میں طریقہ کو کہتے ہیں اور یہاں مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وعمل اور تقریر ہے، یہی محدثین کے نزدیک ہے۔

جبکہ فقہاء کے نزدیک سنت کہتے ہیں کہ جسکا کرنے والا ثواب کا مستحق ہو اور ترک کرنے والا سزا کا مستحق نہ ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جماعت وہی ہے جس پر ابو بکر، عمر اور عثمان کے دور خلافت میں صحابہ کرام اکٹھا ہوئے ہوں)۔

دین کے اندر جماعت سے مراد وہ لوگ ہیں اہل حق ہیں۔

اور دین اسلام میں سب سے پہلی جماعت صحابہ کی ہے، جو سب سے بہتر ہیں، چنانچہ جو بھی حق کے ساتھ صحابہ کے منہج اور طریقے پر ہوں گے وہ جماعت کہلائیں گے، گرچہ وہ تنہا ہی کیوں نہ ہو، اور دیگر تمام لوگ اسکے خلاف ہوں، جماعت سے مراد کثرت نہیں ہے، بلکہ وہی لوگ مراد ہیں جو حق پر جمع ہوں گرچہ وہ ایک چھوٹی سی ہی کوئی جماعت ہو۔

{107} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن اقتصر على سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، وما كان عليه أصحابه والجماعة فلج على أهل البدعة كلها، واستراح بدنه وسلم له دينه إن شاء الله؛ لأن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (ستفترق أمتي) وبين لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الناجي منها فقال: (ما كنت أنا عليه اليوم وأصحابي) . فهذا هو الشفاء والبيان والأمر الواضح والمنار المستنير. وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (إِيَّاكُمْ وَالتَّعَمُّقَ، وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَطُّعَ، وَعَلَيْكُمْ بِدِينِكُمُ الْعَتِيقِ).

ترجمہ: اور جو اکتفا کرے گا اسی سنت پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور بعد کی جماعت رہی ہے تو وہ اہل بدعت پر غالب رہے گا، اسکا بدن سکون میں رہے گا، اور ان شاء اللہ اس کا دین بھی محفوظ رہے گا، اسلئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (عنقریب میری امت بٹ جائے گی)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ان میں کون نجات پائے گا یہ کہہ کر: (جس منہج پر میں اور میرے صحابہ ہیں)، سو یہی کافی شافی اور واضح بیان ہے، اور صحیح اور روشن راہ ہے، اور مزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زیادہ کھود کرید سے دور رہو، اور زیادہ تکلفات سے دور رہو، تم اپنے قدیم دین کو لازم پکڑو)۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو اکتفا کرے گا اسی سنت پر جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور بعد کی جماعت رہی ہے تو وہ اہل بدعت پر غالب رہے گا)۔

جو ان عظیم اصولوں پر قائم ہوگا یعنی قرآن وسنت اور منہج سلف پر، اور حق پر منعقد اجماع کو تسلیم کرے گا وہ ہمیشہ اہل باطل پر کامیاب رہے گا گر چہ اسکے مخالفین زیادہ ہوں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسکا بدن سکون میں رہے گا، اور ان شاء اللہ اس کا دین بھی محفوظ رہے گا)۔

یعنی جو کتاب وسنت پر قائم ہوگا اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے گا وہ ہر طرح سے محفوظ ہوگا گرچہ وہ تنہا ہو، ساتھ ہی وہ اہل باطل پر حجت وبرہان کے ذریعے غالب رہے گا، کیونکہ انکے پاس شبہات اور جعل سازی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ خبر دی ہے کہ میری امت ٹکڑوں میں بٹ جائے گی، تو یہ دراصل آگاہی ہے اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت پوشیدہ ہے تاکہ وہ مستقبل میں اختلاف کرنے سے بچیں، اور علم وبصیرت کی بنیاد پر صحیح راہ پر قائم رہیں اور ہمیشہ آگاہ رہیں مخالفین کی کثرت سے دھوکہ نہ کھائیں، اسی بات کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو وصیت کی تھی جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن الْعِرْبَاض قال: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا؟ فَقَالَ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".

ترجمہ: سیدنا عرباض رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں دل موہ لینے والی نصیحت کی جس سے آنکھیں اشک بار ہو گئیں، اور دل کانپ گئے، پھر ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ تو کسی رخصت کرنے والے کی سی

نصیحت ہے،تو آپ ہمیں کیا وصیت فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے،امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں،خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو،اس لیے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا،تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا،تم اس سے چمٹ جانا،اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا،اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا،اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے،اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔(سنن ابي داود:۴۶۰۷)۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ خبر دی کہ میرے بعد بہت زیادہ اختلافات رونما ہوں گے پھر اسکے بعد اسکا علاج بھی بتایا کہ اس وقت نجات صرف کتاب وسنت کو لازم پکڑنے میں ہوگی۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **(وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً. قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي)** ترجمہ: اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی،اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے،صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے۔(سنن ترمذی:۲۶۴۱)۔

چنانچہ جو کتاب وسنت اور منہج سلف پر قائم رہے گا وہی اختلاف وانتشار اور گمراہی سے محفوظ رہے گا،باقی بہتر فرقے گمراہ اور دوزخی ہوں گے۔ان میں کچھ فاسق ہوں گے جو گنہگار مومنوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے پھر اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں ڈال دیئے جائیں گے،چنانچہ سب کا دوزخی کہنا انکے کفر پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ سنت رسول کے چھوڑنے کی وجہ سے یہ شدید وعید ہے، ان میں کچھ کفر ہوگا،کچھ گمراہی اور کچھ معصیت اور فسق وفجور۔اور ہر ایک کو اسکے گناہ کے اعتبار سے سزا ملے گی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (سو یہی کافی شافی اور واضح بیان ہے)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مستقبل میں ہمارے لئے واضح راہ بتا دیا ہے، تاکہ ہم علم وبصیرت کے ساتھ زندگی گزاریں، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمارے اوپر شفقت اور مہربانی ہے، کہ ہم اختلاف وانتشار اور فتنوں کے وقت حق کو لازم پکڑیں اور صبر سے کام لیں، اور اسی پر ثابت قدم رہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور صحیح اور روشن راہ ہے)۔

پہلے لوگ ایسا کرتے تھے کہ کسی بلند جگہ پر آگ رکھتے تھے تاکہ رات میں مسافروں اسے دیکھ کر صحیح راہ پر چل سکیں، اسی طرح سمندروں میں بھی کرتے تھے تاکہ کشتیاں صحیح راہ پر چلیں، اور یہ روشن راہ سین اسلام کے اندر کتاب وسنت ہے۔

جو اس راہ پر چلے گا وہی نجات پائے گا اور جو اس روشن راہ کو ترک کر دے گا وہ ہلاک ہو جائے گا خواہ وہ کہیں بھی ہو، یہ حق کو لازم پکڑنے کی واضح مثال ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور مزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (زیادہ کھود کرید سے دور رہو، اور زیادہ تکلفات سے دور رہو)۔

اسے دین میں غلو اور تشدد کہتے ہیں جیسے کہ کوئی کہے کہ میں برابر روزہ رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا، میں برابر قیام اللیل کروں گا کبھی سوؤں گا نہیں، اور جیسے کوئی کہے کہ میں عورتوں سے شادی نہیں کروں گا ہمیشہ الگ تھلگ رہوں گا، تو یہی غلط اور تشدد ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رد کر دیا ہے بلکہ ایسی باتوں پر ناراضگی کا اظہار بھی کیا ہے، اور درمیانی راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، قیام اللیل بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں اب جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہوگا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے، یعنی تشدد اور غلط کرنے والوں سے براءت کا اظہار کیا ہے اور درمیانی

راہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، اور اسکی مثال اپنی سنت اور طریقے سے دی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (تم اپنے قدیم دین کو لازم پکڑو)۔

یہاں قدیم سے مراد وہی طریقہ اور منہج ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، گویا بعد میں جو نئے نئے طریقے اور بدعات ایجاد کر لئے گئے ہیں ان سے دور رہنے کی ہدایت ہے، اور جو دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کیلئے چھوڑا ہے وہی قدیم دین ہے اسی پر قائم رہنے کہ ہدایت کی ہے۔

چنانچہ اسے چھوڑ کر جو بھی اضافہ کیا جائے گا خواہ وہ کتنا ہی خوشنما بنا کر پیش کیا جائے اگر کتاب وسنت کے مخالف ہے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں انہیں جب تک مضبوطی سے تھامے رکھیں گے تب تک گمراہ نہیں ہوں گے: پہلی کتاب اللہ ہے اور دوسری چیز میری سنت ہے)۔

اسلئے کوئی بھی قول ہو یا فعل اسے کتاب وسنت پر پیش نہ کریں جو موافق ہو اسے لے لیں اور جو مخالف ہو اسے رد کر دیں اور اسکی طرف ذرا بھی توجہ نہ دیں۔

{108} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن الدين العتيق: ما كان من وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى قتل عثمان بن عفان وكان قتله أول الفُرقة، وأول الاختلاف، فتحاربت الأمة وتفرقت واتبعت الطمع والأهواء والميل إلى الدنيا، فليس لأحد رخصة في شيء أحدثه مما لم يكن عليه أصحاب محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم، أو يكون رجل يدعو إلى شيء أحدثه من قبله أو من قبل رجل من أهل البدع، فهو كمن أحدثه، فمن زعم ذلك أو قال به، فقد رد السنة وخالف الحق والجماعة، وأباح البدع، وهو أضر على هذه الأمة من إبليس.

ترجمہ: اور جان لو! دین عتیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر عثمان بن عفان کی شہادت تک ہے، آپ کی شہادت پہلا اختلاف ہے، اسی کے بعد امت کے اندر لڑائیاں اور اختلافات پیدا ہوئے، حرص وطمع اور خواہشات نفس کی پیروی کی گئی نیز دنیا کی طرف لوگوں کا میلان بڑھا، سواب کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز ایجاد کرے جس پر صحابہ کرام نہیں تھے، یا کوئی شخص ایسی چیز کی طرف دعوت دے جسے اس نے خود اپنی طرف سے ایجاد کیا ہو یا کسی دوسرے بدعتی کی طرف سے ایجاد شدہ ہو، تو وہ اسی کے حکم میں ہوگا جس نے اسے ایجاد کیا ہے، چنانچہ جس نے بھی ایسا گمان کیا یا اسکا عقیدہ رکھا اس نے گویا سنت کو رد کر دیا اور حق و جماعت کی مخالفت کی اور بدعتوں کو جائز ٹھہرایا، اور یہ اس امت پر ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! دین عتیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لیکر عثمان بن عفان کی شہادت تک ہے)۔

یعنی وہ خالص جماعت جس کے اندر کوئی اختلاف نہیں تھا وہ خلفائے ثلاثہ کے دور کی ہے، کیوں کہ اس وقت کوئی اختلاف نہیں تھا، اس وقت تمام مسلمان ایک ہی جماعت تھے، سارے لوگ حق پر قائم تھے، لیکن سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اختلافات اور فتنوں کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (آپ کی شہادت پہلا اختلاف ہے)۔

چنانچہ آپ کی شہادت کے بعد امن وامان کی صورتحال خراب ہوگئی، جماعت بٹنے لگی، کچھ گمراہ فرقے ظاہر ہونے لگے، تاریخ میں سب کچھ موجود ہے، لیکن ان سارے اختلافات کے باوجود دین محفوظ رہا، چنانچہ جو حق کا متلاشی ہو اسے چاہئے کہ وہ کتاب وسنت اور منہج سلف پر قائم رہے، وہ حق کو واضح طور پر پائے گا، گرچہ اختلافات اور فتنے عروج پر ہوں۔

اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب ابن سبا یہودی ہے جس نے بظاہر اسلام لاکر عوام الناس کو خلیفہ کے خلاف بھڑکایا تاکہ مسلمانوں کے اندر اختلاف پیدا کیا جائے، اور یہی کام ہمیشہ گمراہ قسم کے داعی کرتے رہے ہیں، اور انہیں بہت سے بیوقوف لوگ ملتے بھی رہے ہیں، اور انکی گمراہ کن باتوں پر یقین کرتے رہے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلِتَصۡغَىٰٓ إِلَيۡهِ أَفۡـِٔدَةُ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡأٓخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُواْ مَا هُم مُّقۡتَرِفُونَ**) ترجمہ: اور تاکہ ان لوگوں کے دل اس (جھوٹ) کی طرف مائل ہوں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ وہ اسے پسند کریں اور تاکہ وہ بھی وہی برائیاں کریں جو یہ کرنے والے ہیں۔ (الانعام: ۱۱۳)۔

ابن سبا نامی یہودی نے خلیفہ راشد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا، لیکن جب اسے خطرہ محسوس ہوا تو مدینہ سے نکل کر مصر چلا گیا اور وہاں سے شر پسندوں کی ایک جماعت لیکر مدینہ آیا اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا، انہوں نے بہانہ گفتگو کرنے کو بنایا اسی لئے صحابہ نے انہیں نہیں چھیڑا، لیکن رات کے وقت انہوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ کردیا،

اور رات کے آخری پہر میں قتل کر دیا جس وقت کہ لوگ سوئے ہوئے تھے، وہ حج کا موسم تھا اکثر صحابہ مکہ گئے ہوئے تھے، اسی لئے اس وقت کو شر پسندوں نے چنا تھا، بہر حال اسکے بعد جو فتنہ شروع ہوا اس کا سلسلہ آج تک بند نہیں ہوا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (سو اب کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیز ایجاد کرے جس پر صحابہ کرام نہیں تھے)۔

یہی منہجی قاعدہ ہے کہ اختلاف کے وقت ہم اسی طریقے اور منہج کی طرف رجوع کریں گے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ جیسا کہ حدیث افتراق میں وارد ہوا ہے کہ جب فرقہ ناجیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے منہج پر قائم ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا کوئی شخص ایسی چیز کی طرف دعوت دے جسے اس نے خود اپنی طرف سے ایجاد کیا ہو یا کسی دوسرے بدعتی کی طرف سے ایجاد شدہ ہو، تو وہ اسی کے حکم میں ہوگا جس نے اسے ایجاد کیا ہے)۔

یعنی جو بدعت پر عمل کرے گا وہ بھی اسی کے حکم میں ہوگا جس نے بدعت کو ایجاد کیا ہے، جیسا کہ یہ حدیث دلالت کرتی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔"

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ

عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)۔

چنانچہ جو بدعت پر عمل کرے گا وہ بدعتی ہوگا گرچہ اس نے بدعت کو ایجاد نہ کیا ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (چنانچہ جس نے بھی ایسا گمان کیا یا اسکا عقیدہ رکھا اس نے گویا سنت کو رد کر دیا اور حق و جماعت کی مخالفت کی اور بدعتوں کو جائز ٹھہرایا، اور یہ اس امت پر ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے)۔

کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ ابلیس دشمن ہے، اور اللہ نے اس سے آگاہ کیا ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ بدعتی بھی ہمارا دشمن ہے کیونکہ یہ اسلام کا لباس پہنے ہوئے ہے، اور خیر کا اظہار بھی کرتا ہے اسی لئے یہ ابلیس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ ابلیس کی دشمنی ظاہر ہے، اسی لئے منافقین مسلمانوں کیلئے کفار سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، کیونکہ کفار کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کفار ہیں اور ہمارے دشمن ہیں مگر یہ لوگ اسلام کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اندر اندر مسلمانوں کے خلاف سازش کرتے ہیں، اسلئے یہ زیادہ خطرناک ہیں۔

اور اسی لئے اللہ نے انکے بارے میں کہا ہے: (**هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ**) ترجمہ: یہی اصل دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہ۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، کہاں بہکائے جا رہے ہیں۔ (المنافقون: ۴)۔

❁❁❁

{109} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن عرف ما ترك أهل البدع من السنة، وما فارقوا فيه فتمسك به فهو صاحب سنة وصاحب جماعة، وحقيق أن يتبع وأن يعان، وأن يحفظ، وهو ممن أوصى به رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور جسے یہ معلوم ہو جائے کہ اہل بدعت کون سی سنت ترک کر رہے ہیں، اور کن سنتوں سے دور ہیں، پھر اسی کو پکڑ لے، تو وہی اہل سنت والجماعہ ہے، اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی اتباع کی جائے، اسکی مدد کی جائے اور اسکی حفاظت کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کی وصیت کی ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جسے یہ معلوم ہو جائے کہ اہل بدعت کون سی سنت ترک کر رہے ہیں، اور کن سنتوں سے دور ہیں، پھر اسی کو پکڑ لے، تو وہی اہل سنت والجماعہ ہے، اور وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسکی اتباع کی جائے، اسکی مدد کی جائے اور اسکی حفاظت کی جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی کی وصیت کی ہے)۔

اس سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اسی منہج پر قائم ہیں جس پر آج میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وصیت ہر ایک کے لئے ہے کہ ہم سب اسی جماعت کے ساتھ رہیں جو اسی منہج پر قائم ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے۔ مگر اس کیلئے دو چیزوں کی ضرورت ہے:

پہلی چیز: علم، کہ ہم اس منہج کو سیکھیں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، کیونکہ جسے اس منہج کے بارے میں معلوم نہیں ہوگا وہ کسی دوسرے منہج کے بارے میں یہ گمان رکھ سکتا ہے

کہ وہ بھی وہی منہج ہو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

دوسری چیز: مذکورہ منہج پر ثابت قدم رہنے کیلئے صبر کی ضرورت ہے، اسلئے کہ اس منہج پر چلنا آسان نہیں ہے، اس پر چلنے والے مختلف تکلیفوں کا سامنا کرتے ہیں، لوگوں کی دھمکیاں سنتے ہیں، تکلیفیں اٹھاتے ہیں مگر حق پر ہونے کی وجہ سے صبر کرتے ہیں اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آخری زمانے میں دین پر ثابت قدمی رہنا انگارے پر یا کانٹوں پر چلنے جیسا ہوگا، اور اسکے لئے صبر کی ضرورت ہے۔

۞۞۞

{110} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلموا - رحمكم الله- أن أصول البدع أربعة أبواب، انشعب من هذه الأربعة اثنان وسبعون هوًى، ثم يصير كل واحد من البدع يتشعب حتى تصير كلها إلى ألفين وثمان مائة مقالة، وكلها ضلالة، وكلها في النار إلا واحدة، وهو من آمن بما في هذا الكتاب، واعتقده من غير ريبة في قلبه، ولا شكوك، فهو صاحب سنة، وهو الناجي إن شاء الله.

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- اصول بدعت کے چار ابواب ہیں، پھر یہ چاروں ابواب بہتر بدعات میں بٹ جاتے ہیں، پھر ان بدعات میں سے ہر ایک متعدد بدعات میں بٹ کر دو ہزار آٹھ سو مقالے ہو جاتے ہیں، اور یہ سب گمراہی ہیں، اور ان میں سے ہر ایک دوزخی ہیں سوائے ایک کے، اور یہ وہی ہے جو اس کتاب کے مشمولات پر ایمان لائے، اور اپنے دل کے اندر بلا کسی شک وشبہ کے اسکا اعتقاد رکھے تو پھر وہی اہل سنت اور نجات دہندہ ہے ان شاء اللہ۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- اصول بدعت کے چار ابواب ہیں)۔

یہاں بدعت سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے دین کے نام پر ایجاد کیا گیا ہو اور کتاب وسنت سے اس پر کوئی دلیل نہ ہو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔"

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: (**أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ".**) ترجمہ: "میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امیر کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر گمراہی دوزخ تک لے جانے والی ہے۔ (سنن نسائی: ۱۵۷۸)۔

یہ بدعت کبھی اصلی ہوتی ہے، بایں طور کہ نئے سرے سے اسے ایجاد کیا جاتا ہے جس کا دین سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔

اور کبھی اضافی ہوتی ہے، بایں طور کہ وہ عمل حقیقت کے اعتبار سے مشروع ہو مگر اس کے اندر کچھ غیر مشروع چیزوں کو ملا دیا گیا ہو، جیسے کہ ذکر کرنا مشروع ہے مگر اس کیلئے کوئی ایسا وقت خاص کر دیا جائے جس کی خصوصیت کی کوئی دلیل نہ ہو، یا ایسا کوئی خاص ذکر جس پر کوئی دلیل نہ ہو، یا ایسا کوئی روزہ جس کا ذکر شریعت میں نہ ہو۔

اس طرح بدعت خواہ وہ اصلی ہو یا اضافی سب گمراہی ہے، اور بدعتیوں کے اندر نصاری کی مشابہت پائی جاتی ہے جنہوں نے رہبانیت کو ایجاد کیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا**)
ترجمہ: اور دنیا سے کنارہ کشی تو انھوں نے خود ہی ایجاد کر لی، ہم نے اسے ان پر نہیں لکھا تھا مگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے (انھوں نے یہ کام کیا) پھر انھوں نے اس کا خیال نہ رکھا جیسے اس کا خیال رکھنے کا حق تھا۔ (الحدید: ۲۸)۔

رہبانیت کو انہوں نے تقرب الہی کیلئے ایجاد کیا تھا جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا تھا اسی لئے اسے رد کر دیا، اور کوئی بھی عمل جسے اللہ اور اسکے رسول نے مشروع نہ کیا ہو تو وہ مردود ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔"

اور مولف رحمہ اللہ نے جو یہ بات کہی کہ اصول بدعت یہ چار ابواب ہیں تو اس سے مراد بہتر اصولی فرقے ہیں جن کا ذکر اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي"۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آچکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

اور یہی وہ فرقہ ناجیہ ہے جو سنت پر قائم ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ) ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ پچھلی امتوں کی طرح یہ امت بھی بٹ جائے گی، چنانچہ ایسی صورت میں سنت کو لازم پکڑنا، کیوں کہ بغیر سنت کے کوئی نجات نہیں ہے، اور جو سنت کو ترک کر دے گا وہ دوسرے فرقوں کے ساتھ دوزخی ہوگا، کیونکہ فرقوں کی تعداد بہت ہے اور ان کے اصول چار ہیں:

پہلا: شیعہ:

یہ فرقہ شہادت عثمان کے وقت پیدا ہوا ہے جس وقت عبد اللہ بن سبا نے مسلمانوں کے اندر فتنہ پیدا کیا تھا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تشیع کی طرف دعوت دی تھی اور یہ دعوی کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وصی تھے، مگر صحابہ نے ظلم کیا اور خلافت کو چھین لیا، اس طرح اسی وقت سے تشیع پایا جاتا ہے، اور علماء نے بیان کیا ہے کہ شیعوں کے بھی بہت سارے فرقے ہیں:

ان میں پہلا فرقہ مفضلہ ہے جو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ابو بکر و عمر اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم سے افضل مانتے ہیں۔ جبکہ یہ غلط ہے، علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں، خلفائے ثلاثہ سے افضل نہیں ہیں بلکہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خود ایسے لوگوں کو سزا دینے کی دھمکی دی ہے جو آپ کو ابو بکر و عمر سے افضل کہتے تھے۔

دوسرا فرقہ: یہ وہ لوگ ہیں جو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وصی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلافت کے حقدار آپ ہی تھے، ابو بکر و عمر اور عثمان کی خلافت غاصبانہ تھی، صحابہ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ظلم کیا۔ اس طرح کی اور بہت ساری گمراہی کی باتیں کہتے ہیں۔

تیسرا فرقہ: وہ غالی شیعہ جو کہتے ہیں کہ رسالت اصل میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دینا تھا مگر جبریل نے خیانت کی اور محمد کو دیدیا۔ نعوذ باللہ۔

چوتھا فرقہ: یہ بہت ہی غالی ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ معبود ہیں، انہیں لوگوں کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جلایا تھا، چنانچہ انکے لئے ایک خندق کھدوایا اور اس میں آگ جلا کر اسی میں انہیں زندہ ڈال دیا، کیونکہ انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ہی معبود ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے تھی کہ انہیں قتل کیا جائے آگ سے نہ جلایا جائے اسلئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آگ سے آگ کا مالک یعنی اللہ ہی عذاب دیتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی شیعوں میں بہت سارے فرقے ہیں۔

دوسرا بنیادی فرقہ: قدریہ: یہ لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، یہ فرقہ صحابہ کے آخری دور میں ظاہر

ہوا تھا، انکی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: قدریہ جبریہ: یہ اثبات تقدیر میں غالی ہیں۔

دوسری قسم: منکرین تقدیر: یہ تقدیر کا انکار کرتے ہیں، اور یہ معتزلہ اور انکے منہج پر چلنے والے ہیں، جو کہتے ہیں کہ بندے خود اپنے افعال پیدا کرتے ہیں، اللہ انکے افعال کو پیدا نہیں کرتا، جبکہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل اللہ ہی کا فعل ہے، بندے فعل پر مجبور ہیں، انہیں کوئی اختیار نہیں ہے، جبکہ معتزلہ کے یہاں بندوں کو مستقل اختیار حاصل ہے۔ اسی لئے جب میں مطلق قدریہ کا نام لوں تو اس سے میری مراد معتزلہ اور وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں، اور جبریہ تقدیر کو مانتے ہیں مگر انتہا درجے کا غلو کرتے ہیں چنانچہ یہ بندوں کو مجبور محض بتاتے ہیں، اس طرح ان سب کو قدریہ ہی کہتے ہیں خواہ انکار کرنے والے ہوں یا اثبات یہی غلو کرنے والے ہوں، اور یہ لوگ بھی متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

تیسرا بنیادی فرقہ: خوارج:

یہ وہ لوگ ہیں جو مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کرتے ہیں اور ان کی بیعت توڑ دیتے ہیں، کبائر کی بنیاد پر تکفیر کرتے ہیں، اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتے ہیں، یہ بھی دین میں بہت غلو کرتے ہیں، انکے یہاں دین داری، روزہ نماز اور تلاوت قرآن سب پایا جاتا ہے مگر دین میں سمجھ نہیں رکھتے اسی لئے گمراہ ہو گئے، اور اختلاف کر کے حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز سمجھا، چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور لڑائی بھی ہوئی، اللہ نے انہیں مغلوب کیا، اسکے بعد یہ گاہے بگاہے حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کرتے رہے ہیں، اور مسلمانوں کے خون کو حلال سمجھتے رہے ہیں، اور کبائر کی بنیاد پر تکفیر کرتے رہے ہیں، اسی لئے انہیں وعیدیہ کہتے ہیں، اسلئے کہ یہ کفر و شرک کی آیتوں کو معاصی پر فٹ کرتے ہیں، چنانچہ انکے یہاں کفر اور معاصی برابر ہیں، مشکل یہ ہیکہ معاصی کی بنا پر یہ صرف تکفیر ہی نہیں کرتے بلکہ تکفیر کر کے انکا خون بھی

حلال کر لیتے ہیں اور مسلمانوں سے قتال بھی کرتے ہیں، اور کفار کو ترک کر دیتے ہیں، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور کفار کو چھوڑ دیتے ہیں۔

چنانچہ آپ نے یہ کبھی نہیں سنا ہوگا کہ خوارج نے کفار سے جنگ کی ہو، انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں سے جنگ کی ہے، ان میں بھی بہت سے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے آپس میں سخت ہیں۔

چوتھا بنیادی فرقہ: خوارج کے بالمقابل مرجئہ ہیں: یہ عمل کو ایمان میں داخل نہیں مانتے، انکے یہاں ایمان کیلئے عمل ضروری نہیں ہے، اگر کوئی کبھی بھی عمل نہ کرے تو انکے نزدیک وہ بھی مومن ہے، انہیں مرجئہ کہا گیا ارجاء کی وجہ سے جس کا معنیٰ موخر کرنے کے ہوتے ہیں؛ چونکہ یہ لوگ عمل کو ایمان سے موخر کر دیتے ہیں، اس میں داخل نہیں مانتے اسی لئے انہیں مرجئہ کہتے ہیں۔

انکے بھی کئی فرقے ہیں، سب سے سخت فرقہ جہمیہ ہے، جو کہتے ہیں کہ ایمان مجرد معرفت کا نام ہے، جسے اللہ کی معرفت ہو وہ مومن ہے گرچہ وہ اعتقاد نہ رکھے۔

مرجئہ میں دوسرا فرقہ اشاعرہ ہے، جو کہتے ہیں کہ ایمان دل میں اعتقاد رکھنے کو کہتے ہیں، انکے یہاں زبان سے اقرار کرنا اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا ایمان میں داخل نہیں ہے، بس دل میں اعتقاد رکھنا کافی ہے۔

مرجئہ کا تیسرا فرقہ کرامیہ ہے جو کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے مجرد اقرار کرنے کا نام ہے، گرچہ وہ دل سے تسلیم نہ کرے۔

مرجئہ کا چوتھا فرقہ مرجئۃ الفقہاء ہے، جو کہتے ہیں کہ ایمان دل میں اعتقاد رکھنے اور زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے گرچہ عمل نہ کرے۔

اس طرح آپ دیکھیں گے کہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے،

البتہ انکے درمیان آپس میں عمل قلب اور قول لسان کو لیکر اختلاف ہے۔

خوارج نے حقیقت ایمان میں عمل کے داخل کرنے کو لیکر غلو کیا اور کہا کہ جس نے عمل ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا اور اس کے برعکس مرجئہ نے ترک عمل میں غلو کرتے ہوئے کہا کہ مطلق طور پر عمل کے ترک کرنے سے بھی کوئی کافر نہیں ہوگا۔

جبکہ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہی صحیح ہے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ**) ترجمہ: پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ (البقرہ: ۲۱۳)۔

چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان کہتے ہیں زبان سے اقرار کرنے، دل سے اعتقاد رکھنے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کو، جو اطاعت سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا ہے۔ مگر عمل نہ ہونے سے مطلق ختم نہیں ہوتا، جیسا کہ خوارج کہتے ہیں، اور عمل نہ ہونے سے نہ ہی مطلق طور پر باقی رہتا ہے جیسا کہ مرجئہ کہتے ہیں، بلکہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ جن کا ترک کرنا کفر ہے جیسے ترک صلاۃ، اور بعض کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے، اسی تفصیل کے ساتھ اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے، چنانچہ یہ مرجئہ کی آیات وعد اور خوارج کی آیات وعید کے درمیان تطبیق دیتے ہیں اور متشابہ آیات کو محکم آیات کی طرف لوٹاتے ہیں، اور دونوں پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔

یہ وہ فرقے ہیں جن سے بہت سارے فرقے نکلے ہوئے ہیں، جنہیں ان کے بارے میں تفصیلی معلومات چاہیئے وہ عقیدے اور فرق پر لکھی کتابوں کا مطالعہ کریں جیسے کہ علامہ شہرستانی کی (الملل والنحل)، علامہ بغدادی کی (الفرق بین الفرق)، ابوالحسن اشعری کی (مقالات الاسلامیین)، اور ابن حزم کی (الفصل فی الملل والاھواء والنحل)، ان علماء نے ان سارے فرقوں کے بارے میں تفصیل سے لکھا

ہے، میرا مشورہ ہے کہ مبتدی طالب علم ابھی ان کتابوں سے دور رہیں، باقی منتہی طلبہ اور علماء ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اوران میں سے ہر ایک دوزخی ہیں سوائے ایک کے)۔

اسلئے کہ ان سب نے خواہشات نفس کی پیروی کی ہے، اوراس منہج اور طریقے کو ترک کردیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، جس کے اندر نجات ہے۔

یہاں سب کہ دوزخی ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ سب کفار ہیں، بلکہ ان میں کچھ کفار تو کچھ عاصی بھی ہوں گے جو وقتی طور پر دوزخ میں جائیں گے پھر نکال لئے جائیں گے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ وہی ہے جو اس کتاب کے مشمولات پر ایمان لائے، اور اپنے دل کے اندر بلاکسی شک وشبہ کے اسکا اعتقاد رکھے)۔

اس کتاب سے مراد یہی علامہ بربہاری کی کتاب شرح السنہ ہے، جسکے اندر کتاب وسنت ہی کی توضیح موجود ہے، ساتھ ہی اہل سنت والجماعہ کے اصولوں کا بیان ہے، چنانچہ جو اصول ایمان میں شک کرے گا وہ مومن نہیں ہوگا، بلکہ وہ منافقین میں سے ہوگا، اسلئے ضروری ہے کہ وہ زبان سے اقرار کے ساتھ دل میں تصدیق بھی کرے۔

اس طرح مولف رحمہ اللہ اپنی کتاب کا تزکیہ نہیں کررہے ہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ اہل سنت والجماعہ کے ان اصولوں کا تزکیہ کررہے ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (تو پھر وہی اہل سنت اور نجات دہندہ ہے ان شاء اللہ)۔

چنانچہ جو یقین وایمان کے ساتھ کتاب وسنت کی اتباع کرے گا وہ فرقہ ناجیہ میں شمار ہوگا، اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول اسی پر منطبق ہوتا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ ناجیہ کے بارے میں پوچھے جانے پر فرمایا تھا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس منہج پر قائم ہوں گے جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔

{111} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - لو أن الناس وقفوا عند محدثات الأمور ولم يتجاوزوها بشيء ولم يولدوا كلاما مما لم يجئ فيه أثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا عن أصحابه لم تكن بدعة.

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- اگر لوگ نئی نئی چیزوں پر رک جاتے اور کسی طرح انہیں تجاوز نہ کرتے اور نہ ہی ایسا کلام پیدا کرتے جس کے بارے میں نہ تو کوئی اثر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور نہ ہی آپ کے صحابہ سے تو یہ بدعت نہیں ہو گی۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر لوگ نئی نئی چیزوں پر رک جاتے اور کسی طرح انہیں تجاوز نہ کرتے اور نہ ہی ایسا کلام پیدا کرتے جس کے بارے میں نہ تو کوئی اثر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور نہ ہی آپ کے صحابہ سے تو یہ بدعت نہیں ہو گی)۔

یعنی اگر لوگ نئے نئے امور اور بدعات پر توقف اختیار کرتے اور ان میں داخل نہ ہوتے بلکہ سنت پر اکتفا کرتے، تو انہیں نجات حاصل ہو جاتی، مگر انہوں نے سنت کو تجاوز کیا اور ایسے اقوال ایجاد کئے جن پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لئے یہ بدعتیوں اور گمراہ فرقوں کے ساتھ ہو گئے، چنانچہ نجات اسی سنت اور طریقے میں ہے جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں

تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں انہیں اگر مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری میری سنت ہے۔ (مستدرک حاکم: ۳۱۹)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: (قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ) ترجمہ: میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۴۳)۔

یہی راہ نجات ہے، یعنی سنت رسول اور وہ منہج اور طریقہ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، یہی اس کتاب کا مضمون ہے جسے ہم پڑھ رہے ہیں اور جسکی ہم شرح کر رہے ہیں۔

❁❁❁

{112} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - أنه ليس بين العبد وبين أن يكون مؤمنا حتى يصير كافرا إلا أن يجحد شيئا مما أنزله الله تعالى، أو يزيد في كلام الله، أو ينقص، أو ينكر شيئا مما قال الله، أو شيئا مما تكلم به رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاتق الله - رحمك الله - وانظر لنفسك، وإياك والغلو في الدين، فإنه ليس من طريق الحق في شيء.

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے-کوئی بندہ مومن سے کافر ہو جائے دونوں میں یہی فرق ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کسی چیز کا انکار کردے، یا اللہ کے کلام میں کچھ زیادتی کردے، یا کچھ کمی کردے، یا اللہ کے قول میں سے یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں سے کسی چیز کا انکار کردے، اسلئے تم اللہ سے ڈرو، اور اپنی ذات پر غور کرو، اور دین کے اندر غلو کرنے سے بچو؛ کیونکہ یہ کسی طرح بھی حق کی راہ نہیں ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے-کوئی بندہ مومن سے کافر ہو جائے دونوں میں یہی فرق ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ کسی چیز کا انکار کردے)۔

یعنی ایک مومن جو صحیح العقیدہ ہو ممکن ہے نواقض اسلام میں سے کسی ایک کا ارتکاب کر کے مرتد ہو جائے، اور نواقض اسلام بہت ہیں مگر ان سب کو چار قسمیں اکٹھا کر لیتی ہیں: قول، فعل، اعتقاد اور شک۔

پہلی قسم: قول:

جیسے کفریہ قول، چنانچہ اگر کوئی بغیر جبر کے اپنے اختیار سے کفریہ بات کہتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ**)

ترجمہ: بلاشبہ یقیناً انھوں نے کفر کی بات کہی اور اپنے اسلام کے بعد کفر کیا۔(التوبہ: ۷۴)۔

جیسے کہ غیر اللہ کو پکارے، غیر اللہ سے استغاثہ کرے ایسی چیزوں میں جن پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں، تو وہ کافر ہو جائے گا، یا کوئی ایسی بات کہے جس میں دین اسلام، قرآن پاک یا سنت رسول کا مذاق ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ[65] لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ) ترجمہ: اور بلاشبہ اگر تو ان سے پوچھے تو ضرور ہی کہیں گے ہم تو صرف شغل کی بات کر رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔ کہہ دے کیا تم اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول ہی کے ساتھ مذاق کر رہے تھے؟[65] بہانے مت بناؤ، بے شک تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر دیں تو ایک گروہ کو عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔(التوبہ: ۶۵)۔

چنانچہ جو قرآن یا سنت کا مذاق اڑائے بغیر کسی دباؤ کے تو وہ کافر ہو جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ) ترجمہ: جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اپنے ایمان کے بعد، سوائے اس کے جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔(النحل: ۱۰۶)۔

دوسرا: فعل:

جیسے کہ وہ غیر اللہ کیلئے ذبح کرے، غیر اللہ کیلئے نذر مانے، غیر اللہ کیلئے سجدہ کرے اور کسی مزار پر سجدہ کرے۔

تیسرا: قلبی اعتقاد:

جیسے کہ کفر کی صحت کا اعتقاد کرے، اور یہ بھی اعتقاد رکھے کہ جس دین وفکر پر کفار قائم ہیں وہ بھی صحیح ہے، جیسے کہ بعثت نبوی کے بعد بھی کوئی یہود ونصاریٰ کے دین کی صحت کا اعتقاد رکھے۔

چوتھا: شک:

جیسے کوئی قرآن کی صحت میں شک کرے، حتی کہ کسی ایک آیت کی صحت میں شک کرے، یا حدیث رسول میں شک کرے۔

یہ چاروں ارتداد کے بنادی اصول ہیں، پھر ان چاروں دے بہت ساری شکلیں بنتی ہیں جنہیں علماء نے بیان کیا ہے، ان کا خلاصہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالے میں نواقض الاسلام کے نام سے پیش کیا ہے جن میں دس خطرناک اور اہم نواقض کا ذکر کیا ہے۔نواقض کی بحث باب حکم المرتد کے نام سے آپ فقہ کی کتابوں میں ہو جائیں گے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا اللہ کے کلام میں کچھ زیادتی کر دے، یا کچھ کمی کر دے)۔

یعنی کوئی ایک آیت یا کوئی ایک حرف کا اضافہ کر دے، تو اسکی وجہ سے رہ کافر ہو جاتے گا، کیونکہ اس نے تحریف کا عقیدہ رکھا اور راللہ کے کلام میں اس نے تبدیلی کر دی، جبکہ قرآن پوراکس پوراحق ہے اس میں کسی تغیر اور رتبدیلی کی گنجائش نہیں ہے، وہ پوری طرح محفوظ ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا، البتہ اگر کوئی کوشش بھی کرے اپنے اختیار سے تو وہ کافر ہو جائے گا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا اللہ کے قول میں سے یا پھر رسول اللہ ﷺ کے قول میں سے کسی چیز کا انکار کر دے)۔

اسی طرح یا قرآن کی کسی چیز کا انکار کر دے اور کہے کہ یہ اس زمانے کیلئے ٹھیک نہیں ہے یا وہ حدیث رسول کے بارے میں کہے کہ یہ پہلے کیلئے صحیح تھا مگر آج کہ تہذیبی دور کیلئے مناسب نہیں ہے، تو ایسی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا، والعیاذ باللہ، اس طرح کی باتیں اس زمانے میں بہت سے لوگ کہتے ہیں جب کہ یہ کفر صریح ہے، لہذا اگر کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے تو اس کا انکار جائز نہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے تم اللہ سے ڈرو)۔

یعنی نواقض اسلام کے تعلق سے بہت ہی محتاط رہو اور اپنا تزکیہ نہ کرو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اپنی ذات پر غور کرو)۔

یعنی لوگ کیا کر رہے ہیں انہیں مت دیکھو بلکہ اپنی ذات کو دیکھو ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے، تمھیں وہ شخص نقصان نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے، جب تم ہدایت پا چکے، اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمھیں بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ (المائدہ: ۱۰۵)۔

یعنی دوسروں کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ اپنی ذات کو دیکھو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور دین کے اندر غلو کرنے سے بچو؛)۔

یا دوسرا پہلو ہے، کیوں کہ انسان دین سے خارج ہوتا ہے دو چیزوں کک سے کسی ایک کے ذریعے:

پہلی چیز: یا تو اسے ترک کر کے۔

دوسری چیز: اسکے اندر غلو اور تشدد کر کے۔

چنانچہ دین سے خروج یا تو تساہل کی بنا پر ہوتا ہے یا پھر تشدد اور غلو کی بنیاد پر، اسلئے ہمیں ان دونوں کے درمیان میانہ روی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا منہج ہے۔

غلو انسان کو دین اسلام سے خارج کر دیتا ہے جیسا کہ خوارج کو خارج کر دیا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے بارے میں فرمایا: (یہ دین سے نکل جاتے ہیں جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے)۔ اس طرح انسان غلو سے نکل جاتا ہے:

* یا تو جزوی طور پر۔

* یا پھر کامل طور پر۔

یہ غلو یا تو عبادت میں ہوتا ہے، جیسے نصاری نے رہبانیت میں غلو کیا، اور جیسے کہ کچھ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے آپ کے عمل کے بارے میں استفسار کرنے کیلئے، لیکن جب انہیں بتلایا گیا تو اسے بہت کم تر سمجھا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں، اب آپ کو عمل کی زیادہ ضرورت نہیں ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ بہت زیادہ ناراض ہوئے اور خطبہ دیکر واضح کیا کہ میں اللہ سے تمہیں سرھ مقابلے زیادہ ڈرنے والا ہوں مگر پھر بھی قیام اللیل کرتا ہوں اور سوتا بھی ہو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا، فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: " أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ تین حضرات (علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا

کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔» فمن رغب عن سنتي فليس مني «میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔(صحیح بخاری:۵۰۶۳)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ : أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلُوا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَمَلِهِ فِي السِّرِّ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا أَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا آكُلُ اللَّحْمَ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا أَنَامُ عَلَى فِرَاشٍ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، فَقَالَ: " مَا بَالُ أَقْوَامٍ قَالُوا: كَذَا وَكَذَا لَكِنِّي أُصَلِّي، وَأَنَامُ، وَأَصُومُ، وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي، فَلَيْسَ مِنِّي ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں رضی اللہ عنہن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خفیہ عبادت کا حال پوچھا۔ یعنی جو عبادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کرتے تھے اور پھر ایک نے ان میں سے کہا کہ میں کبھی عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا۔ کسی نے کہا: میں کبھی گوشت نہ کھاؤں گا۔ کسی نے کہا: میں کبھی بچھونے پر نہ سوؤں گا۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف اور ثنا کی یعنی خطبہ پڑھا اور فرمایا: "کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا ایسا کہتے ہیں اور میرا تو یہ حال ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں یعنی رات کو اور سو بھی جاتا ہوں، اور روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جو میرے طریقہ سے بے رغبتی کرے

وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۴۰۱)۔

آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں کا مقصد خیر ہی تھا مگر شریعت میں صرف مقصد اور نیت کافی نہیں ہے بلکہ نیت کے ساتھ سنت رسول کی متابعت بھی ضروری ہے، یعنی خالص نیت ہو اور سنت رسول کی متابعت ہو۔

{113} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وجميع ما وصفت لك في هذا الكتاب، فهو عن الله، وعن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وعن أصحابه وعن التابعين، والقرن الثالث إلى القرن الرابع۔

ترجمہ: اور میں نے اس کتاب کے اندر جو بھی بیان کیا ہے وہ سب اللہ، اسکے رسول، تابعین اور تیسری صدی سے لیکر چوتھی صدی تک کے لوگوں کی باتیں ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور میں نے اس کتاب کے اندر جو بھی بیان کیا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے)۔

یعنی اس کتاب کے اندر اصول اعتقاد میں سے جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے وہ سب کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، مولف رحمہ اللہ نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا ہے، بلکہ اسی منہج کو پیش کیا ہے جس پر سلف امت قائم تھے، اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے بلکہ کتاب وسنت اور منہج سلف سے ساری چی، جب منقول ہیں، آپ نے اسی راہ کو واضح کیا ہے کہ جو اس پر چلے تو وہ بتوفیق الہی نجات پاسکے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اسکے رسول کی طرف سے)۔

کیونکہ یہ بھی مستند ہے یعنی یا تو قرآن سے یا پھر حدیث سے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین کی طرف سے)۔

یعنی اس کتاب کے اندر قرون مفضلہ کے اندر پائے جانے والے صحابہ اور تابعین کے اقوال پیش کئے گئے ہیں، جن کی تعریف امام الانبیاء علیہم السلام کی زبانی وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خَيْرُ

النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ". قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگوں کا زمانہ آئے گا جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔" ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہمارے بڑے بزرگ شہادت اور عہد کا لفظ زبان سے نکالنے پر ہمیں مارتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۵۲)۔

انہیں لوگوں کی اقتداء کا حکم ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے اور مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ**) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

یہاں بھی قرون مفضلہ سے تابعین اور تبع تابعین مراد ہیں جنہوں نے انصار و مہاجرین صحابہ کی احسان کے ساتھ اقتداء کی۔ یہاں احسان سے مراد میانہ روی ہے جس میں نہ ہی زیادہ غلو اور تشدد ہے اور نہ تساہل اور کوتاہی، اور انہیں اپنے اس منہج کا علم بھی ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ کتنے ایسے لوگ ہیں جو منہج سلف پر ہونے کے دعویدار ہیں مگر احسان کے سلف کے منہج پر نہیں ہوتے کیونکہ انہیں اس منہج کا علم ہی نہیں ہوتا، وہ جس منہج پر ہوتے ہیں اسی کو منہج سلف سمجھتے ہیں، اسلئے ضروری ہے کہ آپ منہج سلف کا علم بھی رکھیں صرف دعوی نہیں، اور اس کتاب میں اسی منہج کا علم موجود ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور تیسری صدی سے لیکر چوتھی صدی تک کے لوگوں کی باتیں

ہیں)۔

یہی وہ صدیاں ہیں جنکی تعریف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے، ان سے وہ تین صدیاں مراد ہیں جن میں صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے لوگ پائے جاتے تھے جن میں ائمہ دین، محدثین عظام اور فقہاء کرام بھی پائے جاتے ہیں، انہیں تین صدیوں کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے)۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فاتق الله يا عبد الله، وعليك بالتصديق والتسليم والتفويض والرضى لما في هذا الكتاب، ولا تكتم هذا الكتاب أحدا من أهل القبلة، فعسى يرد الله به حيرانا عن حيرته، أو صاحب بدعة من بدعته، أو ضالا عن ضلالته، فينجو به. فاتق الله، وعليك بالأمر الأول العتيق، وهو ما وصفت لك في هذا الكتاب، فرحم الله عبدا، ورحم والديه قرأ هذا الكتاب، وبثه وعمل به ودعا إليه، واحتج به، فإنه دين الله ودين رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ: اسلئے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اور اس کتاب میں جو کچھ ہے اسکی تصدیق کرو، اسے تسلیم کرو، اسے تفویض کر دو، اور اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے اس سے راضی ہو جاؤ، اور اس کتاب کو کسی بھی اہل قبلہ مسلمان سے نہ چھپاؤ، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ کسی حیران انسان کو اسکی حیرت سے، یا کسی بدعتی کو اسکی بدعت سے، یا کسی گمراہ کو اسکی گمراہی سے نکال دے، اور وہ اسکی وجہ سے وہ نجات پا جائے، اسلئے اللہ سے ڈرو، اور پہلے دین عتیق کو لازم پکڑو، جس کے بارے میں اس کتاب کے اندر میں نے بتا دیا ہے، سو اللہ اس بندے پر رحم فرمائے- اور اسکے والدین پر رحم فرمائے- جو اس کتاب کو پڑھے، اور اسے پھیلائے، اس پر عمل کرے اور اسکی طرف دوسروں کو بھی بلائے، اور اسے دلیل بنائے، کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اور اس کتاب میں جو کچھ ہے اسکی تصدیق کرو، اسے تسلیم کرو)۔

یعنی اس کتاب میں جو کچھ ہے اسکی تکذیب نہ کرو، کیونکہ یہ کتاب وسنت سے ماخوذ ہے، اسلئے

اسے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل سے کام نہ لو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسے تفویض کردو)۔

یعنی عقیدے کے مسائل میں اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہو بلکہ اس میں تفویض اور تسلیم کرو، یہاں تفویض سے مراد وہ تفویض نہیں ہے جسے صفات کے باب میں مفوضہ مراد لیتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے اس سے راضی ہو جاؤ)۔

کیوں کہ اس کتاب کے اندر اہل سنت والجماعہ ہی کے اصولوں کو بیان کیا گیا ہے، اس میں اس کتاب کی مدح وستائش اور تزکیہ نہیں ہے جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا ہے، بلکہ مولف رحمہ اللہ انہیں اصولوں کو مضبوطی سے تھامنے کی بات کر رہے ہیں جنہیں آپ نے اس کتاب میں بیان کیا ہے، اپنی طرف سے آپ نے کوئی بات نہیں لکھی ہے بلکہ ساری باتیں کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف پر قائم ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس کتاب کو کسی بھی اہل قبلہ مسلمان سے نہ چھپاؤ)۔

یعنی مسلمانوں کے درمیان اس کتاب کو پھیلاؤ تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں، کیونکہ یہی علم نافع اور حق کی تلقین ہے، اسکے علاوہ بھی مفید کتابوں کو عام کرنا چاہیئے، بطور خاص عقیدہ کی کتابوں کو، اور یہ معلوم رہے کہ کتاب جتنی قدیم ہوگی اس میں حق اتنا ہی قریب ہوگا، کیونکہ وہ قرون مفضلہ کے قریب ہوگی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ہوسکتا ہے اللہ تعالی کسی حیران انسان کو اسکی حیرت سے نکل دے)۔

مفید کتابوں کے عام کرنے کا یہی فائدہ ہے کہ وہ حیران زدہ شخص کو اسکی حیرت سے اور گمراہ کو اسکی گمراہی سے نکال دیتی ہے؛ کیونکہ کچھ لوگ لا علم ہوتے ہیں انکے سامنے اگر حق واضح کیا جائے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں، مگر جو ٹیڑھے دل کا ہوتا ہے اور اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے اسے کوئی بھی کتاب فائدہ نہیں دے سکتی، بلکہ ممکن ہے اسکا فتنہ مزید بڑھ جائے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا کسی بدعتی کو اسکی بدعت سے، یا کسی گمراہ کو اسکی گمراہی سے نکال

دے)۔

اس طرح کتاب عام کرنے اور اسے تقسیم کرنے والے کو اجر ملتا ہے، یہ صرف اسی کتاب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمدن مفید کتابوں کا یہی حال ہے، کہ گمراہ کن کتابوں کو روکنے کی خاطر عوام میں زیادہ سے زیادہ مفید کتابیں پھیلائیں جائیں، کیونکہ لوگوں کی اکثریت جاہل ہوتی ہے، اگر حق انکے سامنے واضح کیا جائے تو وہ اسے قبول کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے اللہ سے ڈرو، اور پہلے دین عتیق کو لازم پکڑو)۔

یعنی اس منہج کو لازم پکڑو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے، اس کے اندر شر و رو فتن سے آگاہی ہے، چنانچہ اختلاف اور فتنوں کے وقت سلف صالح کے منہج پر قائم رہیں کیونکہ وہی حق ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جس کے بارے میں اس کتاب کے اندر میں نے بتا دیا ہے)۔

یعنی اہل سنت والجماعہ کے اصول کو اس کتاب میں تفصیل سے بتا دیا گیا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (سو اللہ اس بندے پر رحم فرمائے- اور اسکے والدین پر رحم فرمائے- جو اس کتاب کو پڑھے، اور اسے پھیلائے، اس پر عمل کرے اور اسکی طرف دوسروں کو بھی بلائے)۔

یعنی اس طرح کی مفید کتابوں کو لوگوں میں عام کرے، اس سے اسے اجر ملے گا، لوگ گمراہیوں سے چھٹکارا پائیں گے، کیونکہ اکثر لوگ گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں، اسلئے کہ ان تک اس طرح کی کتابیں نہیں پہونچتی ہیں، بلکہ انکے پاس گمراہوں اور گمراہ فرقوں کی کتابیں رہتی ہیں، چنانچہ اگر انکی جگہ ان اصولی کتابوں کو عام کیا جائے تو بہت سارے لوگ ہدایت پا جائیں۔

بعض شارحین اس کتاب پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں کتاب کا تزکیہ ہے، جب کہ

ایسی بات نہیں ہے، بلکہ اس میں منہج سلف کے لازم پکڑنے پر ابھارا گیا ہے، خواہ وہ منہج اس کتاب کی ہو یا کسی دوسری کتاب کی۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فإنه من انتحل شيئا خلاف ما في هذا الكتاب، فإنه ليس يدين لله بدين، وقد رده كله. كما لو أن عبدا آمن بجميع ما قال الله تبارك وتعالى، إلا أنه شك في حرف فقد رد جميع ما قال الله تعالى، وهو كافر. كما أن شهادة أن لا إله إلا الله لا تقبل من صاحبها إلا بصدق النية وخالص اليقين، كذلك لا يقبل الله شيئا من السنة في ترك بعض، ومن ترك من السنة شيئا فقد ترك السنة كلها. فعليك بالقبول، ودع عنك المحك واللجاجة، فإنه ليس من دين الله في شيء، وزمانك خاصة زمان سوء، فاتق الله.

ترجمہ: اسلئے کہ جو اس کتاب کے علاوہ کوئی دوسرا دین گڑھے گا وہ اللہ کا دین نہیں ہوگا، اور پورا کا پورا بھی رد کرسکتا ہے، جس طرح کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی تمام باتوں پر ایمان لائے مگر کسی ایک حرف میں شک کرلے تو یہ اللہ کی تمام باتوں کی تردید ہوگی اور وہ کافر ہوگا، جس طرح کہ کلمہ شہادت بغیر سچی نیت اور یقین خالص کے مقبول نہیں اسی طرح اللہ تعالی سنت کو بھی قبول نہیں کرے گا اگر اس میں کسی حصے کو ترک کررہا ہے، کیونکہ سنت کے کسی حصے کو ترک کرنا تمام سنت کو ترک کرنے جیسا ہے، اسلئے ساری چیزوں کو تسلیم کرو اور شک اور ہٹ دھرمی چھوڑدو، کیونکہ یہ اللہ کے دین میں نہیں ہے اور خاص طور سے اس برے دور میں، اسلئے اللہ سے ڈرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے کہ جو اس کتاب کے علاوہ کوئی دوسرا دین گڑھے گا وہ اللہ کا دین نہیں ہوگا)۔

سو جو بھی اس کتاب کے اندر یا دواری عقدئد کی کتابوں کے اندر بیان کئے گئے اہل سنت

والجماعہ کے منہج سے ہٹے گا وہ گمراہوں کے ساتھ ہوگا بدعتیوں اور معتزلہ کے ساتھ ہوگا اور جہمیہ کے ساتھ ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے: (فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ) ترجمہ: پھر حق کے بعد اور کیا رہ گیا بجز گمراہی کے، پھر کہاں پھرے جاتے ہو؟ (یونس: ۳۲)۔

اسلئے ضروری ہے کہ انسان حق کو اور اس منہج کو پہچانے جس پر قائم تھے، وہ کثرت مذاہب اور کثرت اقوال کی طرف نہ دیکھے، بلکہ وہ صرف منہج اور طریقے کی طرف دیکھے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ اس امت کے بعد والوں کی اصلاح انہیں چیزوں سے ہوسکتی ہے جن سے پہلوں کی اصلاح ہوئی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: (وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔

اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ) ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

چنانچہ فتنوں کے وقت اور جب بھی شکوک وشبہات پیدا ہوں اس وقت ہمارے لئے نجات کا راستہ یہی منہج سلف ہے، مگر ہر کوئی دعوی کرتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کا پیرو کار ہے، پھر آخر ہم اپنے اور ان کے درمیان کیسے تفریق کریں گے؟ یہ تفریق منہج سلف سے کریں گے، کیونکہ انہوں نے کتاب

وسنت کو صحیح سے سمجھا اور اسی کے مطابق زندگی گزاری، اسلئے ہم اسی منہج کے تابع ہیں، یہی منہج ہمارے اور گمراہ فرقوں کے درمیان حد فاصل ہے، اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ، حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ، وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوا: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کے ساتھ ہو بہو وہی صورت حال پیش آئے گی جو بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آ چکی ہے، (یعنی مماثلت میں دونوں برابر ہوں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں کے ساتھ اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہوگا جو اس فعل شنیع کا مرتکب ہوگا، بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، اور ایک فرقہ کو چھوڑ کر باقی سبھی جہنم میں جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ کون سی جماعت ہوگی؟ آپ نے فرمایا: "یہ وہ لوگ ہوں گے جو میرے اور میرے صحابہ کے نقش قدم پر ہوں گے"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۴۱)۔

چنانچہ حق اور راہ نجات واضح ہے ہر اس شخص کیلئے جو نجات کا خواہاں ہو، ارشاد باری تعالی ہے: (**فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى[123] وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى**) ترجمہ: پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پوری طرح پیروی کی تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔ [123] اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (طٰہٰ:

۱۲۴)۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے کہ جو اس کتاب کے علاوہ کوئی دوسرا دین گڑھے گا وہ اللہ کا دین نہیں ہوگا)۔

کیونکہ اس کتاب کے اندر اصول عقیدہ کا بیان ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف کی وضاحت ہے، جو اس طریقے کو چھوڑے گا وہ گمراہوں کے ساتھ ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جس طرح کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی تمام باتوں پر ایمان لائے مگر کسی ایک حرف میں شک کرلے تو یہ اللہ کی تمام باتوں کی تردید ہوگی اور وہ کافر ہوگا)۔

کیوں کہ پورے قرآن اور پوری سنت پر ایمان لانا واجب ہے، مگر جو بعض پر تو ایمان لائے اور بعض کا منکر ہو تو وہ سب کا منکر مند جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ**)

ترجمہ: پھر کیا تم کتاب کے بعض پر ایمان لاتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تو اس شخص کی جزا جو تم میں سے یہ کرے اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے اور اللہ ہرگز اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔(البقرہ:۸۵)۔

چنانچہ جو کتاب وسنت کی اسی بات کو مانے جو اسکی خواہش کے مطابق ہو اور مخالف کو چھوڑ دے تو اس کے اندر یہود ونصاری کی مشابہت ہوگی، ارشاد باری تعالی ہے: (**أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ**)

ترجمہ: پھر کیا جب کبھی کوئی رسول تمھارے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے تمھارے دل نہ چاہتے تھے، تم نے تکبر کیا تو ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔(البقرہ:۸۷)۔

یہی کفار اہل کتاب کی روش ہے کہ وہ انبیاء سے وہی لیتے تھے جو انکی خواہشات کے مطابق

ہوتے اور جو مخالف ہوتے اسے جھٹلا دیتے، اور اس نبی ہی کو مار دیتے، چنانچہ ان لوگوں نے بہت سارے انبیاء کا قتل کیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:(**كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ**) ترجمہ: جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔(المائدہ:۷۰)۔

یہی روش اہل بدعت کا بھی ہے کہ یہ بھی کتاب وسنت سے وہی لیتے ہیں جو انکے منہج اور طریقے کے مطابق ہو، اور خو ان کی خواہش اور منہج کے خلاف ہو اسکا انکار کر دیتے ہیں، اس طرح یہ بھی اہل کتاب کی طرح بعض کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ اسلئے یہ روش ان کیلئے مفید نہیں ہے اسلئے کہ اس روش سے یہ پورے قرآن کے منکر ہو جاتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس طرح وہ اللہ کی تمام باتوں کو رد کر دیتا ہے، چنانچہ وہ کافر ہے)۔

اسلئے کہ قرآن کے ایک حرف کا منکر بھی کافر ہے، مثلا کوئی کہے کہ (قل ھو اللہ احد) میں (قل) قرآن کا حصہ نہیں ہے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسلئے کہ اس نے قرآن کا ایک کلمہ رد کر دیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جس طرح کہ کلمہ شہادت بغیر سچی نیت اور یقین خالص کے مقبول نہیں)۔

لا الہ الا اللہ کلمہ اخلاص، کلمہ تقوی، مضبوط کڑا اور جنت کی چابی ہے، مگر یہ اسی وقت مفید ہوگا جب اسکے تقاضوں کو پورا کیا جائے گا۔ اور اسکے آٹھ شرائط ہیں اگر کوئی ایک بھی شرط نہیں پائی گئی تو یہ کلمہ اسکے لئے مفید نہیں ہوگا، اور وہ آٹھ شرائط درج ذیل ہیں:

۱-اس کے معنوں کا علم ہو جسکی ضد جہالت ہے۔

۲-اس پر یقین کرنا جو کہ شک کی ضد ہے۔

۳- اخلاص جوکہ شرک کی ضد ہے۔

۴- سچائی جوکہ جھوٹ کی ضد ہے۔

۵- محبت جوکہ بغض کی ضد ہے۔

۶- اطاعت جوکہ اعراض کی ضد ہے۔

۷- قبول جوکہ انکار کی ضد ہے۔

۸- غیر اللہ کے ساتھ کفر۔

یہ آٹھ شرائط ہیں جن کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ یہ کوئی زبانی کلمہ نہیں ہے بلکہ اسکے کچھ ارکان اور شروط ہیں۔

اسکے دو ارکان ہیں:

پہلا رکن: نفی۔

دوسرا رکن: اثبات۔

بغیر نفی کے صرف اثبات کوئی فائدہ نہیں دے گا اور بغیر اثبات کت کوئی نفی کچھ فائدہ نہیں دے گا، چنانچہ اگر آپ کہیں گے کہ اللہ معبود ہے تو یہ کافی نہیں ہے، اور اگر کہیں گے کہ کوئی معبود نہیں ہے تو اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ وہ نے تمام معبودوں کی نفی کر دی ہے۔

اور جہاں تک صوفیوں کے قول (ھوھو) یا (اللہ اللہ) کا ہے تو یہ باطل کلام ہے، اس میں بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، ضروری ہے کہ پورا کلمہ لا الہ الا اللہ ایک ساتھ کہا جائے جوکہ اللہ کے اس قول کے مفہوم میں ہے: ﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ترجمہ: پھر جو کوئی باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقیناً اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(البقرہ:۲۵۶)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسی طرح اللہ تعالی سنت کو بھی قبول نہیں کرے گا اگر اس میں کسی حصے کو ترک کر رہا ہے)۔

یعنی جس طرح قرآن کے بعد حصے کو ترک کر کے اور بعض پر تحسن لا کر کوئی مومن نہیں ہوسکتا، اسی طرح سنت کا بھی معاملہ ہے کہ کسی کا ایمان اسی وقت صحیح ہوگا جب وہ پوری سنت پر ایمان لائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کسی چیز کا بھی انکار نہ کرے، کیونکہ رسالت کی گواہی کا یہی تقاضا ہے کہ آپ سنت پر عمل کریں، فرمانبرداری کریں اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے اب سے رک جائیں۔لیکن اگر آپ گواہی تو دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں مگر آپ کی شریعت پر ایمان نہیں لاتے یا کسی حدیث کا انکار کرتے ہیں اسلئے کہ وہ آپ کی خواہش نفس کے موافق نہیں ہے تو ایسی صورت میں آپ کافر ہوجائیں گے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا۟ وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ**) ترجمہ: جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔(المائدہ:۷۰)۔

اسی لیۓ ضروری ہے کہ تمام سنت پر عمل کیا جائے خواہ وہ آپ کی خواہش کھ مطابق ہو یا نہ ہو، اسی لیۓ یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے منہج کو کتاب وسنت کے مطابق بنائیں خواہشات نفس یا کسی کے قول کی بنیاد نہ بنائیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ سنت کے کسی حصے کو ترک کرنا تمام سنت کو ترک کرنے جیسا ہے)۔

مثال کے طور پر معتزلہ اور اہل کلام جو احادیث آحاد پر ایمان نہیں لاتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ علم یقین کا فائدہ نہیں دیتی ہیں، اسی لیۓ انہیں عقائد میں قبول نہیں کیا جائے گا، اور پھر اسکے بعد منطق اور علم کلام کے قواعد لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ علم یقین کا فائدہ دیتے ہیں، کیونکہ یہ عقلی دلائل ہیں، اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اگر آحاد ہیں تو وہ یقین کا فائدہ نہیں دیتے ہیں، خواہ وہ صحیحین ہی میں کیوں نہ ہوں، یہی انکی گمراہی ہے، نعوذ باللہ، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کوئی بات ثابت ہوگئی تو وہ علم یقین ہی کا فائدہ دے گی، کیونکہ وہ ایسے شخص کا کلام ہے جو اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا، جس بھی بولتا ہے وہ وحی ہوتا ہے۔ اس طرح ان گمراہ فرقوں نے بعض وحی کا انکار کر دیا۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے ساری چیزوں کو تسلیم کرو اور شک اور رہٹ دھرمی چھوڑ دو)۔

کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اسی طرح آپ اپنے مدمقابل پر اپنی آواز صرف اسلئے بلند کریں تاکہ آپ اس پر غالب آجائیں تو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ یہ اللہ کے دین میں نہیں ہے)۔

یعنی باطل باتوں پر جھگڑا کرنا اللہ کے دین میں نہیں ہے، ارشاد باری تعالی ہے: **(مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا)** ترجمہ: اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا۔ (غافر: ۴)۔

یہ جھگڑا اس بات پر کرتے ہیں کہ کیا یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے یا نہیں ہے؟ کیا کلام اللہ مخلوق ہے یا نہیں ہے؟ یہ سب باطل جھگڑا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور خاص طور سے اس برے دور میں، اسلئے اللہ سے ڈرو)۔

یہ مولف رحمہ اللہ کا زمانہ ہے، پھر بعد کے زمانوں کا کیا حال ہوگا جبکہ فتنے مزید شدید ہو گئے، جہاں علماء کی قلت اور شر وفتن کی کثرت ہے، ایسی صورت میں خطرہ مزید سنگین ہے۔

❁❁❁

{114} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا وقعت الفتنة فالزم جوف بيتك، وفر من جوار الفتنة، وإياك والعصبية، وكل ما كان من قتال بين المسلمين على الدنيا فهو فتنة. فاتق الله وحده لا شريك له، ولا تخرج فيها، ولا تقاتل فيها، ولا تهو، ولا تشايع، ولا تمايل، ولا تحب شيئا من أمورهم. فإنه يقال: من أحب فعال قوم -خيرا كان أو شرا- كان كمن عمله. وفقنا الله وإياكم لمرضاته، وجنبنا وإياكم معصيته.

ترجمہ: اور جب فتنہ ہو تو اپنے گھر کو لازم پکڑ لو، اور فتنے کی جگہوں سے بھاگ جاؤ، اور عصبیت سے دور رہو، اور مسلمانوں کے درمیان دنیا کی بنیاد پر جو بھی لڑائی ہو وہ فتنہ ہے، اسلئے اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرو، اور ایسی لڑائیوں میں نہ نکلو اور نہ ہی لڑائی کرو، نہ ہی کسی کے پیچھے چلو اور نہ ہی کسی کی طرف میلان رکھو اور نہ ہی انکے کسی معاملے کو پسند کرو، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جو کسی قوم کے کاموں کو پسند کرتا ہے -خواہ وہ اچھے ہوں یا برے- تو وہ بھی اسی کے حکم میں ہو گا جو وہ کام کرتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو اپنی رضا کی توفیق دے اور ہم سب کو اپنی نافرمانی سے بچائے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جب فتنہ ہو تو اپنے گھر کو لازم پکڑ لو)۔

یعنی جب مسلمانوں کے درمیان آپس میں لڑائی ہو جائے تو ایسی صورت میں گھر کو لازم پکڑ لو، اپنی زبان اور ہاتھ کو روک کر رکھو تا کہ محفوظ رہو، یہ اس صورت میں ہے جب آپ کے نکلنے سے کوئی فائدہ نہ ہو بایں طور کہ آپ کی بات کوئی نہ سنے، لیکن اگر آپ کے نکلنے سے فائدہ ہو بایں طور کہ آپ لوگوں میں جا کر دعوت دین کا کام کریں انہیں نصیحت کریں تو ایسی صورت میں آپ نکل سکتے ہیں، اسی کو اختلاط اور گوشہ نشین کہتے ہیں، اب اس میں اختلاف ہے کہ دونوں میں افضل کیا ہے؟ میں کہوں گا کہ اسکا حکم مختلف

ہے، اگر اختلاط میں فائدہ ہوتو پھر اختلاط افضل ہے اور اگر اختلاط میں فائدہ نہ ہوتو پھر گوشہ نشینی اختیار کرنا ہی بہتر ہے، یہ حکم صاحب علم کے حق میں ہے مگر جس کے پاس شریعت کا علم نہ ہوتو اسکے حق میں ہر حال میں گوشہ نشینی کی بہتر ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہ فتنے میں واقع ہو جائے اور اسے پتہ بھی نہ چلے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور فتنے کی جگہوں سے بھاگ جاؤ، اور عصبیت سے دور رہو)۔

یعنی باطل کیلئے تعصب کرنا، اپنی رائے وفکر اور جماعت کیلئے جم جانا خواہ وہ صحیح ہو یا غلط۔ حالانکہ مقصود حق تک پہنچنا ہونا چاہئے خواہ آپ کے ساتھ ہو یا آپ کے خلاف، آپ کی جماعت کے حق میں ہو یا دوسرے کی جماعت کے حق میں، اصل مقصد حق تک پہنچنا ہو کیونکہ یہی ایک مومن کی گمشدہ پونجی ہے وہ اسے جہاں بھی پاتا ہے لے لیتا ہے، مگر جو اپنی رائے وفکر کیلئے تعصب برتتا ہے اور حق کا منکر ہوتا ہے تو یہ جاہلیت کی دین اور جاہلی عصبیت ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک مسلمان کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ حق کو تلاش کرے اور اسی کی اتباع کرے خواہ وہ کسی کے بھی ساتھ ہو، یہی صحیح مسلمان ہے کہ وہ اپنی خواہشات نفس کو شریعت کے تابع رکھتا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (**لا يؤمنُ أحدُكم حتّى يَكونَ هواهُ تبعًا لمّا جئتُ بِهِ**) ترجمہ: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکی خواہشات نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ (ابن ابی عاصم: ۱۵)۔

اسکی تصدیق قرآن کی یہ آیت کر رہی ہے: (**كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ**) ترجمہ: جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (المائدہ: ۷۰)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور مسلمانوں کے درمیان دنیا کی بنیاد پر جو بھی لڑائی ہو وہ فتنہ ہے)۔

مسلمانوں کا آپس میں لڑائی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ مسلمان کا خون حرام ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر

وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کو جو گواہی دیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی سچا معبود نہیں ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں، مارنا درست نہیں مگر تین میں سے کسی ایک بات پر یا اس کا نکاح ہو چکا ہو اور وہ زنا کرے، یا جان کے بدلے جان (یعنی کسی کا خون کرے) یا جو اپنے دین سے پھر جائے مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔" (صحیح مسلم: ۱۶۷۶)۔

چنانچہ مسلمان کا خون معصوم ہے، اسی طرح اس معاہد کافر کا خون بھی حرام ہے جس کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو، خواہ حکام سے یا رعایا میں سے کسی سے۔ یعنی ناحق کسی کو قتل نہیں کر سکتے، اور جس حق کی بنیاد پر قتل کیا جائے گا اسکی وضاحت شریعت میں آئی ہے کہ قاتل، شادی شدہ زانی اور مرتد۔ اس کے علاوہ مسلمان کا خون حرام ہے، الا یہ کہ کوئی بغاوت یا خروج کرے تو انکے شر سے بچنے کیلئے ان سے قتال کیا جائے گا، چنانچہ خوارج سے قتال کیا جائے گا اور اسی طرح ان باغیوں اور ڈاکوؤں سے بھی قتال کیا جائے گا جو مسلمانوں کے خلاف فتنہ وفساد پھیلاتے ہیں، چنانچہ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کے خلاف قتال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح اللہ نے باغیوں کے خلاف قتال کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **(وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللّٰهِ)** ترجمہ: اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس (گروہ) سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم

کی طرف پلٹ آئے۔(الحجرات:۹)۔

ان دونوں گروہ سے قتال کرنے کی وجہ انکے شر سے بچنا ہے، چنانچہ اگر کوئی بغاوت اور خروج کرتا ہے تو اسکے خلاف قتال جائز ہے، اسی طرح اگر کوئی آپ پر حملہ آور ہوتا ہے آپ کا مال چھیننے کیلئے یا آپ کی عزت و آبرو لوٹنے کیلئے تو آپ اپنے حساب سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ اس سے قتال بھی کر سکتے ہیں، اگر آپ نے اسے قتل کر دیا تو آپ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اور اس قسم کا قتال اسکے کفر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسکے شر کو سفر کرنے کیلئے ہے، چاہے یہ اپنی جان کی خاطر ہو یا اپنی عزت و آبرو کی خاطر ہو یا پھر مال کی خاطر ہو، اور یہی حکم خروج و بغاوت کا بھی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (دنیا کی خاطر ہے تو یہ فتنہ ہے)۔

یعنی یہ لڑائی مسلمانوں کے درمیان دنیا کی خاطر ہے، ملکی سلامتی یا مسلمانوں کی حرمتوں اور انکے اموال کی خاطر نہیں ہے، بلکہ مال و دولت کی خاطر ہے تو پھر ایسی صورت ہے بارے میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے:

عَنِ الْأَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: ذَهَبْتُ لِأَنْصُرَ هَذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِي أَبُو بَكْرَةَ فَقَالَ: أَيْنَ تُرِيدُ؟ قُلْتُ: أَنْصُرُ هَذَا الرَّجُلَ، قَالَ: ارْجِعْ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُولِ؟ قَالَ: إِنَّهُ كَانَ حَرِيصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ".

ترجمہ: احنف بن قیس نے کہا کہ میں اس شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کو چلا۔ راستے میں مجھ کو ابوبکرہ ملے۔ پوچھا کہاں جاتے ہو؟ میں نے کہا، اس شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی مدد کرنے کو جاتا ہوں۔ ابوبکرہ نے کہا اپنے گھر کو لوٹ جاؤ۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لے کر بھڑ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی

ہیں ۔میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قاتل تو خیر (ضرور دوزخی ہونا چاہیے) مقتول کیوں؟ فرمایا "وہ بھی اپنے ساتھی کو مار ڈالنے کی حرص رکھتا تھا۔" (موقع پاتا تو وہ اسے ضرور قتل کر دیتا دل کے عزم صمیم پر وہ دوزخی ہوا)۔(صحیح بخاری: ۳۰)۔

یعنی اگر وہ اس پر قابو کا جاتا تو وہ بھی قتل کر دیتا، گویا اس کے ساتھ وہ بھی دوزخی ہوا نیت کی وجہ سے کیونکہ وہ بھی اپنے بھائی کے خون کو بہانا چاہ رہا تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور ایسی لڑائیوں میں نہ نکلو اور نہ ہی لڑائی کرو، نہ ہی کسی کے پیچھے چلو اور نہ ہی کسی کی طرف میلان رکھو)۔

یعنی فتنوں کے دور میں گھروں سے نہ نکلو، اور نہ ہی فتنہ پروروں کے ساتھ چلو، اور نہ ہی انکی مدد کرو، اور نہ ہی انکا دفاع کرو، کیوں کہ دفاع کرنا ان کے ساتھ شریک ہونے جیسا ہے، گرچہ اسکے ساتھ نہ نکلیں۔

آپ دیکھیں گے اس وقت کتنے لوگ بم دھما کہ کرنے والوں اور فتنہ وفساد کرنے والوں کی تائید کرتے ہیں اور اس تخریب کاری کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیتے ہیں، جو صرف مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں یا پھر ان لوگوں کو جنکے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہے، اور ملک کو تباہ کرتے ہیں، مسلمانوں کو خوفزدہ کرتے ہیں، پھر بھی اسے جہاد کا نام دیتے ہیں، ایسے لوگ انہیں کے حکم میں ہوں گے، کیونکہ انہوں نے انکی تائید کی اور ان کی فکر کو درست کہا، اسلئے مسئلہ بہت سنگین ہے، گویا آپ نے ہتھیار بھی نہیں اٹھایا پھر بھی انکے ساتھ شریک مانے جائیں گے، صرف اس وجہ سے کہ آپ نے انکی تائید کی اور انکی منحرف فکر کو درست کہا اور اس سے بھی سنگین یہ کہ آپ نے اس تخریب کاری کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جو کسی قوم کے کاموں کو پسند کرتا ہے-خواہ وہ اچھے ہوں یا برے-تو وہ بھی اسی کے حکم میں ہوگا)۔

یعنی اگر رہ اچھی بات ہے تو اس میں اجر ملے گا اور اگر شر ہے تو انکے ساتھ اسے بھی گناہ ملے گا،

اسی لئے قواعد ہوا ہے کہ جو یہ تمنا کرتا ہے کہ وہ اس عالم کی طرح ہو جائے جو لوگوں کو خیر کی باتیں سکھائے تو اسے بھی اس نیت کی وجہ سے اجر ملتا ہے، اسی طرح اگر کوئی تمنا کرے کہ اگر میں مالدار ہوتا تو میں بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرتا تو اسے بھی اس کی نیت کے حساب سے اس پر اجر ملتا ہے، اسی طرح اسکے برعکس بھی معاملہ ہے کہ اگر کوئی گناہ کا ارادہ کرے تو وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا جیسے کوئی تمنا کرے کہ کاش وہ بھی اس کے ساتھ رہتا یعنی کسی گنہگار کے ساتھ کسی جرم کے ارتکاب میں، تو گرچہ اس نے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کیا مگر گناہ میں وہ بھی شریک ہوگا کیونکہ اس نے اسکی فکر کی تائید کی ہے اور اسکی طرف پورا میلان رکھا۔

اس لئے انسان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں وہ اس طرح کے فتنوں کا شکار ہو کر ہلاک نہ ہو جائے، سو اسے خیر و بھلائی ہی کی بات بدلنی چاہئے یا پھر خاموشی بہتر ہے۔

{115} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأقل من النظر في النجوم إلا ما تستعين به على مواقيت الصلاة، واله عما سوى ذلك، فإنه يدعو إلى الزندقة.

ترجمہ: اور ستاروں میں غور وفکر کرنا کم کردو، الا یہ کہ نماز کے اوقات کا پتہ لگانا ہو، اسکے سوا دوسری چیزوں سے غافل ہو جاؤ کیونکہ یہ زندقہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

الشرح:

ستاروں میں دیکھنے کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

زمینی حادثات و واقعات پر ستاروں کے ذریعے رہنمائی حاصل کرنا، جسے علم تاثیر کہتے ہیں، جیسے کہ ہواؤں کا چلنا، بارش کا نزول، وبائی بیماریوں کا آنا کسی کی موت یا زندگی، تو یہ سب حرام ہے، بلکہ اس کا تعلق نمرود کے قوم سے ہے جنہوں نے ستاروں کی شکل پر مجسمے بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے، کیونکہ وہ ستاروں میں تاثیر کا اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ زمینی حوادث پر اثر انداز ہوتے ہیں، وہ ان حوادث کو اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے، اور اسی لیئے انہوں نے مختلف شکل کے مجسمے بنا رکھے تھے اور انکی پرستش کرتے تھے، چنانچہ انکی طرف اللہ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث کیا جنہوں نے نمرود کی قوم سے کہا: (**مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ**) ترجمہ: یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ (الانبیاء: ۵۲)۔

یہی حرام علم نجوم ہے جو کہ شرک اور کفر ہے، جس کے بارے یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد زمینی حوادث پر فلکی احوال سے استدلال کرنا ہے۔ اور یہ حرام ہے جیسا کہ بعض اخبارات میں شائع کیا جاتا ہے۔ یہ سب شیطانی اعمال اور ابلیسی شعبدہ بازی کا حصہ ہے جو کہ اللہ کے ساتھ

کفر ہے۔

دوسری قسم:

اسے علم تسییر کہتے ہیں جس میں چاند کے منازل اور سالانہ سورج کے مطالع کی جانکاری لی جاتی ہے، جس کا مقصد مختلف اوقات کی جانکاری ہوتا ہے جیسے کھیتی باڑی کے اوقات، نماز کے اوقات، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ**) ترجمہ: وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ (یونس: ۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا**) ترجمہ: اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا، تاکہ تم اپنے رب کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اور ہر چیز، ہم نے اسے کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔ (الاسراء: ۱۲)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ**) ترجمہ: لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے (احرام کی حالت میں)۔ (البقرہ: ۱۸۹)۔

چنانچہ علم تسییر میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس میں دینی اور دنیاوی فوائد ہیں اور کوئی بد عقیدہ بھی نہیں ہے، اور جہاں تک علم تاثیر کا تعلق ہے تو یہ شرک اور کفر ہے، لہذا یہ حرام ہے، اس میں خیر وشر اور خوش قسمتی اور بد قسمتی کی پیشین گوئی کی جاتی ہے جو کہ اللہ کے ساتھ شرک ہے، اسی لئے قتادہ نے کہا

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین فائدوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ انہیں آسمان کی زینت بنایا، شیاطین پر مارنے کے لیے بنایا۔ اور (رات کی اندھیریوں میں) انہیں صحیح راستہ پر چلتے رہنے کے لیے نشانات قرار دیا۔ پس جس شخص نے ان کے سوا دوسری باتیں کہیں، اس نے غلطی کی، اپنا حصہ تباہ کیا (اپنا وقت ضائع کیا یا اپنا ایمان کھو دیا) اور جو بات غیب کی معلوم نہیں ہو سکتی اس کو اس نے معلوم کرنا چاہا۔ (صحیح بخاری: ۳/۱۹۹)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **(وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ)** ترجمہ: اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے ستارے بنائے، تاکہ تم ان کے ساتھ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں راستہ معلوم کرو۔ بے شک ہم نے ان لوگوں کے لیے کھول کر نشانیاں بیان کر دی ہیں جو جانتے ہیں۔ (الانعام: ۹۷)۔

یہ تو ستاروں کے فوائد ہیں، لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ ستاروں کا زمینی حوادث میں اثر ہوتا ہے، اور فلاں ستارے کی وجہ سے فلاں کی قسمت اچھی ہوگی اور فلاں ستارے کی وجہ سے فلاں کی قسمت اچھی نہیں ہوگی تو یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **(فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ[75] وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ[76] إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ[77] فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ[78] لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ[79] تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ[80] أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ[81] وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ)** ترجمہ: پس نہیں! میں ستاروں کے گرنے کی جگہوں کی قسم کھاتا ہوں! [75] اور بلاشبہ یہ یقیناً ایسی قسم ہے کہ اگر تم جانو تو بہت بڑی ہے۔ [76] کہ بلاشبہ یہ یقیناً ایک باعزت پڑھی جانے والی چیز ہے۔ [77] ایک ایسی کتاب میں جو چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ [78] اسے کوئی ہاتھ نہیں لگاتا مگر جو بہت پاک کیے ہوئے ہیں۔ [79] تمام جہانوں کے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے۔ [80] پھر کیا اس کلام سے تم بے توجہی کرنے والے ہو؟ [81] اور تم اپنا حصہ یہ ٹھہراتے ہو کہ بے شک تم جھٹلاتے ہو۔ (الواقعہ: ۸۲)۔

یعنی تم لوگ رزق کو ستاروں اور انکے طلوع اور غروب سے جوڑتے ہو، اسی طرح کا واقعہ حدیبیہ کے پاس پیش آیا تھا جسکی تفصیل اس حدیث کے اندر وارد ہوئی ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ فِي إِثْرِ السَّمَاءِ، كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: " أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللَّهِ وَرَحْمَتِهِ، فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي، كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي، مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ".

ترجمہ: سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی صبح کی ہمیں حدیبیہ میں (جو ایک مقام کا نام ہے قریب مکہ کے) اور رات کو بارش ہو چکی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: "تم جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟" انہوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندوں میں سے بعض کی صبح ایمان پر ہوئی اور بعض کی کفر پر، تو جس نے کہا: پانی برسا اللہ کے فضل اور رحمت سے وہ ایمان لایا مجھ پر اور انکاری ہوا ستاروں سے اور جس نے کہا: پانی برسا تاروں کی گردش سے وہ کافر ہوا میرے ساتھ اور ایمان لایا تاروں پر۔" (صحیح مسلم: ۷۱)۔

پتہ چلا کہ بارش کے نزول میں ستاروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا ہے بلکہ بارش اللہ نازل کرتا ہے، وہ جب چاہے نازل کرے اور جب چاہے روک لے، ارشاد باری تعالی ہے: (وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ) ترجمہ: اور وہی ہے جو بارش برساتا ہے، اس کے بعد کہ وہ ناامید ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی مدد کرنے والا

ہے، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔(الشوری:۲۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(**إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ**) ترجمہ: بے شک اللہ، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائی کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔(لقمان:۳۴)۔

پتہ چلا کہ ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں بارش کا نزول بھی ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ایسی صورت میں جو بارش کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف منسوب کرے گا وہ مشرک ہوگا۔

{116} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإياك والنظر في الكلام والجلوس إلى أصحاب الكلام۔

ترجمہ: اور علم کلام حاصل کرنے اور اسی طرح اہل کلام کے پاس بیٹھنے سے بھی گریز کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور علم کلام حاصل کرنے سے گریز کرو)۔

یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں منہج سلف پر قائم رہنے کی ضرورت ہے اعتقاد، سلوک اور عمل ہر اعتبار سے، یہی صحیح منہج ہے، جس نے اس منہج کو ترک کر دیا وہ علمائے کلام کے ساتھ ہو گیا جو عقائد کو قواعد منطق اور علوم کلام اور مقدمات و نتائج سے ثابت کرتے ہیں، اور انہیں یہ عقلی دلائل کہتے ہیں، جبکہ یہ عقیدے کے باب میں گمراہی ہے، اللہ نے ہمیں کتاب وسنت دیکر اس قسم کے علوم سے بے نیاز کر دیا ہے، چنانچہ کتاب وسنت کے سوا کسی چیز میں کوئی خیر نہیں ہے۔ بطور خاص عقیدہ جو کہ دین میں اصل کی حیثیت رکھتا ہے اسکی بنیاد کتاب وسنت پر ہے نہ کہ علم منطق اور علم کلام پر، علوم کلام اور علمائے منطق کے بارے میں امام شافعی نے کہا ہے کہ ان کے بارے میں میرا ایک فیصلہ ہے کہ انہیں کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارا جائے اور قبیلوں میں گھمایا جائے اور کہا جائے کہ کتاب وسنت سے اعراض کر کے علم کلام سیکھنے والوں کی یہی سزا ہے۔ (ذم الکلام للھروی: ۲۰۸)۔

چنانچہ علم کلام مذموم ہے، علماء امت اس سے ہمیشہ ڈراتے رہے ہیں، کیونکہ کتاب وسنت کو چھوڑ کر اسے عقائد کے باب میں معیار نہیں بنا سکتے، کیونکہ انہوں نے کتاب وسنت کو ترک کر کے مختلف منطقی اصول گڑھ لئے ہیں اور انہیں کی بنیاد پر اثبات صفات کو تجسیم کہتے ہیں، اور اجسام ایک دوسرے کے متشابہ ہوتے ہیں، اس طرح تجسیم سے راہ فرار اختیار کرنے کیلئے اسماء وصفات کا انکار کر دیا، اس طرح انہوں نے اپنے عقیدے کو جسم و جوہر اور عرض کو بنیاد بنایا، اور کتاب وسنت کو چھوڑ دیا یہی انکی گمراہی

ہے، چنانچہ جو بھی صحیح العقیدہ مسلمان ہوگا وہ کتاب وسنت کا علم چھوڑ کر علم منطق اور علم کلام کو نہیں سیکھے گا، بلکہ یہ گمراہ کا کام ہے، کیونکہ سلف امت کتاب وسنت ہی کی روشنی میں علوم حاصل کرتے تھے یہاں تک کہ مامون کے دور میں رومی کتابوں کا ترجمہ شروع ہوا اور پھر علم منطق اور علم جدل کا نام آیا، اور پھر امت کے اندر اسی وقت مختلف شرور پیدا ہوئے اور جہت سارے لوگوں نے علم جدل اور منطق ہی پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اسی طرح اہل کلام کے پاس بیٹھنے سے بھی گریز کرو)۔

کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے فتنے میں پڑ جاؤ گے، اسی لئے علمائے اہل حدیث کے پاس بیٹھو، علمائے کلام کی مجلسوں سے دور رہو، تاکہ ان کا تم پر اثر نہ ہو، اسلئے کہ بروں کی صحبت کا اثر ہوتا ہے اسی لئے حدیث کے اندر اچھی صحبت کو عطار سے اور بری صحبت کو لوہار سے مثال دی گئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ، إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً ".

ترجمہ: سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیک مصاحب اور بد مصاحب کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی، مشک والا یا تو تجھے یونہی دے گا (تحفہ کے طور پر سونگھنے کے لیے) یا تو اس سے خرید لے گا یا تو اس سے اچھی خوشبو پائے گا اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا بری بو تجھ کو سونگھنی پڑے گی۔" (صحیح مسلم: ۲۶۲۷)۔

چنانچہ علمائے کلام کی مثال بری صحبت جیسی ہے اسلئے انکے ساتھ مت بیٹھو، کیونکہ وہ تمہارے

عقیدے کو خراب کر دیں گے اور کتاب وسنت کی اہمیت کو وہ کم کر کے پیش کریں گے۔

{117} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وعليك بالآثار، وأهل الآثار، وإياهم فاسأل، ومعهم فاجلس، ومنهم فاقتبس.

ترجمہ: اور آثار اور اہل آثار کو لازم پکڑو، انہیں سے سوال کرو، انہیں کے ساتھ بیٹھا کرو، اور انہیں علم حاصل کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور آثار اور اہل آثار کو لازم پکڑو، انہیں سے سوال کرو)۔

یعنی اہل علم کی مجلسوں میں بیٹھا کرو اور انہیں سے سوال کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: سو ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم شروع سے نہیں جانتے۔ (النحل: ۴۳)۔

یعنی اہل کتاب میں جو ٹھیک ٹھاک اہل علم ہیں اسی طرح اس امت کے اندر جو اہل علم ہیں ان ہی سے سوال کئے جائیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (انہیں کے ساتھ بیٹھا کرو، اور انہیں علم حاصل کرو)۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ) ترجمہ: اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔ (الانعام: ۶۸)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا) ترجمہ: اور بلاشبہ اس نے تم پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہو، بے شک اللہ منافقوں اور کافروں، سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۰)۔

اس لئے ضروری ہے کہ اہل شر اور اہل ضلالت سے دور رہا جائے اور اہل علم کی مجلسوں میں بیٹھا جائے بطور خاص وہ لوگ جن کا عقیدہ صحیح ہو اور جو درست منہج کے حامل ہوں، انہیں کی صحبت میں بیٹھ کر ان سے علمی استفادہ کیا جائے

❁❁❁

{118} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أنه ما عبد الله بمثل الخوف من الله، وطريق الخوف والحزن والشفقات والحياء من الله تبارك وتعالى.

ترجمہ: اور جان لو! اللہ کی عبادت جس طرح خوف الٰہی کے ذریعے کی گئی ہے اس طرح اور کسی چیز کے ذریعے نہیں کی گئی ہوگی، اور خوف، غم، شفقت اور حیاء سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! اللہ کی عبادت جس طرح خوف الٰہی کے ذریعے کی گئی ہے اس طرح اور کسی چیز کے ذریعے نہیں کی گئی ہوگی)۔

عبادت تین چیزوں پر مرکوز ہے: خوف، امید اور محبت، اللہ کی عبادت میں ان تینوں امور کا ہونا ضروری ہے، اللہ کا خوف، رحمت الٰہی کی امید اور اسکی محبت، چنانچہ صرف خوف نہ ہو کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں اور نہ ہی صرف امید ہو کہ اسکے عذاب سے بے خوف ہو جائیں، اور اسی طرح صرف محبت نہ ہو کہ کوئی خوف اور امید نہ ہو، بلکہ تینوں کا ایم ساتھ ہونا ضروری ہے، اسلئے کہتے ہیں کہ جس نے اللہ کی عبادت صرف خوف کے ساتھ کی وہ خارجی ہے، اور جس نے اللہ کی عبادت صرف امید کے ساتھ کی وہ مرجی ہے اور جس نے اللہ کی عبادت صرف محبت کے ساتھ کی وہ صوفی ہے۔ اسلئے کہ صوفیاء کہتے ہیں کہ ہم اللہ کی عبادت نہ ہم اسکی جنت کی حرص میں کرتے ہیں اور نہ ہی اسکی دوزخ کئے خوف سے ہم صرف اسکی محبت میں اسکی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے، اللہ کی عبادت میں خوف ورجاء اور محبت تینوں کا ہونا ضروری ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور خوف، غم، شفقت اور حیاء سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے)۔

یعنی حیاء کو لازم پکڑو، اور اللہ سے حیاء یہ ہیکہ وہ آپ کو گناہ کرتے نہ دیکھے، کیونکہ آپ کو کوئی غیر مناسب کام کرتے دیکھے یہ آپ کو پسند نہیں ہے پھر یہ کیسے پسند ہوگا کہ اللہ آپ کو گناہ کرتے دیکھے؟! یہ تعجب کی بات ہے کہ انسانوں سے تو آپ حیاء کرتے ہیں مگر اللہ سے نہیں کرتے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ**) ترجمہ: وہ لوگوں سے چھپاؤ کرتے ہیں اور اللہ سے چھپاؤ نہیں کرتے، حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو اس بات کا مشورہ کرتے ہیں جسے وہ پسند نہیں کرتا۔ (النساء: ۱۰۸)۔

اسلئے ضروری ہے کہ پہلے آپ اللہ سے حیاء کریں اور گناہ کرنے سے باز رہیں کیونکہ اللہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔

{119} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واحذر أن تجلس مع من يدعو إلى الشوق والمحبة، ومن يخلو مع النساء وطريق المذهب، فإن هؤلاء كلهم على ضلالة.

ترجمہ: ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے دور رہو جو شوق ومحبت کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور عورتوں کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں، اسی طرح اہل طریقت سے بھی دور رہو؛ کیونکہ یہ سب گمراہی پر ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے سے دور رہو جو شوق ومحبت کی طرف دعوت دیتے ہیں)۔

اس سے مراد صوفیاء ہیں، پہلے مولف رحمہ اللہ نے علمائے کلام اور مناطقہ کی مجلس میں بیٹھنے سے منع ڈرایا اور سب ایک دوسرے گمراہ فرقے کی صحبت سے ڈرا رہے ہیں، اور یہ صوفیاء ہیں جو بدعات اور سیسی نئی نئی چیزوں کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جن کی شریعت میں کوئی وجود نہیں، یہ سنت کو ترک کرتے ہیں، بلکہ یہ حدیث کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، اور یہ ہی طلب علم کی پرواہ کرتے ہیں، بلکہ طلب علم سے ڈراتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ طلب علم آپ کو ذکر الٰہی اور عبادت سے غافل کر دے گا۔

جبکہ یہ گمراہی ہے؛ کیونکہ کوئی عبادت اور ذکر اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک وہ کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو، اور یہ اسی وقت ہوگا جب آپ کے پاس علم ہوگا، اور اسی لئے یہ گمراہ ہو گئے کیونکہ انہوں نے نہ علم حاصل کیا اور نہ دوسروں کو رغبت دلائی بلکہ الٹا اس سے متنفر کیا، اور کہا کہ ذکر اور عبادت میں مشغول ہو جاؤ۔ کیونکہ جب یہ عبادت اور ذکر بغیر علم صحیح اور اتباع رسول کے ہوگا تو یہ گمراہی کی طرف لے جائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ أَحْدَثَ

فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں وہ بات نکالے جو اس میں نہ ہو (یعنی بغیر دلیل کے) وہ رد ہے۔"

مزید آگے دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)۔

سوال یہ ہیکہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ آپ نے بدعت ایجاد کی ہے یا آپ نے بدعت پر عمل کیا ہے؟ یقیناً یہ اسی وقت معلوم ہوگا جب آپ کو سنت کا علم ہوگا اسلئے سب سے پہلے علم حاصل کریں اور طلب علم میں کوتاہی نہ کریں، اور نہ ہی دوسروں کی ہمت پست کریں، کیونکہ طلب علم نوافل عبادت سے افضل ہے، چنانچہ جو علمی مذاکرہ کرتا ہے یہ اس شخص سے افضل ہے جو پوری رات قیام کرتا ہے، اسلئے کہ یہ جب عبادت کرے گا تو علم وبصیرت کی بنیاد پر کرے گا اور اس کے علم سے یہ خود کو فائدہ پہونچانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائے گا، جب کہ ایک عابد صرف خود کو فائدہ پہونچاتا ہے، دوسرے لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس طرح اسکی عبادت کا فائدہ صرف اسی تک محدود ہے، اور اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ) ترجمہ: اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کی تمام تاروں پر۔ (سنن ابی داود: ۳۶۴۱)۔

کیونکہ چاند سے کائنات منور ہوتا ہے، اور کی روشنی میں مسافر رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اسکے

ذریعے پھلوں کی اصلاح ہوتی ہے، انکے علاوہ بھی اس کے عظیم فوائد ہیں، اور یہاں تک ستارے کا تعلق ہے تو وہ صرف خود کو منور رکھتا ہے، اسی کی روشنی اسی تک محدود رہتی ہے، یہ عابد کی مثال ہے جو اللہ کی عبادت حق کے ساتھ کرتا ہے، پھر اس عابد کا کیا حال ہوگا جو جہالت کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کرتا ہے؟! ممکن ہے اسکی عبادت تو کردی جائے، اسلئے طلب علم ضروری ہے، اور ان لوگوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے جو لوگوں کو صیام وقیام اور ذکر پر تو ابھارتے ہیں مگر طلب علم اور علماء کے علمی حلقوں میں بیٹھنے سے پست ہمت بناتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور عورتوں کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں)۔

کیونکہ بعض صوفیاء اس طرح کے حرام سے پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے اسلئے کہ ہم عارف باللہ ہو گئے۔ اور اسی بنیاد پر یہ معاصی کو اپنے لئے حلال سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم پر نہ کوئی واجب ہے اور نہ ہی ہمارے لئے کچھ حرام ہے، اسلئے کہ ہم اللہ تک پہونچ چکے ہیں، اب ہمیں عبادت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

اسی لئے یہ لواطت، زنا اور نظر حرام سب کو اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ ہم ہر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ ہم اللہ کہ نشانیوں کو دیکھتے ہیں۔ اس طرح شیطان گناہوں کو انکھ لئے مزین کر کے پیش کرتا ہے، اور یہ امرد نوجوانوں کے ساتھ تخلیہ کرتے ہیں، اور پھر شر وفتن میں واقع ہوتے ہیں، پھر بھی خود کو اولیاء سمجھتے ہیں، اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دیکھیں آپ شیطان انکو کس حد تک گرا دیا ہے کہ یہ برائی کو نیکی سمجھنے لگے، اسلئے ایسے لوگوں کی صحبت میں کبھی مت جانا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسی طرح اہل طریقت سے بھی دور رہو)۔

یعنی صوفیوں کے سلسلوں اور طریقوں سے جو کہتے ہیں کہ اپنا ایک شیخ بنا لو، یعنی کسی صوفی سے بیعت ہو جاؤ، کیوں کہ جس کا کوئی شیخ نہیں ہوتا اسکا شیخ شیطان ہوتا ہے، اسلئے ایک شیخ کا ہونا ضروری ہے، تا کہ اسکی پیروی کرو اور اسی کے طریقے پر زندگی گزارو۔ اس طرح کے بہت سے خبیث اصطلاحات ان

کے پاس ہیں جن سے دور رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ اللہ کے دین سے شیطان کے دین کی طرف بلاتے ہیں والعیاذ باللہ۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ یہ سب گمراہی پر ہیں)۔

یہ صوفیاء کی جماعت جن میں انکے شیوخ، علماء، مریدین اور عوام سب شامل ہیں اور عموماسب گمراہی پر ہوتے ہیں سوائے اسکے جو سنت پر عمل پیرا ہو، یہی حق پر ہوتا ہے۔

{120} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اعلم - رحمك الله - أن الله - تبارك وتعالى - دعا الخلق كلهم إلى عبادته، ومن بعد ذلك على من شاء بالإسلام تفضلا منه.

ترجمہ: اور جان لو- اللہ آپ پر رحم فرمائے- بیشک اللہ تعالی نے پوری مخلوق کو دینی عبادت کی طرف بلایا ہے، اور اس کے بعد اللہ نے جس پر چاہا اسلام کی نعمت عطا کی اپنی طرف سے بطور فضل و کرم کے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا کہ سب لوگ جان لو کہ اللہ تعالی نے ساری مخلوق کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے، جیسا کہ فرمایا: (**وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ**) ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ (الذاریات:٥٦)۔

یہ تو خبر کے پہلو سے ہے اور جہاں تک حکم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [21] الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ**)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ [21] جس نے تمھارے لیے زمین کو ایک بچھونا اور آسمان کو ایک چھت بنایا اور آسمان سے کچھ پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ کئی طرح کے پھل تمھاری روزی کے لیے پیدا کیے، پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔ (البقرہ:٢٢)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّ※ االنَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ※ مْ إِنَّ زَلْزَلَ※ السَّاعَ※ شَيْءٌ

عَظِيمٌ) ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔(الحج:۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ) ترجمہ: اے لوگو! یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو کہیں دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کہیں وہ دھوکے باز تمھیں اللہ کے بارے میں دھوکا نہ دے جائے۔(فاطر:۵)۔

یہاں خطاب تمام لوگوں کو ہے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، جنات ہوں یا انسان، انہیں چاہئے کہ وہ خالص اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اسلئے کہ ان سب کا رب اللہ ہی ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ مکی سورتوں میں (یا ایھا الناس) کا صیغہ غالب ہے، اور مدنی سورتوں میں (یا ایھا الذین آمنوا) کا صیغہ غالب ہے، گرچہ کہیں کہیں اسکے علاوہ بھی پایا جاتا ہے مگر اعتبار غالب کا ہوتا ہے۔

یہ نداء صراحت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبادت صرف اللہ کی مناسب ہے، اسی لئے اللہ نے تمام مخلوق کو حکم دیا ہے، بلکہ اسی کی خاطر سب کو پیدا کیا ہے، اس لئے اس عبادت میں کسی کو کچھ بھی حق نہیں ہے خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء، اولیا وصلحاء ہوں یا انس وجن یا کوئی بھی مخلوق ہو عبادت کا مستحق صرف اللہ ہے۔

عبادت کی یہ دعوت عام ہے مگر اس حکم کی بجا آوری کرنے والے کچھ خاص بندے ہی ہیں اکثر اللہ کی عبادت سے دور ہے، بہت کم لوگ ہدایت پر ہیں اللہ نے جنہیں توفیق دی ہے، کیونکہ وہ دعوت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ کی بات سنتے ہیں، اسلئے سبب کا اپنانا بندے کی طرف سے ہے، اور توفیق دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور اللہ کی توفیق بندے کے سبب پر مرتب ہوتی ہے، چنانچہ بندہ جب سبب کو اپناتا ہے تو اللہ اسے توفیق سے نوازتا ہے اور معاملے کو اس کے لئے آسان کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّى[4] فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى[5] وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى[6] فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى[7] وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى[8] وَكَذَّبَ

بِالْحُسْنٰى[9] فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى) ترجمہ: بے شک تمہاری کوشش یقینا مختلف ہے۔ [4] پس لیکن وہ جس نے دیا اور (نافرمانی سے) بچا۔ [5] اور اس نے سب سے اچھی بات کو سچ مانا۔ [6] تو یقینا ہم اسے آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ [7] اور لیکن وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا ہوا۔ [8] اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔ [9] تو یقینا ہم اسے مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے۔ (اللیل: ۱۰)۔

معلوم ہوا کہ ہدایت ہو گمراہی اس کا سبب بندے کی طرف سے ہوتا ہے، اسلئے اس سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے لئے ہدایت مقدر ہے تو پھر ہم ہدایت پر ہوں گے اور اگر گمراہی مقدر ہے تو گمراہ ہوں گے۔ مگر یہ باطل کلام ہے، تقدیر کو حجت بنانا ہے، وہ یہ بھول رہا ہے کہ سبب کا کرنا اس کی طرف سے ہے، اور ہدایت بغیر سبب کے حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ اگر آپ اولاد چاہتے ہیں تو شادی کرنا ضروری ہے، یعنی آپ پہلے شادی کریں پھر اولاد کی امید رکھیں۔

لیکن اگر آپ کنوارا بیٹھے رہیں اور اولاد کی امید رکھیں تو پھر کبھی بھی اولاد نہیں مل سکتی، یہی معاملہ رزق کا ہے، اگر آپ گھر میں بیٹھے رہیں کچھ نہ کریں، صرف تقدیر پر بھروسہ کرلیں تو کچھ حاصل نہیں ہوگا، لیکن جب آپ کام کیلئے باہر نکلیں گے اور رزق کیلئے سبب اپنائیں گے تو اللہ آپ کیلئے آسانی فرمائے گا، آپ دیکھیں پرند و چرند بھی اپنے گھونسلوں میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ وہ بھی صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر واپس آتے ہیں۔ اسی لئے ہدایت کیلئے بھی سبب کا اپنانا ضروری ہے، چنانچہ جس طرح گمراہی کا سبب ہے آتی طرح ہدایت کا بھی سبب ہے، کیونکہ اللہ تعالی کدی پت ظلم نہیں کرتا۔ چنانچہ جو خیر کا ارادہ رکھتا ہے اسکی لئے خیر کا راستہ ہموار کرتا ہے اور جو شر کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے شر کا راستہ دکھا دیتا ہے۔ اسلئے بندے کو اس بابت غور کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے، اس لئے تمدن امور میں اسباب کو اپنانا ضروری ہے انہیں میں ایمان اور ہدایت بھی ہے اور جنت اور دوزخ میں دخول بھی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس کے بعد اللہ نے جس پر چاہا اسلام کی نعمت عطا کی اپنی طرف سے بطور فضل و کرم کے)۔

اس احسان اور فضل کا بھی سبب ہوتا ہے، اور اسی طرح اس ہدایت سے محرومی کا بھی سبب ہوتا ہے اور یہ بندے کی طرف سے ہوتا ہے، اسلئے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کوئی تقدیر کو حجت نہ بنائے، جیسا کہ کچھ لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ**) ترجمہ: عنقریب وہ لوگ کہیں گے جنھوں نے شریک بنائے ہیں، اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شریک بناتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔ (الانعام: ۱۴۸)۔

یہی تقدیر سے حجت پکڑنا ہے جس طرح کہ ابلیس نے حجت پکڑتے ہوئے اللہ سے کہا تھا: (**قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي**) ترجمہ: اس نے کہا پھر اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا۔ (الاعراف: ۱۶)۔

اس نے تقدیر سے حجت پکڑی اور یہ بھول گیا کہ اس نے تکبر کیا تھا اللہ کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا چنانچہ اسی سبب سے اسے گمراہ کیا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اسلئے اسکے پاس کوئی حجت نہیں ہے، حجت خود اس پر قائم ہے، اسلئے کہ اسے جو بدبختی ملی ہے وہ اسکی نافرمانی کی وجہ سے ہے۔

۞۞۞

{121} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والكف عن حرب علي ومعاوية وعائشة وطلحة والزبير، ومن كان معهم، ولا تخاصم فيهم، وكل أمرهم إلى الله تبارك وتعالى، فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: (إياكم وذكر أصحابي وأصهاري وأختاني). وقوله: (إن الله تبارك وتعالى نظر إلى أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فإني قد غفرت لكم).

ترجمہ: اور علی، معاویہ، عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کے مابین واقع لڑائیوں کے تعلق سے خاموش رہو، اور انکے بارے میں بحث ومباحثہ نہ کرو، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کردو، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میرے ساتھیوں، میرے سسرالی رشتے داروں اور بیٹیوں کے شوہروں کی برائی کرنے سے بچو)۔ مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ نے بدروالوں پر جھانکا اور فرمایا: تم جو اعمال چاہو کرو (بشرطیکہ کفر تک نہ پہنچیں) میں نے تم کو بخش دیا)۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور علی، معاویہ، عائشہ، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کے مابین واقع لڑائیوں کے تعلق سے خاموش رہو)۔

اہل سنت والجماعہ کیلئے یہ بہت بڑا اصول ہے کہ ہر مسلم پر صحابہ کا حق ہے جنہوں نے اسلام لاکر اسکی تبلیغ اور مشکل ترین حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، دین کی خاطر اپنے جان ومال کی قربانی دی، گھربار کو چھوڑا، اسلئے انکی جو فضیلت ہے وہ دوسروں کیلئے نہیں ہے، اسی لئے وہ سب سے افضل ہیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " خَيْرُ

النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ". قَالَ إِبْرَاهِيمُ: وَكَانُوا يَضْرِبُونَنَا عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْعَهْدِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اس کے بعد ہوں گے اور اس کے بعد ایسے لوگوں کا زمانہ آئے گا جو قسم سے پہلے گواہی دیں گے اور گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے۔" ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہمارے بڑے بزرگ شہادت اور عہد کا لفظ زبان سے نکالنے پر ہمیں مارتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۲۶۵۲)۔

چنانچہ صحبت نبوی کی وجہ سے انکی جو فضیلت ہے وہ کسی کو حاصل نہیں ہے اسی لئے اللہ نے انکے بارے میں فرمایا: (لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ [117] وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ [118] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ) ترجمہ: بلاشبہ یقیناً اللہ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار پر بھی، جو تنگ دستی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر وہ ان پر دوبارہ مہربان ہو گیا۔ [117] یقیناً وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور ان تینوں پر بھی جو موقوف رکھے گئے، یہاں تک کہ جب زمین ان پر تنگ ہو گئی، باوجود اس کے کہ فراخ تھی اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہو گئیں اور انھوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے پناہ کی کوئی جگہ اس کی جناب کے سوا نہیں، پھر اس نے ان پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی،

تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ ہی ہے جو بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ [118] اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔(التوبہ:۱۱۹)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا) ترجمہ: بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔(الفتح:۱۸)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا) ترجمہ: محمد اللہ کا رسول ہے اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت رحم دل ہیں، تو انھیں اس حال میں دیکھے گا کہ رکوع کرنے والے ہیں، سجدے کرنے والے ہیں، اپنے

رب کا فضل اور (اس کی) رضا ڈھونڈتے ہیں، ان کی شناخت ان کے چہروں میں (موجود) ہے، سجدے کرنے کے اثر سے ۔ یہ ان کا وصف تورات میں ہے اور انجیل میں ان کا وصف اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا، پھر وہ موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو خوش کرتی ہے، تاکہ وہ ان کے ذریعے کافروں کو غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے بڑی بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ (الفتح:۲۹)۔

مزید اللہ تعالی نے مال فیء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **(وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ[6] مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[7] لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ)** ترجمہ: اور جو (مال) اللہ نے ان سے اپنے رسول پر لوٹایا تو تم نے اس پر نہ کوئی گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ اور لیکن اللہ اپنے رسولوں کو مسلط کر دیتا ہے جس پر چاہتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔ [6] جو کچھ بھی اللہ نے ان بستیوں والوں سے اپنے رسول پر لوٹایا تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے، تاکہ وہ تم میں سے مال داروں کے درمیان ہی گردش کرنے والا نہ ہو اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقینا اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ [7] (یہ مال) ان محتاج گھربار چھوڑنے والوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال باہر کیے گئے۔ وہ

اللہ کی طرف سے کچھ فضل اور رضا تلاش کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں۔(الحشر:۸)۔

اسکے بعد انصار صحابہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:**(وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[9] وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ)** ترجمہ: اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنالی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ [9] اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنالی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔(الحشر:۱۰)۔

یہاں پر صحابہ کرام کے تعلق سے بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں کا موقف بتلایا گیا ہے۔اسی طرح صحابہ کے مقام ومرتبہ کو متعدد احادیث کے اندر بھی واضح کیا گیا ہے، ان میں سے یہ حدیث بھی ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَبَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ شَيْءٌ، فَسَبَّهُ خَالِدٌ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا

نَصِيفَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم میں کچھ جھگڑا ہوا تو سیدنا خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو برا کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مت برا کہو میرے اصحاب میں سے کسی کو اس لیے کہ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر سونا صرف کرے تو ان کے مد یا آدھے مد کے برابر نہیں ہوسکتا۔" (صحیح مسلم: ۲۵۴۱)۔

چنانچہ بعد میں آنے والے اگر احد کے پہاڑ کے برابر بھی خرچ کریں خواہ وہ کبار تابعین ہی کیوں نہ ہوں ان کے مقام تک نہیں پہونچ سکتے۔

اسلئے مسلمانوں کا صحابہ کرام کے تعلق یہ موقف ہونا چاہئے کہ ہم ان کا احترام کریں، انکے لئے رضائے الہی کی دعا کریں، انہیں ہم اسوہ بنائیں اور ان کا ہر طرح سے دفاع کریں، یہی ہمارا موقف ہونا چاہئے کیونکہ ان سے محبت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے، چنانچہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اسے چاہئے کہ وہ آپ کے صحابہ سے بھی محبت کرے، چنانچہ جو صحابہ سے بغض رکھتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بغض رکھتا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی۔ (سنن ترمذی: ۳۸۶۲)۔

اور جہاں تک شیخ رحمہ اللہ نے اس جانب اشارہ کیا کہ صحابہ کے مابین جاری تنازعات پر گفتگو کرنے سے بچیں، تو ہمیں پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ صحابہ بھی انسان ہیں ان سے بھی غلطی ممکن ہے، مگر انکی نیت خالص تھی، مقصد نیک تھا، کوئی بھی مومن اس میں ذرا بھی شک نہیں کرے گا، اور نہ ہی کسی کو متہم کرے گا۔

حقیقت یہ ہیکہ جب ابن سبا نامی یہودی کے ذریعے دور عثمانی کے آخر میں فتنہ شروع ہوا اور اسکے پیچھے بہت سے نادان اور شر پسند اکٹھا ہو گئے، اور ہر زمانے میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں، جو حکام کے خلاف خروج و بغاوت پر لوگوں کو اکساتے ہیں، جو فتنہ وفساد کو پسند کرتے ہیں، چنانچہ ان

بلوائیوں اور شر پسندوں کے ذریعے خلیفہ سوم کو شہید کر دیا گیا، اور ہنگامی طور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرلیا گیا، اس شہادت کی وجہ سے اس وقت مسلمانوں کے درمیان عظیم فتنہ برپا ہوا اور انہوں نے قاتلین عثمان کے بدلے کا مطالبہ کیا جسکے نتیجے میں جنگ جمل پیش آیا۔

ان لوگوں کا مطالبہ تھا کہ خون عثمان کا بدلہ لیا جائے مگر سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس پر قادر نہیں تھے کیونکہ تمام شر پسند فوج میں گھس گئے تھے اور بڑا فتنہ پیدا کر سکتے تھے، لیکن طلحہ، زبیر، عائشہ اور علی رضی اللہ عنہم سب لوگ ایک شام ایک رائے پر متفق ہو گئے اور قریب تھا کہ صلح ہو جائے مگر شر پسندوں کو اس کا احساس ہو گیا کہ صحابہ کے درمیان صلح ہونے والی ہے، لہذا انہوں نے رات ہی میں فتنہ برپا کر دیا، اور لڑائی چھیڑ دی، صحابہ نے سمجھا کہ دھوکہ ہوا ہے چنانچہ بلا ارادہ دونوں طرف سے لڑائی شروع ہو گئی، اور اس طرح اس فتنے میں بہت سارے لوگ مارے گئے، اور پھر آخر میں لڑائی ختم ہو گئی۔

پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں خون عثمان کے بدلے کا مطالبہ کیا، مگر اس بار بھی شر پسندوں نے مکر سازش اور دھوکے سے کام لیا جس کے نتیجے میں معرکہ صفین واقع ہوا اور اس لڑائی کا سبب بھی یہی گمراہ اور شر پسند گروہ تھا جو مسلمانوں کے درمیان فتنہ چاہتا تھا۔ اور یہ لڑائی بھی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ختم ہوئی، انہی خوارج ہی نے آپ کو بھی شہید کیا جنہوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، انہوں نے ساتھ میں معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو بھی شہید کرنا چاہتے تھے مگر یہ دونوں بچ گئے۔

ان تنازعات کے تعلق سے ہمیں خاموش رہنا چاہئے اور اگر ان کا ذکر بھی کریں تو اصحاب رسول کیلئے معذرت کرتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ انہوں نے اجتہاد کیا، تو ان میں سے کوئی حق تک پہونچا تو اسے دوہرا اجر ملا اور کوئی نہیں پہونچا تو اسے ایک اجر ملا، اور انکے اس قدر فضائل اور مناقب ہیں کہ ان کی غلطیوں کو وہ ڈھانپ لیں گے، سب سے پہلی بات کہ وہ صحابہ ہیں اور جیسا کہ اس حدیث کے

اندر وارد ہوا ہے: (**لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ. فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ**) ترجمہ: اور تمہیں معلوم نہیں، اللہ تعالی مجاہدین بدر کے احوال (موت تک کے) پہلے ہی سے جانتا تھا، اور وہ خود ہی فرما چکا ہے کہ تم جو چاہو کرو میں تمہیں معاف کر چکا ہوں۔ (صحیح بخاری: ۳۰۰۷)۔

معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر کوئی مغفور لہ ہے، خواہ ان میں سے کسی سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، کیونکہ اگر کوئی غلطی ہوگی تو وہ اجتہاد کی بنیاد پر ہوگی نہ کہ جان بوجھ کر۔

اسلئے مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ وہ صحابہ کے تنازعات میں نہ پڑیں، اور نہ ہی کسی صحابی کو خطا وار ٹھہرائیں، بلکہ انہیں معذور سمجھ کر ان کے لئے استغفار کریں جیسا کہ ہمیں حکم ہوا ہے ارشاد باری تعالی ہے: (**وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ**) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جنھوں نے ان سے پہلے اس گھر میں اور ایمان میں جگہ بنا لی ہے، وہ ان سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئیں اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی خواہش نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ (الحشر: ۱۰)۔

اس وقت کچھ کیسٹیں منظر عام پر آئی ہیں جنکے اندر صحابہ کے باہمی تنازعات کا ذکر ہے اور جنہیں بعض جاہلوں کی طرف سے ریکارڈ کروا کے تقسیم کیا گیا ہے، تو یہ دو حال سے خالی نہیں ہیں:

* یا تو یہ جاہل ہے اس نے عقیدہ کو نہیں سیکھا ہے۔
* یا یہ گمراہ قسم کا انسان ہے جو صحابہ کے تئیں اپنے بغض کو نکالنا چاہتا ہے۔

اسلئے مسلمانوں کو اس طرح کی کیسٹوں سے آگاہ رہنا ضروری ہے اسی طرح شیعوں کی سازش سے بھی آگاہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ صحابہ کرام کو گالی دیتے ہیں انکے عیوب کو تلاش کرتے ہیں، چنانچہ ایک

مسلم کو چاہئے کہ اس سے آگاہ رہے تاکہ وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر ہلاک نہ ہو۔ والعیاذ باللہ۔

{122} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم - رحمك الله - أنه لا يحل مال امرء مسلم إلا بطيبة من نفسه، وإن كان مع رجل مال حرام فقد ضمنه، لا يحل لأحد أن يأخذ منه شيئا إلا بإذنه، فإنه عسى أن يتوب هذا فيريد أن يرده على أربابه فأخذت حراما.

ترجمہ: اور جان لو۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کسی مسلمان کا مال کھانا جائز نہیں جب تک کہ وہ دل سے خوش نہ ہو، اور اگر کسی کے پاس حرام مال ہے تو وہ اسکا ضامن ہوگا، اسکی اجازت کے بغیر کسی کیلئے اس سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اس سے توبہ کرلے اور صاحب مال کے پاس اسے لوٹا دے، اس طرح آپ نے جو مال لیا وہ حرام ہو جائے گا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ کسی مسلمان کا مال کھانا جائز نہیں جب تک کہ وہ دل سے خوش نہ ہو)۔

یہ مسلمانوں کے احترام میں شامل ہے کہ ان کا جان ومال اور عزت وآبرو حرام ہے، اسلئے کہ جو اسلام لایا اس نے اپنا جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ کرلیا، اب اس پر کسی طرح بھی زیادتی جائز نہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (**كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ، حَرَامٌ دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ**) ترجمہ: مسلمان کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں اس کا خون، مال، عزت اور آبرو۔ (صحیح مسلم: ۲۵۶۴)۔

اور ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: (**فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ، قَالَ مُحَمَّدٌ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا**) ترجمہ تمہاری جانیں اور تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں (عزتیں) حرام ہیں تم پر

جیسے یہ دن حرام ہے، اس شہر میں، اس مہینے میں۔(صحیح مسلم:۱۶۷۹)۔

چنانچہ مسلمان کا جان و مال اور عزت و آبرو سب محفوظ ہے، اس کے خلاف ظلم و زیادتی جائز نہیں، ایک مسلمان جب تک اپنا مال خوش دلی سے نہ دے اسکا لینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر زبردستی اس کا مال چھینتا ہے یا بغیر اسکی مرضی کے لیتا ہے، یا چوری کرتا یا خیانت کر کے لیتا ہے تو یہ سب حرام ہے اسی طرح جیسے اس کی جان اور عزت و آبرو حرام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:(**وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ**) ترجمہ: اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ اور نہ انھیں حاکموں کی طرف لے جاؤ، تاکہ لوگوں کے مالوں میں سے ایک حصہ گناہ کے ساتھ کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔ (البقرہ:۱۸۸)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا**) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تمھاری آپس کی رضامندی سے تجارت کی کوئی صورت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر ہمیشہ سے بے حد مہربان ہے۔(النساء:۲۹)۔

بہت سے لوگ بالکل پرواہ نہیں کرتے، اپنے مسلم بھائی کا کوئی قتل کر رہا ہے، کوئی اسکا مال چوری کر رہا ہے کوئی ڈاکہ ڈال رہا ہے تو کوئی خیانت اور دھوکہ سے پیسہ لوٹ رہا ہے کوئی باطل طریقے سے تو کوئی بغیر مرضی کے اس کا مال لے رہا ہے جبکہ یہ سب حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کے پاس حرام مال ہے تو وہ اسکا ضامن ہوگا)۔

یعنی بغیر جائز طریقے کے اگر کوئی کسی کا مال لیا ہے تو جب تک اسے وہ مال دے نہ دے اس پر اوکی ادائیگی واجب ہوگی؛ کیونکہ موت سے قبل حقوق کی ادائیگی واجب ہے، ورنہ اسکا بدلہ قیامت

کے دن لیا جائے گا، اور وہاں اس کی نیکیوں میں سے اسکا حساب ہوگا اور اگر اسکی نیکی ختم ہو جائے گی تو مظلوموں کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے، اور بالآخر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، والعیاذ باللہ، لہذا کسی مسلمان کا ناحق مال کھانا حرام ہے اسکی ادائیگی یہاں یا پھر آخرت میں ہر حال میں ادا ہی کرنا پڑے گا، دنیا میں ادا کرنا آخرت کے مقابلے زیادہ آسان ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اس سے توبہ کرلے اور صاحب مال کے پاس اسے لوٹا دے، اس طرح آپ نے جو مال لیا وہ حرام ہو جائے گا)۔

اس طرح اگر آپ کو معلوم ہے کہ جو مال آپ لے رہے ہیں وہ حرام ہے یا حصول مال کا وہ ذریعہ حرام ہے تو وہ جائز نہیں ہے چند وجوہات کی بنا پر:

پہلی وجہ: جب آپ جانتے ہیں کہ وہ حرام ہے پھر کیسے اسے حلال سمجھ رہے ہیں۔

دوسری وجہ: اگر یہ ظالم توبہ کرلے اور مال لوٹانا چاہے جب کہ آپ نے اسے لے لیا ہے تو ایسی صورت میں وہ اسے نہیں ہوتا سکتا۔

تیسری وجہ: جرم اور ظلم دونوں میں آپ اس کے برابر شریک ہوں گے۔

❁❁❁

{123} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والمكاسب مطلقة ما بان لك صحته فهو مطلق إلا ما ظهر فساده، وإن كان فاسدا، يأخذ من الفساد مسيكة نفسه. لا تقول: أترك المكاسب وآخذ ما أعطوني، لم يفعل هذا الصحابة ولا العلماء إلى زماننا هذا، وقال عمر رضي الله عنه: كسب فيه بعض الدنية خير من الحاجة إلى الناس.

ترجمہ: اور کمائیوں میں اصل اطلاق ہے، جس کا صحیح (حلال) ہونا واضح ہو وہ مطلق ہے الا کہ اسکا فساد (حرام) ہونا ظاہر ہو جائے، اور اگر وہ فاسد (حرام) ہو تو جان بچانے کی خاطر اسے لے سکتے ہیں، یہ نہ کہو: کمائیوں کو چھوڑ کر جو لوگ دیں گے اسی کو لے لوں گا، ایسا نہ تو صحابہ نے کیا اور نہ ہی ہمارے اس زمانے علماء نے کیا ہے، اور سیدنا عمر نے کہا: کمائی کے اندر اگر کچھ رسوائی بھی ہو تو یہ لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور کمائیوں میں اصل اطلاق ہے، جس کا صحیح (حلال) ہونا واضح ہو وہ مطلق ہے)۔

جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " وَأَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ إِلَى أُذُنَيْهِ، إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ

مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ".

ترجمہ: سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اشارہ کیا نعمان نے اپنی انگلیوں سے دونوں کانوں کی طرف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "مقرر حلال کھلا ہے اور حرام بھی کھلا لیکن حلال وحرام کے درمیان ایسی چیزیں ہیں جو دونوں سے ملتی ہیں یعنی اس میں شبہ ہے ان کو بہت لوگ نہیں جانتے تو جو شبہوں سے بچا وہ اپنے دین اور آبرو کو سلامت لے گیا اور جو شبہوں میں پڑا وہ آخر حرام میں بھی پڑا جیسے وہ چرانے والا کہ چراگاہ یعنی روکی ہوئی زمین کے آس پاس چراتا ہے اس کے جانور چراگاہ کو بھی چر جائیں گے۔ خبردار رہو ہر بادشاہ کا ایک چراگاہ ہوتا ہے خبردار رہو اللہ تعالیٰ کا چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں جان رکھو بیشک بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ سنور گیا تو سارا بدن سنور گیا اور جو وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا یاد رکھو وہ ٹکڑا دل ہے۔" (صحیح مسلم: ۱۵۹۹)۔

چنانچہ جو واضح طور پر حلال ہوگا اسے لیا جائے گا کیوں کہ معاملات میں اصل اباحت ہے الا یہ کہ اسکا حرام ہونا ثابت ہو جائے اسی طرح جو واضح طور پر حرام ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ**) ترجمہ: تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ (المائدہ: ۳)۔

اسی طرح جوا اور شراب بھی واضح طور پر حرام ہے اسی طرح چوری، ڈاکہ اور باچک طریقے سے لوگوں کا مال کھانا بھی حرام ہے جو کہ بالکل واضح ہے۔

اور مشتبہ مال وہ ہے جس کے بارے میں دلائل کے متعارض ہونے کی وجہ سے یہ پتہ نہ ہو کہ وہ حلال ہے یا حرام، تو ایسی صورت میں توقف اختیار کیا جائے گا یہاں تک کہ واضح ہو جائے، یہی وہ قاعدہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے اور یہ قاعدہ بہت ہی واضح ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (الا کہ اسکا فساد (حرام) ہونا ظاہر ہو جائے، اور اگر وہ فاسد (حرام) ہوتو جان بچانے کی خاطر اسے لے سکتے ہیں)۔

یہ اضطراری حالت ہے، یعنی ایک انسان کو جب اپنی جان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں جان بچانے کیلئے کھا سکتا ہے گر چہ وہ دوسرے کا مال ہے اور گر چہ وہ حرام ہو، اور گر چہ وہ مردار ہی کیوں نہ ہو، بقدر ضرورت اس سے کھا سکتا ہے، تا کہ اسکی جان نہ جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ**) ترجمہ: اس نے تو تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز حرام کی ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے، پھر جو مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(البقرہ: ۱۷۳)۔

چنانچہ اسی مقدار میں جتنے میں جان باقی رہے کھا سکتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ**) ترجمہ: بلا شبہ اس نے تمھارے لیے وہ چیزیں کھول کر بیان کر دی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں، مگر جس کی طرف تم مجبور کر دیے جاؤ۔ (الانعام: ۱۱۹)۔

پتہ چلا کہ اگر اضطراری حالت ہے تو اس وقت کوئی حرام نہیں ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یہ نہ کہو: کمائیوں کو چھوڑ کر جولوگ دیں گے اسی کو لے لوں گا)۔

بعض لوگ ایسا کہتے ہیں کہ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے، میں عبادت اور طلب علم میں مشغول ہوں، لوگ مجھے دیں گے، یہ جائز نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ آپ اس قدر روزی کی تلاش کیلئے نکلیں اور کمائیں جتنا آپ کیلئے اور آپ کی بیوی بچوں کیلئے کافی ہو، اور یہ بھی عبادت میں شامل ہے، بیٹھ کر لوگوں کا صدقہ نہ کھاؤ، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُولِي**

الْأَلْبَابِ) ترجمہ: اور زادراہ لے لو کہ بے شک زادراہ کی سب سے بہتر خوبی (سوال سے) بچنا ہے اور مجھ سے ڈرو اے عقلوں والو! (البقرہ: ۱۹۷)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایسا نہ تو صحابہ نے کیا اور نہ ہی ہمارے اس زمانے علماء نے کیا ہے)۔

یعنی گھر بیٹھ کر لوگوں کے صدقے کا انتظار نہ تو صحابہ نے کبھی کیا جو کہ اس امت میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھے، بلکہ وہ کام کرتے تھے، ان کچھ کسان تھے، کچھ تاجر تھے جیسے ابو بکر، زبیر بن العوام، عبدالرحمن بن عوف اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم، یہ افضل صحابہ تھے جو تجارت کرتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے، انہوں نے طلب رزق کو نہیں چھوڑا، ابو بکر رضی اللہ عنہ مکہ میں بھی تجارت کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے تھے، مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے، ستائے جانے والے غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تھے، آپ نے کبھی بھی کمانا نہیں چھوڑا اور یہ کبھی نہیں کہا کہ میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت کروں گا کیونکہ میں صحابی ہوں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور سیدنا عمر نے کہا: کمائی کے اندر اگر کچھ رسوائی بھی ہو تو یہ لوگوں سے سوال کرنے سے بہتر ہے)۔

جیسے کہ حجامت کی کمائی، اگر آپ یہ کام کرتے ہیں اور کما کر اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں تو یہ مانگنے سے بہتر ہے۔

{124} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والصلوات الخمس جائزة خلف من صليت خلفه، إلا أن يكون جهميا، فإنه معطل، وإن صليت خلفه فأعد صلاتك، وإن كان إمامك يوم الجمعة جهميا، وهو سلطان فصل خلفه، وأعد صلاتك، وإن كان إمامك من السلطان وغيره صاحب سنة، فصل خلفه ولا تعد صلاتك.

ترجمہ: آپ نے پانچوں اوقات کی نماز جس کے بھی پیچھے پڑھی وہ جائز ہے سوائے جہمی کے؛ کیونکہ وہ معطل ہوتا ہے، اگر اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو اسکا اعادہ کیجئے، اور اگر جمعہ کے دن آپ کا امام جہمی ہے اور وہی حاکم ہے، تو اسکے پیچھے نماز پڑھ لو، پھر اعادہ کرلو، لیکن اگر نماز پڑھانے والا حاکم اہل سنت ہے تو اسکے پیچھے نماز پڑھو اور اعادہ نہ کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (آپ نے پانچوں اوقات کی نماز جس کے بھی پیچھے پڑھی وہ جائز ہے)۔

یہ نماز میں امامت کا مسئلہ ہے کہ کس کی امامت جائز ہے اور کس کی نہیں؟

پہلی چیز: اگر امام ہی حاکم ہو تو ایسی صورت میں اسکے پیچھے نماز پڑھی جائے گی اسلئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، تا کہ آپس میں اختلاف نہ ہو، چنانچہ اگر اسکا گناہ کفر تک نہیں پہونچتا ہے تو اتحاد کی خاطر اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے گی بطور خاص جمعہ اور عید کی نماز، اسی طرح فرائض، ہاں اگر حاکم جہمی ہے تو ایسی صورت میں نماز پڑھ لیں مگر اعادہ کرلیں۔

دوسری چیز: اگر فاسق امام حاکم نہیں ہے تو ایسے امام کے تعلق سے علماء کی دو رائے ہے:

پہلی رائے: جو لوگ عدالت کی شرط لگاتے ہیں انکے یہاں فاسق شخص کی امامت درست

نہیں ہے اسلئے اسے امام نہیں بنایا جائے گا اور نہ ہی اسکے پیچھے نماز پڑھی جائے گی۔

دوسری رائے: جن لوگوں کے نزدیک عدالت شرط نہیں ہے تو اگر کوئی مسلمان ہے تو اسکے پیچھے نماز پڑھی جائے گی گرچہ وہ فاسق ہے بس کفر کا ارتکاب نہ کرے۔

❁❁❁

{125} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والإيمان بأن أبا بكر وعمر في حجرة عائشة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قد دفنا هنالك معه فإذا أتيت القبر فالتسليم عليهما واجب بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور اس بات پر ایمان لانا کہ حجرہ عائشہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابو بکر اور عمر بھی مدفون ہیں، اسلئے قبر کے پاس جب آپ آئیں تو رسول اللہ ﷺ کے بعد ان دونوں پر بھی سلام بھیجیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس بات پر ایمان لانا کہ حجرہ عائشہ کے اندر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابو بکر اور عمر بھی مدفون ہیں)۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو لوگوں میں اختلاف ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے؟ صحابہ کے ساتھ بقیع میں یا پھر کہیں اور؟ اس وقت کسی نے یہ حدیث سنائی کہ نبی کی جہاں وفات ہوتی ہے وہیں اسے دفن کیا جاتا ہے۔اس طرح معاملہ حل ہوگیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی بستر کے نیچے دفن کر دیا گیا گیا جس بستر پر وفات ہوئی تھی، یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں۔

دوسرا پہلو یہ کہ اگر بقیع میں دفن کر دیا جاتا اور وہاں لوگوں کی بھیڑ ہو جاتی، چنانچہ اس بھیڑ سے بچنے کیلئے اور آپ کی حفاظت کی خاطر حجرے ہی میں دفن کر دیا گیا، اسی لئے قبروں کے تعلق سے غلو والی حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے: (اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کی قبر کو اونچی کر دی جاتی مگر ڈر تھا کہ کہیں لوگ اسے سجدہ گاہ نہ بنالیں)۔(صحیح مسلم:۵۲۹)۔

اس طرح سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گھر میں دفن کرنے کی حکمت بیان کر دی، اور یہ گھر مسجد سے باہر تھا، یہاں تک کہ ولید بن عبد الملک نے جب مسجد میں توسیع کی تو اس گھر کو بھی مسجد میں شامل کرلیا، اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی، اور آج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر حجرے میں ہے نہ کہ مسجد میں۔

اور جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو آپ کو بھی اسی گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف دفن کر دیا گیا، آپ کی عزت اور خصوصیات کی بنیاد پر، اور چونکہ دنیا میں آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہتے تھے، اسلئے آپ کے ساتھ دفن بھی کیا گیا۔

اسکے بعد جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اس وقت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ اس گھر میں انہیں خود اپنے شوہر اور والد کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہیں پر دفن ہونے کیلئے اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دے دی۔

چنانچہ اس حجرے میں قبلے کی طرف پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے، پھر اسکے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پھر اسکے بعد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بقیع میں دفن کیا گیا۔

اسی طرح ایمان لانا واجب ہے اور اسکی معرفت بھی ضروری ہے تاکہ تینوں کی قبروں پر سلام پڑھ سکیں، اور زیارت کرنے میں آسانی ہو، یعنی وہاں جا کر پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر سلام پڑھیں گے پھر صاحبین پر سلام پڑھیں گے تاکہ سلام اور زیارت دونوں کا اجر حاصل ہو جائے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے قبر کے پاس جب آپ آئیں تو رسول اللہ ﷺ کے بعد ان دونوں پر بھی سلام بھیجیں)۔

تینوں کہاں دفن ہیں اوکی جانکاری کا یہی فائدہ ہے کہ آپ جب وہاں جائیں تو ان پر سلام پڑھ سکیں اور زیارت کا ثواب حاصل کرسکیں۔

اور یہ زیارت صرف سلام پڑھنے اور صاحبین کے حق میں دعا واستغفار کرنے کی خاطر ہوگی، نہ کہ وہاں پر غلط کرنے، برکت طلب کرنے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاجات طلب کرنے کیلئے جیسا کہ صوفی بدعتی خرافاتی قسم کے لوگ کرتے ہیں، اور اپنے اعمال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچاتے ہیں، حالانکہ وہاں صرف درود وسلام بھیجنا ہے، اور یہ صرف انہیں کیلئے سنت ہے جو مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے آئیں خواہ وہ مدینہ کے ہوں یا پھر دوسرے شہر سے مسجد نبوی کی زیارت کرنے آئے ہوں، ایسے لوگوں کیلئے مشروع یہی ہے کہ وہ جب مسجد میں آئیں گے اسی وقت سلام پڑھیں گے پھر بار بار جانا درست نہیں ہے، اسلئے کہ صحابہ نے ایسا نہیں کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہ میری قبر کو عید مت بناؤ۔ یعنی اس پر بار بار مت آؤ۔ کیونکہ عید کا مطلب یہی ہے کہ کسی کام کو بار بار کرنا۔

اگر کوئی ایک ہی سفر میں بار بار جاتا ہے تو یہ بدعت ہے، بلکہ شرک کا وسیلہ ہے، کیونکہ اس سے عید بنانا لازم آتا ہے، اسی لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما جب سفر سے واپس آتے تو قبر نبوی پر جاتے اور سامنے کھڑے ہو کر کہتے: (السلام علیک یا رسول اللہ، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)۔ پھر مشرق کی طرف تھوڑا ہٹ کر کہتے: (السلام علیک یا ابا بکر، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)، پھر دائیں جانب تھوڑا ہٹ کر کہتے: (السلام علیک یا عمر بن خطاب، ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)، پھر وہاں سے چلے جاتے۔ اور اگر دعا کرنا چاہتے تو تھوڑا دور ہٹ کر قبلہ رو ہوتے پھر اللہ سے دعا کرتے، دعا کرتے وقت آپ قبر کی طرف رخ نہیں کرتے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرتے۔

❁❁❁

{126} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر واجب، إلا من خفت سيفه أو عصاه.

ترجمہ: اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا فریضہ واجب ہے، مگر آپ جس کی تلوار یا لاٹھی سے ڈر جائیں۔

الشرح:

اس فریضے کے تعلق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: (**مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ**) ترجمہ: جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار رہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔ (صحیح مسلم: ۴۹)۔

اور جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے: (**كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ**) ترجمہ: تم سب سے بہتر امت چلے آئے ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں سے کچھ مومن ہیں اور ان کے اکثر نافرمان ہیں۔ (آل عمران: ۱۱۰)۔

اور جیسا کہ ایک دوسری جگہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: (**وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**) ترجمہ:

اور لازم ہے کہ تمھاری صورت میں ایک ایسی جماعت ہو جو نیکی کی طرف دعوت دیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔ (آل عمران: ۱۰۴)۔

اور جیسا کہ ایک دوسری جگہ فرمایا: (**وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ**) ترجمہ: اور مومن مرد اور مومن عورتیں، ان کے بعض بعض کے دوست ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں ۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ ضرور رحم کرے گا، بے شک اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے ۔ (التوبہ: ۷۱)۔

برخلاف منافقین کے جو برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ**) ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں، ان کے بعض بعض سے ہیں، وہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں ۔ (التوبہ: ۶۷)۔

یہاں پر ہاتھ بندم رکھنے سے مراد یہ ہیکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، کیونکہ وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے، وہ ہر چیز سے زیادہ مال سے محبت کرتے ہیں، برخلاف مومنوں کے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ساتھ ہی بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں، تاکہ دین قائم ہو اور معاشرہ فساد سے پاک رہے ۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی کہے کہ مجھے صرف اپنی ذات سے مطلب ہے دوسروں کی مجھے کوئی فکر نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرے جہاں تک اس سے ممکن ہو، کیونکہ یہی لوگوں کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب ہے، اور اسی لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ہر

ایک پر واجب ہے، چنانچہ اگر کسی کے اندر کوتاہی دیکھیں تو اسے معروف کا حکم دیں، اور اگر کسی کو غلطی کا ارتکاب کرتے دیکھیں تو اسے روکیں، اور تنبیہ کریں، اسے ہلاک ہونے کیلئے نہ چھوڑ دیں، اور ان منافقین اور شر پسندوں کی طرح نہ کہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام لوگوں کے معاملات میں مداخلت ہے، جیسا کہ اس وقت اخبارات اور میڈیا میں مشہور کیا جا رہا ہے، یہ سب منافقین اور اہل باطل کا کلام ہے، اہل ایمان اسے اپنے مسلمانوں بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی سمجھتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) ترجمہ: اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔ (العصر: ۳)۔

اور لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: (يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ)
ترجمہ: اے میرے چھوٹے بیٹے! نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور اس (مصیبت) پر صبر کر جو تجھے پہنچے، یقیناً یہ ہمت کے کاموں سے ہے۔ (لقمان: ۱۷)۔

آپ دیکھیں گے یہ آیت پورے طور پر سورہ عصر کی طرح ہے بایں طور کہ ایک مسلمان لوگوں کو بھلائی کا حکم دے اور برائی دے روکے، اور اس راہ میں آنے والی تکلیفوں پر صبر کرے، اور عند اللہ اسکے اجر کی امید رکھے۔

اور یہ معلوم ہے کہ اکثر لوگوں پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ بھاری لگتا ہے، یہ لوگ اس فریضے کو انجام دینے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، انکی غیبت اور ان پر سب وشتم کرتے ہیں، مگر وہ اطاعت الٰہی اور خیر خواہی سمجھ کر صبر سے کام لیتے ہیں، اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ خیر خواہی یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے بھائی کو برائی کرتے ہوئے چھوڑ دیں اور انہیں رہنمائی نہ کریں، یہ ان کے حق میں کوتاہی ہے، جبکہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا يُؤْمِنُ

أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ، أَوْ قَالَ لِجَارِهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی تم میں سے مؤمن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی یا ہمسایہ کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔" (صحیح مسلم: ۴۵)۔

چنانچہ اگر آپ اپنے لئے خیر اور نجات چاہتے ہیں تو اسی طرح اپنے بھائی کیلئے بھی چاہنا ہوگا، اسے بھی خیر کا حکم دیں اور نصیحت کریں اسی طریقے سے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرنے کا حکم دیا ہے؛ چنانچہ اگر وہ ہاتھ سے منکر کو مٹا سکتا ہے جیسے کہ حاکم یا جس کے ہاتھ میں اقتدار ہو، اسی طرح گھر کا مالک جس کا اختیار گھر والوں پر ہوتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ**) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔ (التحریم: ٦)۔

لیکن اگر آپ کو عام یا خاص کوئی طاقت اور اقتدار حاصل نہ ہو تو پھر آپ زبان سے روکیں گے، ذمہ داران تک اس مسئلے کو پہنچائیں گے۔

اور اگر زبان سے بھی نکیر کرنے کی استطاعت نہیں ہے جیسے کہ آپ کو بولنے سے روک دیا گیا ہو، تو ایسی صورت میں اس منکر کو آپ دل سے برا سمجھیں گے، اور اس جگہ کو چھوڑ دیں گے، اور اہل منکر سے دور ہو جائیں گے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے یہ مراتب ہیں جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے کہ اللہ سے ڈرو جتنا استطاعت ہو۔ (التغابن: ١٦)۔ اور مزید فرمایا کہ اللہ کسی کو اتنا ہی مکلف بناتا ہے جتنی کی اسے طاقت ہوتی ہے۔ (البقرہ: ٢٨٦)۔

ان مراتب کے حساب سے اگر آپ نے منکر پر نکیر کی ہے تو آپ محفوظ اور بری الذمہ ہیں، لیکن

اگر آپ نے منکر پر نکیر نہیں کی نہ ہاتھ سے، نہ زبان سے اور نہ ہی دل سے، تو یہ عدم ایمان پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اسی حدیث کے آخر میں آیا ہے کہ اسکے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہوگا۔

چنانچہ جو دل سے بھی برائی کو برائی نہ سمجھے تو اس کے پاس ایمان نہیں ہوگا، اسلئے انکار منکر ضروری ہے مگر اسی طریقے سے جس کی طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی کی ہے، اس ہدایت نبوی کو چھوڑ کر کوئی اس آیت سے استدلال نہیں کرسکتا جس میں اللہ نے فرمایا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کا بچاؤ لازم ہے، تمھیں وہ شخص نقصان نہیں پہنچائے گا جو گمراہ ہے، جب تم ہدایت پاچکے۔ (المائدہ:۱۰۵)۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انکار منکر ضروری نہیں ہے اور اگر انسان خود صحیح راہ پر ہے تو اسے دوسرے کی پرواہ کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ہی اس پر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ واجب ہے، جبکہ یہ کتاب وسنت کے خلاف ہے، آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی ہے، جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا تھا: (كَلَّا وَاللَّهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدَيِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا) ترجمہ: ہرگز ایسا نہیں، قسم اللہ کی! تم ضرور اچھی باتوں کا حکم دو گے، بری باتوں سے روکو گے، ظالم کے ہاتھ پکڑو گے، اور اسے حق کی طرف موڑے رکھو گے اور حق وانصاف ہی پر اسے قائم رکھو گے" یعنی زبردستی اسے اس پر مجبور کرتے رہو گے۔ (سنن ابی داود:۴۳۳۶)۔

چنانچہ آیت کا مطلب یہ ہیکہ اگر آپ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے دیا اور لوگوں نے آپ کی بات نہیں سنی تو پھر آپ اپنی ذمیداریوں سے بری الذمہ ہو گئے اب آپ صرف اپنی پرواہ کیجئے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ نہ رہیئے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (مگر آپ جس کی تلوار یا لاٹھی سے ڈر جائیں)۔

یعنی منکر پر نکیر کرنے کی وجہ سے قتل ہونے کا ڈر ہو یا مارے جانے کا خوف ہو تو ایسی صورت میں دوسرے مرتبے کی طرف منتقل ہو جائیں یعنی زبان سے روکنا، اور اگر زبان سے روکنے پر بھی خوف ہو تو پھر تیسرے مرتبے کی طرف منتقل ہو جائیں یعنی دل میں برا سمجھیں، کیونکہ دل کی بات صرف اللہ جانتا ہے۔

{127} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والتسليم على عباد الله أجمعين.

ترجمہ: اور اللہ کے تمام بندوں سے سلام کرو۔

الشرح:

مسلمانوں کا ایک دوسرے پر یہ حق ہے کہ آپس میں سلام پھیلائیں، ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا) ترجمہ: اور جب تمھیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی سلامتی کی دعا دو، یا جواب میں وہی کہہ دو۔ بے شک اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کا پورا حساب کرنے والا ہے۔(النساء:۸۶)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً) ترجمہ: پھر جب تم کسی طرح کے گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کہو، زندہ سلامت رہنے کی دعا جو اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی بابرکت، پاکیزہ ہے۔(النور:۶۱)۔

یعنی مسلمان ایک دوسرے کو سلام کریں کیونکہ مومنین آپس میں ایک جسم کی مانند ہیں، اور جنت میں مومنوں جب اللہ سے ملاقات کریں گے تو انکا تحیہ سلام ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے:(تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامٌ وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا) ترجمہ: ان کی دعا، جس دن وہ اس سے ملیں گے، سلام ہوگی اور اس نے ان کے لیے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب:۴۴)۔

اللہ بھی انکو سلام پیش کرے گا جسے وہ سنیں گے اور اسکا جواب دیتے ہوئے کہیں گے: اللھم انت السلام ومنک السلام۔ اسی طرح جنت میں مومنین ایک دوسرے کو سلام پیش کریں گے، جس طرح کہ دنیا میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔

اور سلام کو پھیلانا اور اسے عام کرنا دخول جنت کا سبب بتایا گیا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر

وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، انْجَفَلَ النَّاسُ إِلَيْهِ، وَقِيلَ: قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ وَجْهَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ، فَكَانَ أَوَّلَ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ: " يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے تو لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے، اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے ہیں، تو لوگوں کے ساتھ آپ کو دیکھنے کے لیے میں بھی آیا، جب میں نے کوشش کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھا، تو پہچان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے، پہلی بات آپ نے جو کہی وہ یہ تھی کہ "لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، اور رات کو نماز پڑھو، جب کہ لوگ سوئے ہوں، تب تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے"۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۴)۔

سلام عام کرنے کا مطلب مسلمانوں کیلئے سلامتی کی دعا کرنا ہے، اور ایک معنی کے اعتبار سے اللہ کے نام کو مراد لیا گیا ہے؛ کیونکہ اللہ کے ناموں میں ایک نام السلام بھی ہے، بہر حال ہر اعتبار سے یہ ایک عظیم کلمہ ہے جسے مسلمانوں کے اندر عام کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا أَوَلَا، أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم

بہشت میں نہ جاؤ گے۔ جب تک ایمان نہ لاؤ گے اور ایماندار نہ بنو گے۔ جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ رکھو گے اور میں تم کو وہ چیز نہ بتلا دوں جب تم اس کو کرو تو تم آپس میں محبت کرنے لگو، سلام کو آپس میں رائج کرو۔" (صحیح مسلم: ۵۴)۔

دراصل آپس میں سلام کرنے سے محبت پیدا ہوتی ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان آپ کے پاس سے گزرے اور سلام نہ کرے تو آپ کو اچھا محسوس نہیں ہوگا، وہ یہی سوچیں گے کہ آخر اس نے مجھ سے سلام کیوں نہیں کیا؟ اور اگر آپ سے سلام کرلے تو وہ شبہہ دور ہو جائے گا اور آپ اس سے مانوس ہو جائیں گے، بلکہ اس کے تئیں آپ کے دل میں محبت پیدا ہو جائے گی، جیسا کہ حدیث کے اندر بتایا گیا۔

چنانچہ سلام کا بہت بڑا اثر ہے، خوش آمدید اور صبح بخیر کہنا صرف کافی نہیں ہے، بلکہ اس طرح کے کلمات سلام کے تابع ہیں، اسی طرح صرف ہاتھ کا اشارہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ تو یہودیوں کا سلام ہے، ہاں اگر سلام کرنے والا دور ہے تو ہاتھوں سے اشارہ کرسکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ ساتھ میں زبانی سلام بھی پیش کرے اور ہاتھ سے اشارہ کرے تاکہ سامنے والے کو سمجھ میں آجائے کہ آپ سلام کر رہے ہیں، اور وہ آپ کے سلام کا جواب دے دے۔

{128} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن ترك صلاة الجمعة والجماعة في المسجد من غير عذر فهو مبتدع، والعذر كمرض لا طاقة له بالخروج إلى المسجد، أو خوف من سلطان ظالم، وما سوى ذلك فلا عذر له.

ترجمہ: اور جس نے بغیر کسی عذر کے مسجد کے اندر جمعہ اور جماعت کو ترک کر دیا تو وہ بدعتی ہوگا، اور عذر اس بیماری کی طرح ہے جس کی وجہ سے مسجد نہیں جاسکتے، یا ظالم حاکم کا خوف ہو، اگر اس کے علاوہ کوئی وجہ ہے تو وہ عذر نہیں ہوگا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جس نے بغیر کسی عذر کے مسجد کے اندر جمعہ اور جماعت کو ترک کر دیا تو وہ بدعتی ہوگا)۔

کیونکہ وہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو جائے گا، اور یہ بدعت ہے، جبکہ جمعہ کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، اسلئے ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ جمعہ اور جماعت کیلئے مسجد میں حاضر ہو، اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ نہ رہے، ویسے بھی جماعت چھوڑنا گناہ ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ، قَالُوا: وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ: خَوْفٌ أَوْ مَرَضٌ، لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص اذان کی آواز سنے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے اسے کوئی عذر مانع نہ ہو (لوگوں نے عرض کیا:

عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: خوف یا بیماری) تو اس کی نماز جو اس نے پڑھی قبول نہ ہوگی"۔(سنن ابی داود:۵۵۱)۔

اسی طرح ایک نابینا شخص کو جو اذان کی آواز سنتا تھا اسے بھی حاضر ہونے کیلئے کہا گیا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: "أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَجُلٌ أَعْمَى، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّهُ لَيْسَ لِي قَائِدٌ يَقُودُنِي إِلَى الْمَسْجِدِ، فَسَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ يُرَخِّصَ لَهُ فَيُصَلِّيَ فِي بَيْتِهِ، فَرَخَّصَ لَهُ، فَلَمَّا وَلَّى، دَعَاهُ، فَقَالَ: "هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَأَجِبْ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی کھینچ کر مسجد تک لانے والا نہیں اور اس نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو گھر میں نماز پڑھ لیا کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دیدی۔ پھر جب لوٹ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اذان سنتے ہو؟" اس نے عرض کی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم مسجد آیا کرو۔" (صحیح مسلم:۶۵۳)۔

چنانچہ جو اذان سنے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں حاضر ہو، بلا عذر اگر اسی نماز درست نہیں ہوگی، اس سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شرعی عذر نہیں ہے تو اس شخص پر جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنا واجب ہے جو اذان کو سنے، اسی لئے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے تھے: (**مَنْ سَرَّهُ، أَنْ يَلْقَى اللَّهَ غَدًا مُسْلِمًا، فَلْيُحَافِظْ عَلَى هَؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ، حَيْثُ يُنَادَى بِهِنَّ، فَإِنَّ اللَّهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى، وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ، كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ، لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، لَضَلَلْتُمْ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ**

الطُّهُورَ، ثُمَّ يَعْمِدُ إِلَى مَسْجِدٍ مِنْ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ، إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا حَسَنَةً، وَيَرْفَعُهُ بِهَا دَرَجَةً، وَيَحُطُّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً، وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا، إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ، وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَى بِهِ، يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، حَتَّى يُقَامَ فِي الصَّفِّ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس کو خوش لگے کہ اللہ سے ملاقات کرے قیامت کے دن مسلمان ہو کر تو ضروری ہے کہ ان نمازوں کی حفاظت کرے جہاں اذان ہوتی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے طریقے مقرر کر دیئے اور یہ نمازیں بھی انہیں میں سے ہیں۔ اگر تم ان کو گھر میں پڑھو جیسے فلاں جماعت کا چھوڑنے والا اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو بے شک تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑ دیا۔ اور اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ چھوڑا تو بے شک تم گمراہ ہو گئے اور کوئی ایسا نہیں ہے کہ طہارت کرے اور اچھی طہارت کرے۔ پھر ان مسجدوں میں سے کسی مسجد کا ارادہ کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر کہ وہ رکھتا ہے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک بدی گھٹاتا ہے اور ہم اپنے تئیں ایسا دیکھتے تھے کہ جماعت سے غیر حاضر نہیں ہوتا تھا مگر منافق جس کا نفاق کھلا ہوتا تھا اور آدمی دو شخصوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر چلایا جاتا تھا یہاں تک کہ صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴)۔

جماعت والی نمازوں کے ساتھ صحابہ کا یہی معاملہ تھا، یہاں تک کہ اگر کوئی مریض ہوتا اور وہ چلنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے دو آدمی پکڑ کر لے جاتے اور صف میں کھڑا کر دیتے تھے، کیونکہ انہیں جماعت کی اہمیت اور اسکے وجوب کا علم تھا۔

اسی طرح جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کو منافق کہا گیا ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ أَثْقَلَ

صَلَاةٍ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ، وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَتُقَامَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، ثُمَّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِنْ حَطَبٍ إِلَى قَوْمٍ، لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنَّارِ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نماز عشاء اور فجر منافقوں پر بہت بھاری ہے۔ اگر اس اجر کا اجر جانتے تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے۔ اور میں نے تو ارادہ کیا کہ نماز کا حکم دوں کہ قائم کی جائے اور ایک شخص کو کہوں کہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر چند لوگوں کو ساتھ لے کر جاؤں کہ ایک ڈھیر لکڑیوں کا لے کر جو لوگ نماز میں نہیں آتے ان کے گھروں کو جلا دوں۔" (صحیح مسلم: ۶۵۱)۔

اور اللہ تعالی نے ان لوگوں کے ایمان کی گواہی دی ہے جو مسجدوں کو آباد کرتے ہیں چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ)

ترجمہ: اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا۔ تو یہ لوگ امید ہے کہ ہدایت پانے والوں سے ہوں گے۔ (التوبہ: ۱۸)۔

چنانچہ جماعت کا معاملہ بہت عظیم ہے، اس میں کوتاہی مناسب نہیں، اور ایسے لوگوں کی طرف توجہ نہیں دینا چاہئے جو اس معاملے کو لیکر جماعت کی پابندی کرنے والوں کو پست ہمت بناتے ہیں، ایسے لوگوں سے سوال کیا جائے کہ اگر جماعت واجب نہیں ہے تو پھر مساجد کی تعمیر کیوں کی جاتی ہے؟ اور انکے اوپر نیز موذنین اور ائمہ کے اوپر پیسے خرچ کیوں کئے جاتے ہیں؟ کیا محض سنت کی وجہ سے؟ نہیں، بلکہ اس لئے کہ جماعت واجب ہے، چنانچہ اس پہلو پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے، اور ان

لوگوں کی باتوں کی طرف بالکل توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے جو جماعت کو سنت سمجھ کر اسکی اہمیت کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر کسی نے کسی عذر کی بنا پر جمعہ کی نماز چھوڑ دی)۔

اس تعلق سے یہ حدیث معروف ہے:

عَنْ أَبِي الْجَعْدِ يَعْنِي الضَّمْرِيَّ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ فِيمَا زَعَمَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قَلْبِهِ ".

ترجمہ: ابوالجعد ضمری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو جمعہ تین بار سستی سے حقیر جان کر چھوڑ دے گا تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا"۔ (سنن ترمذی: ۵۰۰)۔

اسی طرح یہ حدیث بھی معروف ہے:

عن الْحَكَمُ بْنُ مِينَاءَ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ وَأَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَاهُ، أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ: "لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ، عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ، أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ، ثُمَّ لَيَكُونُنَّ مِنَ الْغَافِلِينَ ".

ترجمہ: حکم بن میناء سے سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فرماتے تھے اپنے منبر کی لکڑیوں پر کہ لوگ جمعہ کو چھوڑ دینے سے باز آجائیں، نہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا کہ وہ غافلوں میں سے ہو جائیں گے۔" (صحیح مسلم: ۸۶۵)۔

شرعی عذر میں خوف اور مرض شامل ہے، اور مرض سے مراد ایسا مرض ہے جسکی بنیاد پر آدمی مسجد جانے کی طاقت نہ رکھے، یا پھر مرض بڑھنے کا خدشہ ہو، یا کسی دشمن کا خوف ہو یا درندے کا خوف ہو، اور یہ

خوف حقیقی ہو نہ کی بز دلی ، یعنی راستے میں کسی دشمن یا درندے کا خطرہ ہو، ایسی صورت میں اسکے لئے جائز ہوگا کہ وہ گھر میں نماز پڑھ لے، مگر وہ پر امن اور صحت یاب ہو اسکے لئے کوئی عذر نہیں ہے۔

{129} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن صلى خلف إمام فلم يقتد به فلا صلاة له.

{130} والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر باليد واللسان والقلب، بلا سيف.

ترجمہ: اور جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے مگر اسکی اقتدا نہ کرے تو اسکی نماز نہیں ہوگی۔
اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہاتھ، زبان اور دل سے ہوگا نہ کہ تلوار سے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے مگر اسکی اقتدا نہ کرے تو اسکی نماز نہیں ہوگی)۔

کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مخالفت کی ہے: (بیشک امام کو اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اسکی اقتداء کی جائے)، اور اس وقت گمراہ اور تکفیری مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ہیں، اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو جماعت نہیں انفرادی نیت کرتے ہیں، یہ نئی بدعت ہے، لہذا آپ مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھیں اور انکے ساتھ اچھا گمان رکھیں، ائمہ مساجد کے ساتھ بدگمانی نہ رکھیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہاتھ، زبان اور دل سے ہوگا نہ کہ تلوار سے)۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کے وجوب پر گفتگو گزر چکی ہے کہ یہ ہے شخص پر حسب استطاعت واجب ہے، مگر یہاں پر مولف رحمہ اللہ نے کہا کہ (بغیر تلوار کے) یعنی حاکم وقت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائیں گے، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ کا مذہب ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نام

پر حاکم وقت کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حاکم اگر فاسق ہو تو اس پر نکیر کے نام پر خروج ضروری ہے جبکہ یہ خود منکر ہے، کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت پائی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے فساد عظیم اختلاف و انتشار اور قتل وخونریزی کے عوم ہونے کا قوی امکان ہے، اسلئے کہ حاکم اگر معصیت اور مخالفت کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ صرف اسی تک محدود رہتا ہے لیکن اسکے خلاف خروج و بغاوت کرنے کا نقصان عام مسلمانوں پر مرتب ہوتا ہے، حالانکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نام پر خروج و بغاوت معتزلہ اور خوارج کا مذہب ہے، اور معتزلہ کے پانچ اصول ہیں:

پہلا اصول: امر بالمعروف ونہی عن المنکر، اس سے یہ حکام کے خلاف خروج و بغاوت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے۔

دوسرا اصول: توحید، اس سے مراد اسماء وصفات کا انکار ہے؛ اسلئے کہ ان کے یہاں اسماء و صفات کا اثبات شرک ہے۔

تیسرا اصول: عدل، اس سے مراد انکار تقدیر ہے، کہتے ہیں کہ اگر اللہ کسی کے حق میں معصیت کو مقدر کردے تو یہ اسکے حق میں ظلم ہوگا اور اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

چوتھا اصول: منزلہ بین المنزلتین، اس سے مراد یہ ہیکہ مرتکب کبیرہ کو نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی مسلم، بلکہ وہ دونوں کے درمیان ہوگا۔

پانچواں اصول: وعید کی تنفیذ، یعنی مرتکب کبیرہ کی تکفیر کرنا۔

❁❁❁

{131} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والمستور من المسلمين من لم تظهر له ريبة.

ترجمہ: اور مجہول الحال مسلمان وہ ہے جس پر کبھی شک کا اظہار نہ ہوا ہو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور مجہول الحال مسلمان وہ ہے جس پر کبھی شک کا اظہار نہ ہوا ہو)۔

مسلمان کے اندر اصل اس کا عادل ہونا ہے، اسلئے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن رکھیں،

ارشاد باری تعالی ہے: (**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ**) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کرو اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے، جب کہ وہ مردہ ہو، سو تم اسے نا پسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (الحجرات: ۱۲)۔

اور اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بچو تم بدگمانی سے کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے اور مت کان لگاؤ کسی کی باتوں پر اور مت ٹوہ لگاؤ اور مت رشک کرو (دنیا میں لیکن دین میں درست ہے) اور مت حسد کرو اور مت بغض رکھو اور مت دشمنی کرو اور رہو جاؤ

اللہ کے بندے بھائی بھائی ۔"(صحیح مسلم: ۲۵۶۳)۔

یعنی سوء ظن سے اللہ کی پناہ مانگئے اور اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حسن ظن رکھئے، اور اگر کوئی ملاحظہ یا غلطی دیکھیں تو نصیحت کریں اور اس غلطی کو چھپا کر رکھیں عام نہ کریں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عبد الله بن عمر ، أَنّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان بھائی ہے مسلمان کا نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو تباہی میں ڈالے، جو شخص اپنے بھائی کے کام میں رہے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام میں رہے گا اور جو شخص کسی مسلمان پر سے کوئی مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر سے قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا اور جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"(صحیح مسلم: ۲۵۸۰)۔

❁❁❁

{132} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكل علم ادعاه العباد من علم الباطن لم يوجد في الكتاب والسنة فهو بدعة وضلالة، ولا ينبغي لأحد أن يعمل به، ولا يدعو إليه.

ترجمہ: اور ہر وہ علم جس کا دعوی لوگ علم باطن سے کریں اور وہ کتاب وسنت میں موجود نہ ہو تو وہ بدعت اور گمراہی ہے، کسی کیلئے مناسب نہیں کہ اس پر عمل کرے اور اسکی طرف دعوت دے۔

الشرح:

علم باطن کا دعوی اسماعیلیہ فرقے باطنیہ اور اس طرح کے دوسرے لوگ کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ نصوص کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، باطنی معنی کو صرف خاص لوگ ہی جانتے ہیں، جبکہ ظاہری معنی عام لوگ بھی جانتے ہیں، مثلا یہ لوگ کہتے ہیں کہ صلاۃ یعنی نماز سے مراد دعا ہے، چنانچہ جس نے دعا کرلی گویا اس نے نماز پڑھ لی، اس سے مراد پانچوں اوقات کی نمازیں اور دیگر نوافل نہیں ہیں، اسی طرح کہتے ہیں کہ زکاۃ سے مراد نفس کی پاکی اور اسکی صفائی ستھرائی ہے نہ کہ مال میں زکاۃ نکالنا، اسی طرح کہتے ہیں صوم یعنی روزے سے مراد رازوں کو اور اپنے مذھب کو چھپانا ہے، اسی لئے انکی جماعتوں کو پراسرار تنظیم کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ حج سے مراد اپنے پیروں اور مشائخ کی زیارت کرنا ہے نہ کہ حج اور عمرہ کی خاطر مکہ جانا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (تو وہ بدعت اور گمراہی ہے)۔

یعنی علم باطن کا دعوی دین کے اندر ایک بدعت اور گمراہی ہے، حصول علم کیلئے ضروری ہے کہ اسے علمائے ربانیین سے سیکھا جائے، علم کو ذوق اور الہام سے نہیں سیکھا جاتا، اور نہ ہی علم باطن سے جس کا دعوی باطنیہ کرتے ہیں، بلکہ علم وہی ہے جو اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے ہو، اور جسے صحابہ نے کہا ہو، اس سے باہر جو بھی ہے وہ جہالت وضلالت ہے، اسے علم وہدایت نہیں کہیں گے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور کسی کیلئے مناسب نہیں کہ اس پر عمل کرے اور اسکی طرف دعوت دے)۔

بلکہ ضروری ہے کہ وہ اس سے آگاہ رہے اور بچے، کیونکہ یک سب ان صوفیاء کے بکواس وہذیان کا حصہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اصل علم کتاب وسنت میں نہیں ہے، یہ علم عوام کیلئے ہے نیز ان لوگوں کیلئے ہے جو صاحب معرفت نہیں ہیں، اور اس علم کا نام یہ علم شریعت رکھتے ہیں، جب یہ خود کو عارف باللہ کہتے ہیں اور اپنے ہذیانی علم کو علم حقیقہ کہتے ہیں۔

{133} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأيما امرأة وهبت نفسها لرجل، فإنها لا تحل له، يعاقبان إن نال منها شيئا، إلا بولي وشاهدي عدل وصداق.

ترجمہ: اور کوئی بھی عورت اگر خود کو کسی شخص کے حوالے کر دے تو وہ اسکے لئے حلال نہیں ہوگی، اگر اس شخص نے اسکے ساتھ کچھ کرلیا تو دونوں کو سزا دی جائے گی، نکاح بغیر ولی، دوگواہ اور مہر کے بغیر جائز نہیں ہے۔

الشرح:

نکاح کے صحیح ہونے کیلئے چند شرائط ہیں:

پہلی شرط: ولی، لڑکی کی طرف سے جسکا ہونا ضروری ہے، جو اسکا کوئی قریبی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وشاهدي عدل".

ترجمہ: ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ولی اور دو عادل گواہ کے بغیر نکاح نہیں ہے"۔

اسلئے ایک عورت کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کرے بلکہ ضروری ہے کہ اس کیلئے کوئی ولی ہو، لیکن اگر وہ خود سے بغیر ولی کے نکاح کرتی ہے تو وہ نکاح فاسد ہو جائے گا، اور جمہور اہل علم کا مذہب ہے، البتہ احناف کے یہاں یہ جائز ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کرلے کیونکہ ان کے یہاں ولی کی شرط نہیں ہے، لیکن یہ مذہب دلیل اور اکثر اہل علم کے مذہب کے مخالف ہے، اور چونکہ عورت کم عقل ہوتی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اسکے لئے اور اس کے خاندان کیلئے

مناسب نہ ہو، اور اسلئے بھی کہ عورت جذباتی اور جلد باز ہوتی ہے؛ اسی لئے نکاح کے معاملے کو ولی کی طرف سونپا گیا ہے، اور قرآن کے اندر نکاح کیلئے مردوں کو خطاب کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ**) ترجمہ: اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں، عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں سے جو نیک ہیں ان کا بھی، اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (النور: ۳۲)۔

یہاں پر مردوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ جن کی شادی نہیں ہوئی ہے ان کی شادی کر دو، اسی طرح مذکورہ حدیث میں کہا گیا کہ ولی اور دو عادل گواہ کے بغیر نکاح نہیں ہے۔ اسکی مزید تاکید اس حدیث کے اندر وارد ہوئی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا، فَالْمَهْرُ لَهَا بِمَا أَصَابَ مِنْهَا، فَإِنْ تَشَاجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے"، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین بار فرمایا، (پھر فرمایا) "اگر اس مرد نے ایسی عورت سے جماع کر لیا تو اس جماع کے عوض عورت کے لیے اس کا مہر ہے اور اگر ولی اختلاف کریں تو بادشاہ اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو"۔ (سنن ابی داود: ۲۰۸۳)۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے، خواہ عورت بالغ ہو یا نابالغ، یہی ائمہ حدیث کا مذہب ہے۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ". قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ، قَالَ: "إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

ترجمہ: ابوحاتم مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص (نکاح کا پیغام لے کر) آئے، جس کی دین داری اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہو گا لوگوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اگر اس میں کچھ ہو؟ آپ نے تین بار یہی فرمایا: "جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص آئے جس کی دین داری اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کر دو۔ (سنن ترمذی: ۱۰۸۵)۔

یہاں بھی خطاب اولیاء اور سر پرستوں کو ہے، چنانچہ اس حدیث کے اندر شادی نہ کرنے سے سر پرستوں کو منع کیا گیا ہے، یعنی ایک ولی ایسا نہ کرے کہ اپنی سر پرستی میں رہنے والی کسی لڑکی کو شادی سے روکے اگر وہ کسی مناسب ہم پلہ لڑکے سے راضی ہو، یعنی شادی میں سر پرست دو چیزوں کا دھیان دے: ایک یہ کہ لڑکی اس لڑکے سے راضی ہو اور دوسرے یہ کہ وہ لڑکا ہم پلہ ہو، اور اسے صرف دانشمند مرد ہی سمجھ سکتے ہیں، نہ کہ عورتیں جو کہ کمزور دل والی اور جذباتی ہوتی ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور کوئی بھی عورت اگر خود کو کسی شخص کے حوالے کر دے تو وہ اسکے لئے حلال نہیں ہو گی)۔

یہ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

(وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ) ترجمہ: اور کوئی بھی مومن عورت اگر وہ اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے، اگر نبی

چاہے کہ اسے نکاح میں لے لے۔ یہ خاص تیرے لیے ہے، مومنوں کے لیے نہیں۔(الاحزاب:۵۰)۔

اسلئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پوری امت کے ولی اور سرپرست ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر اس شخص نے اسکے ساتھ کچھ کرلیا تو دونوں کو سزا دی جائے گی)۔

یعنی اس لڑکی نے بغیر آپ نے ولی کی اجازت کے کسی لڑکے سے شادی کرلی تو دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اس پر دونوں کو سزا بھی دی جائے گی اسلئے کہ یہ عقد فاسد ہے۔

۞۞۞

{134} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل يطعن على أحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم أنه صاحب قول سوء وهوى، لقول رسول صلى الله عليه وسلم: (إذا ذكر أصحابي فأمسكوا) . فقد علم النبي صلى الله عليه وسلم ما يكون منهم من الزلل بعد موته، فلم يقل فيهم إلا خيرا.

وقال: (ذروا أصحابي، لا تقولوا فيهم إلا خيرا) . ولا تحدث بشيء من زللهم، ولا حربهم، ولا ما غاب عنك علمه، ولا تسمعه من أحد يحدث به، فإنه لا يسلم لك قلبك إن سمعت.

ترجمہ: اور جب کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی پر طعن و تشنیع کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ بدزبان اور نفس پرست انسان ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو خاموش رہو)، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ کی وفات کے بعد ان سے کیا غلطی ہونے والی ہے، پھر بھی آپ نے انکے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں کہا۔ اور مزید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (میرے صحابہ کو چھوڑ دو، ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو)۔

اسلئے صحابہ کی غلطیوں کو بیان نہ کرو، اور نہ ہی انکی آپسی لڑائیوں کا ذکر کرو، اور نہ ہی کسی ایسی چیز کے بارے میں جس کا آپ کو علم نہ ہو، اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے سنو جو اس بارے میں کچھ بیان کر رہا ہو، کیونکہ سننے سے آپ کا دل سالم نہیں رہ سکتا۔

الشرح:

اہل ضلالت اور منافقوں کی یہ نشانی ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں؛ کیونکہ انہیں صحابہ کرام سے بغض ہے، اور جو ان سے بغض رکھے وہ منافق ہے، وہ منافق جو

ایمان کو تو ظاہر کرتا ہے مگر کفر کو چھپا کر رکھتا ہے، اس لئے کہ صحابہ سے محبت کرنا ایمان کا حصہ ہے جبکہ ان سے بغض رکھنا نفاق ہے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے، کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں خیر و بھلائی کی وصیت کی ہے اور انہیں برا بھلا کہنے سے روکا ہے، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی، آپ کے ساتھ اپنا گھر بار چھوڑا، آپ کا ساتھ دیا اور آپ کو ٹھکانہ دیا، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی وہ مہاجرین کہلائے اور جنہوں نے آپ کو ٹھکانہ دیا وہ انصار کہلائے، ان سب سے محبت کرنا اور انکی تعریف کرنا اور انکے نقش قدم پر چلنا ضروری ہے۔

مگر جو ان پر طعن و تشنیع کرے، انکی عیب جوئی کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا کیونکہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تو آپ کے جگری ساتھیوں سے بھی محبت کرتا، لہذا اصحابہ سے بغض وہی کرے گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض ہوگا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھے وہ کافر ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جب کسی کو دیکھو کہ وہ کسی صحابی پر طعن و تشنیع کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ بدزبان اور نفس پرست انسان ہے)۔

یعنی جو صحابہ کرام کو برا بھلا کہے وہ نفس پرست ہے جو خواہشات نفس کا پیرو ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ**) ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ۵۰)۔

اور ایک بدعتی کے اندر نفاق ہوتا ہے بلکہ اسکے اندر ہر برائی ہوتی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو خاموش رہو)۔

یعنی صحابہ کے بارے میں خیر اور تعریف کے سوا کوئی کلام نہیں کرنا چاہیئے اور نہ کہ انکے معاملات میں مداخلت کرنا چاہیئے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (نبی اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کی وفات کے بعد ان سے کیا غلطی ہونے والی ہے، پھر بھی آپ نے انکے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں کہا)۔

صحابہ کا اجماع معصوم ہے، یعنی اگر وہ کسی بات پر اجماع کرلیں تو وہ اجماع معصوم ہوگا اور انکا اجماع قطعی حجت ہے، لیکن اگر اختلاف کرلیں تو پھر دیکھا جائے گا کہ دلیل کا کے حق میں ہے، کیونکہ انفرادی طور پر غلطی کرنے میں وہ معصوم نہیں ہیں، ان سے بھی غلطیاں ہوئی جیسے دوسروں سے غلطیاں ہوتی ہیں، لیکن اللہ نے انکی مغفرت کا وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ آخری پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی تھے، چنانچہ انکے ایسے فضائل اور مناقب ہیں جو انکی غلطیوں کو ڈھانپ دیتے ہیں اور اسکے چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: اس لیئے کہ وہ مجتہد تھے، انہوں نے جان بوجھ کر غلطی نہیں ہے۔ اور اجتہاد کرنے والے والا اگر غلطی بھی کرے تو بھی ایک اجر پاتا ہے اور اسکی غلطی معفو عنہ ہوتی ہے۔

دوسری وجہ: انکے ایسے فضائل اور مناقب ہیں جو انکی غلطیوں کو ڈھانپ دیتے ہیں، اسلئے کہ اللہ سب سے راضی ہو جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (**وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ**) ترجمہ: یہ تو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر والوں پر جھانکا اور فرمایا: تم جو اعمال چاہو کرو (بشرطیکہ کفر تک نہ پہنچیں) میں نے تم کو بخش دیا۔" (صحیح مسلم: ۲۴۹۴)۔

اور ارشاد باری تعالی ہے: (**لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا**) ترجمہ: بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو

اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔(الفتح:۱۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے :(لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: بلا شبہ یقینا اللہ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار پر بھی، جو تنگ دستی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جائیں، پھر وہ ان پر دوبارہ مہربان ہو گیا۔(التوبہ:۱۱۷)۔

اس آیت کے اندر عمومی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے ان سب کی توجہ قبول کی ہے۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو تم میں سے اس دن پیٹھ پھیر گئے جب دو جماعتیں بھڑیں، شیطان نے انھیں ان بعض اعمال ہی کی وجہ سے پھسلایا جو انھوں نے کیے تھے اور بلاشبہ یقینا اللہ نے انھیں معاف کر دیا، بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت بردبار ہے۔(آل عمران:۱۵۵)۔

پتہ چلا کہ وہ سب مغفور لہ ہیں، ان میں سے کسی پر بھی طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا:(نبی اکرم ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کی وفات کے بعد ان سے کیا غلطی ہونے والی ہے، پھر بھی آپ نے انکے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں کہا)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی چیزوں کو جانتے تھے جنکی اطلاع اللہ تعالی دیتا تھا، چنانچہ مولف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا یعنی اللہ تعالی کے واسطے سے، اسی لئے ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:(فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا

عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ") ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

یہاں پر اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی ہے کہ امت کے اندر اختلاف ہوگا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وصیت کی ہے کہ اس موقع پر کیا کرنا ہے، اور صحابہ کرام نے اس وصیت پر عمل کیا چنانچہ جب ان کے درمیان کوئی اختلاف ہوتا تو فوراً وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے اور پھر اپنے اختلاف کو ختم کر کے حق کی طرف واپس آجاتے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں کہا)۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے یہ اظہار دی تھی کہ بعد میں صحابہ کے درمیان اختلاف ہوگا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدح وستائش کی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور مزید آپ ﷺ نے فرمایا: (میرے صحابہ کو چھوڑ دو، ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو)۔

یعنی ان کے تعلق سے صرف خیر وبھلائی ہی کی باتوں کہو، اس تعلق سے سے عمدہ حدیث یہ مروی ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مدغلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔" (صحیح بخاری: ۳۶۷۳)۔

پتہ چلا کہ ان کا تھوڑا عمل بھی بعد میں آنے والوں کے بڑے سے بڑے عمل کے مقابلے بہتر ہے، اور ایسا انکے سبقت اسلام کی وجہ سے ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے صحابہ کی غلطیوں کو بیان نہ کرو، اور نہ ہی انکی آپسی لڑائیوں کا ذکر کرو)۔

یعنی اگر انکا دفاع کر رہے ہیں اور انکے حق میں معذرت کر رہے ہیں تو اچھی بات ہے ورنہ خاموش رہنے میں بہتری ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور نہ ہی کسی ایسی چیز کے بارے میں جس کا آپ کو علم نہ ہو، اور نہ ہی کسی ایسے شخص سے سنو جو اس بارے میں کچھ بیان کر رہا ہو، کیونکہ سننے سے آپ کا دل سالم نہیں رہ سکتا)۔

یعنی جو لوگ مجلسوں میں، درس و دروس میں یا کسی بھی جگہ صحابہ کرام پر کلام کریں تو انکی باتیں نہ سنو، اور نہ ہی ایسی مجلسوں میں حاضری دو بلکہ ان مجلسوں سے دور رہو تاکہ تمہارے بھی دل میں کوئی ایسی چیز بیٹھ نہ جائے جسکی وجہ سے صحابہ کرام کے تعلق سے نفرت پیدا ہو جائے اور پھر تم بھی انکی طرح بغض کرنے لگا اور نتیجتا اپنی آخرت آخرت برباد کرلو۔

{135} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا سمعت الرجل يطعن على الآثار، أو يرد الآثار، أو يريد غير الآثار، فاتهمه على الإسلام، ولا تشك أنه صاحب هوى مبتدع.

{136} واعلم أن جور السلطان لا ينقص فريضة من فرائض الله عز وجل التي افترضها على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم؛ جوره على نفسه، وتطوعك وبرك معه تام لك إن شاء الله تعالى، يعني: الجماعة و الجمعة معهم، والجهاد معهم، وكل شيء من الطاعات فشارك فيه، فلك نيتك.

ترجمہ: اور اگر کسی کے بارے میں سنو کہ وہ حدیثوں پر طعن کرتا ہے، یا حدیثوں کا انکار کرتا ہے، یا حدیثوں کے علاوہ دوسری چیزوں کا قصد کرتا ہے، تو اسکے اسلام کو مشکوک سمجھو، اور یہ جان لو کہ وہ بلاشبہ ایک نفس پرست بدعتی شخص ہے۔

اور جان لو! حاکم کا ظلم اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کو کم نہیں کر دے گا ان فرائض میں سے جنہیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی فرض کیا ہے، حاکم کا ظلم اس کے اوپر ہوگا، اور تمہارا اسکے ساتھ اچھا برتاؤ اور اسکی اطاعت، اسکے ساتھ جمعہ اور جماعت کے ساتھ نماز کا پڑھنا، اسکے ساتھ جہاد کرنا اور تمام نیکیوں میں اسکے ساتھ تمہارا شریک ہونا یہ سب تمہاری نیت کے اعتبار سے ہوگا۔

الشرح:

اس پر شرح اور تفصیلی گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

{137} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل يدعو على السلطان فاعلم أنه صاحب هوى، وإذا رأيت الرجل يدعو للسلطان بالصلاح فاعلم أنه صاحب سنة إن شاء الله.

يقول فضيل: لو كانت لي دعوة ما جعلتها الا في السلطان. قيل له: يا أبا علي فسر لنا هذا. قال: إذا جعلتها في نفسي لم تعدني، وإذا جعلتها في السلطان صلح، فصلح بصلاحه العباد والبلاد.

فأمرنا أن ندعو لهم بالصلاح، ولم نؤمر أن ندعو عليهم وإن ظلموا، وإن جاروا؛ لأن ظلمهم وجورهم على أنفسهم، وصلاحهم لأنفسهم وللمسلمين.

ترجمہ: اور اگر دیکھو کہ کوئی شخص حاکم پر بددعا کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ نفس پرست ہے، اور اگر دیکھو کہ کوئی شخص حاکم کی اصلاح کیلئے دعاء کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ صاحب سنت ہے ان شاءاللہ۔

فضیل کہتے ہیں: اگر میری ایک بھی دعاء مقبول ہوتی تو میں اسے حاکم وقت کیلئے محفوظ کر لیتا۔ آپ سے پوچھا گیا: اے ابو علی! اسکی وضاحت کر دیں، تو آپ نے کہا: اگر میں اسے اپنے لئے محفوظ کرلوں تو وہ صرف میرے لئے ہوگی، اور اگر میں اسے حاکم کیلئے کر دوں اور اسکی اصلاح ہو جائے تو اسکی وجہ سے ملک وملت سب کی اصلاح ہو جائے گی۔

اسی لئے ہمیں ان کے حق میں اصلاح کی دعاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان پر بددعاء کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، گرچہ وہ ظلم وجور کریں، اسلئے کہ ان کا ظلم ان کے اوپر ہوگا، اور انکی اصلاح ان کے لئے اور سارے مسلمانوں کیلئے ہوگا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر دیکھو کہ کوئی شخص حاکم پر بد دعا کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ نفس پرست ہے)۔

اس طرح کی عبارت سلف سے ماثور ہے، ایسا عقیدہ وہی رکھتا ہے جس کے اندر خارجی اور اعتزالی صفت پائی جاتی ہے، کیونکہ خوارج اور معتزلہ ہی مسلم حکام پر بد دعا کرتے ہیں، جب کہ واجب اسکے برعکس ہے کہ انکے حق میں اصلاح اور توفیق کی دعا کی جائے کیونکہ انکی اصلاح سے اسلام اور مسلمانوں کیلئے اصلاح ہے، چنانچہ جب آپ حکام کیلئے دعا کرتے ہیں اس وقت آپ مسلمانوں کیلئے دعا کر رہے ہوتے ہیں، کیوں کہ حکام کی اصلاح میں رعایا کی اصلاح ہے، یعنی سلف کا منہج ہے یعنی حکام کیلئے اصلاح اور توفیق کی دعا کرنا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر دیکھو کہ کوئی شخص حاکم کی اصلاح کیلئے دعاء کر رہا ہے تو جان لو کہ وہ صاحب سنت ہے ان شاء اللہ)۔

یعنی اگر کوئی حکم کیلئے اصلاح اور توفیق کی دعا کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اہل سنت والجماعہ میں سے ہے؛ اسلئے کہ حکام کے تعلق سے سلف کا یہی طریقہ تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (فضیل کہتے ہیں: اگر میری ایک بھی دعاء مقبول ہوتی تو میں اسے حاکم وقت کیلئے محفوظ کر لیتا)۔

فضیل ایک بہت بڑے عالم، زاہد اور عابد تھے انہوں نے یہ بات حکام کی خیر خواہی میں کہی ہے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے:

عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الدِّينُ النَّصِيحَةُ، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: لِلَّهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ ".

ترجمہ: سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دین خلوص اور خیر خواہی کا نام ہے۔" ہم نے کہا: کس کی خیر خواہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کے حاکموں کی اور سب مسلمانوں کی۔"

اور مسلم حکمرانوں کے ساتھ خیر خواہی میں سے انکے حق میں اصلاح کی دعا کرنا ہے اور انکے ساتھ غداری میں سے انکے خلاف بددعا کرنا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسی لئے ہمیں ان کے حق میں اصلاح کی دعاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان پر بددعاء کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، گرچہ وہ ظلم و جور کریں)۔

کیونکہ انکے خلاف بددعا کرنا مسلمانوں کے خلاف بددعا کرنا ہے، کیوں کہ جب معاملات بگڑ جائیں گے اور حکومت ختم ہوجائے گی تو امن و امان کی صورتحال خراب ہوجائے گی تو اس وقت قتل وخونریزی عام ہوگی اور فتنہ وفساد عام ہوگا۔ اور اس وقت جو حاکم کیلئے دعائیں کرتا ہے اسے چاپلوس کہا جاتا ہے، بطور خاص خارجی اور حزبیت پسندوں کی طرف سے، ایسے ہی لوگوں پر مولف رحمہ اللہ کا یہ قول صادق آتا ہے کہ یہ سنت کے مخالفین نفس پرست ہیں، لہذا ایسے لوگوں سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے۔

{138} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا تذكر أحدا من أمهات المؤمنين إلا بخير.

ترجمہ: اور امہات المومنین کو صرف خیر ہی کے ساتھ یاد کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور امہات المومنین کو صرف خیر ہی کے ساتھ یاد کرو)۔

یہاں امہات المومنین سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، انہیں امہات کا نام اللہ نے دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ**) ترجمہ: یہ نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھنے والا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ (الاحزاب:٦)۔

اور یہاں ماں ہونے سے مراد ان کا احترام اور قدر کرنا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انکے نکاح کی حرمت مراد ہے، یہ نہیں کہ وہ حسب ونسب کے اعتبار سے ماں ہیں، بلکہ احترام اور قدر کھ اعتبار سے ماں ہیں، جو حقوق ماں کے ہوتے ہیں وہی حقوق مسلمانوں پر انکے بھی ہیں، کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں، اسلئے ان کا احترام اور محبت واجب ہے، ان کی عیب جوئی حرام ہے، انکے خلاف زبان دراز کرنا روافض کا مذہب ہے، جو امہات المومنین پر طعن وتشنیع کرتے ہیں جبکہ اس میں خود اللہ پر الزام ہے کہ اس نے اپنے نبی کیلئے ایسی بیویوں کو چنا جو انکے لائق نہیں تھیں، اور اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی الزام ہے کہ آپ نے مومنوں کیلئے ایسی ماؤں کو چنا جو انکے لئے لائق نہیں ہیں، اور یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے۔

{139} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل يتعاهد الفرائض في جماعة مع السلطان وغيره، فاعلم أنه صاحب سنة إن شاء الله. وإذا رأيت الرجل يتهاون بالفرائض في جماعة، وإن كان مع السلطان، فاعلم أنه صاحب هوى.

ترجمہ: اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ حاکم یا غیر حاکم کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے تو جان لو کہ وہ صاحب سنت ہے ان شاء اللہ، اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ جماعت کے ساتھ فرائض کی پابندی کرنے میں کوتاہی برتتا ہے۔ خواہ حاکم کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ تو جان لو کہ وہ نفس پرست خواہشات کا بندہ ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا؛ (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ حاکم یا غیر حاکم کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کرتا ہے تو جان لو کہ وہ صاحب سنت ہے ان شاء اللہ)۔

یعنی یقیناً وہ اہل سنت اور اہل ایمان میں سے ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ**) ترجمہ: اللہ کی مسجدیں تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرا، تو یہ لوگ امید ہے کہ ہدایت پانے والوں سے ہوں گے۔ (التوبہ:۱۸)۔

اسی طرح وہ شخص جس کا دل مساجد میں لٹکا رہتا ہے اسے ان سات قسم کے خوش نصیبوں میں شمار کیا ہے جو بروز قیامت عرش الہی کے سائے میں ہوں گے۔

چنانچہ باجماعت نماز کیلئے مسجد میں آنا ایمان اور اہل سنت والجماعہ میں ہونے کی علامت ہے، اور جو مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں نماز نہ پڑھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ مسلمان حق پر نہیں ہیں، اور انکے ساتھ

نماز پڑھنا درست نہیں ہے، ایسا شخص بلاشبہ مسلمانوں کی جماعت سے اختلاف کرنے والا ہے، اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کا دشمن ہے، اور آپ اسی لئے منحرف افکار کے حاملین کے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ مساجد میں مسلمانوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے ہیں، بلکہ ان میں بعض تو ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کی نماز کو بھی صحیح نہیں مانتے، یہی شر اور انحراف نیز فساد عقیدہ اور انتشار کی علامت ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا**) ترجمہ: اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ (النساء: ۱۱۵)۔

اسلئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ رہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ**) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (التوبہ: ۱۱۹)۔

مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ الگ تھلگ رہے، اور جا کر کسی جماعت کے ساتھ ہو جائے اور مسلمانوں سے کنارہ کشی اختیار کر لے، یہ نفس پرستی، شر وفساد اور فکری انحراف کی علامت ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ جماعت کے ساتھ فرائض کی پابندی کرنے میں کوتاہی برتتا ہے- خواہ حاکم کے ساتھ ہو یا نہ ہو- تو جان لو کہ وہ نفس پرست خواہشات کا بندہ ہے)۔

یعنی اگر آپ دیکھیں کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز ترک کر رہا ہے: تو اگر وہ حاکم کے ساتھ جماعت ترک کر رہا ہے تو وہ نفس پرست معتزلہ میں سے یا ان خوارج میں سے ہوگا جو معصیت کی بنیاد پر مسلم حکام کی تکفیر کرتے ہیں۔

اور اگر حاکم کے علاوہ دوسروں کے ساتھ بھی وہ مساجد میں نماز ترک کرتا ہے تو وہ منافق ہے؛ جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَيْسَ صَلَاةٌ أَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَيُقِيمَ، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا يَؤُمُّ النَّاسَ، ثُمَّ آخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَأُحَرِّقَ عَلَى مَنْ لَا يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ بَعْدُ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ اور کوئی نماز بھاری نہیں اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا ثواب کتنا زیادہ ہے (اور چل نہ سکتے) تو گھٹنوں کے بل گھسیٹ کر آتے اور میرا تو ارادہ ہو گیا تھا کہ مؤذن سے کہوں کہ وہ تکبیر کہے، پھر میں کسی کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں اور خود آگ کی چنگاریاں لے کر ان سب کے گھروں کو جلا دوں جو ابھی تک نماز کے لیے نہیں نکلے۔ (صحیح بخاری: ۶۵۷)۔

چنانچہ جماعت سے پیچھے رہنے کو نفاق شمار کیا گیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: " لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلَاةِ، إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ، أَوْ مَرِيضٌ، إِنْ كَانَ الْمَرِيضُ لَيَمْشِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ، حَتَّى ی؟أْتِيَ الصَّلَاةَ، وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدَى، وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى الصَّلَاةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُؤَذَّنُ فِيهِ".

ترجمہ: ابوالاحوص نے کہا کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ نماز باجماعت سے پیچھے نہیں رہتا مگر منافق (یعنی تارک الجماعت کو ہم منافق جانتے ہیں) کہ جس کا نفاق کھلا ہوا ہو یا بیمار ہو اور بیمار بھی دو شخصوں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چلتا تھا اور نماز میں ملتا تھا (یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دین اور ہدایت کی باتیں سکھائیں اور انہی ہدایت کی باتوں میں سے ہے ایسی مسجد میں نماز پڑھنا جس میں آذان ہوتی ہے۔(صحیح مسلم: ۶۵۴)۔

اسلئے بلا عذر اگر کوئی جماعت سے پیچھے رہتا ہے تو یہ اس کے نفاق کی دلیل ہے، اسلئے کہ منافقین جماعت سے پیچھے رہتے تھے بالخصوص رات کی نمازوں میں، کیونکہ رات میں انہیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا، جبکہ دن میں وہ حاضر ہوتے تھے اسلئے کہ اس وقت وہ دکھائی دیتے تھے اور وہ بھی اپنے عمل کو دکھاتے اور ریا کاری کرتے تھے۔

{140} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والحلال ما شهدت عليه وحلفت عليه أنه حلال، وكذلك الحرام، وما حاك في صدرك فهو شبهة.

ترجمہ: اور حلال وہ ہے جس کی آپ گواہی دیں اور جس پر قسم کھائیں کہ وہ حلال ہے، اور اسی طرح حرام بھی، اور تمہارے سینے میں جو کھٹک جائے تو وہ شبہ والی چیز ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور حلال وہ ہے جس کی آپ گواہی دیں اور جس پر قسم کھائیں کہ وہ حلال ہے)۔

جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (**إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ**) ترجمہ: مقرر حلال کھلا ہے اور حرام بھی کھلا لیکن حلال وحرام کے درمیان ایسی چیزیں ہیں جو دونوں سے ملتی ہیں یعنی اس میں شبہ ہے ان کو بہت لوگ نہیں جانتے تو جو شبھوں سے بچا وہ اپنے دین اور آبرو کو سلامت لے گیا اور جو شبھوں میں پڑا وہ آخر حرام میں بھی پڑا۔ (صحیح مسلم: ۱۵۹۹)۔

چنانچہ کچھ حلال چیزیں ہوتی ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہوتا اور کچھ حرام چیزیں ہوتی ہیں جن میں کوئی شک نہیں ہوتا، اور کچھ مشتبہ چیزیں ہوتی ہیں جن کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حلال ہیں کہ حرام؟ ان چیزوں کے بارے میں علمائے ربانیین ہی جانتے ہیں، عوام اور اکثر لوگ نہیں جانتے، اسلئے اس کے بارے میں توقف اختیار کرنا ہی بہتر ہے یہاں تک کہ مسلم ہوجائے کہ وہ کس قسم سے تعلق رکھتا ہے اگر حلال سے رکھتا ہے تو اسے لیں گے اور اگر حرام سے رکھتا ہے تو اس سے اجتناب

کریں گے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: " سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟ فَقَالَ: الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ ".

ترجمہ: سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: بھلائی اور برائی کے متعلق۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بھلائی حسن خلق کو کہتے ہیں (یعنی خوش مزاجی سے ملنا لوگوں کی دلداری اور دل جوئی کرنا حتی المقدور دنیاوی امور میں کسی کو ناراض نہ کرنا) اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں چبھے اور تجھ کو برا لگے کہ لوگ اس سے مطلع ہوں۔" (صحیح مسلم: ۲۵۵۳)۔

اس قسم سے آپ کا دل مطمئن نہیں ہوتا اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسکے اندر شبہ ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اسے ترک کر دیں۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (حلال وہ ہے جس پر آپ گواہی دیں اور قسم کھائیں کہ وہ حلال ہے)۔

یعنی اس پر آپ کا دل مطمئن ہوتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہوتا، یہاں تک کہ آپ قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ حلال ہے اسلئے کہ وہ بالکل واضح ہوتا ہے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ حلال وہ ہے جس کا حلال ہونا واضح ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اسی طرح حرام بھی)۔

یعنی حرام کے بارے میں بھی صراحت ہوتی ہے کہ وہ حرام ہے، جیسے مردار، شراب اور خنزیر کا گوشت وغیرہ کہ جن کا حرام ہونا بالکل واضح ہے، اسلئے اللہ نے صراحت کے ساتھ انہیں حرام کیا ہے۔

{141} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والمستور من بان ستره، والمهتوك من بان هتكه.

ترجمہ: اور مجہول الحال وہ شخص ہے جسکی جہالت واضح ہو، اور پردہ فاش والا شخص وہ ہے جسکا پردہ فاش ہو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور مجہول الحال وہ شخص ہے جسکی جہالت واضح ہو، اور پردہ فاش والا شخص وہ ہے جسکا پردہ فاش ہو)۔

مسلمان کے اندر اصل عدالت اور خیر ہے اس لئے اسکے تئیں حسن ظن رکھنا ضروری ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ)
ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بہت سے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔ (الحجرات: ۱۲)۔

اور جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَافَسُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بچو تم بدگمانی سے کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے اور مت کان لگاؤ کسی کی باتوں پر اور مت ٹوہ لگاؤ اور مت رشک کرو (دنیا میں لیکن دین میں درست ہے) اور مت حسد کرو اور مت بغض رکھو اور مت دشمنی کرو اور رہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔" (صحیح مسلم: ۲۵۶۳)۔

اسلئے اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ حسن رکھو یہاں تک کہ اسکے خلاف ظاہر ہو، اور اگر کوئی غلطی

دیکھو بھی اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرو، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ جس نے کسی مسلمان بھائی کی ستر پوشی کی اللہ دنیا و آخرت دونوں جگہ اسکی ستر پوشی کرے گا۔لیکن یہ ستر پوشی نصیحت کے بعد ہو اور اسکی فضیحت بھی نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں بے حیائی پھیلے جو ایمان لائے ہیں، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔(النور:۱۹)۔

۞۞۞

{142} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا سمعت الرجل يقول: فلان ناصبي، فاعلم أنه رافضي، وإذا سمعت الرجل يقول: مشبه، وفلان يتكلم في التشبيه، فاتهمه، واعلم أنه جهمي. وإذا سمعت الرجل يقول: فلان تكلم بالتوحيد، واشرح لي التوحيد، فاعلم أنه خارجي معتزلي. أو يقول: فلان مجبر ، أو يتكلم بالإجبار، أو يتكلم بالعدل، فاعلم أنه قدري؛ لأن هذه الأسماء محدثة أحدثها أهل البدع.

ترجمہ: اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ فلاں ناصبی ہے تو جان لو کہ وہ رافضی ہے، اور اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ فلاں مشبہ ہے، اور فلاں تشبیہ کے بارے میں کلام کر رہا ہے تو اسے متہم کرو اور جان لو کہ وہ جہمی ہے۔ اور اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ توحید پر کلام کرو اور میرے لئے توحید کی شرح کرو تو جان لو کہ وہ خارجی معتزلی ہے، یا وہ یہ کہے کہ فلاں مجبر ہے یا وہ اجبار کے بارے میں کلام کرے یا وہ عدل کے بارے میں کلام کرے تو جان لو کہ وہ قدری ہے؛ کیونکہ یہ سارے نام نئے ہیں اہل بدعت نے انہیں بعد میں ایجاد کیا ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ فلاں ناصبی ہے تو جان لو کہ وہ رافضی ہے)۔

ناصبی ان لوگوں کو کہتے ہیں جو اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں، یہ روافض کی اصطلاح ہے جو اہل سنت والجماعہ کو متہم کرتے ہیں کہ وہ اہل بیت سے بغض رکھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی اہل سنت والجماعہ پر یہ الزام لگائے تو جان لیں کہ وہ رافضی ہے، کیوں کہ یہ روافض کا مذہب اور عقیدہ ہے، یہاں یہ لوگ صحابہ تک کو ناصبی کہتے ہیں، کیونکہ انکی نظر میں وہ اہل بیت سے بغض رکھتے تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے ان

سے خلافت غضب کر لی تھی، اللہ انہیں برباد کرے، یہ اسی طرح کہتے ہیں، چنانچہ جو یہ عقیدہ رکھے کہ صحابہ ناصبی تھے یا یہ کہ اہل سنت والجماعہ ناصبی ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رافضی ہے، کیونکہ اہل سنت والجماعہ اہل بیت سے بغض میں محبت کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق وہ ان کے حق میں عمل کرتے ہیں، البتہ یہ اہل بیت کے تعلق سے وہ غلو نہیں کرتے جو روافض کرتے ہیں، یہاں تک کہ انہیں معبود کے درجے تک پہونچا دیتے ہیں، اور انہیں معصوم سمجھتے ہیں، جبکہ اہل سنت والجماعہ نہ تو انہیں معصوم سمجھتے ہیں اور نہ ہی انکے اندر غلو کرتے ہیں بلکہ انکا جو مقام ہے اسی پر رکھتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت داری اور انکے ایمان کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں، چنانچہ اگر صرف قرابت داری پائی جائے اور ایمان نہ ہو تو ان سے کوئی محبت نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب سے کوئی محبت نہیں ہے جبکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریبی ہے، اسلئے کہ اس کے اندر ایمان نہیں تھا، وہ جہنمی ہے، پتہ چلا کہ مجرد قرابتداری کافی نہیں ہے بلکہ قرابتداری کے ساتھ ایمان بھی ضروری ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ فلاں مشبہ ہے، اور فلاں تشبیہ کے بارے میں کلام کر رہا ہے تو اسے متہم کرو اور جان لو کہ وہ جہمی ہے)۔

اسلئے کہ جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدیہ یہ سمجھتے ہیں کہ اثبات صفات سے تشبیہ لازم آتی ہے، اسی یہ اہل سنت والجماعہ کو جو اسماء وصفات کو ثابت کرتے ہیں، مشبہ کہتے ہیں، یا مجسمہ کہتے ہیں، اسلئے کہ انکے نزدیک اثبات صفات سے اللہ کیلئے جسمیت کا متقاضی ہے، اور اجسام ایک دوسرے کے متشابہ ہوتے ہیں، یہی انکے آراء واقوال ہیں، چنانچہ جب آپ اس طرح کا کلام کرتے ہوئے کسی کو دیکھیں کہ وہ کسی کو مشبہ کہتا ہے اور کسی کو مجسم کہتا ہے تو جان لیں کہ وہ جہمی یا معتزلی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ توحید پر کلام کرو اور میرے لئے توحید کی شرح کرو تو جان لو کہ وہ خارجی معتزلی ہے)۔

کیونکہ توحید معتزلہ کے اصول میں سے ہے، اور انکے نزدیک توحید سے مراد انکار صفات ہے، کیوں کہ انکے نزدیک اثبات صفات شرک ہے، اور انکار صفات توحید ہے، آپ یہ بالکل نہ سمجھیں کہ توحید سے وہ عبادت میں اللہ کو تنہا ماننا مراد لے رہے ہیں، بلکہ اس سے وہ انکار صفات مراد لیتے ہیں، اسلئے کہ اثبات صفات انکے نزدیک شرک کا متقاضی ہے، اسی لئے یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے اندر شرک پایا جاتا ہے کیونکہ قرآن کے اندر اسماء وصفات کو ثابت کیا گیا ہے، چنانچہ شیخ نے توحید سے یہی معتزلہ کی توحید مراد لی ہے، لیکن جہاں تک اہل کی توحید کا تعلق ہے تو اس سے مراد عبادت میں اللہ کو تنہا ماننا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا وہ یہ کہے کہ فلاں مجبر ہے یا وہ اجبار کے بارے میں کلام کرے یا وہ عدل کے بارے میں کلام کرے تو جان لو کہ وہ قدری ہے)۔

اسی طرح معتزلہ کے اصول میں سے ایک عدل بھی ہے، اس سے مراد انکار تقدیر ہے، اسلئے کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تقدیر کو ثابت مان لیں تو اس سے اللہ کو ظالم ماننا بھی لازم آئے گا بایں طور کہ اللہ بندوں کو ایسی چیز پر عذاب دیتا ہے جسے انکے لئے پہلے سے مقدر کر رکھا ہے، لیکن ہم ان سے کہیں گے کہ اللہ انہیں عذاب انکی تقدیر کی بنیاد پر نہیں دیتا ہے بلکہ ان کے ان افعال پر دیتا ہے جن پر انہیں اختیار ہے، یعنی انکے کفر اور انکے شرک پر انہیں عذاب دیتا ہے، اس طرح بدلہ اور سزا اعمال پر ہے نہ کہ تقدیر پر، چنانچہ اللہ کسی کو ثواب اسلئے نہیں دیتا ہے کہ اسکے حق میں مقدر ہے کہ وہ مومن ہوگا اور نہ ہی کسی کو محض اس بنیاد پر سزا دیتا ہے کہ معصیت اس کیلئے مقدر ہے، یہاں تک کہ وہ معصیت کا ارتکاب نہ کرے، اس طرح ثواب اور عذاب دونوں کا تعلق بندوں کے افعال سے ہے، نہ کہ تقدیر سے، چنانچہ اگر کسی کو دیکھو کہ وہ کسی کو جبری کہتا ہے تو جان لو کہ وہ معتزلی ہے؛ اسلئے کہ معتزلہ ہی یہ کہتے ہیں کہ انسان آزاد ہے وہ اپنا فعل خود پیدا کرتا ہے، اسکے لئے پہلے سے کوئی چیز مقدر نہیں ہے، اور جو یہ مانتے ہیں کہ بندوں کے افعال اللہ کے مقدر کردہ ہیں انہیں یہ جبری کہتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ یہ سارے نام نئے ہیں اہل بدعت نے انہیں بعد میں

ایجاد کیا ہے)۔

ان اہل بدعت سے مراد شیعہ، جہمیہ اور معتزلہ ہیں، اور جہاں تک اہل سنت والجماعہ کا تعلق ہے تو وہ ان امور میں نہیں پڑتے ہیں، بلکہ یہ وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ یہ اسماء وصفات کو ثابت مانتے ہیں، تقدیر پر ایمان لاتے ہیں، اور یہ نہیں کہتے کہ اس پر اجبار کا عقیدہ لازم ہے یا اللہ کی طرف سے جور وظلم لازم آتا ہے، اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ اثبات صفات شرک اور تشبیہ ہے، یہ سارے عقائد اہل بدعت کے ہیں۔

{143} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقال عبد الله بن المبارك: لا تأخذوا عن أهل الكوفة في الرفض شيئا، ولا عن أهل الشام في السيف شيئا، ولا عن أهل البصرة في القدر شيئا، ولا عن أهل خراسان في الإرجاء شيئا، ولا عن أهل مكة في الصرف، ولا عن أهل المدينة في الغناء، لا تأخذوا عنهم في هذه الأشياء شيئا.

ترجمہ: اور عبداللہ بن مبارک نے کہا: رفض کے بارے میں اہل کوفہ سے کچھ نہ لو، سیف کے بارے میں اہل شام سے کچھ نہ لو، تقدیر کے بارے میں اہل بصرہ سے کچھ نہ لو، ارجاء کے بارے میں اہل خراسان سے کچھ نہ لو، سونے چاندی کی بیع کے بارے میں اہل مکہ سے کچھ نہ لو، اور گانا کے بارے میں اہل مدینہ سے کچھ نہ لو، ان امور میں ان سے کچھ نہ حاصل کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور عبداللہ بن مبارک نے کہا: رفض کے بارے میں اہل کوفہ سے کچھ نہ لو)۔

کیونکہ شیعوں کی اکثریت کوفہ میں کہی بڑھی ہے، اسلئے ان کے مذہب کے بارے میں ان سے کچھ مت لو، اسلئے کہ وہ صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں اور اہل بیت کے بارے میں غلو کرتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور سیف کے بارے میں اہل شام سے کچھ نہ لو)۔

مولف رحمہ اللہ کے کلام سے بظاہر یہی لگتا ہے کہ خوارج کی اکثریت شام سے ہے اسی لئے کہا کہ سیف کے بارے میں یعنی حکام کے خلاف خروج و بغاوت اور مسلمانوں سے قتال کے تعلق سے اہل شام سے کچھ نہ لو لیکن یہ محل نظر ہے، اسلئے کہ خوارج عراق میں پائے جاتے تھے نہ کہ شام میں، یا ہوسکتا ہے مولف رحمہ اللہ نے ان لوگوں کو مراد لیا ہو جن لوگوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے قتال کیا تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور تقدیر کے بارے میں اہل بصرہ سے کچھ نہ لو)۔

کیونکہ اعتزالی عقیدہ بصرہ میں پروان چڑھا ہے، اور تصوف بھی اہل بصرہ کے اندر پروان چڑھا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور ارجاء کے بارے میں اہل خراسان سے کچھ نہ لو)۔

کیونکہ ارجاء خراسان میں پروان چڑھا ہے، یہ خطہ بلاد فارس میں آتا ہے، جو بہت ہی وسیع خطہ ہے، جہاں بہت سے علماء پائے گئے ہیں، وہاں پر خیر وبھلائی اور اچھی عادات بھی بہت ہیں، مگر ارجاء کا عقیدہ وہیں پر پروان چڑھا ہے، اور ارجاء کہتے ہیں حقیقت ایمان سے عمل کے نکالنے کو، چنانچہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان میں عمل داخل نہیں ہے، چنانچہ ان کے یہاں دل سے تصدیق کرنے والا ایک شخص مومن ہوسکتا ہے گرچہ اس کے بیان عمل نہ پایا جائے، اور انہیں میں سے بعض کہتے ہیں کہ فل سے تصدیق کرے اور زبان سے اقرار کرے، اور بعض کہتے ہیں کہ مجرد معرفت کافی ہے گرچہ دل سے اور زبان سے اقرار نہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ مرجئہ کے تمام فرقوں کے یہاں ایمان میں عمل داخل نہیں ہے، یہی مرجئہ کا مذہب ہے جوکہ ایک طالب مذہب ہے۔ اسلئے کہ ایمان دل میں اعتقاد رکھنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ یک تینوں چیزیں جب ایک ساتھ پائی جائیں گی تبھی ایمان کی تعریف مکمل ہوگی؛ کیونکہ اگر کوئی دل میں اعتقاد تو رکھے مگر زبان سے اقرار نہ کرے تو یہ کفار کا طریقہ ہے، کیوں کہ وہ بھی رسول کی سچائی جانتے ہیں مگر وہ اقرار نہیں کرتے، سری طرح یہود ونصاری بھی جانتے ہیں مگر وہ بھی تصدیق نہیں کرتے، لہذا یہ مجرد معرفت سے مومن نہیں ہوسکتے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ صرف زبان سے اقرار کافی ہے گرچہ دل میں اعتقاد نہ رکھے، حالانکہ اس سے لازم آئے گا کہ منافقین بھی مومن ہیں، جب کہ اللہ تعالی نے انکے ایمان کی نفی کی ہے اور انکے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صرف زبان سے اقرار کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔ (الفتح:۱۱)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور سونے چاندی کی بیع کے بارے میں اہل مکہ سے کچھ نہ لو)۔

کیونکہ یہ لوگ اس میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور گانا کے بارے میں اہل مدینہ سے کچھ نہ لو)۔

کیوں کہ وہاں کے کچھ گانا کو جسے زٹھہراتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔

{144} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل يحب أبا هريرة وأنس بن مالك وأسيد بن حضير فاعلم أنه صاحب سنة إن شاء الله.

وإذا رأيت الرجل يحب أيوب، وابن عون، ويونس بن عبيد، وعبد الله بن إدريس الأودي، والشعبي، ومالك بن مغول، ويزيد بن زريع، ومعاذ بن معاذ، ووهب بن جرير، وحماد بن سلمة، ومالك بن أنس، والأوزاعي، وزائدة بن قدامة، فاعلم أنه صاحب سنة۔

وإذا رأيت الرجل يحب أحمد بن حنبل، والحجاج بن المنهال، وأحمد بن نصر، وذكرهم بخير، وقال بقولهم، فاعلم أنه صاحب سنة إن شاء الله۔

ترجمہ: اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ، انس بن مالک، اسید بن حضیر سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے ان شاء اللہ۔

اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ ایوب، ابن عون، یونس بن عبید، عبداللہ بن ادریس اودی، شعبی، مالک بن مغول، یزید بن زریع، معاذ بن معاذ، وہب بن جریر، حماد بن سلمہ، مالک بن انس، اوزاعی اور زائدہ بن قدامہ سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے۔

اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ احمد بن حنبل، حجاج بن منہال، احمد بن نصر سے محبت کرتا ہے اور ان کا ذکر خیر کرتا ہے اور انہیں کی رائے رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے، ان شاء اللہ۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ سیدنا ابو ہریرہ، انس بن مالک، اسید بن حضیر سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے ان شاء اللہ)۔

عمومی طور پر صحابہ سے محبت کرنا واجب ہے، جیسا کہ گزرا، اور یہ ایمان کا حصہ ہے، لیکن چونکہ کچھ صحابہ ایسے ہیں جن پر اہل بدعت نے طعن و تشنیع کی ہے جیسے راوی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ساری حدیثوں کو روایت کیا ہے، اور اسی تحفظ سنت سے اہل بدعت کو تکلیف ہوتی ہے، اسی لئے یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں، کیوں کہ آپ نے حدیث کا اہتمام کیا اور اسے بہت زیادہ روایت کیا، اور امت کیلئے تحفظ سنت کا سبب بنے۔

اسی طرح انس بن مالک اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما سے بھی بغض رکھتے ہیں کیوں کہ بعض خصوصی مناقب کی وجہ سے اہل بدعت ان سے بھی بغض رکھتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ ایوب، ابن عون، یونس بن عبید، عبد اللہ بن ادریس اودی، شعبی، مالک بن مغول، یزید بن زریع، معاذ بن معاذ، وہب بن جریر، حماد بن سلمہ، مالک بن انس، اوزاعی اور زائدہ بن قدامہ سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے)۔

اسلئے کہ یہ سب حدیث کے راویوں میں سے ہیں، ان کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، یہ علمائے جرح وتعدیل ہیں، چنانچہ جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ انکے اچھے اعمال کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے، اور وہ ہے سنت کی حفاظت اور اسکا اہتمام کرنا، کیونکہ اللہ تعالی نے انکے عظیم کارناموں ہی کی وجہ سے سنت کی حفاظت کی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ احمد بن حنبل، حجاج بن منہال، احمد بن نصر سے محبت کرتا ہے اور انکا ذکر خیر کرتا ہے اور انہیں کی رائے رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ اہل سنت ہے، ان شاء اللہ)۔

یہی وہ ائمہ اہل سنت والجماعہ ہیں جنہیں خلق قرآن کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا، چنانچہ انہوں نے تکلیفیں برداشت کرلیں، مامون، معتصم اور واثق کے زمانے میں انہیں آزمایا گیا، تکلیفیں دی گئیں مگر ان لوگوں نے صبر سے کام لیا، معتزلہ کی وجہ سے انہیں پریشان کیا گیا، اسلئے کہ اس وقت وہی خلفاء

کے حاشیہ بردار تھے، وہی خلفاء کے مشیر تھے، لہذا انہوں نے اعتزالی مذہب عام کر دیا، اور لوگوں پر زبردستی لازم بھی کر دیا کہ سب لوگ خلق قرآن کا عقیدہ رکھیں، اس طرح یہ بہت بڑا فتنہ تھا، اس فتنے کے سامنے امام احمد رحمہ اللہ مضبوط پہاڑ بن کر ڈٹے رہے، اور ہر تکلیف کو برداشت کرلیا، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے اس دین کو غالب کیا اور ان زنادقہ کا قلع قمع کیا، علمائے اہل سنت میں سے بہتوں کو قتل کر دیا گیا جن میں احمد بن نصر اور ابن نوح بھی شامل ہیں، امام احمد کے قتل کا بھی معتزلہ نے مطالبہ کیا تھا لیکن اللہ تعالی نے آپ کو بچالیا، اور اس طرح خلیفہ کو بھی اس جرم بچالیا، البتہ آپ کو تکلیفیں بہت دی گئیں، لیکن صبر کیا یہاں تک کہ متوکل کے ہاتھ سے اللہ نے آپ کو نجات دی، اور اسکے بعد اہل سنت والجماعہ کو بلندی حاصل ہوئی۔

اور یہ اللہ کی سنت ہے کہ تکلیف کے بعد ہی کشادگی آتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: **(فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا [5] إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا)** ترجمہ: پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ [5] بے شک اسی مشکل کے ساتھ ایک اور آسانی ہے۔ (الشرح:٦)۔

❁❁❁

{145} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل يجلس مع رجل من أهل الأهواء، فحذره وعرفه، فإن جلس معه بعد ما علم فاتقه، فإنه صاحب هوى.

ترجمہ: اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ کسی نفس پرست آدمی کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو اسے ڈراؤ اور اسکے بارے میں بتلاؤ، پھر اگر جاننے کے بعد بھی بیٹھتا ہے تو اس سے بھی بچو کیونکہ وہ بھی نفس پرست ہے۔

الشرح:

نفس پرست سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور کتاب وسنت کی پیروی نہیں کرتے، جو انکی خواہشات کے موافق ہوتا اسے قبول کرتے ہیں اور یہی یہودیوں کی روش ہے، کیونکہ یہود بھی رسولوں کی پیروی انہیں چیزوں میں کرتے تھے جو انکی خواہشات کے مطابق ہوتی تھیں، اور جو انکی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتیں تو ان میں وہ رسولوں کی مخالفت کرتے تھے؛ اس وقت وہ یا تو رسولوں کو قتل کر دیتے تھے یا انکی تکذیب کر دیتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ**) ترجمہ: جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لے کر آیا جسے ان کے دل نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے ایک گروہ کو جھٹلا دیا اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ (المائدہ: ۷۰)۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اس امت کے منافقین کے بارے میں فرمایا: (**وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ [48] وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ**) ترجمہ: اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو اچانک ان میں سے کچھ لوگ منہ موڑنے والے ہوتے ہیں۔ [48] اور

اگر ان کے لیے حق ہو تو مطیع ہو کر اس کی طرف چلے آتے ہیں۔(النور:۴۹)۔

نفس پرستوں کا یہی طریقہ شروع سے آج تک ہمیشہ رہا ہے، چنانچہ انکے یہاں حق وہی ہے جو انکی خواہشات کے موافق ہو اور جو انکی خواہشات کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے، گرچہ اسے جبریل لیکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے ہوں، وہ ان کے نزدیک باطل ہی ہوگا، یہی ان کا طریقہ ہے، اور اسی روش پر گمراہ فرقے قائم ہیں، کیونکہ یہ ہر اس چیز کو قبول نہیں کرتے جو قرآن وحدیث کے اندر وارد ہوئے ہیں اگر وہ ان کی خواہشات کے مخالف ہیں، وہ یا تو اسکی تاویل کر دیتے ہیں یا پھر تحریف کر دیتے ہیں، یا پھر اسکی تکذیب ہی کر دیتے ہیں، یہی انکا طریقہ ہے۔

اسی لئے مولف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ انکی صحبت سے دور رہو اسلئے کہ یہ آپ پر اپنا اثر ڈال دیں گے، اور بسا اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ انکے ساتھ بیٹھ کر انکی روش سے متاثر ہو جائیں، اسلئے اہل بدعت سے دور رہیں، خواہ یہ بدعت اعتقادی ہو جیسے جہمیہ اور معتزلہ کی بدعت، یا عبادت میں ہو جیسے کہ وہ لوگ جو جہالت اور ضلالت کی بنیاد پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، وہ عبادت تو کرتے ہیں مگر بغیر کسی دلیل اور بغیر ہدایت ورہنمائی کے، اور یہ چیز صوفیاء اور انکے ان ہم فکر لوگوں پر منطبق ہوتی ہے جو عبادت کے اندر بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، یا اس سے کمتر چیزوں میں بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں، بدعتیں مختلف ہوتی ہیں مگر سب شر وفساد کا منبع ہیں، کسی بدعت کے بارے میں معمولی کہنا مناسب نہیں اور نہ ہی کسی بدعت کے بارے میں تساہل سے کام لینا ٹھیک ہے، کیونکہ یہ آگ کی چنگاری جیسی ہوتی ہیں کہ اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو آس پاس کی ساری چیزیں جلا کر خاک کر دیں گی، اور اگر آگے بڑھ کر انہیں بجھا دیا جائے تو لوگ انکے شر سے محفوظ ہو جائیں گے، اسلئے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ بدعتیوں سے آگاہ رہیں اور انکے ساتھ حسن ظن نہ رکھیں اور انکے ظاہری زہد وتقوی سے دھوکہ نہ کھائیں، جیسا کہ تبلیغیوں کے بارے میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ گنہگاروں کو توبہ کراتے ہیں، سو یہ جب تک بدعتی صوفی ہیں ان سے دھوکہ نہ کھائیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ کسی نفس پرست آدمی کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو اسے ڈراؤ اور اسکے بارے میں بتلاؤ)۔

کیونکہ بدعتیوں کے ساتھ اسکا بیٹھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان سے مانوس ہے، جس طرح کہ اگر کوئی اہل خیر کے پاس بیٹھتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خیر اور اہل خیر سے محبت کرتا ہے، اسی طرح جو اہل شر کے ساتھ بیٹھتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شر سے مانوس ہے اور اہل شر سے محبت کرتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ**) ترجمہ: اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔ (الانعام: ۶۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا**) ترجمہ: اور بلا شبہ اس نے تم پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہو، بے شک اللہ منافقوں اور کافروں، سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۰)۔

اسی طرح اللہ تعالی نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ اہل خیر ہی کے ساتھ بیٹھا کریں، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ**

وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا) ترجمہ: اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھ جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں اور تیری آنکھیں ان سے آگے نہ بڑھیں کہ تو دنیا کی زندگی کی زینت چاہتا ہو اور اس شخص کا کہنا مت مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام ہمیشہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔ (الکھف: ۲۸)۔

چنانچہ اللہ نے حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلال، عمار اور سلمان جیسے نادار صحابہ کے ساتھ بیٹھیں اکابر قریش کے ساتھ نہ بیٹھیں، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے پاس بیٹھتے تھے کہ ممکن ہے وہ اسلام لے آئیں اور انکے دل نرم پڑ جائیں، مگر اللہ نے آپ کو انکے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا، اسلئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ اپنے پاس سے ان لوگوں کو بھگا دو تا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی باتیں سنیں، چنانچہ آپ نے یہ خیال کیا کہ ٹھیک ہے ابھی ان کے ساتھ بیٹھ جاتا ہوں اور ان نادار صحابہ کے ساتھ پھر دوسری مجلس کر لیں گے، مگر اللہ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: (**وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا**) ترجمہ: اور اس شخص کا کہنا مت مان جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام ہمیشہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔ (الکھف: ۲۸)۔

کیونکہ اللہ تعالی کو معلوم تھا کہ یہ لوگ نہ تو بات سنیں گے اور نہ ہی ایمان لائیں گے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ**) ترجمہ: اور ان لوگوں کو دور نہ ہٹا جو اپنے رب کو پہلے اور پچھلے پہر پکارتے ہیں، اس کا چہرہ چاہتے ہیں، تجھ پر ان کے حساب میں سے کچھ نہیں اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر کچھ

ہے کہ تو انھیں دور ہٹا دے، پس تو ظالموں میں سے ہو جائے۔ (الانعام: ۵۲)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پھر اگر جاننے کے بعد بھی بیٹھتا ہے تو اس سے بھی بچو کیونکہ وہ بھی نفس پرست ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ آپ اسے اہل شر کے ساتھ بیٹھنے سے منع کریں، اگر نصیحت قبول نہ کرے تو اس سے دور ہو جائیں، کیونکہ وہ بدعتی کے پاس جان بوجھ کر بیٹھا ہے نادانی اور جہالت کی بنیاد نہیں بیٹھا ہے۔

❁❁❁

{146} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا سمعت الرجل تأتيه بالأثر فلا يريده، ويريد القرآن، فلا تشك أنه رجل قد احتوى على الزندقة، فقم من عنده ودعه.

ترجمہ: اور جب کسی کے بارے میں سنو کہ اگر اسکے پاس حدیث لیکر آؤ تو اسے نہیں لیتا ہے بلکہ وہ صرف قرآن لیتا ہے، تو جان لو کہ وہ بلا شبہ زندیق ہے، اسے چھوڑ دو اور اسکے پاس سے اٹھ جاؤ۔

الشرح:

اس جماعت کو اہل قرآن کہتے ہیں، یہ اپنے گمان میں صرف قرآن کو حجت مانتے ہیں، سنت کو حجت نہیں مانتے، ایسے لوگ زندیق ہیں؛ کیونکہ سنت پر عمل کرنا قرآن پر عمل کرنا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**) ترجمہ: اور رسول تمھیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے تمھیں روک دے تو رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ (الحشر: ۷)۔

اور اسلئے بھی کہ سنت قرآن کی تفسیر اور تشریح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ**) ترجمہ: اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ (النحل: ۴۴)۔

جس صرف قرآن سے حجت پکڑنے کا دعوی کرتے ہیں لوگوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمادی تھی جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: " أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلَى أَرِيكَتِهِ،

يَقُولُ: عَلَيْكُمْ بِهَذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ.

ترجمہ: مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سنو، مجھے کتاب (قرآن) دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی (یعنی سنت)، قریب ہے کہ ایک آسودہ آدمی اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوئے کہے: اس قرآن کو لازم پکڑو، جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو، اور جو اس میں حرام پاؤ، اسی کو حرام سمجھو۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۴)۔

مزید اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى[3] إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى**)

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ [3] وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ (النجم: ۴)۔

چنانچہ قرآن کی طرح احادیث بھی وحی الہی ہیں گرچہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں لیکن معانی اللہ ہی کے ہیں۔

چنانچہ جو شخص سنت کو ترک کر کے صرف قرآن سے احتجاج کا قائل ہے وہ زندیق ہے، اور یہاں زندیق سے مراد منافق ہے، یہی مولف رحمہ اللہ نے مراد کیا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اسے چھوڑ دو اور اسکے پاس سے اٹھ جاؤ)۔

یعنی اسکی صحبت میں نہ رہو، کیونکہ وہ سنت کو ترک کر کے صرف قرآن سے احتجاج کرنے کی دعوت دیتا ہے اور لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔

❁❁❁

{147} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن الأهواء كلها ردية تدعو كلها إلى السيف، وأرداها وأكفرها: الروافض، والمعتزلة، والجهمية، فإنهم يردون الناس على التعطيل والزندقة.

ترجمہ: اور جان لو! ہر طرح کی نفس پرستی بیکار ہوتی ہے جو تلوار کی طرف دعوت دیتی ہے، اور ان میں سب سے بیکار اور کفریہ: روافض، معتزلہ اور جہمیہ ہیں، کیونکہ یہ لوگوں کو تعطیل اور زندقہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! ہر طرح کی نفس پرستی بیکار ہوتی ہے)۔

نفس پرستی وہ ہے جو کتاب وسنت کے خلاف ہو، یہ افکار ونظریات اور مذاہب میں بھی ہوتی ہے اور حزبیات وغیرہ میں بھی ہوتی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: (**فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ**) ترجمہ: پھر اگر وہ تیری بات قبول نہ کریں تو جان لے کہ وہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ۵۰)۔

چنانچہ یہ مسلمان کا واجبی فریضہ ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول لے فرامین کی پیروی کرے اور اپنی خواہشات نفس یا فلاں فلاں کی پیروی نہ کرے، بلکہ لوگوں کے اقوال وآراء کو کتاب وسنت پر پیش کرے، جو موافق ہو اسے لے لے اور جو مخالف ہو اسے ترک کر دے، یہی صاحب حق ہے، البتہ جو لوگوں کی خواہشات اور آراء کی طرف بھاگے وہ اندھا مقلد ہے وہ یہ نہیں سوچتا کہ وہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، اور نہ

ہی انہیں کسی معیار پر جانچتا ہے بلکہ اسی کو معیار سمجھتا ہے، سو یہی خواہشات نفس کا پیرو ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جو تلوار کی طرف دعوت دیتی ہے)۔

یعنی نفس پرستی فتنوں کی طرف دعوت دیتی ہے، چنانچہ مسلمانوں کے اندر آپس میں جو لڑائیاں ہوتی ہیں اور آپس میں جو اختلافات ہوتے ہیں وہ انہیں خوارج معتزلہ جیسے نفس پرستوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جو فتنوں کو بڑھاوا دیتے ہیں، اور سارے فتنے انہیں کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں، آخر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کس نے کیا؟ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کس نے کیا؟ پھر اسکے بعد مسلمانوں میں فتنوں کی آگ کس نے بھڑکائی؟ مامون الرشید اور اسکے بعد آنے والے خلفاء کو اہل سنت والجماعہ کو ستانے پر کس نے ابھارا؟ امام احمد اور دیگر ائمہ دین کو مارنے اور قید کرنے کا سبب کون بنے سوائے ان نفس پرستوں کے؟

آخر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو قید کس نے کروایا یہاں تک کہ آپ قید خانے ہی میں وفات پاگئے؟ ان نفس پرستوں کے سوا آخر کون تھا؟ اسلئے ضروری ہے کہ ہم ان سے آگاہ رہیں، اسلئے کہ انکے شر وفساد کا نتیجہ بالآخر مسلمانوں میں اختلاف اور حکام کے خلاف خلاف خروج و بغاوت ہوتا ہے، یہ چاہتے ہیں کہ امت مختلف جماعتوں اور فرقوں میں بھی رہے ایک امت بن کر نہ رہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور ان میں سب سے بیکار اور کفریہ: روافض، معتزلہ اور جہمیہ ہیں)۔

نفس پرستوں میں یہ سب سے برے ہیں، اور ان میں بھی سب سے برے روافض ہیں، اور انہیں روافض اسلئے کہا گیا کیونکہ انہوں نے زید بن علی بن الحسین کے اس موقف کی مخالفت کی تھی جب انہوں نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو گالی دینے سے انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ میں انہیں گالی نہیں دے سکتا، کیونکہ ابوبکر وعمر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور ساتھی تھے، جب آپ نے انکار کردیا تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو رفض کرتے ہیں یعنی آپ کا ساتھ دینے سے انکار کردیتے ہیں، اسی وقت سے

انہیں روافض کہا جانے لگا۔

اور جہمیہ جہم بن صفوان کے پیروکار ہیں جس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اور معتزلہ عمرو بن عبید اور واصل بن عطا کے پیروکار ہیں جو حسن بصری کی مجلس سے الگ تھلگ ہو گئے تھے، اور پھر انہوں نے علمائے سنت سے علم حاصل نہیں کیا، اسی لئے انہیں معتزلہ کہا گیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ یہ لوگوں کو تعطیل اور زندقہ کی طرف لے جاتے ہیں)۔

تعطیل اسماء و صفات کے انکار کو کہتے ہیں، اور زندقہ کتاب وسنت کو پس پشت ڈال کر خواہشات نفس کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔

❁❁❁

{148} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أنه من تناول أحدا من أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، فاعلم أنه إنما أراد محمدا صلى الله عليه وسلم، وقد آذاه في قبره.

{149} وإذا ظهر لك من إنسان شيء من البدع، فاحذره؛ فإن الذي أخفى عنك أكثر مما أظهر.

ترجمہ: اور جان لو! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو برا بھلا کہا تو یقیناً اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اور اس نے قبر میں آپ کو تکلیف پہونچائی۔

اور اگر کسی کی طرف سے کسی بدعت کا پتہ چلے تو اس سے بچ کر رہو، کیونکہ اس نے تمہارے سامنے جس قدر بدعت کا اظہار کیا ہے اس سے کہیں سے زیادہ وہ بدعتوں کو چھپا کر رکھا ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو برا بھلا کہا تو یقیناً اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا)۔

یعنی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو گالی دی اور ان پر طعن وتشنیع کی یقیناً اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی؛ کیونکہ وہ آپ کے ساتھی، انصار اور معاون ہیں، چنانچہ اگر کوئی ان پر طعن وتشنیع کرتا ہے تو گویا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتا ہے، کیونکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اکٹھا کیا تھا، آپ ہی ان کے معاملات کو دیکھتے تھے اور انہیں عزیز رکھتے تھے، آپ ہی نے انہیں تربیت دی تھی، اب اگر کوئی ان پر نقد کرتا ہے تو گویا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نقد کرتا ہے اور یہ الزام لگاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو اپنا ساتھی بنایا جو برے تھے اچھے نہیں تھے، کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن نہیں ہے؟!

یہی وجہ ہے کہ روافض ابوبکر وعمر کو جبت وطاغوت کہتے ہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی جبت وطاغوت تھے، گویا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تمیز اور فہم وفراست نہیں تھی، نعوذ باللہ، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی مدح وستائش کرتے تھے، گویا آپ انکی حقیقت نہیں جانتے تھے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ, قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو۔ اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مدغلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔" (صحیح بخاری: ۳۶۷۳)۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی تعریف کررہے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بدعتیوں کے اعتبار سے فاسق وفاجر اور طاغوت وکافر کی تعریف کررہے ہیں، نعوذ باللہ، کیا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن نہیں ہوگا؟!

اسی طرح یہ قرآن پر بھی طعن ہے جس کے اندر صحابہ کی تعریف وارد ہوئی ہے، ارشاد باری تعالی ہے: **(لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا)** ترجمہ: بلاشبہ یقینا اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کررہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کردی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔ (الفتح:۱۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ) ترجمہ: بلا شبہ یقینا اللہ نے نبی پر مہربانی کے ساتھ توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار پر بھی، جو تنگ دستی کی گھڑی میں اس کے ساتھ رہے، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہوجائیں، پھر وہ ان پر دوبارہ مہربان ہوگیا۔(التوبہ:۱۱۷)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ:۱۰۰)۔

اسلئے صحابہ کو وہ شخص بھی گالی نہیں دے سکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا:(یقینا اس نے محمد ﷺ کو برا بھلا کہا اور اس نے قبر میں آپ کو تکلیف پہونچائی)۔

اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس بات سے راضی نہیں ہوں گے کہ کوئی آپ کے صحابہ کو برا بھلا کہے، بلکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوگی، ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا۔(الاحزاب:۵۷)۔

چنانچہ جو صحابہ کو گالی دیتا ہے ان پر نقد و جرح کرتا ہے وہ اللہ اور اسکے رسول کو تکلیف دیتا ہے،

اور یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اگر کوئی ایسی گستاخی کرتا ہے تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں بھی تکلیف پہونچتی ہے، اور ایسا کرنے والا ملعون ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا**) ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف پہنچاتے ہیں اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا۔ (الاحزاب: ۵۷)۔

۞۞۞

{150} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل من أهل السنة ردىء الطريق والمذهب، فاسقا فاجرا، صاحب معاص، ضالا، وهو على السنة، فاصحبه، واجلس معه، فإنه ليس تضرك معصيته۔

ترجمہ: اور اگر کسی اہل سنت کو دیکھو کہ وہ برے راستے پر چل رہا ہے، فاسق وفاجر ہے، گنہگار ہے، گمراہ ہے، مگر وہ سنت پر قائم ہے، تو بھی اس کی صحبت میں رہو، اور اسکے ساتھ بیٹھو، کیونکہ اسکی معصیت تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچائے گی۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی اہل سنت کو دیکھو کہ وہ برے راستے پر چل رہا ہے، فاسق وفاجر ہے، گنہگار ہے، گمراہ ہے، مگر وہ سنت پر قائم ہے، تو بھی اس کی صحبت میں رہو)۔

کیونکہ اسکی معصیت اور اسکا فسق وفجور اسی تک محدود رہتا ہے اور وہ اسے گناہ سمجھتا ہے کبھی بھی توبہ کر سکتا ہے اسی لئے اسکی صحبت ایک بدعتی کے مقابلے بہتر ہے کیونکہ ایک بدعتی خود کو حق پر سمجھتا ہے وہ اپنی بدعت سے کبھی توبہ نہیں کر سکتا، اور اسکی بدعت متعدی ہے، اور اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ آپ برے لوگوں کی صحبت اختیار کریں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ایک بدعقیدہ بدعتی کی صحبت کے مقابلے ایک صحیح العقیدہ گنہگار کی صحبت بہتر ہے، یہی مولف رحمہ اللہ نے مراد لیا ہے۔

اور بلاشبہ بدعت شیطان کے نزدیک معصیت کے مقابلے کہیں زیادہ محبوب ہے، کیونکہ ایک بدعتی اپنی بدعت سے توبہ نہیں کرتا جبکہ ایک گنہگار سے امید ہوتی ہے کہ وہ گناہ سے توبہ کرلے اسلئے کہ وہ اسے گناہ سمجھ رہا ہوتا ہے برخلاف ایک بدعتی کے جو اپنی بدعت کو دین سمجھ رہا ہوتا ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (وہ سنت پر قائم ہے، تو بھی اس کی صحبت میں رہو)۔

یعنی جب تک وہ اسلام پر قائم ہو، کسی کفریہ چیز کا ارتکاب نہ کرے، اور نہ ہی اسکے پاس بدعات ہوں، تو ایسی صورت میں اسکی صحبت ایک بدعتی کی صحبت کے مقابلے کم نقصان دہ ہے، گرچہ ایک بدعتی تقوی، پرہیزگاری اور دینداری، زیادہ دکھائے پھر بھی اسکی صحبت زیادہ نقصان دہ ہے، اور جیسا کہ میں نے بتلایا کہ شیخ کے کلام سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپ ایک گنہگار اور فاسق و فاجر کی صحبت میں بیٹھنے کی دعوت دے رہے ہیں بلکہ آپ ایک فاسق اور ایک بدعتی کے درمیان مقارنہ کر رہے ہیں، اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ایک فاسق کے فساد کے مقابلے ایک بدعتی کا فساد کہیں زیادہ سنگین ہے، پھر کیا حال ہوگا اگر ایک باشرع اہل سنت کی صحبت اختیار کی جائے؟ یقینا اسکی صحبت ایک اہل سنت گناہ گار کی صحبت کے مقابلے بہتر ہوگا، اسی کو حدیث میں اچھا ساتھی کہا گیا ہے جو کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارنے والا ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ اسکی معصیت تمہیں کوئی نقصان نہیں پہونچائے گی)۔

اسلئے کہ اس کی معصیت اسی تک محدود ہوگی، لیکن یہ معلوم رہے کہ یہ مقارنہ اور مقابلہ کے باب سے ہے، یعنی ایک عاصی کی معصیت آپ کو کوئی نقصان نہیں پہونچائے گی جبکہ ایک بدعتی کی بدعت سے آپ کو نقصان ہو سکتا ہے۔

❁❁❁

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا رأيت الرجل مجتهدا، متقشفا محترقا بالعبادة، صاحب هوى، فلا تجالسه، ولا تقعد معه، ولا تسمع كلامه ولا تمش معه في طريق، فإني لا آمن أن تستحلي طريقته فتهلك معه.

ترجمہ: اور اگر کسی ایسے شخص کو دیکھو جو بڑا عبادت گزار ہو مگر وہ نفس پرست خواہشات کا بندہ ہو، تو اسکے ساتھ نہ بیٹھو، اور نہ ہی اسکا کلام سنو، اور نہ ہی راستے میں اسکے ساتھ چلو، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم اسکے طریقے کو اچھا سمجھنے لگو اور تم بھی اسی کے ساتھ ہلاک ہو جاؤ۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی ایسے شخص کو دیکھو جو بڑا عبادت گزار ہو مگر وہ نفس پرست خواہشات کا بندہ ہو، تو اسکے ساتھ نہ بیٹھو، اور نہ ہی اسکا کلام سنو)۔

یعنی بدعتی سے دھوکہ نہ کھائیں گرچہ وہ زہد وتقوی اور قیام وصیام میں معروف ہو، اگر وہ نفس پرستی اور بدعت میں مبتلا ہے تو اس کے تعلق سے ذرا بھی نرمی نہ دکھائیں، بلکہ اس سے یقینی طور پر سورہ بنائے رکھیں، بعض سلف نے کہا ہے کہ سنت میں میانہ روی اختیار کرنا بدعت میں جہد ومشقت دکھانے سے بہتر ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور نہ ہی راستے میں اسکے ساتھ چلو)۔

یہ کلام پہلے سابق کلام پر عطف ہے، یعنی جس طرح ایک بدعتی کی صحبت اختیار کرنے سے آگاہ کیا گیا ہے اسی طرح اسکے ساتھ چلنے سے بھی آگاہ کیا گیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بدعتوں سے آگاہ کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ سب سے بری چیز بدعت ہوتی ہے۔

یہ بدعت معصیت سے بھی زیادہ بری ہے، چنانچہ ایک بدعتی ایک گنہگار سے زیادہ برا ہوتا ہے

اسلئے اس پہلو پر متنبہ ہونا ضروری ہے، کیونکہ اسکے ساتھ راہ چلنا آپ پر اثر انداز ہوگا، اور آپ کو بدعت تک لے جاسکتا ہے، بطور خاص اس وقت جب آپ بظاہر اسکے زہد و تقوی کو دیکھ کر اسکے تئیں حسن ظن رکھتے ہوں گے، اس طرح اس کی بدعت آپ کے اندر بھی سرایت کر سکتی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ، فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيرِ، إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ رِيحًا خَبِيثَةً ".

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نیک مصاحب اور بد مصاحب کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی، مشک والا یا تو تجھے یونہی دے گا (تحفہ کے طور پر سونگھنے کے لیے) یا تو اس سے خرید لے گا یا تو اس سے اچھی خوشبو پائے گا اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا بری بو تجھ کو سونگھنی پڑے گی۔" (صحیح مسلم: ۲۶۲۸)۔

یہ چیز اس وقت تبلیغیوں پر منطبق ہوتی ہے جن سے بہت سارے لوگ دھوکہ میں ہیں، اور ان سے بہت سے لوگ متاثر ہو رہے ہیں، یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ گنہگاروں کو توبہ کراتے ہیں، لیکن انہیں نہیں معلوم کہ ان گنہگاروں کو معصیت سے بدعتوں کی کھائی میں لے جا رہے ہیں، جو کہ معصیت سے بھی کہیں زیادہ سنگین ہے، ہمیں یہاں پر متنبہ رہنا چاہئے کہ ایک صحیح العقیدہ گنہگار ایک بدعقیدہ بدعتی سے کہیں زیادہ بہتر ہے، کیونکہ بدعت سارے گناہوں پر بھاری ہے اسلئے کہ یہ سارے خیر کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

اور تبلیغی جماعت سے دور رہنے پر بہت سارے لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں اور ان سے آگاہ کیا ہے، اور جہاں تک شیخ محمد بن ابراہیم کی طرف سے اجازت کا مسئلہ ہے تو اس وقت انکا معاملہ کھل کر

سامنے نہیں آیا تھا اسلئے آپ نے انکے ساتھ نکلنے کی اجازت دے دی تھی، لیکن بعد میں جب آپ پر انکا مسئلہ واضح ہوگیا تو پھر اپنی کتاب مجموع الفتاوی (۱/ ۲۲۷) کے اندر ان پر سخت رد کیا ہے، اور آپ نے بعد میں ہر اس شخص سے دعوت توحید کی شرط لگاتے تھے جو انکے ساتھ نکلنا چاہتا تھا مگر کوئی اس وعدے کو پورا نہیں کر پاتا کیونکہ وہ اسکی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اسی طرح کا معاملہ شیخ ابن باز کا بھی ہے کہ پہلے آپ نے انکی تعریف کی تھی لیکن جب انکا معاملہ آپ پر واضح ہوا تو آپ نے رجوع کر لیا اور کہا کہ انکے ساتھ وہی نکلے جو انہیں حق اور توحید کی دعوت دے، اور شرعی مخالفات پر ان پر نکیر کرے۔ (مجموع الفتاوی: ۸/ ۲۹۶)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم اسکے طریقے کو اچھا سمجھنے لگو اور تم بھی اسی کے ساتھ ہلاک ہو جاؤ)۔

نتیجہ یہی ہوگا، چنانچہ جب آپ اسکی صحبت اختیار کرو گے اور اسکے ساتھ چلو گے تو دھیرے دھیرے وہ آپ کو اچھا لگنے لگے گا اور اسکی بدعت آپ کے اندر سرایت کرنے لگے گی، پھر آپ بھی اسے قبول کرنے لگیں گے، بالآخر آپ بھی اسکے ساتھ ہلاک ہو جائیں گے، یعنی آپ بھی اسکی طرح بدعتی ہو جائیں گے، اسلئے بدعتیوں کا خطرہ بہت سنگین ہے، اور موجودہ دور میں بدعتی بہت ہیں، اسلئے ضروری ہے کہ ہم بدعت کو پہچانیں، اسلئے کہ اس وقت بہت سارے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جن کے پاس دین کے نام پر سب کچھ بدعت ہی ہوتا ہے، اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ فلاں بدعتی ہے تو اسکے پاس مت بیٹھیں اور نہ ہی اسکے ساتھ چلیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ورأى يونس بن عبيد ابنه وقد خرج من عند صاحب هوى، فقال: يا بني! من أين جئت؟ قال: من عند عمرو بن عبيد. قال: يا بني، لأن أراك تخرج من بيت خنثى أحب إلي من أن أراك تخرج من بيت فلان، ولأن تلقى الله يا بني زانيا سارقا خائنا أحب إلي من أن تلقاه بقول فلان وفلان.

أفلا ترى أن يونس بن عبيد قد علم أن الخنثى لا يضل ابنه عن دينه، وأن صاحب البدعة يضله حتى يكفره.

ترجمہ: اور یونس بن عبید نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ ایک نفس پرست شخص کے پاس ہو کر آرہا ہے تو کہا: میرے بیٹے! تم کہاں سے آرہے ہو؟ کہا: عمرو بن عبید کے پاس سے۔ کہا: میرے بیٹے! میں تمہیں مخنث کے گھر سے نکلتا ہوا دیکھوں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں تمہیں فلاں شخص کے گھر سے نکلتا ہوا دیکھوں۔ میرے بیٹے! تم اپنے رب سے ملاقات زانی، چور اور خائن ہو کر کرو یہ میرے نزدیک زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ تم اپنے رب سے فلاں کے عقیدے کے ساتھ ملاقات کرو۔

کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ یونس بن عبید کو معلوم ہے کہ مخنث اپنے بیٹے کو اسکے دین سے گمراہ نہیں کرتا ہے جبکہ ایک بدعتی اسے گمراہ ہی کرتا ہے یہاں تک کہ اسے کفر تک پہونچا دیتا ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یونس بن عبید نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ ایک نفس پرست شخص کے پاس ہو کر آرہا ہے تو کہا: میرے بیٹے! تم کہاں سے آرہے ہو؟ کہا: عمرو بن عبید کے پاس سے)۔

یہ عمرو بن عبید معتزلہ کا امام ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کہا: میرے بیٹے! میں تمہیں مخنث کے گھر سے نکلتا ہوا دیکھوں

یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ میں تمہیں فلاں شخص کے گھر سے نکلتا ہوا دیکھوں)۔

یہاں مقصود یہ ہیکہ اہل بدعت کی مجلسوں میں نہ جاؤ، آپ صحیح العقیدہ گنہگار کی مجلس میں بیٹھیں یہ بدعتی کی مجلس سے بہتر ہے، یونس آپ نے بیٹے کو یہی سمجھا رہے ہیں، اسلئے کہ وہ معتزلہ کے شیخ عمرو بن عبید کے پاس بیٹھا تھا، اسی طرح بدرجہ اولی کسی بدعتی سے تعلیم حاصل کرنا کہیں زیادہ سنگین ہے، اسلئے اہل بدعت نفس پرستوں سے علم حاصل نہیں کرنا چاہئے، بلکہ علمائے سنت سے علم حاصل کرنا چاہئے، جیسا کہ ابن سیرین نے کہا ہے کہ دینی علوم سیکھنے کیلئے غور سے دیکھو کہ اسے کس سے دیکھ رہے ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (میرے بیٹے! تم اپنے رب سے ملاقات زانی، چور اور خائن ہوکر کرو یہ میرے نزدیک زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ تم اپنے رب سے فلاں کے عقیدے کے ساتھ ملاقات کرو)۔

یعنی تم گنہگار ہوکر مرو شرک و بدعات کا ارتکاب لئے بغیر تو اس وقت رحمت کی امید کی جاسکتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا**) ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقینا اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔ (النساء:۴۸)۔

یہاں تک کہ گرچہ ایک مرتکب کبیرہ گنہگار دوزخ میں سزا بھگتے مگر بالآخر اسے ایک دن دوزخ سے نکال کر جنت میں ڈالا جائے گا، وہاں ہمیشہ نہیں رہے گا، مگر ایک بدعتی کیلئے ممکن ہے کہ اسکی بدعت مکفرہ ہو اور وہ بھی کافروں کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ یونس بن عبید کو معلوم ہے کہ مخنث اپنے بیٹے کو اسکے دین سے گمراہ نہیں کرتا ہے جبکہ ایک بدعتی اسے گمراہ ہی کرتا ہے یہاں تک کہ اسے کفر تک پہونچا دیتا ہے)۔

ایک بدعتی کے ساتھ کہ بیٹھنے کی یہی حکمت ہے،اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمان کے پاس بیٹھا کر چہ وہ گنہگار رہو، کیونکہ بدعتی کی صحبت سے جو نقصان ہوگا وہ گنہگار صحیح العقیدہ کی صحبت کے نقصان سے کہیں زیادہ سنگین ہوگا، اسلئے کہ ایک بدعتی آپ کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دے گا جس میں کتاب وسنت کی مخالفت ہوگی، جبکہ ایک گنہگار آپ کو کتاب وسنت کی مخالفت کی طرف نہیں بلائے گا، اس طرح دونوں میں فرق واضح ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کو گناہ کی طرف بلائے مگر یہ نہیں ہوگا کہ وہ آپ کو سنت کی مخالفت کر کے بدعت کی طرف بلائے۔ بلکہ وہ سنت کا احترام کرے گا گرچہ عمل نہ کرے برخلاف ایک بدعتی کے جو سنت کے برخلاف بدعت کی تعظیم کرتا ہے۔

{151} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واحذر ثم احذر أهل زمانك خاصة، وانظر من تجالس، وممن تسمع، وممن تصحب، فإن الخلق كأنهم في ردة، إلا من عصمه الله منهم.

ترجمہ: اور بچ کر رہو، بطور خاص اپنے زمانے والوں سے، اور دیکھ لیا کرو کہ کس کی صحبت میں بیٹھتے ہو، اور کس کی باتیں سنتے ہو، اور کس کے ساتھ رہتے ہو، ایسا لگتا ہے کہ سارے لوگ اس وقت ارتداد کی طرف جا رہے ہیں سوائے اس کے جسے اللہ بچا لے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور بچ کر رہو، بطور خاص اپنے زمانے والوں سے)۔

اسلئے کہ مولف بربہاری رحمہ اللہ کے دور میں فتنے عروج پر تھے، اسی لئے آپ تمام لوگوں کو شرور وفتن اور بدعات گمراہیوں سے آگاہ کر رہے ہیں جو انکے دور میں پیش خیمہ ہوں، یہ صرف آپ کے زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر وہ دور مراد ہے جس میں فتنے عروج پر ہوں چنانچہ ایسے موقع پر ایک مسلمان کو محتاط رہنا ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایسا لگتا ہے کہ سارے لوگ اس وقت ارتداد کی طرف جا رہے ہیں سوائے اس کے جسے اللہ بچا لے)۔

یہ آپ کے دور کی بات ہے، مگر یہ فتنہ بار بار آتا رہتا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ دور پہلے کے مقابلے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ اسلئے کہ زمانے جس طرح گزرتا جا رہا ہے شر وفساد اور فتنے اسی قدر بڑھتے جا رہے ہیں، اور سنت اجنبی ہوتی جا رہی ہے، اسی طرح اس پر چلنے والے لوگ بھی کم ہوتے جا رہے ہیں، اس لئے اس وقت خطرہ مزید سنگین ہے۔

❁ ❁ ❁

{152} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وانظر إذا سمعت الرجل يذكر ابن أبي دؤاد، وبشرا المريسي، وثمامة، أو أبا الهذيل أو هشاما الفوطي أو واحدا من أتباعهم وأشياعهم فاحذره، فإنه صاحب بدعة، فإن هؤلاء كانوا على الردة، واترك هذا الرجل الذي ذكرهم بخير، ومن ذكر منهم بمنزلتهم.

ترجمہ: اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ ابن ابي دؤاد، بشر مریسی، ثمامہ، ابوالہذیل یا ہشام فوطی یا انکے کسی پیروکار یا انکی طرح کسی شخص کو یاد کرتا ہے، تو اس سے بچ کر رہو، کیونکہ وہ بدعتی ہے، اسلئے کہ یہ لوگ مرتد تھے، اور اس شخص کو چھوڑ دو جو انہیں خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے، اور وہ بھی اسی کے درجے میں ہیں جنہیں یہ یاد کر رہا ہے، یعنی انہیں بھی چھوڑ دو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کسی کو دیکھو کہ وہ ابن ابي دؤاد، بشر مریسی، ثمامہ، ابوالہذیل یا ہشام فوطی کو یاد کر رہا ہے)۔

یعنی اگر آپ دیکھیں کہ کوئی اہل شر اور گمراہ علماء کی تعریف کر رہا ہے جیسے جہمیہ کے ان چوزوں کی کوئی تعریف کرے، تو جان لو کہ وہ فاسق، فاسد العقیدہ اور گمراہ ہے؛ اسلئے کہ وہ اس کی اسی لئے تعریف کر رہا ہے کیونکہ وہ اس سے محبت کرتا ہے، اور اسکے طریقے اور فکر کو درست مانتا ہے، لیکن جب کسی کو دیکھو کہ وہ اہل سنت والجماعہ کی تعریف کر رہا ہے جیسے امام احمد اور ابن المبارک کی تعریف کرتا ہو یا کسی تابعی عالم کی یا بعد میں آنے والے اہل سنت والجماعہ کے کسی عالم کی تعریف کرتا ہو تو جان لو کہ وہ درست منہج پر ہے، اسلئے کہ اس نے اہل سنت کی تعریف کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سنت سے محبت کرتا ہے، اور اسے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے، یہیں سے ان طلبہ اور اہل علم کیلئے یہ درس ملتا ہے جو بدعتی، نفس

پرست یا منحرف افکار ونظریات والوں کی تعریف کرتے ہیں اور انکے افکار کی طرف نہیں دیکھتے اور دوسری طرف اہل خیر پر نقد کرتے ہیں اوران پر طعن وتشنیع کرتے ہیں کیونکہ وہ انہیں گمراہوں سے ایسی باتیں سنتے ہیں اور تصدیق کر لیتے ہیں، یہ بہت ہی سنگین معاملہ ہے، ایسے گمراہوں کو ایکسپوز کرنا واجب ہے۔

اور ابن ابی دواد اور بشر مریسی ہی نے مامون رشید کو امام احمد اور دیگر ائمہ اہل سنت کو سزا دینے پر ابھارا تھا تاکہ اسکی طرح وہ بھی خلق قرآن کا عقیدہ مان لیں۔

اور ثمامہ بن اشرس گمراہوں کا لیڈر تھا۔

اور ابوالہذیل علاف کبار معتزلہ میں سے تھا، اور ہشام بوطی بہت بڑا بدعتی تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (یا انکے کسی پیروکار یا انکی طرح کسی شخص کو یاد کرتا ہے، تو اس سے بچ کر رہو)۔

یعنی کوئی بھی اگر ان شرپسندوں اور گمراہوں کے بیٹھتا ہو تو اس سے بچ کر رہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے کہ یہ لوگ مرتد تھے)۔

یعنی ان میں سے بعض مرتد تھے جیسے جہمیہ اور وہ معتزلہ جو جان بوجھ کر کتاب وسنت کی مخالفت کرتے تھے چنانچہ ایسے لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور جہاں تک انکے مقلدین کی بات ہے تو انہیں گمراہ کہہ سکتے ہیں اور کفر کا فتوی اسی وقت لگائیں گے جب ان پر حجت قائم ہو جائے اور انکا کفر واضح ہو جائے، لیکن جہاں تک انکے سرغنوں کا تعلق ہے تو وہ اپنی گمراہیوں کی بنیاد پر مرتد ہوں گے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس شخص کو چھوڑ دو جو انہیں خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے)۔

یعنی اس سے دھوکہ نہ کھائیں، کیونکہ بدعتیوں میں بھی اچھے اوصاف والے ہوتے ہیں، اسی لئے آپ انکی گمراہیوں کو دیکھیں، اور چند اچھائیوں پر دھوکہ نہ کھائیں، اور یہ بھی ایک عظیم حکمت ہے، کیوں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کے پاس خیر ہے گرچہ منحرف ہے، حالانکہ اسکے اندر کوئی خیر نہیں ہے اس

سے دور رہنا چاہیے، جس طرح اہل سنت کے پاس گرچہ تھوڑا بہت شر ہو مگر اسی کے پاس رہنا چاہیے کیونکہ وہ صحیح العقیدہ ہے۔

❁❁❁

{153} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والمحنة في الإسلام بدعة، وأما اليوم فيمتحن بالسنة، لقوله: إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم.

ولا تقبلوا الحديث إلا ممن تقبلون شهادته. فتنظر، إن كان صاحب سنة له معرفة صدوق كتبت عنه وإلا تركته.

ترجمہ: اور اسلام کے اندر آزمائش کرنا بدعت ہے، مگر آج سنت میں آزمائش کی جاتی ہے، جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: یہ علم دین ہے، اسلئے دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔
اور حدیث کو صرف اسی شخص سے قبول کرو جسکی گواہی قبول کرتے ہو، پھر دیکھو اگر وہ سنت پر ہے، اور اسے اسکی معرفت ہے، اور وہ سچا ہے، تو اس سے لکھ لو بصورت دیگر اسے ترک کر دو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اسلام کے اندر آزمائش کرنا بدعت ہے، مگر آج سنت میں آزمائش کی جاتی ہے)۔

ایک مسلمان کے اندر اصل خیر اور حسن ظن رکھنا ہے جب تک کہ اسکی خلاف ظاہر نہ ہو جائے، یہی مولف رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک خیر کے سوا کچھ دوسرا ظاہر نہ ہو ہم اسے خیر ہی پر سمجھیں گے خواہ وہ منافق ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے ظاہر کو قبول فرماتے تھے اور دل کی باتوں کو اللہ کے حوالے کر دیتے تھے، چنانچہ مسلمان کھ تئیں آپ حسن ظن رکھیں مگر جب دیکھو کہ وہ سنت اور اہل سنت سے بغض رکھتا ہے تو اس سے بچ کر رہو، یہی مطلب ہے مولف رحمہ اللہ کے اس قول کا کہ اسلام آزمائش کرنا بدعت ہے۔ یعنی جب تک کسی مسلمان کی طرف سے کوئی برائی ظاہر نہ ہو اسے مت آزماؤ۔
اور پتہ چلتا ہے کہ مولف رحمہ اللہ کے دور میں سنت کے ذریعے آزمایا جاتا تھا، کیونکہ اس وقت بہت

سارے گمراہ فرقے پیدا ہو گئے تھے، اسلئے ضروری تھا کہ لوگوں کا امتحان لیا جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کون سنت پر قائم ہے اور کون صرف دعویدار ہے اور حقیقت میں وہ گمراہی پر ہے اور تا کہ ایسے لوگوں سے بچا جائے۔

چنانچہ جو اہل سنت سے محبت کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اہل خیر میں سے ہے اور جو اہل بدعت سے محبت کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اہل شر میں سے ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے: یہ علم دین ہے، اسلئے دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو)۔

چنانچہ دینی تعلیم علمائے اہل سنت سے سیکھا جائے گا نہ کہ علمائے بدعت سے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور حدیث کو صرف اسی شخص سے قبول کرو جسکی گواہی قبول کرتے ہو)۔

یعنی قاضی کے پاس جسکی گواہی تم قبول کرتے ہو، اسلئے کہ اس وقت بہت سے راوی ضعیف ہیں، روایت کرنے میں جھوٹ بھی پایا جانے لگا، اور یہ ساری چیزیں ان لوگوں کیلئے ہے جو علم حدیث کو جانتے ہیں مگر جو علم حدیث کو نہیں جانتے وہ کتب سنہ کی طرف رجوع کریں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (پھر دیکھو اگر وہ سنت پر ہے، اور اسے اسکی معرفت ہے، اور وہ سچا ہے، تو اس سے لکھ لو بصورت دیگر اسے ترک کر دو)۔

یہ کلام سابق کی توضیح ہے، یعنی جس سے آپ حدیث روایت کرتے ہو اور دینی تعلیم حاصل کرتے ہو اسے دیکھو اگر وہ اہل سنت صحیح العقیدہ ہے تو اس سے حدیث لکھو اور روایت کرو، بصورت دیگر اسے ترک کر دو، کیونکہ حدیث کے روایت کرنے والے جھوٹے بھی ہیں، حدیثیں بڑھنے والے بھی ہیں، یہ تو سند کے ساتھ حدیث بیان کرنے والوں کی بات ہے، مگر جہاں تک حدیث کے نقل کرنے کی بات ہے تو اسکے لیے کتب سنہ کی طرف رجوع کریں۔

{154} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا أردت الاستقامة على الحق وطريق أهل السنة قبلك فاحذر الكلام، وأصحاب الكلام، والجدال والمراء، والقياس، والمناظرة في الدين، فإن استماعك منهم - وإن لم تقبل منهم - يقدح الشك في القلب، وكفى به قبولا فتهلك، وما كانت زندقة قط، ولا بدعة، ولا هوى، ولا ضلالة، إلا من الكلام، والجدال، والمراء، والقياس، وهي أبواب البدعة، والشكوك والزندقة.

ترجمہ: اور اگر آپ حق پر اور اہل سنت کے طریقے پر استقامت چاہتے ہیں، تو علم کلام، اور اصحاب کلام، بحث ومباحثہ، جدال وقیاس اور دینی مناظرہ سے دور رہو، کیونکہ ان کی باتوں کو سننے سے دل میں شک پیدا ہوگا، گرچہ قبول نہ کریں، اور یہ شک پیدا ہونا قبول کرنے کیلئے کافی ہے، اسی میں ہلاکت ہے، اور کبھی کوئی زندقہ، بدعت، خواہشات نفس اور گمراہی نہیں پیدا ہوئی مگر اسی علم کلام اور قیاس وجدال سے، یہی ہر بدعت، شک اور زندقہ کے دروازے ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر آپ حق پر اور اہل سنت کے طریقے پر استقامت چاہتے ہیں، تو علم کلام، اور اصحاب کلام سے دور رہیں)۔

یعنی ان گمراہوں سے دور رہیں کیونکہ علم کلام، علم جدل اور علم منطق جیسے گمراہ کن علوم کو انہوں نے ہی دینی علوم کے اندر گھسایا ہے، اور پھر انہوں نے دین وعقیدے کے اندر انہیں علوم کو حجت مان لیا اور کتاب وسنت کو ترک کر دیا یہ کہہ کر کہ یہ علم یقین کا فائدہ نہیں دیتے ہیں، جبکہ منطق وفلسفہ کی حجتیں انکے نزدیک قطعی علم کا فائدہ دیتی ہیں، اسی لئے مسلمانوں پر انہیں کے ذریعے شر آیا ہے بایں طور کہ انہوں نے کتاب وسنت کو مشکوک بنا کر منطق وفلسفہ کو علم یقین بنا دیا اور اسی کو یہ براہین قاطعہ کہنے لگے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (بحث ومباحثہ، جدال وقیاس اور دینی مناظرہ سے دور رہو)۔

امور دین میں کوئی آزادی نہیں ہے جیسا کہ آج کے حریت پسند کہتے ہیں، دینی امور میں جسے چاہا لے لیا اور جسے چاہا رد کر دیا ایسا بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ دینی امور کتاب وسنت کے دلائل پر منحصر ہیں، جن پر بحث ومباحثہ اور جدال ومناظرہ نہیں ہوتا، ان کا احترام کیا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے، یہی صحیح منہج اور اصول ہے، اور اللہ و رسول پر ایمان لانے کا یہی تقاضہ ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: (مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ) ترجمہ: اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، توان کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (غافر: ۴)۔

چنانچہ جو لوگ قرآن میں جھگڑا کرتے ہیں یہ کہتے ہوئے کہ کیا یہ اللہ کا کلام ہے یا انسان کا کلام ہے، کیا یہ علم یقین کا فائدہ دیتا ہے یا نہیں، وغیرہ وغیرہ، تو یہی اللہ کی آیتوں میں جھگڑا کرنا ہے، گویا انہیں اللہ کی آیتوں پر بھروسہ نہیں ہے اسی لئے ان میں یا احادیث رسول میں جھگڑا کرتے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنی خواہشات سے نہیں بولتے تھے۔ (النجم: ۳)۔ اور یہ اس طرح جھگڑتے ہیں جیسے وہ شک کے دائرے میں ہو، جبکہ امور دین کو بلا چون چرا قبول کرنا چاہئے، ان میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ ان کی باتوں کو سننے سے دل میں شک پیدا ہوگا، گرچہ قبول نہ کریں)۔

یعنی امور دین میں ان کے باتوں کو سننے سے آپ کے دل پر اثر ڈالے گا گرچہ اسکی تصدیق نہ کریں، اور مستقبل میں ان کے اندر تساہل سے کام لیں گے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جب کسی چیز پر رگڑ زیادہ پڑنے لگتی ہے تو اسکا احساس کم ہو جاتا ہے، چنانچہ اس ملک کے اندر ڈش اور ٹی وی چینلز آنے سے پہلے لوگوں کا عقیدہ بہت سالم تھا انکے یہاں کوئی شکوک وشبہات نہیں تھے، اور نہ ہی دینی امور میں کوئی حجت

کرتا تھا، بلکہ لوگ اس بارے میں علماء سے رجوع کرتے تھے،لیکن اس وقت تو لوگ امور دین کو بھی جنگ وجدال کا میدان بنالئے ہیں،آزادی رائے کے نام پر جو چاہتے ہیں کہتے ہیں،معاملہ جہت سنگین ہوچکا ہے،کوئی کہتا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے،کوئی کہتا ہے کہ دین کو علماء چھپا کر رکھتے ہیں،یہ طعن وتشنیع اور جرح ہے،علماء اختلافات کو جانتے ہیں مگر انہیں عوام الناس کے سامنے نہیں لاتے، کیونکہ وہ اسکی مصلحت سمجھتے ہیں، جبکہ یہ لوگ عوام کے سامنے اختلافی مسائل بیان کرتے پھرتے ہیں،کوئی کہتا ہے کہ اس مسئلے میں اختلاف ہےکوئی کہتا ہے کہ اس میں علماء کے کئی اقوال ہیں،اس طرح عوام کے ذہن میں شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں،جوکہ جائز نہیں ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور کبھی کوئی زندقہ، بدعت،خواہشات نفس اور گمراہی نہیں پیدا ہوئی مگر اسی علم کلام اور قیاس وجدال سے)۔

کیونکہ اس سے امور دین میں جھگڑا پیدا ہوتا ہے،اور یہاں قیاس سے مراد قیاس فاسد ہے، کیونکہ قیاس صحیح تو اصول ادلہ میں شمار ہوتا ہے،ویسے قیاس کی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: قیاس اولی: جیسے کہ آپ کہیں کہ ہر وہ کمال جس میں نقص نہ ہو وہ اللہ کیلئے اولی ہے یعنی اسکا زیادہ مستحق اللہ ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(**وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ**) ترجمہ:اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اونچی شان اسی کی ہے اور وہی سب پر غالب،کمال حکمت والا ہے۔(الروم:۲۷)۔

دوسری قسم: قیاس تمثیل، جیسے کوئی کہے کہ خالق کی صفات مخلوق جیسی ہیں جیسا کہ ممثلہ کہتے ہیں جوکہ باطل ہے۔

تیسری قسم: قیاس علت، یہ اصول فقہ کے ادلہ میں سے ہے جسے فقہی مسائل میں استعمال کیا جاتا ہے اور جمہور اہل علم اسے مانتے ہیں۔

۞ ۞ ۞

{155} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فالله الله في نفسك، وعليك بالأثر، وأصحاب الأثر، والتقليد، فإن الدين إنما هو بالتقليد يعني للنبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه رضوان الله عليهم ، ومن قبلنا لم يدعونا في لبس، فقلدهم واسترح، ولا تجاوز الأثر، وأهل الأثر۔

ترجمہ: اللہ کے واسطے اللہ سے ڈرو، حدیث اور اہل حدیث کو اور تقلید کو لازم پکڑلو، کیونکہ دین تقلید ہی کا نام ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی تقلید، چنانچہ جو ہم سے پہلے کے سلف ہیں انہوں نے مشتبہ امور کی طرف دعوت نہیں دی ہے، اسلئے انہیں کی تقلید کرو، اور آرام کرو، حدیث اور اہل حدیث سے تجاوز نہ کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اللہ کے واسطے اللہ سے ڈرو، حدیث اور اہل حدیث کو اور تقلید کو لازم پکڑلو)۔

یہاں تقلید سے مراد اتباع ہے، وہ تقلید مراد نہیں ہے جو متاخرین کے یہاں پائی جاتی ہے، بلکہ اہل علم اور اہل خیر کی اتباع اور اقتداء مراد ہے جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ**) ترجمہ: اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ (التوبہ: ۱۰۰)۔ مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ**) ترجمہ: اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔ (یوسف: ۳۸)۔

یہی اتباع اور تقلید ہے یعنی حق پر کسی کی تقلید اور اتباع کرنا اچھی بات ہے، جبکہ اندھی تقلید کرنا بغیر دلیل کے مردود ہے، اسی لئے تقلید کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ تقلید جو حق پر کسی کی اتباع کی جائے، تو یہ اچھی چیز ہے۔

دوسری قسم: بغیر دلیل کے کسی کی اندھی تقلید کرنا بغیر یہ معلوم کئے کہ جسکی تقلید کی جارہی ہے کیا رکھا پر ہے یا باطل پر، تو یہی تقلید مذموم ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ دین تقلید ہی کا نام ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کی تقلید)۔

اسی کو اتباع کہتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (چنانچہ جو ہم سے پہلے کے سلف ہیں انہوں نے مشتبہ امور کی طرف دعوت نہیں دی ہے)۔

یعنی قرون مفضلہ کے ہمارے ائمہ سلف جنہوں نے دین کو کھول کر بیان کر دیا، اس میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے، اسے بدعات وخرافات سے اور شرک والحاد سے پاک کر دیا ہے، اب ہم پر ضروری ہے کہ ہم اسی طریقے اور منہج پر چلیں اور دوسرے تمام بدعتی اور شرکیہ مناہج سے دور رہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسلئے انہیں کی تقلید کرو، اور آرام کرو)۔

یعنی اب انہیں کے نقش قدم پر چلو، وہی ہمارے لئے کافی ہے، مگر ضروری ہے کہ یہ اتباع حق اور دلیل پر ہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (حدیث اور اہل حدیث سے تجاوز نہ کرو)۔

کیونکہ یہ لوگ حق پر ہیں، اور یہی فرقہ ناجیہ ہے، امام احمد سے جب پوچھا گیا کہ فرقہ ناجیہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے کہا: اگر اس سے مراد اہل حدیث نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا یہ کون ہیں۔

{156} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقف عند المتشابه، ولا تقس شيئا.

ترجمہ: اور متشابہ امور کے پاس ٹھہر جاؤ اور کسی چیز پر قیاس نہ کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور متشابہ امور کے پاس ٹھہر جاؤ اور کسی چیز پر قیاس نہ کرو)۔

ارشاد باری تعالی ہے: (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ[7] رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ[8] رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ) ترجمہ: ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے، حالانکہ ان کی اصل مراد نہیں جانتا مگر اللہ اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر جو عقلوں والے ہیں۔ [7] اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر، اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بے حد عطا کرنے والا ہے۔ [8] اے ہمارے رب! بے شک تو سب لوگوں کو اس دن کے لیے جمع کرنے والا ہے جس میں کوئی شک نہیں، بے شک اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں

کرتا۔(آل عمران:۹)۔

یہاں پر اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے قرآن میں ایسی محکم آیتیں اتاری ہیں جن کا معنی بہت ہی واضح ہے انکی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے اور کچھ متشابہ آیات بھی ہیں جنکی تفسیر کی ضرورت ہے یا تو قرآن سے یا پھر سنت رسول سے، جیسے مطلق اور مقید، مجمل اور مفصل، اسی طرح ناسخ اور منسوخ، یہ سب کلام اللہ اور کلام رسول میں موجود ہیں، مگر جو ٹیڑھے دل والے ہوتے ہیں وہ محکم کو چھوڑ کر متشابہ آیات کے پیچھے پڑتے ہیں اس لئے کہ وہ فتنہ چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کلام اللہ اور کلام رسول سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ وہ وہی بات لیتے ہیں جو متشابہ اور مشکوک ہوتی ہے جبکہ محکم اور واضح بات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن جو علمائے راسخین ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، وہ متشابہ آیات کو محکم آیات پر محمول کرتے ہیں اور اس طرح وہ کتاب وسنت پر مکمل طور پر عمل کرتے ہیں، جبکہ جن کے دل ٹیڑھے ہوتے ہیں وہ متشابہ کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بھی قرآن پر عمل کرتے ہیں جبکہ وہ فی نفسہ غیر واضح ہوتا ہے اسکی وضاحت اور تفسیر کی ضرورت ہوتی ہے اور اسکے لئے دوسری آیات و احادیث کی ضرورت پڑتی ہے جو ایک دوسرے کی تصدیق اور تفسیر کرتی ہیں، جو کہ علمائے راسخین کا منہج ہے، لیکن اہل ضلالت کتاب کے بعض حصے پر عمل کرتے ہیں اور بعض حصے کو چھوڑ دیتے ہیں، اور اس طرح کے لوگ ہر دور میں پائے جاتے ہیں، کوئی ایسا ہوتا ہے جو جان بوجھ کر ایسا کرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بعض جہالت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں کیونکہ وہ متعالم کم علم ہوتے ہیں، اصولوں کو وہ نہیں پڑھے ہوتے ہیں، نہ تو علوم قرآن پڑھتے ہیں اور نہ ہی اصول حدیث اور نہ ہی اصول فقہ پڑھتے ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ مطالعہ کرتے ہیں اور علوم کو یاد کرتے ہیں، اور پھر خود کو مسلم سمجھنے لگتے ہیں، انکے پاس اصول وقواعد نہیں ہوتے کیونکہ یہ علمائے راسخین سے نہیں پڑھتے ہیں، اس طرح یہ جاہل کے جاہل ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ گمراہ ہو جاتے ہیں، اور بغیر اصول وضوابط پڑھے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یا تو یہ کج رو ہوتے ہیں جنہیں یہ پتہ ہوتا ہے کہ وہ غلط پر ہیں پھر بھی وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بھی آیت اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ایسا کہہ کر لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

دوسری قسم: یہ لوگ جاہل ہوتے ہیں انہیں طریقہ استدلال کا پتہ نہیں ہوتا اور نہ ہی فہم نصوص کا ملکہ ہوتا ہے، اسلئے کہ وہ اہل علم سے علوم دین نہیں سیکھا ہوتا ہے، بلکہ اوراق سے سیدھا پڑھا ہوتا ہے۔

اس طرح معاملہ بہت ہی خطرناک ہے، طلبہ کو چاہیئے کہ علوم دین کو اہل علم اور اہل بصیرت سے حاصل کریں، ورنہ خود مطالعہ کرنے والے علماء سے دوری بنا کر رہنے والے خود ہلاک ہوتے ہیں اور دوسروں کیلئے بھی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور قیاس نہ کرو)۔

یعنی قیاس باطل نہ کرو۔ مثلا اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**) ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۴)۔

اسکے بعد اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ**) ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ اپنی بیویوں کے لیے ایک سال تک نکالے بغیر خرچہ دینے کی وصیت کریں۔ (البقرہ: ۲۴۰)۔

یہاں پر اللہ تعالی نے وفات کی عدت کو پورے ایک سال بتایا ہے، اب ہم کس آیت پر عمل کریں گے؟ علماء نے دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق دی ہے کہ دوسری آیت پر شروع میں عمل ہوتا تھا پھر اللہ نے تخفیف کر دی اور یہ آیت نازل فرمائی: (**وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ**

أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ) ترجمہ: اور جو لوگ تم میں سے فوت کیے جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ (بیویاں) اپنے آپ کو چار مہینے اور دس راتیں انتظار میں رکھیں، پھر جب اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنی جانوں کے بارے میں معروف طریقے سے کریں اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔ (البقرہ: ۲۳۴)۔

اسی طرح اللہ تعالی نے چور کے ہاتھ کو کاٹنے کے بارے میں فرمایا: (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) ترجمہ: اور جو چوری کرنے والا اور جو چوری کرنے والی ہے سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، اس کی جزا کے لیے جو ان دونوں نے کمایا، اللہ کی طرف سے عبرت کے لیے اور اللہ سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (المائدہ: ۳۸)۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا اور کہاں سے کاٹا جائے گا؟ اور کتنی چوری پر کاٹا جائے گا؟ یہ ساری تفصیل قرآن کے اندر موجود نہیں ہے، یہ سب سنت رسول میں ہے جسے قرآن کی تشریح اور تفسیر کہا جاتا ہے، چنانچہ سنت رسول میں ہے کہ دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا، اور ہتھیلی کے گٹے سے کاٹا جائے گا، اور تین درہم یا چوتھائی دینار سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اس طرح آپ دیکھیں گے کہ سنت رسول قرآن کی تفسیر ہے۔

اللہ تعالی نے نماز کا حکم دیا ہے، مگر کتنی نماز؟ اس کے کیا اوقات ہوں گے؟ نماز میں کتنی رکعات؟ یہ سب سنت رسول میں موجود ہے، اسلئے دینی امور میں علم و بصیرت کی ضرورت ہے۔

اسی طرح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ جَرِيرٍ ، قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ:

اسْتَنْصِتِ النَّاسَ، ثُمَّ قَالَ: " لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ ".

ترجمہ: سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا حجۃ الوداع میں: "چپ کراؤ لوگوں کو" (تا کہ وہ اس ضروری بات کو سنیں) پھر فرمایا: "میرے بعد، میرے اس مؤقف کے بعد یا وفات کے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا" (صحیح مسلم:٦٥)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ مومن کو قتل کرنے والا کافر ہو جائے گا، جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر مقتولوں میں بدلہ لینا لکھ دیا گیا ہے، آزاد (قاتل) کے بدلے وہی آزاد (قاتل) اور غلام (قاتل) کے بدلے وہی غلام (قاتل) اور (قاتلہ) عورت کے بدلے وہی (قاتلہ) عورت (قتل) ہوگی، پھر جسے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ بھی معاف کر دیا جائے تو معروف طریقے سے پیچھا کرنا اور اچھے طریقے سے اس کے پاس پہنچا دینا (لازم) ہے۔ (البقرہ:١٧٨)۔

یہاں پر مقتول کو قاتل کا بھائی کہا گیا ہے، پتہ چلا کہ قاتل کافر نہیں ہے، اور اب بھی اسلامی اخوت باقی ہے، اسلئے حدیث میں وارد کفر سے مراد کفر اصغر ہے جس کے ارتکاب سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا) ترجمہ: اور اگر ایمان والوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ (الحجرات:٩)۔

پتہ چلا کہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کرنے سے ایمان ختم نہیں ہوتا بلکہ یہ گناہ کبیرہ ہے جسے کفر اصغر کہا گیا ہے، کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا ہے:(**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ**) ترجمہ: مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔(الحجرات:۱۰)۔

یہاں پر آپس میں قتال کرنے والوں کو بھائی کہا گیا ہے، اسلئے ضروری ہے کہ دینی امور میں سوچ کر اور فقہ دین حاصل کر کے بات کی جائے، اور دینی علوم کو انکے خاص مصادر اور مراجع اور انکے حاملین ہی سے حاصل کیا جائے ۔

چنانچہ جس طرح قرآن کے اندر متشابہ آیات ہیں اسی طرح حدیث کے اندر بھی متشابہ احادیث ہیں جنہیں آپس میں ایک دوسرے کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور ایک دوسرے کی تفسیر و توضیح کی جاتی ہے ۔

{157} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا تطلب من عندك حيلة ترد بها على أهل البدع، فإنك أمرت بالسكوت عنهم، ولا تمكنهم من نفسك.

أما علمت أن محمد بن سيرين مع فضله لم يجب رجلا من أهل البدع في مسألة واحدة، ولا سمع منه آية من كتاب الله، فقيل له، فقال: أخاف أن يحرفها فيقع في قلبي شيء.

ترجمہ: اور تم کوئی ایسا حیلہ تلاش نہ کرو جس سے اہل بدعت پر رد کرو، کیونکہ تمہیں ان کے تعلق سے خاموش رہنے کا حکم ہے، اور انہیں تم اپنے لئے قادر نہ بناؤ۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ محمد بن سیرین اپنے مقام ومرتبے کے باوجود کسی بدعتی سے کسی مسئلے میں بحث نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی اس سے کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتے تھے، اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے خوف ہے کہ وہ آیت کو تحریف کردے اور وہی میرے دل میں بیٹھ جائے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور تم کوئی ایسا حیلہ تلاش نہ کرو جس سے اہل بدعت پر رد کرو)۔

یعنی اگر تم اہل بدعت پر رد کرنا چاہو تو جہالت کی بنیاد پر رد نہ کرو کیونکہ اسے مصیبت میں مزید اضافہ ہو جائے گا، بلکہ ان پر علم وبصیرت کے ساتھ رد کرو، اسی طرح نہ ہی اپنی خواہشات اور اپنی فکر پر مبنی معلومات سے رد کرو بلکہ اگر شریعت کا صحیح علم ہو تو رد کرو ورنہ خاموش رہو۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ تمہیں ان کے تعلق سے خاموش رہنے کا حکم ہے)۔

یعنی اگر علم نہ ہو تو خاموش رہو، مگر انکی بدعت سے نفرت کرو اور دل میں نکیر کرو، البتہ علم نہ ہونے کی وجہ سے اس پر رد نہ کرو؛ کیونکہ معاملہ بننے سے زیادہ بگڑ جائے گا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور انہیں تم اپنے لیئے قادر نہ بناؤ)۔

اسلئے کہ اگر تم عدم علم کی بنیاد پر رد کرو گے تو وہ تم پر بھی رد کریں گے اور تم ان کا جواب نہیں دے سکو گے اس طرح تم پر وہ غالب آجائیں گے اور وہ تمہاری غلطیوں کو گنانا شروع کریں گے جس سے تم ہی کو غلط اور باطل ٹھہرا دیں گے، لیکن جب علم و حجت کی بنیاد پر رد کرو گے تو پھر وہ تم پر غالب نہیں آسکیں گے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیا آپ نہیں جانتے کہ محمد بن سیرین اپنے مقام و مرتبے کے باوجود کسی بدعتی سے کسی مسئلے میں بحث نہیں کرتے تھے)۔

محمد بن سیرین کبار تابعی اور مشہور عالم دین ہیں اسکے باوجود آپ بدعتی پر رد نہیں کرتے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اسلئے کہ وہ علمی سوال نہیں ہٹ دھرمی کا سوال کرتے ہیں، اور یہ انکی طرف سے حکمت پر مبنی فیصلہ تھا کیونکہ اہل شر ہمیشہ شر ہی پھیلاتے ہیں، کیونکہ جب آپ نے اندازہ لگا لیا کہ یہ نہ تو رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی حق کے متلاشی ہیں بلکہ یہ صرف تشویش پیدا کرتے ہیں اسلئے آپ نے انکے تعلق سے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے:

إذا نطق السفيه فلا تجبه

فخير من إجابته السكوت

ترجمہ: جب کوئی بیوقوف بات کرے تو خاموش رہو کیونکہ اس کا جواب دینے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور نہ ہی اس سے کتاب اللہ کی کوئی آیت سنتے تھے)۔

کیونکہ آپ اس کے مقصود کو سمجھتے تھے کہ یہ سمجھنا نہیں چاہتا ہے اسی لئے آپ اسے جواب نہیں دیتے تھے اور نہ ہی اسے آیت کا مفہوم بتاتے تھے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: مجھے خوف ہے

کہ وہ آیت کو تحریف کر دے اور وہی میرے دل میں بیٹھ جائے)۔

یعنی دل میں شکوک وشبہات واقع ہونے کے خوف سے آپ اسکا سد باب کرنا چاہتے تھے۔

{158} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا سمعت الرجل يقول: إنا نحن نعظم الله - إذا سمع آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم - فاعلم أنه جهمي، يريد أن يرد أثر رسول الله صلى الله عليه وسلم، ويدفع بهذه الكلمة آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو يزعم أنه يعظم الله وينزهه إذا سمع حديث الرؤية، وحديث النزول وغيره، أفليس قد رد أثر رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ وإذا قال: إنا نحن نعظم الله أن ينزل من موضع إلى موضع، فقد زعم أنه أعلم بالله من غيره، فاحذر هؤلاء، فإن جمهور الناس من السوقة وغيرهم على هذا الحال، وحذر الناس منهم.

ترجمہ: اور جب کسی کو سنو کہ وہ احادیث رسول کو سن کر کہے: ہم اللہ کی تعظیم کرتے ہیں، تو جان لو کہ وہ جہمی ہے، وہ حدیث رسول کو رد کرنا چاہتا ہے، اور وہ اپنے اس کلمے کے ذریعے احادیث رسول کو دفع کر رہا ہوتا ہے، حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ کی تعظیم کر رہا ہے، اسکی تنزیہ کر رہا ہے جب وہ حدیث رویت اور حدیث نزول وغیرہ کو سنتا ہے، کیا وہ حدیث رسول کو رد نہیں کر رہا ہے؟ اور جب وہ کہے کہ ہم اللہ کو عظیم سمجھتے ہیں اس بات سے کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نازل ہو، تو گویا اس کا یہ گمان ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں دوسرے کے مقابلے زیادہ جانکار ہے، تو ایسے لوگوں سے بچ کر رہو، کیونکہ تمام عام وخاص لوگ اسی موقف پر ہیں، اور ایسے لوگوں سے دوسروں کو آگاہ بھی کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جب کسی کو سنو کہ وہ احادیث رسول کو سن کر کہے: ہم اللہ کی تعظیم کرتے ہیں، تو جان لو کہ وہ جہمی ہے)۔

کیونکہ ایک جہمی جب صفات والی احادیث کو سنتا ہے جیسے نزول اور صفت رویت والی

حدیثوں کو، تو اس وقت کہتا ہے کہ ہم اللہ کی تعظیم کرتے ہیں، تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ان حدیثوں سے اللہ کو بڑا اور بالاتر سمجھتے ہیں، اسلئے کہ یہ حدیثیں اللہ کی اسکی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کا متقاضی ہیں، اور اس میں اسکی تنقیص ہے، گویا احادیث رسول کے اندر اللہ کی تنقیص اور تشبیہ بیان کی گئی ہے، چنانچہ حقیقت یہی ہے کہ وہ اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ وہ احادیث رسول کی توہین کرنا چاہتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (وہ حدیث رسول کو رد کرنا چاہتا ہے، اور وہ اپنے اس کلمے کے ذریعے احادیث رسول کو دفع کر رہا ہوتا ہے)۔

یعنی اسکا یہ کہنا کہ ہم اللہ کی تعظیم کرتے ہیں یہ ایسا کلمہ ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی تنقیص الہی کا بہانہ بنا کر احادیث رسول کا رد کرنا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (گویا اس کا یہ گمان ہے کہ وہ اللہ کے بارے میں دوسرے کے مقابلے زیادہ جانکار ہے)۔

گویا وہ اللہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ جانتا ہے، اب کیا اس کفر سے بھی بڑا کوئی کفر ہو سکتا ہے، والعیاذ باللہ۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ تمام عام وخاص لوگ اسی موقف پر ہیں)۔

یعنی ایک جہمی جب اللہ کی تعظیم کی بات کرتا ہے تو سارے لوگ اسے ظاہر پر محمول کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کی مراد نہیں سمجھتے۔

{159} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا سألك أحد عن مسألة في هذا الكتاب، وهو مسترشد فكلمه، وأرشده. وإذا جاءك يناظرك، فاحذره، فإن في المناظرة: المراء، والجدال، والمغالبة، والخصومة، والغضب، وقد نهيت عن هذا جدا، وهو يزيل عن طريق الحق، ولم يبلغنا عن أحد من فقهائنا، وعلمائنا أنه ناظر أو جادل أو خاصم

ترجمہ: اور اگر کوئی آپ سے اس کتاب کے کسی مسئلے کے تعلق سے سوال کرے اس حال میں کہ وہ رہنمائی چاہتا ہو، تو اس سے بات کر کے اسے رہنمائی کردو۔ لیکن اگر کوئی آ کر مناظرہ کرے تو اس سے دور رہو، کیونکہ مناظرہ میں بحث و جدال اور جھگڑا ہوتا ہے ایک دوسرے سے ناراضگی ہوتی ہے، اور ہمیں اس سے سختی سے روکا گیا ہے، وہ دراصل راہ حق سے بھٹکانا چاہتا ہے، اور ہمیں اپنے کسی فقیہ اور عالم کے بارے میں یہ خبر نہیں ملی ہے کہ اس نے کسی سے مناظرہ کیا ہو یا لڑائی اور بحث و جدال کیا ہو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اگر کوئی آپ سے اس کتاب کے کسی مسئلے کے تعلق سے سوال کرے اس حال میں کہ وہ رہنمائی چاہتا ہو، تو اس سے بات کر کے اسے رہنمائی کردو)۔

سائل کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: رہنمائی حاصل کرنے والا سائل، ایسے سائل کو آپ جواب دیں، اور اسکی صحیح رہنمائی کریں۔

دوسری قسم: ہٹ دھرم سائل، جو لوگوں پر مسئلہ کو مشکوک کر کے پیش کرے، چنانچہ ایسے سائل سے بچ کر رہیں اور اسکے ساتھ مناظرہ نہ کریں، کیونکہ اگر آپ نے اسے چھوڑ دیا تو اسی میں خیر ہے، اور اگر اسکے ساتھ بحث و مباحثہ کرنے لگے تو شر میں اضافہ ہی ہوگا، کیونکہ وہ فتنوں کو ہوا دینا چاہتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (لیکن اگر کوئی آ کر مناظرہ کرے تو اس سے دور رہو)۔

کیونکہ وہ سوائے گمراہی پھیلانے اور تلبیس کرنے کے سوا کچھ نہیں کرے گا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیونکہ مناظرہ میں بحث وجدال اور جھگڑا ہوتا ہے ایک دوسرے سے ناراضگی ہوتی ہے)۔

اسی لئے جب امام مالک رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا اور قرآن کی آیت (الرحمن علی العرش استوی) پر پوچھا کہ اللہ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ تو امام مالک رحمہ اللہ نے اللہ سے شرم کے مارے اپنا سر جھکا دیا اسکے بعد سر اٹھا کر کہا: استوا معلوم ہے، مگر کیفیت مجہول ہے، اور اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور اسکے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ تم فتنہ پرور انسان ہو۔

پھر آپ نے حکم دیا اور اس آدمی کو حلقہ سے نکال دیا گیا، اسلئے کہ وہ سوال سے رہنمائی نہیں چاہتا تھا بلکہ لوگوں کو تلبیس اور تشکیک میں ڈالنا چاہتا تھا، اور وہ استوا کی تفسیر غلط چاہتا تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور ہمیں اپنے کسی فقیہ اور عالم کے بارے میں یہ خبر نہیں ملی ہے کہ اس نے کسی سے مناظرہ کیا ہو یا لڑائی اور بحث وجدال کیا ہو)۔

یعنی اس طرح فٹ نہ پھیلانے اور لوگوں کو تشکیک میں ڈالنے کیلئے بحث ومباحثہ سلف امت میں سے کسی نے نہیں کیا ہے، بلکہ وہ رہنمائی حاصل کرنے والے سائل کا جواب دیتے تھے اور ہٹ دھرم کے سوال کو نظر انداز کر دیتے تھے، کیونکہ وہ فائدے کیلئے نہیں بلکہ فتنہ وفساد پھیلانے کیلئے سوال کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللّٰهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ**) ترجمہ: اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تو ان کا شہروں میں چلنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ (غافر: ۴)۔

قرآن بالکل واضح ہے، اس میں کوئی التباس اور شک نہیں ہے، اسلئے اس میں کسی جھگڑے اور مناظرے کی ضرورت نہیں ہے، اس میں جو کچھ آیا ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں، اسکے لفظ اور معنی

سب پر، اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں، یہی ہم پر واجب ہے۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قال الحسن: الحكيم لا يماري ولا يداري، حكمته ينشرها، إن قبلت حمد الله، وإن ردت حمد الله.

وجاء رجل إلى الحسن فقال له: أناظرك في الدين؟ فقال الحسن: أنا عرفت ديني، فإن ضل دينك فاذهب فاطلبه۔

ترجمہ: حسن بصری نے کہا: ایک حکیم نہ تو بحث وجدال کرتا ہے اور نہ ہی چاپلوسی کرتا ہے، وہ اپنی حکمت کو پھیلاتا ہے، اگر اسے قبول کرلیا گیا تو اس پر اللہ کا شکرادا کرتا ہے اور اگر نہیں قبول کیا گیا تو بھی اللہ کا شکرادا کرتا ہے۔

ایک شخص نے حسن بصری کے پاس آکر کہا: میں آپ سے ایک دینی مسئلے میں مناظرہ کرنا چاہتا ہوں، اس پر حسن بصری نے کہا: میں اپنا دین جانتا ہوں، اگر تم اپنے دین میں بھٹکے ہو تو جا کر اسے طلب کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (حسن بصری نے کہا: ایک حکیم نہ تو بحث وجدال کرتا ہے اور نہ ہی چاپلوسی کرتا ہے)۔

حسن بصری ایک مشہور تابعی اور امام ہیں، یہاں پر آپ نے حکیم کہا جس کا دو مفہوم ہوسکتا ہے: ایک وہ شخص جسکے پاس حکمت ودانائی کی باتیں ہوں، دوسرے فقیہ کے معنی میں، کیونکہ حکمت سے مراد دین کی سمجھ اور اللہ اور اسکے رسول کی باتوں کی سمجھ ہے۔ اور جو حکیم ہوتا ہے وہ ایسا مناظرہ اور خشک بحث نہیں کرتا جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، اور نہ ہی وہ اہل باطل کی خاطر مدارات کرتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (وہ اپنی حکمت کو پھیلاتا ہے، اگر اسے قبول کرلیا گیا تو اس پر اللہ

کا شکر ادا کرتا ہے)۔

کیونکہ یہی مطلوب ہے، اور اگر قبول نہ کیا گیا تو پھر بھی حجت قائم کر کے وہ بری الذمہ ہو گیا۔ اور اللہ کا شکر اسلئے ادا کرتا ہے کیونکہ اس نے حجت قائم کر دی اور اپنی ذمیداری ادا کر دی اور ہدایت دینا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (میں اپنا دین جانتا ہوں، اگر تم اپنے دین میں بھٹکے ہو تو جا کر اسے طلب کرو)۔

یہ حکمت پر مبنی بات ہے، یعنی مجھے اپنے دین میں شک نہیں ہے کہ تم سے مناظرہ کروں، اور اگر تمہیں شک ہو تو جا کر پہلے صحیح سے دین سیکھو۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وسمع رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما على باب حجرته، يقول أحدهم: ألم يقل الله كذا؟ ويقول الآخر: ألم يقل الله كذا؟ فخرج مغضبا، فقال: (أبهذا أمرتم؟ أم بهذا بعثت إليكم؟ أن تضربوا كتاب الله بعضه ببعض؟ فنهى عن الجدال.

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ لوگوں کو سنا کہ آپ کے حجرے کے دروازے پر تھے، ان میں سے ایک کہہ رہا تھا: کیا اللہ نے ایسا نہیں کہا؟ دوسرا کہہ رہا تھا: کیا اللہ نے ایسا نہیں کہا؟ یہ سن کر آپ غصہ ہو کر باہر آئے اور کہا: کیا تمہیں اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا میں تمہاری طرف اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض حصہ سے ٹکراؤ؟ اس طرح آپ ﷺ نے بحث وجدال سے منع فرما دیا۔

الشرح:

مناظرہ دراصل ایسے باریک اور دقیق مسئلوں میں ہوتا ہے جن کے تعلق سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حق کس کے پاس ہے، چنانچہ ایسے مسئلوں میں علمی مباحثہ اور مناظرہ کیا جاتا ہے تاکہ حق واضح ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ حق دونوں فریق میں سے کس کے پاس ہے، لیکن جب حق واضح ہو جائے اور کھل کر سامنے آجائے تو پھر مناظرے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (کیا تمہیں اسی کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا میں تمہاری طرف اسی لئے مبعوث کیا گیا ہوں)۔

یہ ایک عظیم حدیث ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ لوگ قرآن کے تعلق سے متشابہ آیات کو لیکر جھگڑا کر رہے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ کیا اللہ نے ایسا نہیں کہا اور دوسرا بھی یہی کہہ رہا

ہے کہ کیا اللہ نے ایسا نہیں کہا ہے؟ اور یہی گمراہوں کا طریقہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ**) ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر یہ کتاب اتاری، جس میں سے کچھ آیات محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ دوسری کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، پھر جن لوگوں کے دلوں میں تو کجی ہے وہ اس میں سے ان کی پیروی کرتے ہیں جو کئی معنوں میں ملتی جلتی ہیں، فتنے کی تلاش کے لیے اور ان کی اصل مراد کی تلاش کے لیے۔ (آل عمران: ۷)۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض حصہ سے ٹکراؤ؟ اس طرح آپ ﷺ نے بحث و جدال سے منع فرمادیا۔ اسلئے ایک عالم اور دین کا حکم رکھنے والا قرآن کی آیتوں میں تعارض پیدا نہیں کرتا بلکہ ایسی حرکت ایک کم علم والا جاہل کرتا ہے جسکے پاس نہ تو درست علم ہوتا اور نہ ہی اصول وضوابط۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكان ابن عمر يكره المناظرة، ومالك بن أنس، ومن فوقه، ومن دونه إلى يومنا هذا، وقول الله أكبر من قول الخلق، قال الله تبارك وتعالى: {مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا}.

وسأل رجل عمر بن الخطاب فقال: ما الناشطات نشطا؟ فقال: لو كنت محلوقا لضربت عنقك.

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: (المؤمن لا يماري، ولا أشفع للمماري يوم القيامة، فدعوا المراء لقلة خيره.

ترجمہ: اور ابن عمر مناظرہ کو ناپسند کرتے تھے، اسی طرح مالک بن انس، اور جو ان سے پہلے تھے اور جو بعد میں آئے آج تک، سب اسے ناپسند کرتے ہیں، اور سب سے بڑی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا)۔

ایک آدمی نے عمر بن خطاب سے سوال کیا کہ: ناشطات نشطا سے کیا مراد ہے؟ تو آپ نے کہا: اگر تم سر منڈائے ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (مومن بحث وجدال نہیں کرتا، اور میں قیامت کے روز جدال کرنے والے کیلئے شفاعت نہیں کروں گا، پس جدال چھوڑ دو کہ اس میں خیر نہیں ہے)۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اور ابن عمر مناظرہ کو ناپسند کرتے تھے)۔

یہاں مناظرہ سے مراد لوگوں کو تشویش میں ڈالنا ہے، حق مطلوب نہیں ہوتا، بلکہ کٹھ حجتی کرنا اور اپنی جماعت کے ساتھ تعصب کرنا ہوتا ہے، اور کسی طرح سے مخالف فریق کو مغلوب کرنا ہوتا ہے، یہ مذموم

مناظرہ ہے،لیکن ایسا مناظرہ جس کا مقصد حق تک پہنچنا اور اسکی معرفت ہوخواہ وہ حق کسی کے بھی پاس ہو تاکہ حق کی طرف رجوع کیا جائے تو ایسا علمی مناظرہ مقصود ومطلوب ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسی طرح مالک بن انس، اور جو ان سے پہلے تھے اور جو بعد میں آئے آج تک،سب اسے ناپسند کرتے ہیں)۔

یعنی ایسے مظاہروں کو ناپسند کرتے ہیں،لیکن ایسا مناظرہ جس کے اندر حق تک پہنچنا مقصد ہوتو وہ صحیح ہے۔اسی لئے امام شافعی کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی سے بھی اگر کبھی مناظرہ کیا تو یہی چاہتا تھا کہ حق اسی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا کہ اسے فائدہ ہو۔

کیونکہ آپ کا کو دخواہشات نفس کی پیروی نہیں بلکہ حق کا ساتھ دینا تھا خواہ وہ کسی کے بھی پاس ہو۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا: (اللہ کی آیات میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا)۔ (غافر:۴)۔

اللہ کی آیتوں میں جھگڑا انہیں انکار کرکے ہوگا اور آیتوں کا آپس میں ٹکرا کے نیز تعارض دکھا کر ہوگا،اور یہ کفار کا شیوہ ہے،اسی لئے جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ اپنی نماز میں یا رحیم یارحمن کہہ رہے ہیں تو انہوں نے کہا: اسے دیکھو یہ سمجھ رہا ہے کہ اسکے پاس ایک معبود ہے جبکہ یہ رحمن اور رحیم دو معبودوں کا نام لے رہا ہے۔اس طرح یہ عوام کو تشکیک میں ڈال رہے تھے کہ گویا رحمن ایک مستقل معبود ہے اور رحیم ایک مستقل معبود،اسی موقع پر اللہ نے یہ آیت اتاری تھی: (**قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا**) ترجمہ: کہہ دیجئیے کہ اللہ کو اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر،جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔نہ تو تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کرلے۔(الاسراء:۱۱۰)۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ایک آدمی نے عمر بن خطاب سے سوال کیا)۔

اس سے مراد صبیغ بن عقل کے جو جھگڑا اور بحث و مباحثہ کرنے میں معروف ہے، اسی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تھا کہ: ناشطات نشطا سے کیا مراد ہے؟

حالانکہ اسے ایسے سوال کی کوئی ضرورت نہ تھی، بلکہ اسے دینی امور کے تعلق سے سوالات کرنا چاہئے تھا، اور مذکورہ سوال تو تفسیر قرآن میں آسانی سے مل جاتا، اسلئے طلبہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اساتذہ سے اہم اور ضروری سوالات کریں، فضول سوالات سے پرہیز کریں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (آپ نے کہا: اگر تم سر منڈائے ہوتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا)۔

کیونکہ سر منڈانا خوارج کی نشانی ہے، اور وہی لوگ اس طرح کے سوالات کرتے تھے جن کی کوئی ضرورت نہ ہو، اسی لئے آپ نے یہ سوال کیا کہ اگر خوارج میں سے ہوتا تو اسکی پٹائی کرتے۔ بلکہ اسکی گردن بھی مار دیتے جیسا کہ خوارج کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں جہاں کہیں بھی پاؤ قتل کرو، اور اگر میں انہیں پاجاؤں تو قوم عقد کی طرح قتل کرکے برباد کردوں۔

مگر یہاں جو خطاب ہے وہ حکام کو ہے، رعایا میں سے کسی کو خطاب نہیں کیا گیا ہے، اگر ایسا ہو جائے تو ہر کوئی کسی پر بھی خارجی ہونے کا الزام لگا کر مارنا شروع کردے گا اور اس طرح ابتری اور انارکی کا ماحول ہوگا، چنانچہ خوارج سے قتال کرنے اور انہیں قتل کرنے کا ذمیدار حکام ہیں، جیسا کہ اس واقعہ میں امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قتل کرنے کیلئے کہا تھا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (مومن بحث و جدال نہیں کرتا، اور میں قیامت کے روز جدال کرنے والے کیلئے شفاعت نہیں کروں گا، پس جدال چھوڑ دو کہ اس میں خیر نہیں ہے)۔

یہاں بلا کسی فائدہ کے جدال کرنا مراد ہے، جس سے شکوک و شبہات جنم لیتے ہیں، اور وقت کا

ضیاع ہوتا ہے، اور مومن کی نشانی ہے کہ وہ بلا فائدہ کوئی علمی بحث اور مناظرہ نہیں کرتا اسی لئے آخر میں مولف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ (پس جدال چھوڑ دو کہ اس میں خیر نہیں ہے)۔

❁ ❁ ❁

{160} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا يحل لرجل مسلم أن يقول: فلان صاحب سنة حتى يعلم منه أنه قد اجتمعت فيه خصال السنة. لا يقال له: صاحب سنة حتى تجتمع فيه السنة كلها.

ترجمہ: اور کسی مسلمان کیلئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں اہل سنت ہے جب تک کہ اسے پتہ نہ چل جائے کہ اسکے اندر سنت کی تمام خصلتیں موجود ہیں، اسے اہل سنت اسی وقت کہہ سکتے ہیں جب اس کے اندر سنت ہر اعتبار سے موجود ہو۔

الشرح:

یعنی کسی کا تزکیہ اور تعریف اسی وقت کریں جب اسکے بارے میں معلومات ہوں، تاکہ لوگ آپ کی جھوٹی تعریف سے دھوکہ نہ کھائیں، اگر وہ واقعی تعریف اور تزکیہ کے لائق ہو تو اس کا تزکیہ ضرور کریں، البتہ بغیر جانے کسی کا تزکیہ نہ کریں کیونکہ یہ بہت ہی سنگین معاملہ ہے، دوسرے لوگ اس سے دھوکہ میں پڑ جاتے ہیں، اسی لئے جب تک کسی کے اندر تزکیہ کے تمام شروط نہ پائے جائیں اس وقت تک اس کا تزکیہ نہ کیا جائے، اسلئے تزکیہ گواہی ہے، اگر جھوٹا تزکیہ کیا گیا ہے تو یہ جھوٹی گواہی ہوگی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسکے اندر سنت کی تمام خصلتیں موجود ہیں)۔

یہ خصلتیں عقیدہ میں، عمل میں اور سلف کی اقتداء میں ہونی چاہئے، لیکن اگر یک خصلتیں کسی ایک میں پائی جائیں باقی میں نہ ہوں تو اسے اہل السنہ نہیں کہا جائے گا، اب آخر اسے کیونکر کہیں گے جس کے اندر یہ خصلتیں کسی ایک میں بھی نہ ہوں؟!

{161} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقال عبد الله بن المبارك: أصل اثنين وسبعين هوى: أربعة أهواء، فمن هذه الأربعة الأهواء انشعبت الاثنان وسبعون هوى: القدرية، والمرجئة، والشيعة، والخوارج۔

ترجمہ: اور عبداللہ بن مبارک نے کہا: بہتر گمراہیوں کی اصل چار گمراہیاں ہیں، انہیں چاروں سے یہ بہتر گمراہیاں پھیلی ہیں: قدریہ، مرجئہ، شیعہ اور خوارج۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے اس رسالے کے آغاز ہی میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے اور اس کی ہم نے شرح بھی کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انہیں اختلاف کی طرف لانے والی اصل چیز خواہشات نفس ہے، کیونکہ ہر اختلاف کرنے والا اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، اگر حق کی پیروی کرتے تو تہتر فرقوں میں نہ بٹتے، ارشاد باری تعالی ہے: **(فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ)** ترجمہ: پھر وہ اپنے معاملے میں آپس میں کئی گروہ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ ہر گروہ کے لوگ اسی پر بہت خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔ (المومنون: ۵۳)۔

خواہشات کی کوئی گنتی نہیں یہ بے شمار ہیں، جبکہ حق ایک ہے وہ منقسم نہیں ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے: **(وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ)** ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

چنانچہ جو اس صراط مستقیم سے ہٹیں گے وہ انہیں متفرق کھائیوں میں سے کسی ایک میں گریں گے جسکی کوئی انتہا نہیں ہوگی۔

* قدریہ: قدریہ سے منکرین تقدیر مراد ہیں، اور تقدیر پر ایمان لانا ایمان کے چھ ارکان میں سے ایک ہے، جیسا کہ حدیث جبریل میں وارد ہوا ہے، یعنی اللہ تعالی نے ہر چیز کو مقدر کر کے اسے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے، اور اللہ ہی کی مرضی اور مشیئت اور ارادے اور ایجاد کے ساتھ چیزیں پیش آتی ہیں، یہی اہل سنت والجماعہ کا مذہب ہے، انہیں چاروں مراتب کے ساتھ قضاء وقدر پر ایمان لانا واجب ہے، اس کے مخالفت کرنے والوں کے دو فرقے ہیں:

پہلا فرقہ: منکرین تقدیر، جو کہتے ہیں کہ کوئی اپنے فعل کا خالق ہے، یہی قول معتزلہ اور انکے مویدین کا ہے۔

دوسرا فرقہ: جبریہ، جو اثبات تقدیر میں غلو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بندے کا کوئی اختیار، ارادہ اور فعل نہیں ہے، بندہ صرف ایک پر کی طرح ہے جسے ہوا جدھر چاہے اڑا کر لے جاتی ہے، اسی طرح غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت ہی طرح ہے یعنی مجبور محض جس کا کوئی اختیار نہیں ہے، انہی لوگوں کو مجبرہ کہتے ہیں، جنہوں نے بندوں سے سارے اختیار چھین لئے، گویا وہ اپنے اختیار سے نماز بھی نہیں پڑھتا، زنا بھی آپ نے اختیار سے نہیں کرتا، زکاۃ بھی اپنے اختیار سے نہیں دیتا اور سود بھی اپنے اختیار سے نہیں لیتا، گویا ہر کوئی ان کے یہاں مجبور رہے۔

* مرجئہ: یہ کہتے ہیں کہ عمل ایمان میں داخل نہیں ہے، چنانچہ انکے یہاں اگر کوئی دل میں اعتقاد رکھتا ہے اور عمل کچھ بھی نہیں کرتا تو بھی وہ جنت میں جائے گا، انکے نزدیک ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، کیوں کہ ایمان دل میں ہوتا ہے، چنانچہ انکے نزدیک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان اور سب سے بڑے فاسق وفاجر کا ایمان برابر ہے۔

*شیعہ: یہ لوگ اہل بیت سے محبت کا دعوی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے حقوق کو غصب

کیا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ملنا چاہئے، کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی تھے، مگر صحابہ نے آپ پر ظلم کیا، اس طرح یہ لوگ ظالم اور طاغوت تھے، نعوذ باللہ اس طرح ان کا اعتقاد ہے۔

*خوارج: یہ لوگ ظالم یا فاسق حکام کے خلاف خروج و بغاوت کے قائل ہیں، گناہ کبیرہ کی بنیاد پر مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں اس طرح انکا مذہب دو چیزوں پر قائم ہے:

پہلی چیز: حکام کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز سمجھنا۔

دوسری چیز: گناہ کبیرہ کی بنیاد پر مسلمانوں کی تکفیر کرنا، چنانچہ یہ زانی، چور اور سود خور کو کافر کہتے ہیں، یہ ان کا تشدد اور غلو ہے۔ اسی بنیاد پر مسلمانوں کے خون کو حلال کرتے ہیں جیسا کہ خوارج کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ اہل ایمان سے قتال کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے، چنانچہ تاریخ شاہد ہیکہ خوارج نے کفار سے کبھی بھی قتال نہیں کیا ہے، ہمیشہ انہوں نے مومنوں ہی سے قتال کیا ہے۔

❁❁❁

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فمن قدم أبا بكر وعمر وعثمان وعليا على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولم يتكلم في الباقين إلا بخير، ودعا لهم، فقد خرج من التشيع أوله وآخره۔

ترجمہ: چنانچہ جس نے ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو تمام دیگر صحابہ پر مقدم کیا، اور سب کے بارے میں خیر کہا اور انکے لئے دعاء کی، تو وہ تشیع سے ہر اعتبار سے نکل جائے گا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (چنانچہ جس نے ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کو تمام دیگر صحابہ پر مقدم کیا)۔

یہی اہل سنت والجماعہ کا مذہب ہے برخلاف شیعہ کے، کیونکہ یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ مانتے ہیں اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت کو باطل کہتے ہیں اور ساتھ ہی ابو بکر وعمر کی تکفیر کرتے ہیں نعوذ باللہ۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور سب کے بارے میں خیر کہا اور انکے لئے دعاء کی)۔

یعنی شیعوں کی طرح کسی پر لعن طعن نہیں کیا، اور نہ ہی کسی کی مذمت کی، اور نہ ہی کسی کو غلط ٹھہرایا، بلکہ سب کی تعریف کی، کیونکہ انکی تعریف تو اللہ نے بہت ساری آیتوں میں کی ہے اور ان سے اپنی رضامندی ظاہر کی ہے، اور اللہ و رسول کی گواہی کے بعد جو صحابہ میں سے کسی پر کلام کرے گا وہ گمراہوں میں سے ہوگا، اللہ اور اسکے رسول کا مخالف ہوگا، اسلئے انکے حق میں خیر کے سوا کچھ بھی کہنا خطرے سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ امت میں سب سے بہتر ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی گواہی دی ہے کہ میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (تو وہ تشیع سے ہر اعتبار سے نکل جائے گا)۔

یعنی خلفائے اربعہ کو ترتیب وار دیگر صحابہ پر مقدم کیا اور باقی صحابہ کی بھی تعریف کی اور کسی پر طعن و تشنیع نہیں کی تو یہی اہل سنت والجماعہ کا مذہب ہے، اور اسی میں تشیع سے براءت بھی ہے۔

❁❁❁

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن قال: الإيمان قول وعمل، يزيد وينقص، فقد خرج من الإرجاء كله أوله وآخره.

ومن قال: الصلاة خلف كل بر وفاجر، والجهاد مع كل خليفة، ولم ير الخروج على السلطان بالسيف، ودعا لهم بالصلاح، فقد خرج من قول الخوارج أوله وآخره.

ومن قال: المقادير كلها من الله خيرها وشرها، يضل من يشاء، ويهدي من يشاء، فقد خرج من قول القدرية، أوله وآخره، وهو صاحب سنة.

ترجمہ: اور جس نے کہا: ایمان قول وعمل کا نام ہے، اسکے اندر کمی بیشی ہوتی ہے، تو وہ مکمل طور سے ارجاء سے نکل جائے گا۔

اور جس نے کہا: ہر نیک اور برے حاکم کے پیچھے نماز جائز ہے، اور جہاد ہر قسم کے خلیفہ کے ساتھ ہے، اور وہ حاکم کے خلاف خروج کو جائز نہ سمجھتا ہو بلکہ ان کے لئے اصلاح کی دعاء کرتا ہو تو مکمل طور سے خوارج سے نکل جائے گا۔

اور جس نے کہا: ساری تقدیریں اللہ کی طرف سے ہیں، خواہ وہ اچھی ہوں یا بری، وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو وہ بھی مکمل طور سے قدریہ سے نکل جائے گا، وہ اہل سنت میں سے ہوگا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جس نے کہا: ایمان قول وعمل کا نام ہے، اسکے اندر کمی بیشی ہوتی ہے، تو وہ مکمل طور سے ارجاء سے نکل جائے گا)۔

مولف رحمہ اللہ نے جب یہ واضح کر دیا کہ مرجئہ گمراہ فرقوں میں سے ہے تو اس کے بعد اہل سنت والجماعہ کا مذہب واضح کر رہے ہیں کہ انکے نزدیک ایمان قول وعمل اور اعتقاد کو کہتے ہیں اور اس میں کمی بیشی ہوتی ہے، جیسا کہ کتاب وسنت سے دلائل دلالت کرتے ہیں، برخلاف مرجئہ کے جو کہتے ہیں کہ اصل ایمان میں عمل داخل نہیں ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جس نے کہا: ہر نیک اور برے حاکم کے پیچھے نماز جائز ہے، اور جہاد ہر قسم کے خلیفہ کے ساتھ ہے، اور وہ حاکم کے خلاف خروج کو جائز نہ سمجھتا ہو بلکہ ان کے لئے اصلاح کی دعاء کرتا ہو تو مکمل طور سے خوارج سے نکل جائے گا)۔

یعنی جو حاکم وقت کی سمع وطاعت کرتا ہے اور فسق وظلم کی سے اسکے خلاف خروج و بغاوت کو جائز نہیں مانتا ہے، اسکے پیچھے نماز اور اسکی سرپرستی میں جہاد کو درست مانتا ہے اور اسکے لئے اصلاح اور خیر کی دعا کرتا ہے تو یہی اہل سنت والجماعہ کا مذہب ہے، ان میں سے کسی بھی چیز میں اگر کوئی مخالفت کرے تو اس کے اندر ضرور اہل ضلالت اور خوارج کی صفت پائی جاتی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جس نے کہا: ساری تقدیریں اللہ کی طرف سے ہیں، خواہ وہ اچھی ہوں یا بری، وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، تو وہ بھی مکمل طور سے قدریہ سے نکل جائے گا، وہ اہل سنت میں سے ہوگا)۔

جو بھی کائنات میں پیش آتا ہے وہ سب اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے، کفر، ایمان، معصیت، نیکی، فقیری، امیری، بیماری اور صحت وغیرہ سب اللہ کے قضاء وقدر سے ہوتی ہیں، کوئی بھی چیز اللہ کی تقدیر سے باہر نہیں ہے، یہی اہل سنت والجماعہ کا مذہب ہے برخلاف قدریہ کے جنکی دو قسمیں ہیں: منکرین تقدیر اور جبریہ۔

اور یہ معلوم رہے کہ اللہ تعالی اسی کو گمراہ کرتا ہے جو گمراہی کا سبب اختیار کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ**) ترجمہ: پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان

کے دل ٹیڑھے کر دیے۔ (الصف: ۴)۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالی نے جس قوم کو بھی ہلاک کیا ہے، اسے گمراہ کیا ہے یا عذاب سے دو چار کیا ہے تو ساتھ ہی بندے کی طرف سے اس کا سبب بھی بتایا ہے، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنے عدل کی بنیاد پر گمراہ کرتا ہے، یعنی اہل ضلالت پر اپنا عدل باقی رکھتا ہے اور انہیں اہل ہدایت کی طرح نہیں کرتا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ[35] مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ) ترجمہ: کیا ہم مسلمانوں کو مثل گناہ گاروں کے کر دیں گے [35] تمہیں کیا ہو گیا، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟ (القلم: ۳۶)۔

اسی طرح اللہ تعالی جسے چاہتا ہے اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا کرتا ہے۔

❁❁❁

{162} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبدعة ظهرت، هي كفر بالله العظيم، ومن قال بها فهو كافر بالله، لا شك فيه: من يؤمن بالرجعة، ويقول: على بن أبي طالب حي، وسيرجع قبل يوم القيامة، ومحمد بن على وجعفر بن محمد، وموسى بن جعفر، ويتكلمون في الإمامة، وأنهم يعلمون الغيب، فاحذرهم؛ فإنهم كفار بالله العظيم، ومن قال بهذا القول.

ترجمہ: ایک بدعت کا ظہور رہوا ہے جو کہ اللہ کے ساتھ کفر ہے، اور جس کا بھی وہ عقیدہ ہوگا وہ بلاشبہ کافر ہوگا: جو رجعت پر ایمان رکھے گا اور کہے گا: علی بن ابی طالب زندہ ہیں، اور قیامت سے پہلے وہ واپس آئیں گے، اسی طرح وہ محمد بن علی، جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر کے بارے میں عقیدہ رکھے، اور انکی امامت کے بارے میں کلام کرے، اور یہ عقیدہ رکھے کہ وہ غیب جانتے ہیں، تو ایسے لوگوں سے بچ کر رہو، کیونکہ یہ سب کفار ہیں، اور ہر وہ شخص کافر ہے جو یہ عقیدہ رکھے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جو رجعت پر ایمان رکھے گا)۔

یہ شیعوں کا عقیدہ ہے جو کہتے ہیں کہ اہل بیت کے ائمہ آخری زمانے میں واپس آئیں گے اور عدل وانصاف قائم کریں گے، عمر وابوبکر اور دیگر صحابہ کو انکی قبروں سے نکال کر انہیں جلائیں گے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جس کا بھی وہ عقیدہ ہوگا وہ بلاشبہ کافر ہوگا)۔

یعنی اس طرح جو بھی رجعت خود عقیدہ رکھے گا وہ بلاشبہ کافر ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (جو رجعت پر ایمان رکھے گا اور کہے گا: علی بن ابی طالب زندہ ہیں، اور قیامت سے پہلے وہ واپس آئیں گے)۔

چنانچہ غالی شیعہ یہی کہتے ہیں کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مرے نہیں ہیں وہ آسمان میں زندہ ہیں نعوذ باللہ۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسی طرح وہ محمد بن علی، جعفر بن محمد، موسیٰ بن جعفر کے بارے میں عقیدہ رکھے)۔

محمد بن علی سے مراد محمد بن علی بن الحسین ہیں، جعفر سے جعفر صادق ہیں، اور موسیٰ سے موسیٰ کاظم ہیں، اور انہیں کی طرف نسبت کرتے ہوئے روافض خود کو موسوی کہتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور انکی امامت کے بارے میں کلام کرے، اور یہ عقیدہ رکھے کہ وہ غیب جانتے ہیں)۔

یعنی وہ غیب جانتے ہیں اور جو چاہیں شریعت سازی کریں اور شریعت میں جو چاہیں منسوخ کر دیں؛ کیونکہ اللہ نے انہیں سب کچھ سونپ رکھا ہے۔ اور جہاں تک غیب کی بات ہے تو اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (تو ایسے لوگوں سے بچ کر رہو، کیونکہ یہ سب کفار ہیں، اور ہر وہ شخص کافر ہے جو یہ عقیدہ رکھے)۔

یعنی جو علم غیب کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا [26] إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ**) ترجمہ: (وہ) غیب کو جاننے والا ہے، پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ [26] مگر کوئی رسول، جسے وہ پسند کر لے۔ (الجن: ۲۷)۔

اور یہ رسولوں کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس میں پوری امت کی مصلحت ہوتی ہے، اور دعوت دین بھی مقصود ہوتا ہے، اور ساتھ ہی یہ انکے لئے ایک معجزہ بھی ہے، کیونکہ رسولوں کے سوا کسی دوسرے پر اللہ اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔

❁ ❁ ❁

{163} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قال طعمة بن عمرو، وسفيان بن عيينة: من وقف عند عثمان وعلى فهو شيعي لا يعدل، ولا يكلم، ولا يجالس. ومن قدم عليا على عثمان فهو رافضي قد رفض آثار أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. ومن قدم الأربعة على جماعتهم، وترحم على الباقين، وكف عن زللهم فهو على طريق الاستقامة والهدى في هذا الباب.

ترجمہ: طعمہ بن عمرو اور سفیان بن عیینہ نے کہا: جو عثمان اور علی پر توقف اختیار کرے وہ شیعہ ہے، اسکی نہ تو تعدیل کی جائے گی اور نہ اسکے بات کی جائے گی اور نہ ہی اسکی صحبت میں بیٹھا جائے گا، اور جو عثمان پر علی کو مقدم کرے وہ رافضی ہے، اس نے دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اثار کو ٹھکرادیا ہے، اور جو خلفائے اربعہ کو تمام صحابہ پر مقدم مانے اور باقی پر رحم کی دعاء کرے، انکی غلطیوں کو بیان کرنے سے باز رہے، تو وہی استقامت اور ہدایت پر قائم ہے۔

الشرح:

اگر کوئی عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کے بارے میں توقف اختیار کرے اور کہے کہ خلافت علی کیلئے صحیح ہے عثمان کی خلافت باطل ہے، تو وہ شیعی ہے۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اسکی نہ تو تعدیل کی جائے گی اور نہ اسکے بات کی جائے گی اور نہ ہی اسکی صحبت میں بیٹھا جائے گا)۔

کیونکہ وہ شیعی ہے، اس سے براءت کا اظہار کیا جائے گا، اسلئے کہ اس کی صحبت میں بیٹھنے سے اسکا شر مزید پھیلے گا، کیونکہ گمراہ داعی کا اسکے ساتھیوں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو عثمان پر علی کو مقدم کرے وہ رافضی ہے)۔

یعنی خلافت کے اندر، کیونکہ افضلیت کے تعلق سے علماء کے مابین اختلاف ہے چنانچہ بعض لوگ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو افضل مانتے ہیں اور بعض لوگ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو، مگر جہاں تک خلافت کا مسئلہ ہے تو اس میں علی پر عثمان کو بالاتفاق اہل سنت والجماعہ مقدم کرتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی عثمان پر علی کو مقدم کرے تو وہ اہل ضلالت میں سے ہوگا؛ اسلئے کہ علی سمیت سارے صحابہ عثمان کو مقدم مانتے تھے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس نے دراصل رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے اثار کو ٹھکرا دیا ہے)۔

انہیں روافض اسی لئے کہا گیا کیونکہ انہوں نے زید بن علی سے پوچھا کہ آپ ابو بکر و عمر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے کہا کہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، اسلئے کہ دونوں میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے، یہ جواب سن کر انہوں نے کہا کہ پھر ہم آپ کو رفض کرتے ہیں یعنی آپ کا ساتھ چھوڑتے ہیں، اور یہی ہوا کہ ان ظالموں نے انہیں تنہا چھوڑ دیا اسی لئے انہیں روافض کہا گیا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو خلفائے اربعہ کو تمام صحابہ پر مقدم مانے، اور باقی پر رحم کی دعاء کرے، انکی غلطیوں کو بیان کرنے سے باز رہے)۔

یعنی باقی صحابہ پر رحم کی دعا کرے، اور ان سے سرزد غلطیوں پر کلام کرنے سے باز رہے، کیونکہ وہ بھی معصوم ہیں، ان سے بھی غلطی ہوسکتی ہے، لیکن چونکہ انکے اس قدر فضائل اور مناقب ہیں کہ ان کے سامنے انکی معمولی غلطیاں نہیں نظر آئیں گی۔

❁❁❁

{164} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والسنة أن تشهد أن العشرة الذين شهد لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة أنهم في الجنة لا شك.

ترجمہ: اور یہ سنت ہے کہ آپ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ دس لوگ جن کے جنتی ہونے کی گواہی اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے وہ بلاشبہ جنت میں ہیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ سنت ہے کہ آپ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ دس لوگ جن کے جنتی ہونے کی گواہی اللہ کے رسول ﷺ نے دی ہے وہ بلاشبہ جنت میں ہیں)۔

وہ عشرہ مبشرہ حضرات یہ ہیں: خلفائے اربعہ، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابو عبیدہ بن الجراح اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم ہیں، ان سب کیلئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ساتھ جنت کی بشارت دی ہے، اسلئے ہم بھی ان کے لئے جنت کی بشارت دیتے ہیں۔

اب اگر کوئی ان میں سے کسی کے جنتی ہونے میں شک کرے تو وہ کافر ہوگا، پھر آخر کیا ہوگا ان لوگوں کا جو ابو بکر و عمر پر لعن طعن کرتے ہیں اور انہیں بت کہتے ہیں؟!

{165} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا تفرد بالصلاة على أحد، إلا لرسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى آله فقط.

ترجمہ: اور سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل کے کسی پر الگ سے درود نہ بھیجو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل کے کسی پر الگ سے درود نہ بھیجو)۔

صلاۃ لغت میں دعا کو کہتے ہیں جب کہ شریعت میں صلاۃ اس عبادت کو کہتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتی ہے اور سلام پھیرنے پر ختم ہوتی ہے، جس کے اندر قیام، رکوع، سجود، تلاوت قرآن اور تسبیح و تکبیر جیسے اعمال و اقوال پائے جاتے ہیں۔ اور یہاں صلاۃ سے مراد درود ہے۔

اگر آل اور اصحاب دونوں ایک ساتھ آئیں تو آل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہوں گے اور اصحاب سے مراد آپ کے صحابہ ہوں گے، اور یہ آپ کے قرابت دار اور غیر قرابت دار دونوں ہو سکتے ہیں۔

اور جب آل کو الگ سے ذکر کیا جائے تو اس میں صحابہ بھی داخل ہوں گے؛ کیونکہ آل کا دو اطلاق ہوتا ہے:

پہلا اطلاق: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، یعنی وہ لوگ جن پر صدقہ حرام ہے۔

دوسرا اطلاق: اس سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں، جیسے آل فرعون سے مراد فرعون کے پیروکار، اسی طرح آپ محمد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔

اور جہاں تک کسی صحابی پر یا کسی مسلمان پر درود بھیجنے کی بات ہے تو یہ جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ اسے عادت نہ بنالیا جائے، جیسے کہ آپ کسی کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ (اللھم صل علی فلان)، اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی اوفی کے لئے کہا تھا: (اللھم صل علی آل ابی اوفی)۔ اور اللہ تعالی نے بھی اسکا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (**خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ**)

ترجمہ: ان کے مالوں سے صدقہ لے، اس کے ساتھ تو انھیں پاک کرے گا اور انھیں صاف کرے گا اور ان کے لیے دعا کر، بے شک تیری دعا ان کے لیے باعث سکون ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔(التوبہ:۱۰۳)۔

{166} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وتعلم أن عثمان بن عفان قتل مظلوما، ومن قتله كان ظالما.

{166} فمن أقر بما في هذا الكتاب وآمن به واتخذه إماما، ولم يشك في حرف منه، ولم يجحد حرفا واحدا، فهو صاحب سنة وجماعة، كامل، قد اكتملت فيه الجماعة. ومن جحد حرفا مما في هذا الكتاب، أو شك فيه أو وقف فهو صاحب هوى

ترجمہ: اور جان لو کہ سیدنا عثمان بن عفان کو مظلوم شہید کیا گیا، اور جس نے انہیں شہید کیا وہ ظالم ہے۔ اس کتاب کے اندر جو کچھ ہے اسے جو تسلیم کرے، اس پر ایمان لائے اور اسی کو اپنا رہبر بنالے اور اس کے کسی بھی حرف میں شک نہ کرے، اور نہ ہی اسکے کسی حرف کا انکار کرے وہ اہل سنت والجماعہ ہوگا ان شاء اللہ، مکمل طور سے اس کے اندر جماعت کامل ہوگی۔ اور جو اس کتاب کے کسی حرف کا انکار کرے گا یا اس میں شک کرے گا یا توقف کرے گا تو وہ نفس پرست خواہشات کا بندہ ہوگا۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جان لو کہ سیدنا عثمان بن عفان کو مظلوم شہید کیا گیا، اور جس نے انہیں شہید کیا وہ ظالم ہے)۔

اس بات تفصیلی گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس کتاب کے اندر جو کچھ ہے اسے جو تسلیم کرے، اس پر ایمان لائے اور اسی کو اپنا رہبر بنالے اور اس کے کسی بھی حرف میں شک نہ کرے، اور نہ ہی اسکے کسی حرف کا انکار کرے وہ اہل سنت والجماعہ ہوگا)۔

اس کتاب کے اندر جو کچھ ہے وہ اہل سنت والجماعہ کا اعتقاد ہے، مولف رحمہ اللہ نے یہ نہیں کہا

کہ جو میں نے کہا اس پر اعتقاد نہ کرے بلکہ یہ کہا کہ اس کتاب کے اندر جو کچھ ہے اس پر جو اعتقاد نہ رکھے، اور اس کتاب کے اندر جو کچھ وہ اہل سنت والجماعہ کا اعتقاد ہے، اس لئے اس کلام کو لیکر مولف رحمہ اللہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا جیسا کہ بعض قارئین کا گمان ہے، اسلئے کہ مولف رحمہ اللہ نے اس کتاب کے اندر اہل سنت والجماعہ کئ اصول اور عقائد کو بیان کیا ہے، چنانچہ جو بھی ان اصولوں کا انکار کرے گا خواہ تمام اصولوں کا یا کسی ایک کا بھی تو وہ بلا شبہ گمراہ ہوگا۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (ان شاء اللہ وہ اہل سنت والجماعہ سے ہوگا، مکمل طور سے اس کے اندر جماعت کامل ہوگی)۔

اسلئے کہ اس کتاب کے اندر اہل سنت والجماعہ کے جو اصول وعقائد بیان کئے گئے ہیں ان پر یہ اعتقاد رکھتا ہے، اور جب کوئی اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ اہل سنت والجماعہ میں شمار ہوتا ہے، اور جو اہل سنت والجماعہ کے عقائد کا یا ان عقائد میں سے کسی ایک بھی عقیدے کا انکار کیا تو وہ بدعتی فرقوں میں شمار ہوگا۔

۞۞۞

{168} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن جحد أو شك في حرف من القرآن، أو في شيء جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، لقي الله تعالى مكذبا. فاتق الله واحذر وتعاهد إيمانك.

ترجمہ: اور جو قرآن یا حدیث رسول میں سے کسی حرف کا انکار کرے گا یا اس میں شک کرے گا وہ اللہ سے جھٹلانے والا بن کر ملاقات کرے گا۔ اس لئے اللہ سے ڈرو، ایسی چیزوں سے بچ کر رہو اور اپنے ایمان کو تازہ کرو۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو قرآن یا حدیث رسول میں سے کسی حرف کا انکار کرے گا یا اس میں شک کرے گا وہ اللہ سے جھٹلانے والا بن کر ملاقات کرے گا)۔

یعنی اگر کوئی قرآن کے ایک حرف کا بھی منکر ہو گا تو وہ کافر ہو جائے گا، اسلئے کہ اس نے اللہ کی تکذیب کی، اسی طرح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ کسی کلام کا انکار کرے بایں طور کہ وہ کہے کہ گرچہ یہ حدیث صحیح ہو پھر بھی میں اسے نہیں مانتا، یا یہ کہے کہ گرچہ یہ صحیح ہے مگر مجھے اس میں شک ہے، یا کسی ثابت شدہ حدیث پر توقف اختیار کرے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکذیب کرنے والا ہوگا، اسلئے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کے کلام پر یقین کامل رکھے، کسی طرح کا تردد یا شک یا توقف نہ کرے، بلکہ مکمل طور سے قرآن اور ثابت شدہ حدیث پر ایمان رکھے، اور اسکی تصدیق کرے، یہی اہل ایمان کا طریقہ ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کی ہر بات کو بلا چوں چرا تسلیم کرتے ہیں۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اس لئے اللہ سے ڈرو، ایسی چیزوں سے بچ کر رہو اور اپنے ایمان کو تازہ کرو)۔

یعنی اللہ کے کلام یا اسکے رسول کے کلام میں کسی بھی طرح سے شک کرنے سے دور رہیں، اسی

طرح اہل سنت والجماعہ کے اعتقاد میں بھی کوئی شک نہ کریں، اسکے لئے مناسب ہے کہ اپنے ایمان کا جائزہ لیتے رہیں۔

۞۞۞

{169} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن السنة أن لا تطيع أحدا على معصية الله، ولا الوالدين والخلق أجمعين، لا طاعة لبشر في معصية الله، ولا تحب عليه أحدا، واكره ذلك كله لله تبارك وتعالى.

ترجمہ: اور یہ سنت میں سے ہے کہ آپ اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کریں، نہ والدین کی اور نہ ہی کسی دوسرے مخلوق کی، اس لئے کہ اللہ کی معصیت میں کسی انسان کی اطاعت نہیں ہے، اور اللہ پر کسی سے محبت نہ کریں، بلکہ اللہ کی خاطر اسے برا سمجھیں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ سنت میں سے ہے کہ آپ اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہ کریں)۔

اہل سنت والجماعہ کے یہ اصول میں شامل ہے جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے: (**لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق**) ترجمہ: خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ (مسند احمد: ۵/ ۶۶)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے: (**إنما الطاعة في المعروف**) ترجمہ: اطاعت صرف معروف میں ہے۔ (صحیح بخاری: ۴۰۸۵)۔

چنانچہ اگر کوئی معصیت کا حکم دے تو اسے نہ مانو؛ خواہ وہ تمہارے والدین ہوں، یا کوئی بھی تمہارا قریبی ہو، کوئی ذمیدار ہو یا وہ حاکم وقت ہی کیوں نہ ہو معصیت میں اسکی اطاعت نہیں ہے، اللہ تعالی نے یہود ونصاری کے بارے میں فرمایا: (**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ**) ترجمہ: انھوں نے اپنے عالموں اور اپنے درویشوں کو اللہ کے سوا رب

بنالیا اور مسیح ابن مریم کو بھی۔(التوبہ:۳۱)۔

اس طرح انہوں نے معصیت میں انکی اطاعت کر ڈالی۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (نہ والدین کی اور نہ ہی کسی دوسرے مخلوق کی)۔

ارشاد باری تعالی ہے: (**وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ [14] وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ**) ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ [14] اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان اور دنیا میں اچھے طریقے سے ان کے ساتھ رہ اور اس شخص کے راستے پر چل جو میری طرف رجوع کرتا ہے، پھر میری ہی طرف تمھیں لوٹ کر آنا ہے، تو میں تمھیں بتاؤں گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔(لقمان:۱۵)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ**) ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کی تاکید کی ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کے بارے میں تجھے کوئی علم نہیں تو ان کا کہنا مت مان، تمھیں میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر میں تمھیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔ (العنکبوت:۸)۔

چنانچہ خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے خواہ یہ مخلوق کوئی بھی ہو، گرچہ آپ کا

سب سے قریبی ہی کیوں نہ ہو جیسے کہ والدین۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اللہ پر کسی سے محبت نہ کریں، بلکہ اللہ کی خاطر اسے برا سمجھیں)۔

یعنی نہ کسی معصیت سے محبت کریں اور نہ معصیت کے حکم دینے والے سے محبت کریں، بلکہ معصیت اور معصیت کے حکم دینے والے سے نفرت کریں، اسی کا حکم ہمیں حدیث کے اندر دیا گیا ہے:

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلَاةِ مَرْوَانُ. فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ. فَقَالَ: الصَّلَاةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ، فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ، فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ".

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت ہے، سب سے پہلے جس نے عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا، وہ مروان تھا (حکم کا بیٹا جو خلفائے بنی امیہ میں سے پہلا خلیفہ ہے) اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خطبہ سے پہلے نماز پڑھنی چاہیے۔ مروان نے کہا: یہ بات موقوف کر دی گئی۔ سیدنا ابوسعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے اپنے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے، اور اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل ہی سے سہی (دل میں اس کو برا جانے اور اس سے بیزار رہو) یہ سب سے کم درجہ کا ایمان ہے۔" (صحیح مسلم: ۴۹)۔

چنانچہ آپ معصیت سے نفرت کریں اور معصیت کے حکم دینے والے سے بھی نفرت کریں، یہی ایمان میں سے ہے۔

❁ ❁ ❁

{170} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والإيمان بأن التوبة فريضة على العباد أن يتوبوا إلى الله عز وجل من كبير المعاصي وصغيرها.

ترجمہ: اور یہ ایمان لانا کہ توبہ فرض ہے، بندوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہر چھوٹے اور بڑے گناہوں سے اللہ سے توبہ کریں۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور یہ ایمان لانا کہ توبہ فرض ہے)۔

یعنی گناہوں سے توبہ کرنا واجب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ) ترجمہ: اور تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو اے مومنو! تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ (النور: ۳۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی طرف توبہ کرو، خالص توبہ تمھارا رب قریب ہے کہ تم سے تمھاری برائیاں دور کر دے۔ (التحریم: ۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ) ترجمہ: اور جس نے توبہ نہ کی سو وہی اصل ظالم ہیں۔ (الحجرات: ۱۱)۔

اسلئے بندوں پر واجب ہے کہ وہ گناہوں سے توبہ کریں، اس پر اصرار یا اس میں سستی نہ کریں، بلکہ توبہ کرنے میں جلدی کریں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ [135] أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ

وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ) ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی کرتے ہیں، یا اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں، پس اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا اور کون گناہ بخشتا ہے؟ اور انھوں نے جو کیا اس پر اصرار نہیں کرتے، جب کہ وہ جانتے ہوں۔ [135] یہ لوگ ہیں جن کی جزا ان کے رب کی طرف سے بڑی بخشش اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہنے والے ہیں اور (یہ) عمل کرنے والوں کا اچھا اجر ہے۔ (آل عمران: ۱۳۶)۔

چنانچہ توبہ کرنے والوں کی اللہ نے تعریف کی ہے اور ان سے وعدہ کیا ہے ارشاد باری تعالی ہے: (**إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا**[17] **وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّى إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا**) ترجمہ: توبہ (جس کا قبول کرنا) اللہ کے ذمے (ہے) صرف ان لوگوں کی ہے جو جہالت سے برائی کرتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں، تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ پھر مہربان ہو جاتا ہے اور اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ [17] اور توبہ ان لوگوں کی نہیں جو برے کام کیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے بے شک میں نے اب توبہ کر لی اور نہ ان کی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہوتے ہیں، یہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ (النساء: ۱۸)۔

اسلئے کہ موت کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی ہے، اسلئے توبہ کرنے میں جلدی کرنی چاہئے اور اسے موخر نہیں کرنی چاہیئے بلکہ کسی غلطی یا معصیت سرزد ہونے کے فورا بعد اللہ سے توبہ کرنا چاہئے، انسان تو خطا کار ہی ہے، وہ معصوم نہیں ہے، اس سے کبھی بھی غلطی ہو سکتی ہے، اسی لئے اللہ نے اپنی رحمت کے ساتھ

توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے، اور توبہ کی دعوت بھی دی ہے، اور معاف کرنے کا وعدہ بھی کیا ہے بشرطیکہ آپ نے سچے دل سے توبہ کیا ہو، یہاں تک کہ ایک کافر بھی اگر توبہ کرلے تو اسے بھی اللہ معاف کر دیتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ) ترجمہ: ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا اور اگر پھر ایسا ہی کریں تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر ہی چکا ہے۔ (الانفال: ۳۸)۔

یعنی کفر وشرک، قتل نفس اور دیگر بڑے بڑے گناہوں سے بھی اگر انسان توبہ کرے تو اسے بھی معاف کر دیتا ہے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: (أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الإِسْلَامَ يَهْدِمُ، مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلِهَا، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ) ترجمہ: اے عمرو! تو نہیں جانتا کہ اسلام ختم کر دیتا ہے پہلے کے گناہوں کو، اسی طرح ہجرت ختم دیتی ہے پہلے کے گناہوں کو، اسی طرح حج ختم دیتا ہے پہلے کے گناہوں کو۔ (صحیح مسلم: ۱۲۱)۔

اسلئے مسلمانوں کو ہمہ وقت توبہ واستغفار کی ضرورت ہے، خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو بار سے زائد مرتبہ استغفار کرتے تھے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللَّهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ".

ترجمہ: سیدنا اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ صحابی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے دل پر پردہ ہو جاتا ہے (یعنی اللہ سے کبھی غافل ہو جاتا ہوں) اور میں اللہ سے ہر روز سو بار مغفرت مانگتا ہوں۔" (صحیح مسلم: ۲۷۰۲)۔

چنانچہ صحابہ کرام مسجد میں بیٹھ کر سو سو بار استغفار کرتے تھے، جیسا کہ حدیث کے اندر وارد ہوا

ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: "إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ مِائَةَ مَرَّةٍ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سو بار: (**رب اغفر لی وتب علی إنك أنت التواب الرحیم**) "اے میرے رب! مجھے بخش دے، میری توبہ قبول کر، تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے" کہنے کو شمار کرتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۵۱۶)۔

جب یہ حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کا ہے تو پھر دوسروں کو کس قدر توبہ کی ضرورت ہے؟! اسلئے ہمیں بہت زیادہ توبہ کرنا چاہئے، انسان معدوم نہیں ہے اس سے معصیت سرزد ہوتی رہتی ہیں، اسلئے اسے ہمیشہ توبہ کی ضرورت ہے، اور الحمد للہ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے اور اللہ کا یہ وعدہ بھی ہے کہ وہ ہماری توبہ کو قبول کرتا ہے اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

{171} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ومن لم يشهد لمن شهد له رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة، فهو صاحب بدعة وضلالة، شاك فيما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اور جو اس کے حق میں جنت کی گواہی نہ دے جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی دی ہے تو وہ بدعتی اور گمراہ ہے، رسول اللہ ﷺ کے قول میں اسے شک ہے۔

الشرح:

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور جو اس کے حق میں جنت کی گواہی نہ دے جس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی گواہی دی ہے تو وہ بدعتی اور گمراہ ہے)۔

کسی کے بارے میں جنت یا دوزخ کی گواہی دینے کے بارے میں اہل سنت والجماعہ کے نزدیک تفصیل ہے:

چنانچہ جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت یا دوزخ کی گواہی دی ہو تو ہم بھی اسی کی گواہی دیں گے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے خبر دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى**[3] **إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى**) ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ [3] وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔ (النجم: ۴)۔

لیکن جس کے بارے میں کوئی دلیل نہ ہو کہ وہ جنتی ہے کہ دوزخی تو اسکے بارے میں ہم بھی جنتی یا دوزخی ہونے کی گواہی نہیں دیں گے، بلکہ نیکوکار کیلئے اچھائی کی امید کریں گے اور برے پر خوف کھائیں گے، یہ حکم شخصی اعتبار سے ہے۔

مگر جہاں تک عموم کا مسئلہ ہے تو ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مومن جنتی ہیں اور کفار دوزخی ہیں۔

ورنہ شخصی طور پر ہم صرف اسی کو جنتی کہیں گے جسکی گواہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے

جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سارے صحابہ کے نام لیکر جنتی ہونے کی گواہی دی ہے جیسے کہ عشرہ مبشرہ جن میں خلفائے اربعہ، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابوعبیدہ بن الجراح اور عبدالرحمن بن عوف شامل ہیں، چنانچہ ہم بھی نام لیکر انہیں جنتی کہہ سکتے ہیں۔

ہمارا ایک بھی عقیدہ ہے کہ وہ سارے صحابہ جنتی ہیں جنکی وفات ایمان پر ہوئی ہے اور وہ مرتد نہیں ہوئے ہیں، اسلئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا**) ترجمہ: بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔ (الفتح:۱۸)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ**) ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے والے سب سے پہلے لوگ اور وہ لوگ جو نیکی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اس نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ:۱۰۰)۔

چنانچہ عمومی طور پر سارے صحابہ جنتی ہیں، اللہ نے اس کی گواہی دی ہے، اور ان میں سے خصوصی طور پر بعض صحابہ کو امتیازی شان حاصل ہے جیسے عشرہ مبشرہ، اہل بیعت رضوان اور اہل بدر، چنانچہ ان سب کے بارے میں خصوصی فضائل اور مناقب وارد ہوئے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ**) ترجمہ: تم میں

سے جس نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی وہ (یہ عمل بعد میں کرنے والوں کے) برابر نہیں۔ یہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور جنگ کی اور ان سب سے اللہ نے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، خوب باخبر ہے۔ (الحدید:۱۰)۔

یعنی صحابہ آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں مگر اللہ سب سے راضی ہے، اور سب سے اچھی جزا یعنی جنت کا وعدہ کیا ہے، اسلئے صحابہ طعن و تشنیع نفس پرست اہل بدعت خوارج اور روافض جیسے لوگ ہی کر سکتے ہیں، چنانچہ جو خلفائے راشدین ابوبکر و عمر اور عثمان پر طعن کرے اور ان پر ظلم کرنے کا الزام لگائے، ابوبکر و عمر کو قریش کا دو بت کہے، انہیں جبت و طاغوت کہے، تو ایسا شخص یہود و نصاری سے بھی بڑا گمراہ ہے، کیونکہ یہود و نصاری بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں ایسی بیہودہ باتیں نہیں کہتے ہیں، یہ لوگ اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور صحابہ کے بارے میں ایسی بیہودہ باتیں کہتے ہیں، اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک سب سے بہتر کون ہیں؟ تو کہیں گے کہ موسی علیہ السلام کے ساتھی، اور اگر نصاری سے پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک سب سے بہتر کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ عیسی علیہ السلام کے ساتھی، اور ان روافض اور خوارج سے اگر پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک سب سے برے کون لوگ ہیں؟ تو یہ کہیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی، نعوذ باللہ، واسأل اللہ العافي ※. ان کا معاملہ بہت سنگین ہے۔

{172} مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقال مالك بن أنس: من لزم السنة، وسلم منه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم مات، كان مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين، وإن كان له تقصير في العمل.

وقال بشر بن الحارث: الإسلام هو السنة، والسنة هي الإسلام.

وقال فضيل بن عياض: إذا رأيت رجلا من أهل السنة، فكأنما أرى رجلا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإذا رأيت رجلا من أهل البدع، فكأنما أرى رجلا من المنافقين.

وقال يونس بن عبيد: العجب ممن يدعو اليوم إلى السنة، وأعجب منه المجيب إلى السنة.

ترجمہ: امام مالک بن انس نے کہا: جس نے سنت کو لازم پکڑا، اور اس کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ محفوظ رہے پھر وہ مرگیا، تو وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور نیکوکاروں کے ساتھ ہوگا، گرچہ اسکے یہاں عمل میں کوتاہی پائی جائے۔

بشر بن حارث نے کہا: اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے۔

فضیل بن عیاض نے کہا: جب میں اہل سنت میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں کسی صحابی رسول کو دیکھ رہا ہوں، اور جب میں اہل بدعت میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں کسی منافق کو دیکھ رہا ہوں۔

یونس بن عبید نے کہا: تعجب ہے اس شخص پر جو آج سنت کی طرف دعوت دیتا ہے، اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات اس شخص پر ہے جو سنت کی دعوت پر لبیک کہہ کر اسے قبول کرتا ہے۔

الشرح:

۱- امام مالک بن انس نے کہا: (جس نے سنت کو لازم پکڑا، اور اس کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ محفوظ رہے پھر وہ مرگیا، تو وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور نیکو کاروں کے ساتھ ہوگا)۔

سنت کو لازم پکڑے یعنی علم وعمل اور اعتقاد ہر اعتبار سے، اور اسی پر وفات ہو جاتے اور اس نے کسی صحابی پر طعن وتشنیع نہ کیا ہو، تو وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور نیکو کاروں کے ساتھ ہوگا: کیونکہ وہ اللہ اور اسکے رسول کا مطیع وفرمانبردار ہے ارشاد باری تعالی ہے: (**وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا**) ترجمہ: اور جو اللہ اور رسول کی فرماں برداری کرے تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین میں سے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ (النساء: ۶۹)۔

مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور اس کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ محفوظ رہے)۔

یعنی اس نے کسی صحابی پر نقد اور طعن وتشنیع نہیں کیا، اللہ تعالی نے صحابہ کے بارے میں فرمایا ہے: (**وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ**) ترجمہ: اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے۔ (الحشر: ۱۰)۔

اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے العقیدہ الواسطیہ میں کہا ہے کہ اہل سنت والجماعہ کے اصول میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے تعلق سے مسلمانوں کے دل اور زبان پاک اور سلامت رہیں۔ اور پھر اسکے بعد مذکورہ آیت کا ذکر کیا: (اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد

آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان داروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت ومہربانی کرنے والا ہے)۔(الحشر:۱۰)۔

اس آیت کے اندر دل کو سلامت رکھنے کا ذکر ہے۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (گرچہ اسکے یہاں عمل میں کوتاہی پائی جائے)۔

یعنی عمل میں گرچہ کچھ کوتاہی ہوگی اللہ اسے معاف کردے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے :(**إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا**) ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقینا اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔(النساء:۴۸)۔

۲-بشر بن حارث نے کہا: (اسلام ہی سنت ہے اور سنت ہی اسلام ہے)۔

اس طرح کا جملہ کتاب کے آغاز میں گزرچکا ہے۔

۳-فضیل بن عیاض نے کہا: (جب میں اہل سنت میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں کسی صحابی رسول کو دیکھ رہا ہوں)۔

کیونکہ وہ انکی اقتداء کرتا ہے، اور جو بھی صحابہ کی اقتداء کرے وہ انہیں کے طریقے پر ہوگا، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ جو ان کی اقتداء کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔

آگے فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے کہا: (اور جب میں اہل بدعت میں سے کسی کو دیکھتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں کسی منافق کو دیکھ رہا ہوں)۔

کیونکہ یہ اہل سنت والجماعہ کے مخالف ہوتے ہیں، چنانچہ جس طرح منافقین کفر کو چھپا کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اسی طرح نفس پرست اہل بدعت بھی ہوتے ہیں کہ یہ بھی اسلام کا مظاہرہ کرتے ہیں مگر دل میں بدعت اور خرافات چھپا کر رکھتے ہیں اور یہ سنت کی پیروی نہیں کرتے، اس طرح انکے اندر بھی منافقین کی صفت پائی جاتی ہے۔

۴۔ یونس بن عبید نے کہا: (تعجب ہے اس شخص پر جو آج سنت کی طرف دعوت دیتا ہے، اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات اس شخص پر ہے جو سنت کی دعوت پر لبیک کہہ کر اسے قبول کرتا ہے)۔

کیونکہ سنت اس وقت اجنبی بن چکی ہے اور اسکی طرف دعوت دینے والے بھی اجنبی ہو چکے ہیں اور جس طرح زمانہ گزرتا جائے گا سنت اور اہل سنت مزید اجنبی ہوتے جائیں گے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " إِنَّ الدِّينَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا، وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّينُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ، إِنَّ الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَيَرْجِعُ غَرِيبًا، فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ الَّذِينَ يُصْلِحُونَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِي مِنْ سُنَّتِي ".

ترجمہ: سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "(ایک وقت آئے گا کہ) دین اسلام حجاز میں سمٹ کر رہ جائے گا جس طرح کہ سانپ اپنے سوراخ میں سمٹ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور یقیناً دین حجاز میں آ کر ایسے ہی محفوظ ہو جائے گا جس طرح پہاڑی بکری پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتی ہے، دین اجنبی حالت میں آیا اور وہ پھر اجنبی حالت میں جائے گا، خوشخبری اور مبارک بادی ہے ایسے گمنام مصلحین کے لیے جو میرے بعد میری سنت میں لوگوں کی پیدا کردہ خرابیوں اور برائیوں کی اصلاح کرتے ہیں"۔ (سنن ترمذی: ۲۶۳۱)۔

یہی لوگ آخری زمانے میں اجنبی ہوں گے کہ جب لوگ فساد کا شکار ہوں گے اس وقت یہ سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامے ہوئے ہوں گے، اور اس راہ میں آنے والی تکلیفوں پر صبر کریں گے اور ساتھ ہی لوگوں کے بیچ میں رہ کر بھی اپنی اجنبیت پر صبر کریں گے، اسلئے کہ انکی مخالفت کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی، سو وہ لوگوں کے بیچ میں رہ کر بھی اپنی اجنبیت کی زندگی گزاریں گے۔

❁❁❁

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكان ابن عون يقول عند الموت: السنة السنة، وإياكم والبدع، حتى مات.

وقال أحمد بن حنبل: ومات رجل من أصحابي فرئي في المنام، فقال: قولوا لأبي عبد الله: عليك بالسنة، فإن أول ما سألني الله سألني عن السنة.

وقال أبو العالية: من مات على السنة مستورا، فهو صديق، الاعتصام بالسنة نجاة.

ترجمہ: ابن عون مرض الموت میں کہہ رہے تھے: سنت کو لازم پکڑنا، اور بدعتوں سے بچ کر رہنا، یہاں تک کہ آپ وفات پاگئے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا: ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا، خواب میں آکر اس نے کہا: ابو عبداللہ سے کہو: سنت کو لازم پکڑلو، اسلئے کہ اللہ نے مجھ سے سب سے پہلے سنت ہی کے بارے میں سوال کیا ہے۔

ابو العالیہ نے کہا: جو سنت پر گمنام ہو کر مرگیا وہ صدیق ہے۔ اور سنت کو مضبوطی سے تھامنے ہی میں نجات ہے۔

الشرح:

۱- ابن عون مرض الموت میں کہہ رہے تھے: (سنت کو لازم پکڑنا، اور بدعتوں سے بچ کر رہنا، یہاں تک کہ آپ وفات پاگئے)۔

سنت کی آپ رغبت دلا رہے ہیں، اور بدعات سے آگاہ کر رہے ہیں، موت کے وقت ایسی نصیحت پوری امت کی خیر خواہی میں ہے۔

۲- امام احمد بن حنبل نے کہا: (ہمارے ساتھیوں میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا، خواب میں آ کر اس نے کہا: ابوعبداللہ سے کہو: سنت کو لازم پکڑلو، اسلئے کہ اللہ نے مجھ سے سب سے پہلے سنت ہی کے بارے میں سوال کیا ہے)۔

یہ امام احمد کے ان ساتھیوں میں سے تھے جنہیں سزائیں دیکر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، انہیں جب خواب میں دیکھا گیا تو وہ سنت کے تھامے رکھنے کی وصیت کر رہے تھے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ سنت کو لازم پکڑے رہنا چاہیئے اور اس راہ میں آنے والی تکلیفوں پر صبر کرنا چاہیئے۔

۳- ابو العالیہ نے کہا: (جو سنت پر گمنام ہو کر مرگیا وہ صدیق ہے)۔

صدیق کہتے ہیں جو بہت زیادہ سچ بولتا ہو، اور صدیق کا مقام نبیوں کے بعد ہے، اور صدیقیت بہت بڑا مقام ہے، یہاں مراد یہ ہیکہ قول وعمل ہر اعتبار سے ایک مومن کو سچا ہونا چاہیئے، اسی صدیقیت کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (**لا یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا**) ترجمہ: آدمی برابر سچ بولتا ہے اور سچ ہی کی تلاش میں رہتا ہے یعنی سچ ہی کو لازم پکڑے رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک اسکا نام صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔

چنانچہ جو بندہ صدیق ہوتا ہے وہ بذات خود سچ بولتا ہے اور دوسروں کی باتوں میں بھی سچ ہی تلاش کرتا ہے لہذا وہ کسی بھی خبر کو سن کر اس پر بھروسہ نہیں کرتا اور نہ ہی سن کر اسے پھیلانا شروع کر دیتا ہے بلکہ پہلے اسکی تحقیق کرتا ہے اور سچی باتوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

یہاں سنت سے مراد اسلام ہے، اور مستور یعنی گمنامی سے یہاں مراد یہ ہیکہ اس کی طرف سے ایسی کسی چیز کا اظہار نہ ہو جو سنت کے مخالف ہو تو وہ صدیق کا مقام پا کر فوت ہوگا۔

آگے مولف رحمہ اللہ نے کہا: (اور سنت کو مضبوطی سے تھامنے ہی میں نجات ہے)۔

یعنی تمام فتنوں سے نجات سنت کی اتباع اور اسے مضبوطی سے تھامے رکھنے میں ہے، اسی جانب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے اپنے اس قول کے اندر: (**فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**) ترجمہ: جو میرے بعد تم میں سے زندہ رہے گا عنقریب وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا، تو تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کار کو لازم پکڑنا، تم اس سے چمٹ جانا، اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا، اور دین میں نکالی گئی نئی باتوں سے بچتے رہنا، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (سنن ابی داود: ۴۶۰۷)۔

اور جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (**وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا**) ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ (آل عمران: ۱۰۳)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (**وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**) ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ (الانعام: ۱۵۳)۔

یہ اللہ اور اسکے رسول کی وصیت ہے کہ سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقال سفيان الثوری: من أصغى بأذنه إلى صاحب بدعة، خرج من عصمة الله، ووكل إليها - يعنى إلى البدع -.

وقال داود بن أبى هند: أوحى الله تبارك وتعالى إلى موسى بن عمران: لا تجالس أهل البدع، فإن جالستهم، فحاك فى صدرك شىء مما يقولون، أكببتك فى نار جهنم.

وقال الفضيل بن عياض: من جالس صاحب بدعة لم يعط الحكمة.

وقال الفضيل بن عياض: لا تجلس مع صاحب بدعة، فإنى أخاف أن تنزل عليك اللعنة.

وقال الفضيل بن عياض: من أحب صاحب بدعة، أحبط الله عمله، وأخرج نور الإسلام من قلبه.

وقال الفضيل بن عياض: إذا رأيت صاحب بدعة فى طريق فجز فى طريق غيره.

ترجمہ: سفیان ثوری نے کہا: جو کسی بدعتی کی باتوں پر کان دھرتا ہے وہ اللہ کی حفاظت سے نکل جاتا ہے اور اسے اسی کی طرف سونپ دیا جاتا ہے، یعنی بدعت کی طرف۔

داود بن ابی ہند نے کہا: اللہ تبارک وتعالی نے موسی بن عمران کی طرف وحی کی کہ اہل بدعت کی صحبت میں نہ بیٹھا کرو، کیونکہ اگر تم انکی صحبت میں بیٹھ گئے، اور تمہارے سینے میں ان کی باتیں کھٹک گئیں تو میں تمہیں نار دوزخ میں ڈھکیل دوں گا۔

فضیل بن عیاض نے کہا: جو بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے وہ حکمت سے محروم ہوتا ہے۔

فضیل بن عیاض نے مزید کہا: کسی بدعتی کے پاس نہ بیٹھو، کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں

تم پر لعنت نہ نازل ہو جائے۔

فضیل بن عیاض نے کہا: جو بدعتی سے محبت کرتا ہے اللہ تعالی اسکے عمل کو ضائع کر دیتا ہے، اور اسکے دل سے اسلام کی روشنی کو مٹا دیتا ہے۔

فضیل بن عیاض نے کہا: اگر کسی راستے میں کسی بدعتی کو دیکھو تو دوسرا راستہ پکڑ لو۔

الشرح:

ا-سفیان ثوری نے کہا: (جو کسی بدعتی کی باتوں پر کان دھرتا ہے وہ اللہ کی حفاظت سے نکل جاتا ہے)۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ اہل بدعت سے دور رہنا چاہئے انکی مجلسوں میں نہیں جانا چاہئے،لیکن اگر کوئی ان کے پاس جا کر ان کی باتوں کو سنتا ہے اور ان پر نکیر نہیں کرتا ہے تو وہ بھی انہیں کی طرح برباد ہوگا، اسلئے بالکل نہیں جائز ہے کہ کوئی اہل بدعت کے پاس جا کر ان کی بات سنے، اور کہے کہ میں پکا ایمان والا ہوں وہ مجھ پر اثر نہیں ڈال سکتے، یہ دھوکہ ہے، انسان ایسے فتنوں میں پڑتا ہے، اسلئے اہل باطل اور اہل بدعت سے دور رہیں، کیونکہ انکے پاس جانے میں فتنہ ہے۔

آگے آپ نے کہا: (اور اسے اسی کی طرف سونپ دیا جاتا ہے،یعنی بدعت کی طرف)۔

اسلئے کہ جو اللہ کا پناہ چاہتا ہے اسے اللہ پناہ دیتا ہے اور جو بدعات سننے کیلئے اہل بدعت کے پاس جاتا ہے اس کا معاملہ اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے وہ اللہ کی عصمت سے نکل جاتا ہے پھر فتنوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

۲- داود بن ابی ہند نے کہا: (اللہ تبارک وتعالی نے موسی بن عمران کی طرف وحی کی کہ اہل بدعت کی صحبت میں نہ بیٹھا کرو، کیونکہ اگر تم انکی صحبت میں بیٹھ گئے، اور تمہارے سینے میں ان کی باتیں کھٹک گئیں تو میں تمہیں نار دوزخ میں ڈھکیل دوں گا)۔

اس طرح کی باتیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بدعتیوں کی مجلسوں میں جانے سے منع کرتا تھا، اسلئے کہ بہت ممکن تھا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھنے سے ان سے متاثر ہو جاتے۔ یہ حال ایک نبی کا ہے تو پھر دوسروں کا کیا ہوگا؟!

(اور تمہارے سینے میں ان کی باتیں کھٹک گئیں)۔ یہی اصل خطرے والی بات ہے کہ اگر آپ انکی مجلسوں میں جا کر بیٹھیں اور انکی باتیں سنیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ باتیں آپ کے دل میں بھی بیٹھ جائیں اور پھر آپ شک میں پڑ جائیں، اور اپنے ایمان اور علم پر اعتماد نہ رہ جائے، کیوں کہ ان کے جھوٹ کی ملمع سازی ہوتی ہے، انکی باتیں بہت میٹھی ہوتی ہیں، انکا اسلوب بیان بھی دل کش ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ) ترجمہ: اور جب تو انھیں دیکھے تجھے ان کے جسم اچھے لگیں گے اور اگر وہ بات کریں تو تو ان کی بات پر کان لگائے گا، گویا وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، ہر بلند آواز کو اپنے خلاف گمان کرتے ہیں۔ یہی اصل دشمن ہیں، پس ان سے ہوشیار رہ۔ اللہ انھیں ہلاک کرے، کہاں بہکائے جا رہے ہیں۔ (المنافقون: ۴)۔

اسلئے ضروری ہے کہ اہل بدعت کے تئیں ذرا بھی تساہل نہ برتیں۔

۳- فضیل بن عیاض نے کہا: (جو بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے وہ حکمت سے محروم ہوتا ہے)۔

حکمت اللہ کے دین میں اچھی سمجھ کو کہتے ہیں، چنانچہ جو بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے وہ حکمت سے محروم ہوتا ہے، یہ اللہ کی طرف سے سزا ہے۔

۴- فضیل بن عیاض نے مزید کہا: (کسی بدعتی کے پاس نہ بیٹھو، کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے

کہ کہیں تم پر لعنت نہ نازل ہو جائے)۔

کیونکہ اہل بدعت پر عذاب، غضب اور کجی قلبی جیسی مصائب سے دو چار ہوتا ہے اسلئے یہ خدشہ رہتا ہے کہ جو انکی صحبت میں بیٹھے وہ بھی انہیں مصائب سے دو چار ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ)

ترجمہ: اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات کے بارے میں (فضول) بحث کرتے ہیں تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر کبھی شیطان تجھے ضرور ہی بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔ (الانعام: ٦٨)۔

اور مومنوں کے تعلق سے اللہ تعالی نے فرمایا: (وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا) ترجمہ: اور بلا شبہ اس نے تم پر کتاب میں نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہو، بے شک اللہ منافقوں اور کافروں، سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ (النساء: ١٤٠)۔

ان آیتوں میں آگاہ کیا گیا ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی مجلسوں سے دور رہیں، نہ انکی باتیں سنیں اور نہ انکی کتابیں پڑھیں، گر چہ لوگ آپ پر آوازیں کسیں اور نقطہ چینی کریں۔

٥- فضیل بن عیاض نے کہا: (جو بدعتی سے محبت کرتا ہے اللہ تعالی اسکے عمل کو ضائع کر دیتا ہے، اور اسکے دل سے اسلام کی روشنی کو مٹا دیتا ہے)۔

یقیناً یہ بہت سخت وعید ہے، بالخصوص جب بدعت مکفرہ ہو، کیونکہ اس وقت اگر آپ ان کے کفریہ اور شرکیہ کلام کو پسند کر لیتے ہیں تو اس کی وجہ سے آپ کا عمل ضائع ہو جائے گا، اسلئے ضروری ہے کہ کوئی بھی خود پر ناز نہ کرے اور یہ گمان نہ رکھے کہ اس پر کسی کا اثر نہیں ہوگا اس لئے ہم میں سے ہر کوئی انسان ہے۔

۶۔ فضیل بن عیاض نے مزید کہا: (اگر کسی راستے میں کسی بدعتی کو دیکھو تو دوسرا راستہ پکڑ لو)۔
یعنی نہ تو اسکے ساتھ راستے میں کہیں ملاقات کرو اور نہ ہی اسکے ساتھ سفر کرو، کیونکہ اہل بدعت کا اثر پڑتا ہے، اسلئے انہیں سوچنا چاہیے جو دعوت دین کے نام پر ایک بدعت کے ساتھ رہتے ہیں اور انکے ساتھ تبلیغ کرتے ہیں۔

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وقال الفضيل بن عياض: من عظم صاحب بدعة، فقد أعان على هدم الإسلام۔ ومن تبسم في وجه مبتدع فقد استخف بما أنزل الله عز وجل على محمد صلى الله عليه وسلم۔ ومن زوج كريمته من مبتدع فقد قطع رحمها۔ ومن تبع جنازة مبتدع لم يزل في سخط الله حتى يرجع.

وقال الفضيل بن عياض: من جلس مع صاحب بدعة ورثه العمى.

وقال الفضيل بن عياض: آكل مع يهودي ونصراني، ولا آكل مع مبتدع، وأحب أن يكون بيني وبين صاحب بدعة حصن من حديد.

وقال الفضيل بن عياض: إذا علم الله عز وجل من الرجل أنه مبغض لصاحب بدعة غفر له، وإن قل عمله. ولا يكن صاحب سنة يمالئ صاحب بدعة إلا نفاقا۔ ومن أعرض بوجهه عن صاحب بدعة ملأ الله قلبه إيمانا، ومن انتهر صاحب بدعة آمنه الله يوم الفزع الأكبر۔ ومن أهان صاحب بدعة رفعه الله في الجنة مائة درجة.

فلا تكن تحب صاحب بدعة في الله أبدا .

انتهى، والله أعلم، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

ترجمہ: فضیل بن عیاض نے کہا: جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے میں مدد کی۔ اور جو کسی بدعتی سے مسکرا کر ملے تو اس نے محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے مذاق کیا۔ اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بدعتی سے کر دی تو اس نے اسکے رشتے کو کاٹ دیا۔ اور جو کسی بدعتی کے جنازے کے ساتھ گیا وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہا یہاں تک کہ واپس آجائے۔

فضیل بن عیاض نے مزید کہا کہ جو بدعتی کی صحبت اختیار کرتا ہے اسے اندھاپن ہو جاتا ہے۔

فضیل بن عیاض نے مزید کہا: میں ایک یہودی اور نصرانی کے ساتھ کھا سکتا ہوں مگر کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھا سکتا، اور میں چاہتا ہوں کہ میرے اور بدعتی کے درمیان لوہے کا ایک مضبوط قلعہ ہو۔

فضیل بن عیاض نے کہا: جب اللہ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے، گرچہ اسکا عمل تھوڑا ہو۔ اور ایسا کوئی شخص جو کسی بدعتی سے دوستی کرے وہ اہل سنت نہیں ہو سکتا۔ اور جو کسی بدعتی سے چہرہ پھیر لے اللہ اس کے دل میں ایمان بھر دیتا ہے، اور جو کسی بدعتی کو ڈانٹ دے اللہ اسے بڑی گھبراہٹ والے دن سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اور جو کسی بدعتی کو ذلیل کر دے تو اللہ جنت میں اسکے لئے سو درجات بلند کرتا ہے۔ اسلئے آپ کبھی بھی کسی بدعتی سے اللہ کی خاطر محبت نہ کریں۔

کتاب ختم ہوئی، واللہ اعلم، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

الشرح:

ا- فضیل بن عیاض نے کہا: (جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے منہدم ہونے میں مدد کی)۔

کیونکہ بدعت اسلام کے خلاف ہے، چنانچہ اگر آپ نے کسی بدعتی کا ساتھ دیا تو گویا آپ نے اسلام کے منہدم ہونے میں مدد کی؛ کیونکہ اسلام سنت ہے اور سنت اسلام ہے، اسلئے ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ بدعتی کی تعظیم نہ کرے اور نہ ہی اسکی مدح وستائش کرے، لیکن آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں کہ کتنے ایسے ہیں جو یہود ونصاری اور دیگر کفار کی مدح وستائش کرتے نظر آتے ہیں کہ وہ کس قدر آگے ترقی کی طرف گامزن ہیں اور ہم پیچھے ہیں، اللہ کی قسم! یہ بہت بڑی منافقت ہے۔

مزید آپ نے کہا: (اور جو کسی بدعتی سے مسکرا کر ملے تو اس نے محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے مذاق کیا)۔

اسلئے کہ ایک بدعتی شریعت محمدیہ کا مخالف ہوتا ہے، چنانچہ جب وہ بدعتی سے مسکرا کر ہنسی خوشی ملتا ہے تو ایسی صورت میں وہ اس حکم کی مخالفت کرتا ہے جو کتاب وسنت کے اندر وارد ہوا ہے کہ اہل بدعت سے دور رہنا چاہئے بلکہ ان سے بغض رکھنا چاہیے اور ان سے کبھی بھی اپنی رضامندی اور خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے؛ اسلئے کہ مسکرانا راضی اور خوش ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

آپ نے آگے مزید کہا: (اور جس نے اپنی بیٹی کی شادی کسی بدعتی سے کر دی تو اس نے اسکے رشتے کو کاٹ دیا)۔

لڑکی کے سرپرست پر واجب ہے کہ اسکے لئے برابر کا مناسب لڑکا تلاش کرے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ، إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ".

ترجمہ: سیدنا ابوحاتم مزنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے پاس جب کوئی ایسا شخص (نکاح کا پیغام لے کر) آئے، جس کی دین داری اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔ (سنن ترمذی: ۱۰۸۵)۔

اسی لئے اگر سرپرست لڑکی کیلئے دینداری اور اخلاق اور امانت داری کے لحاظ سے مناسب لڑکا نہیں تلاش کریں گے تو اسکی وجہ سے بڑا فساد ہوگا، پھر کوئی منافق، بدعتی یا بداخلاق شادی کرے گا، اور اسی کے ساتھ وہ بھی گمراہ ہو جائے گی، اور اس کا سبب سرپرست ہوگا۔

آپ نے آگے مزید کہا: (اور جو کسی بدعتی کے جنازے کے ساتھ گیا وہ برابر اللہ کی ناراضگی میں رہا یہاں تک کہ واپس آجائے)۔

چونکہ ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوسکتا ہے اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی عذاب الہی نازک ہوجائے، سو اس کے جنازے میں بھی نہ جاؤ۔

۲-فضیل بن عیاض نے مزید کہا: (جو بدعتی کی صحبت اختیار کرتا ہے اسے اندھا پن ہو جاتا ہے)۔

یہاں اندھا پن سے مراد بصارت اور بصیرت دونوں ہے۔

۳-فضیل بن عیاض نے مزید کہا: (میں ایک یہودی اور نصرانی کے ساتھ کھا سکتا ہوں مگر کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھا سکتا)۔

کیونکہ یہود و نصاری کے بارے میں معلوم ہے کہ انکا دین ہمارے دین کے مخالف ہے، مگر ایک بدعتی دین اسلام کا دعویدار ہے، اور اسلام کی وجہ سے لوگ دھوکہ کھاتے ہیں اور اس پر بھروسہ کر لیتے ہیں اور وہ اپنے ساتھ دوسروں کا بھی دین برباد کر دیتا ہے، اسی لئے یہ چھپا ہوا دشمن کھلے ہوئے دشمن سے زیادہ خطرناک ہے۔

مزید آپ نے آگے کہا: (اور میں چاہتا ہوں کہ میرے اور بدعتی کے درمیان لوہے کا ایک مضبوط قلعہ ہو)۔ تاکہ بدعتی سے میل جول نہ ہو سکے۔

۴-فضیل بن عیاض نے کہا: (جب اللہ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بدعتی سے بغض رکھتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے، گرچہ اسکا عمل تھوڑا ہو)۔

کیونکہ اسکا تعلق ولاء اور براء سے ہے، اہل ایمان کیلئے ولاء ہے جبکہ اللہ کے دشمنوں کیلئے براءت ہے، اور یہ اصول عقیدہ میں شامل ہے۔

آگے مزید آپ نے کہا: (اور ایسا کوئی شخص جو کسی بدعتی سے دوستی کرے وہ اہل سنت نہیں ہو سکتا)۔

چنانچہ اگر کوئی بدعتی سے دوستی کرتا ہے تو اسکے اندر نفاق کی ایک قسم پائی جاتی ہے۔

آگے آپ نے مزید کہا: (اور جو کسی بدعتی سے چہرہ پھیر لے اللہ اس کے دل میں ایمان بھر دیتا ہے)۔ کیونکہ اسکا تعلق براءت سے ہے۔

آگے مزید آپ نے کہا: (اور جو کسی بدعتی کو ڈانٹ دے اللہ اسے بڑی گھبراہٹ والے دن سے محفوظ کر لیتا ہے)۔

یعنی اسے ناصحانہ طور پر ڈانٹے اور راس پر نکیر کرے تو اللہ تعالی بروز قیامت اس کا بہتر بدلہ دے گا بایں طور کہ اسے اس روز کی عظیم گھبراہٹ سے بچالے گا؛ کیونکہ اس نے ایک عظیم منکر پر نکیر کی ہے، لیکن اگر کوئی کسی بدعتی کی مدح وستائش کرے تو یہ نفاق ہوگا اور ساتھ ہی اللہ کے دشمن سے دوستی کرنا ہوگا۔

آگے مزید آپ نے کہا: (اور جو کسی بدعتی کو ذلیل کر دے تو اللہ جنت میں اسکے لئے سو درجات بلند کرتا ہے)۔

چنانچہ کسی بدعتی کے پاس بیٹھنا نہیں چاہیے اور نہ ہی اسکی مدح وستائش کرنی چاہیئے کہ جس سے اسکی عزت افزائی ہو، بلکہ اسکی تذلیل وتحقیر کرنی چاہیئے کیونکہ بدعتی کی رسوائی اللہ نے کی ہے اور یہ ولاء اور براء میں سے ہے۔

مزید آپ نے کہا: (اسلئے آپ کبھی بھی کسی بدعتی سے اللہ کی خاطر محبت نہ کریں)۔

یعنی بدعتوں سے دور رہیں اور اس بارے میں ذرا بھی تساہل اور نرمی سے کام نہ لیں، اسی میں آپ کے دین اور آپ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت ہے۔

خاتمہ

الحمدللہ اس کتاب سے ہم نے کافی استفادہ کیا، اس کتاب کے اندر اہل سنت والجماعہ کے اصولوں اور بہترین وصیتوں اور مفید نصیحتوں سے نوازا گیا ہے، اللہ کتاب کے مولف کو دنیاوآخرت ہر جگہ اسکا بہتر بدلہ دے، اوراس کتاب کو ہم سبھی کیلئے مفید بنائے۔

کتاب ختم ہوئی، واللہ اعلم، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔